خصوصی اشاعت بیاد

حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الإمام أبي الحسن الندوي

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

پیام عرفات

مرکز الامام أبی الحسن الندوی
دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)
www.abulhasanalinadwi.org

خصوصی شاعت یاد حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی

جلد نمبر/۵ شمارہ نمبر/۳-۵

مارچ-مئی ۲۰۱۳ء مطابق ربیع الثانی-جمادی الآخر ۱۴۳۴ھ

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ
(صدر، دارِ عرفات)

نگراں

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ
(جنرل سکریٹری، دارِ عرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی
مفتی راشد حسین ندوی ❁ عبدالسبحان ناخدا ندوی
محمود حسن حسنی ندوی ❁ محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

بے غرض داعیوں کی ضرورت

"آج عالم اسلام کو ایسے مردانِ کار کی ضرورت ہے جو صرف اسی دعوت کے پیچھے ہو رہیں، اپنا علم، اپنی صلاحیتیں اور اپنا مال و متاع اس کے لیے وقف کر دیں، کسی جاہ و منصب یا عہدہ و حکومت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں، کسی کے لیے ان کے دل میں کینہ و عداوت نہ ہو، فائدہ پہنچائیں مگر خود فائدہ نہ اٹھائیں، دینے والے ہوں لینے والے نہ ہوں، ان کا طرزِ عمل سیاسی رہنماؤں کے طرزِ عمل سے ممتاز اور ان کی دعوت و جدوجہد سیاسی تحریکات سے (جس کا مطمح نظر محض حصول اقتدار ہوتا ہے) مختلف اور جداگانہ ہو، اخلاص ان کا شعار ہو اور نفس پرستی، خود پسندی اور ہر قسم کی عصبیت سے بالاتری ان کا امتیاز!"

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
(نیا طوفان اور اس کا مقابلہ: ۲۸)

اس شمارہ کی قیمت ۶۰/روپئے (Rs. 60/-)

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِ عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔
Mail: markazulimam@gmail.com

فہرست

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
اس اشاعت کا مقصد	بلال عبدالحی حسنی ندوی	۵
اہم حالات وواقعات	سید محمد امین حسنی ندوی	۷
برادران وطن میں اسلام کا تعارف اور ہماری ذمہ داریاں	حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی	۹
عزیز القدر مولوی عبداللہ حسنیؒ	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۱۳
عزیزی عبداللہ حسنی ندوی مرحوم	مولانا واضح رشید حسنی ندوی	۱۶
مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی-اللہ کے حضور میں!	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۲۱
بزرگی بفضل است نہ بسال	مولانا محمد برہان الدین سنبھلی	۲۵
سراپا دعوت وعزیمت	مولانا عبدالعلیم فاروقی	۲۶
تعزیتی مکتوب	حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی	۲۸
مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کے اہل خانہ سے ایک تعزیتی خطاب	مولانا احمد لاٹ صاحب ندوی	۳۰
کیا لوگ تھے جو راہ وفا سے گذر گئے!	مولانا عزیز الحسن صدیقی	۳۴
مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی-چند یادیں	مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری	۳۶
خراج عقیدت (نظم)	انیس احمد انیس پرخاصوی الہ آبادی	۳۷
زیب لوح وقلم	مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری	۳۸
فکر ونظر کے چند گوشے	ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن نشاط	۴۰
وہ فیضان حق کا نمونہ تھے	مولانا محمد ریاض الدین فاروقی ندوی	۴۵
اس کی امیدیں قلیل-اس کے مقاصد جلیل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۴۶
سرمایۂ ملت کے پاسباں	قاری سید حبیب احمد باندوی	۴۹
مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی-جوار رحمت میں	مولانا عبیداللہ اسعدی	۵۰
خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود	مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی	۵۲
یاد آتی ہیں تری باتیں ترے جانے کے بعد	جناب انیس احمد انیس	۵۶
جامع اور متوازن شخصیت	مولانا نور عالم خلیل امینی	۵۸
نمونۂ سلف	مولانا محمد عمیر الصدیق ندوی	۶۲
کہکشان علم ومعرفت کے بدر منیر	مفتی جمیل الرحمٰن قاسمی	۶۵
ہمہ گریاں تو خنداں	مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی	۶۸

ایک داعی-ایک مصلح-ایک مربی	مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی	۷۱
میرے محسن و مشفق بھائی	مولانا عمار عبدالعلی حسنی ندوی	۷۵
وہ کوہ کن کی بات	بلال عبدالحی حسنی ندوی	۷۷
مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ-سراپا فیض وکمال	ڈاکٹر تابش مہدی	۸۶
دل شکستہ (نظم)	زاہد حسین جمشید پوری ندوی	۸۹
ہر لمحہ تیری یاد کا تاباں درخشاں	مولانا علاء الدین ندوی	۹۰
مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی-ایک رہبر، ایک مصلح، ایک معلم	ڈاکٹر سید راشد نسیم ندوی	۹۵
حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی-کچھ یادیں، کچھ باتیں	مولانا محمد ناظم صاحب ندوی	۹۸
دعوت وفکر کا سورج غروب ہوا	مولانا عبدالوہاب کریمی	۱۰۲
استاذ محترم مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی-چند یادیں اور کچھ باتیں	مفتی راشد حسین ندوی	۱۰۳
الوداع-مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی	مولانا عبدالسبحان ناخدا ندوی	۱۰۶
چند حسرتیں-چند آنسو	مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی	۱۱۰
مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی رحلت-ایک ناقابل تلافی نقصان	مولانا سید مشتاق علی ندوی	۱۱۷
وہ دکان اپنی سجا گئے	مولانا نیاز احمد ندوی	۱۱۹
خال معظم مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی-حیات مستعار کے چند گوشے	مولانا محمود حسن حسنی ندوی	۱۲۰
ایسا کہاں سے لائیں تجھ سا کہیں جسے	مولانا محمد قیصر حسین ندوی	۱۳۱
گلشن ندوہ کا گل سرسبد	مولانا محمد رضوان احمد ندوی	۱۳۳
ایک ستودہ صفات شخصیت	مولانا سعید الزماں ندوی	۱۳۴
شب تاریک میں قندیل رہبانی	مولانا محمد حسن ندوی	۱۳۶
جامع کمالات شخصیت	مولانا عبدالغفار ندوی	۱۳۹
کاروان انسانیت کا حدی خواں	مولانا سعود الحسن ندوی	۱۴۱
تجھ سا کہوں جسے	مولانا سید ولی حسن قادری ندوی	۱۴۹
زمانہ کہتا رہا تجھ کو آفریں پیارے	عبدالمغنی اکرمی ندوی بھٹکلی	۱۵۳
یادوں کے دریچے سے	شیخ ابرار ندوی	۱۵۴
بہاریں تم سے تھیں	مولانا خلیق الرحمٰن ندوی	۱۵۵
عالم میں تجھ سا لاکھ سہی تو مگر کہاں؟	عبدالسلام خطیب بھٹکلی ندوی	۱۵۶
مولانا مرحوم اپنے حصہ کا کام کر کے روانہ ہوئے	ڈاکٹر صباح اسماعیل ندوی	۱۶۱
مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی-ایک عظیم داعی	جمال احمد ندوی	۱۶۵
ایسے تھے ہمارے بھائی صاحبؒ	مولانا عمیر حسینی ندوی	۱۶۸
حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی-چند مشاہدات وتاثرات	محمد شعیب ندوی	۱۷۰
موت العالم موت العالم	احرار الہدیٰ شمس ندوی	۱۷۲

وہ رشک صد بہار گلستاں چلا گیا	مولانا جمال عارف ندوی	۱۷۵
علم وعرفاں کا حسین سنگم	مولانا انیس احمد ندوی	۱۷۹
گوہر شب چراغ	محمد سمعان خلیفہ بھٹکلی ندوی	۱۸۳
اک ترے جانے سے کیا بتلاؤں کیا کیا ہوگیا	شاہ اجمل فاروق ندوی	۱۸۶
دل گرمے نگاہ پاک بینے جان بیتابے	محمد اعظم ندوی	۱۹۰
ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم	محترمہ سمیہ تابش ایم،اے	۱۹۵
دور رخصت کا صاحب دعوت وعزیمت	مولانا محمد زاہد حسین ندوی جمشید پوری	۱۹۶
میرے استاذ-میرے مربی-میرے شیخ	محمد صادق ایوب ندوی بوڑیوی	۱۹۹
میرے مربی-میرے محسن	محمد رضوان نستار ندوی	۲۰۴
غیر مسلموں میں آپ کا دعوتی کام	محمد مصور عالم ندوی	۲۰۶
بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی	غیاث الاسلام صدیقی ندوی	۲۱۰
سنگ آمد سخت آمد	محمد احسن عبدالحق ندوی	۲۱۲
ہمارے مولانا	محمد مرشد حسین ندوی	۲۱۵
نگاہ کیمیا اثر	محمد عمر عثمان ندوی	۲۱۶
علم وعمل کی جامع شخصیت	محمد ظفیر الاسلام ندوی	۲۱۸
ملت کی محسن شخصیت	محمد منیر پرتاپ گڑھی	۲۲۰
وراثت انبیاء کا حقیقی وارث	سید منصور حسن حسنی ندوی	۲۲۱
ہمارے خالو میاں	سید خلیل حسنی ندوی	۲۲۳
مشفق ومربی چچا	سیدہ بشریٰ عمار حسنی	۲۲۵
میرے پیارے خالو میاں	سید رشید احمد حسنی ندوی	۲۲۹
داعی اور مصلح شخصیت	ارشد علی ولی اللہی ندوی	۲۳۰
مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ تجھے	سید شعیب حسینی ندوی	۲۳۲
آسماں تیری لحد پر شبنم فشانی کرے	محمد سالم منصور پوری	۲۳۴
حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی-اپنے ملفوظات کے آئینہ میں	عبدالہادی اعظمی ندوی	۲۳۷
حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی-ایک مثالی استاذ	عبدالرحمٰن ندوی	۲۳۸
حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کا اسلوب خطابت	احسن ایوبی	۲۳۹
اب انہیں ڈھونڈو ان چراغ رخ زیبا لے کر	محمد ریحان غزالی بستوی	۲۴۱
دین حق کا ترجمان	سید محمد مکی حسنی ندوی	۲۴۳
کہکشاں کی انجمن میں ماہ تمام	محمد نفیس خاں ندوی	۲۴۴
تعزیتی مکتوبات	ادارہ	۲۴۷
افادات حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ	جناب عبداللہ پرتاپ گڑھی	۲۵۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس اشاعت کا مقصد

اداریہ

بلال عبدالحی حسنی ندوی

پیام عرفات کا یہ مشترک شمارہ داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی شخصیت اور دعوت وفکر سے بھرپور ان کی عملی زندگی کے مختلف گوشوں پر مشتمل ہے، مولانا نے گرچہ عمر زیادہ نہیں پائی لیکن انہوں نے اپنی خاموش جدوجہد سے وہ مقبولیت ومحبوبیت حاصل کی جو طویل العمر علماء ومشائخ کو حاصل ہوتی ہے، ان کی یہ صفات اور کمالات کام کرنے والوں کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اور اس میں دعوت واصلاح میں مشغول ہونے والوں کے لیے حکمت وموعظت کا بڑا سامان ہے۔ انہوں نے اپنے کام کا میدان خاص طور پر اپنے ہی ملک کو بنایا اور اس کے لیے مختلف میدانوں میں ہر ممکن کوششیں کیں، ان کوششوں کا اصل محور دین خالص کی دعوت ہے، جس کو انہوں نے غیروں میں پیش کیا اور اپنوں میں بھی، اور اس کے لیے انہوں نے حکمت ودعوت کے وہ راستے اختیار کیے جو اس کام کے لیے ضروری ہیں، ان کی مساعی کے نتائج بھی ملک کے طول وعرض میں سامنے آنے لگے تھے، انہوں نے جس اخلاص کے ساتھ یہ کام کیا اس سے امید ہے کہ ان کی یہ محنتیں ضرور رنگ لائیں گی، ملک کے حالات بدلیں گے اور لوگوں کو ان کا کھویا ہوا راستہ ملے گا۔

پیش نظر شمارہ کی اشاعت اسی مقصد کو سامنے رکھ کر کی جارہی ہے کہ مولانا کی یہ فکر وکڑھن شاید کسی کو تڑپا جائے، شاید کسی دل میں دبی چنگاری خرمن باطل کے لیے شعلۂ جوالہ بن جائے، شاید دلوں میں پھر وہ سودا سما جائے جو دم توڑتی انسانیت کی رگوں میں نیا خون ڈال دے۔

مضامین بڑوں کے بھی ہیں اور چھوٹوں کے بھی، برابر والوں کے بھی ہیں اور رفقائے کار کے بھی، ان سب مضامین میں قدر مشترک دلوں میں مولانا کی وہ محبت ہے جو مضمون نگاروں نے صفحات میں بکھیرنے کی کوشش کی ہے، ظاہر ہے کہ یہ صرف ایک کوشش ہے، محبت ایسی چیز نہیں جو صفحات پر بکھیری جاسکے، وہ تو دلوں کے نہاں خانوں میں بسیرا کرتی ہے، پھر اس سے دلوں کی کھیتیاں شاداب ہوتی ہیں، مولانا محبّ بھی تھے اور محبوب بھی، ان کا دل سراپا محبت تھا، جو ایک ایک فرد کے لیے کڑھتا تھا، اسی چیز نے ان کو محبوبیت عطا کی تھی اور قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق بنادیا تھا: إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات سيجعل لهم الرحمٰن وداً.

شاید اسی محبوبیت کا نتیجہ ہے کہ آج یہ شمارہ آپ کے سامنے ہے، ہمارے رفقائے کار نے جس مسلسل محنت سے اس کو تیار کیا ہے یہ محبت ہی کا کرشمہ ہے، جی تو چاہتا ہے کہ ایک ایک کا نام لے کر اس کے لیے دعا کی جائے اور اظہار تشکر کیا جائے لیکن شاید کسی کی حق تلفی سے توازن قائم نہ رہ سکے، اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے وہ دل کے رازوں سے واقف ہے، وہی ان سب محبت کرنے والوں کو بہتر بدلہ عطا فرمائے۔

اس شمارہ میں مولانا کی وہ فکر انگیز تحریر بھی شامل کرلی گئی ہے جو مولانا نے غیر مسلموں میں دعوت کا کام کرنے کے سلسلہ میں تحریر فرمائی تھی، اس میں دعوت دین کے اہم اصول آگئے ہیں۔ اخیر میں حکمت وموعظت سے بھرپور وہ باتیں بھی جمع کردی گئی ہیں جو مولانا نے مختلف موقعوں پر مجلسوں میں فرمائیں، اور ان میں بھی دعوتی کام کرنے والوں کے لیے نصیحت کا بڑا سامان ہے۔ تعلق رکھنے والی بعض شخصیات کے تعزیتی مکتوبات کے اہم اقتباسات بھی شامل کرلیے گئے ہیں، جن سے دلوں میں مولانا کی اور ان کے کام کی قدر ومنزلت کا اندازہ ہوتا ہے، لیکن یہ سب اس لیے ہے کہ شاید کسی پڑھنے والے کے دل میں دعوت کا وہ جذبہ پیدا ہوجائے جو مولانا کا امتیاز تھا، اور شاید وہ مردان کار امت کے ہاتھ آئیں جن کی امت کو ضرورت ہے۔

شانِ خط

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب صدر عالی قدر

معاملہ فہم گرامی نگر

محترم حاضرین مجلس

ہم آج آپ کے پیام انسانیت فورم کی طرف سے استقبال کرتے ہیں، انسانوں کو انسانیت کا پیغام دینا یہ خود ہماری اپنی کمزوری کی دلیل ہے، مگر یہ زندگی کی بھی علامت ہے، اگر بیمار کو بیماری کا احساس ہو اور علاج کی فکر تو اس سے امید لگائی جا سکتی ہے لیکن اگر بیمار اپنی بیماری سے بے فکر ہو تو اس کا خدا ہی حافظ ہے، کیونکہ وہ دم توڑ دے گا اور مردوں کی فہرست سے نکلکر مردوں میں شامل ہو جائے گا،

میرے بزرگو! ہم سب اس وقت اسی احساس کے ساتھ جمع ہوئے ہیں، کہ ایک دوسرے کو آگاہ کریں اور اپنی صحت و عافیت پر آمادہ کیونکہ اس وقت ہمارا سماج، ہماری سوسائٹی اور ہمارے ماحول نے نئی کروٹ لے لی ہے اور وہ باتیں سامنے آنے لگی ہیں جنکا تصور بھی ہمارے ملک کے رہنے والے ماضی قریب میں بھی نہیں کر سکتے تھے، جو ہمارے پورے ملک کے لئے خطرہ کی گھنٹی ہے،

حضرت مولانا عبیداللہ حسنی ندویؒ

اہم حالات و واقعات

سید محمد امین حسنی ندوی

پیدائش ۲۹ جنوری ۱۹۵۷ء- وفات ۳۰/ جنوری/ ۲۰۱۳ء

۱۹۶۱ء- ابتدائی تعلیم کا آغاز اور دادا مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کی وفات۔

۱۹۶۶ء- معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ۔

۱۹۷۴ء- جمعیۃ الشباب الاسلام کا قیام اور اس کے رکن اساسی منتخب، مولانا سید سلمان حسنی ندوی کے ساتھ مختلف اضلاع کا دعوتی دورہ۔

۱۹۷۵ء- دارالعلوم ندوۃ العلماء سے عالمیت کی تکمیل اور ندوۃ العلماء بین الاقوامی تعلیمی کانفرنس میں شرکت۔

۱۹۷۷ء- دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بحیثیت ادب عربی کے استاد کی تقرری۔

۱۹۷۹ء- والد ماجد مولانا سید محمد الحسنی کی وفات، پندرہ روزہ الرائد سے وابستگی اور ادارتی ذمہ داری، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کے ساتھ حرمین شریفین کا سفر، پھر قطر میں بین الاقوامی سیرت کانفرس میں شرکت۔

۱۹۸۰ء- حرمین شریفین کا دوسرا سفر اور عمرہ کی ادائیگی۔

۱۹۸۲ء- شیخ و مرشد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور عم مکرم مولانا سید محمد ثانی حسنی کا انتقال۔

۱۹۸۳ء- مولانا سید سلمان حسینی ندوی کے ساتھ ملیشیا کا ایک سفر۔ دائرۂ شاہ علم اللہؒ تکیہ کلاں، رائے بریلی کی مسجد میں رمضان المبارک کے موقع پر درس حدیث کا آغاز۔

۱۹۸۶ء- مولانا سلمان حسینی ندوی کے ساتھ شارقہ کا سفر۔

۱۹۹۳ء- والدہ ماجدہ کا انتقال۔

۱۹۹۶ء- مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اپنی جگہ عیدین کے خطبہ کے ذمہ داری ڈالی۔

۱۹۹۷ء- مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ پر ایک بین الاقوامی سیمینار میں شرکت۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں فتنۂ قادیانیت پر عالمی سیمینار، اور اس میں شرکت۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے ساتھ کانپور کی تحفظ ختم نبوت کانفرنس میں شرکت۔

۱۹۹۸ء- دینی تعلیمی کونسل کی ایک کانفرنس مین ایک شرکت۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی رفاقت میں جودھپور کا سفر اور پیام انسانیت کے اجلاس سے خطاب۔

۱۹۹۹ء- دبئی میں بین الاقوامی جائزہ قرآن میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے ساتھ شرکت۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے چاروں سلسلوں کی خلافت دی۔

۲۰۰۰ء- حجاز مقدس اور جنوبی افریقہ کا حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے ہمراہ ایک دعوتی سفر۔

۲۰۰۳ء- رمضان المبارک میں عمرہ کے لیے حجاز مقدس کا سفر۔ مسجد نبوی میں اعتکاف۔

۲۰۰۶ء- مدرسہ مظہر الاسلام لکھنؤ کی ذمہ داری۔ تحریک پیام

انسانیت کے جنرل سکریٹری منتخب۔

۲۰۰۹ء- روندرالیہ آڈیٹوریم چار باغ لکھنؤ میں عظیم الشان پیام انسانیت کا اجلاس اور اس میں خطاب۔ ندوۃ العلماء میں کلیہ دعوت وارشاد کی ذمہ داری۔ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے رکن منتخب۔

۲۰۱۰ء- رکن پور رائے بریلی میں پیام انسانیت کے ایک اہم جلسہ میں شرکت۔ عروس البلاد ممبئی کا ایک سفر۔ ڈاکٹر شیوانند جی پولیس کمشنر ممبئی اور شری آنند پانڈے جی، نائب صدر وشو ہندو پریشد کو انسانیت کی دعوت۔ پرتاپگڑھ کا سفر اور پیام انسانیت کانفرنس میں شرکت۔ مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی روناہی فیض آباد کے زیر انتظام ایک پیام انسانیت کے جلسہ میں شرکت۔ مرادآباد کا ایک اہم سفر۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں فضیلت ثانی میں حجۃ اللہ البالغہ کا درس آپ کے سپرد ہوا۔ العافیہ چریٹیبل ٹرسٹ کی بنیاد رکھی۔

۲۰۱۱ء- سلطان پور کا اہم سفر۔ منشی پلیا لکھنؤ میں پیام انسانیت کانفرنس۔ مولانا سید محمد رابع حسنی کے ساتھ جنوبی ہند کرناٹک کیرالہ کا ایک اہم سفر۔ بھٹکل، منی پور کا ایک اہم سفر۔

۲۰۱۲ء- کچھ افراد خاندان کے ساتھ حج کا مبارک سفر۔ ہندوستان میں مغربی ریاستوں کا ایک دورہ۔ علالت کا آغاز۔

۲۰۱۳ء- کاندھلہ میں بغرض علاج کچھ دن قیام۔ کاندھلہ سے واپسی اور سحر نرسنگ ہوم میں داخلہ۔

۱۷/ ربیع الاول/ ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۰/ جنوری/ ۲۰۱۳ء صبح گیارہ بجے سحر نرسنگ ہوم لکھنؤ میں وفات۔

ندوۃ العلماء میں بعد نماز مغرب پہلی نماز جنازہ، پھر تکیہ میں بعد نماز عشاء دوسری نماز جنازہ اور تدفین۔

ذکر الٰہی کے ثمرات

''استحضار کے ساتھ اللہ کی عبادت ہوگی تو اس کے ثمرات ظاہر ہوں گے، سب سے بڑا فائدہ اللہ کے ذکر کا یہ ہوگا کہ اللہ کی ذات پر یقین پختہ ہوگا، اللہ پر توکل بڑھے گا، اللہ سے محبت بڑھے گی، اللہ کی محبت سے، یقین سے، توکل سے ہمارا دل سرشار ہوجائے تو مکمل کامیابی ہوگی، دنیا کی کامیابی' آخرت کی کامیابی ہمیں حاصل ہوجائے گی، اللہ کو یاد کرنے سے، اللہ کا ذکر کرنے سے لذت آنے لگے گی، بڑی سے بڑی پریشانی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے گا، اس کا یقین ہوگا کہ جو کچھ ہورہا ہے اللہ کے حکم سے اور اس کی مشیت سے ہورہا ہے، کبھی بھی اس کا ایمان اور توکل متزلزل نہیں ہوگا۔''

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندوی

برادرانِ وطن میں اسلام کا تعارف اور ہماری ذمہ داریاں

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندوی

یہ بات طے ہے کہ ہندوستان کا مسلمان اب کسی اور ملک کی طرف سفر کرنے والا نہیں ہے بلکہ وہ ایک اچھے اور مفید شہری کی حیثیت سے زندگی گزارنے کا اعلان کر چکا ہے، لیکن صرف طے کر لینے یا اعلان کر دینے سے مسئلے حل نہیں ہو جاتے اور نہ استحقاق ثابت کیا جا سکتا ہے، اس کے لیے فکر کرنا اور ضروری اسباب اختیار کرنا لازمی ہے۔

ہندوستان کو اللہ تعالیٰ نے بعض ایسی صفات سے نوازا ہے جو کم ملکوں میں پائی جاتی ہیں، اس میں پریم و محبت ہے، بھلی بات کی قدر ہے، احترام و تواضع ہے اور مل بیٹھ کر ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے اور اس میں تعاون کرنے کا جذبہ ہے، ایسے ملنسار اور پریمی زمین میں اللہ نے اپنے محبوب و مقبول بندوں کو بھیجا تا کہ وہ ایسی سرزمین میں بسنے رہنے والی قوم کو اللہ کی وحدانیت اور رسول کی رسالت سے روشناس کرائیں تا کہ ان صفات میں مزید نکھار پیدا ہو اور اس سے مزید ہزاروں انسانیت کے چراغ روشن ہوں، ان اللہ کے نیک بندوں نے دعوت کا کام اپنی طاقت و استعداد سے کچھ آگے ہی بڑھ کر کیا جس کا مشاہدہ ہم کھلی آنکھوں کر رہے ہیں، سندھ میں مسلمانوں کی آمد سے آج تک نہ جانے کیسے کیسے حسین و خوشنما پھولوں نے اس گلستان ہند کو معطر کیا، اور اب بھی اس میں کتنے ہی دلکش و دلآویز پھول اپنی مہک سے اس کو عطر بیز کرنے کی فکر میں ہیں۔

دعوت کی اہمیت: اسی دعوت کے لیے اللہ نے اپنے پیغامبر بھیجے جنہوں نے بے کم و کاست دعوت کا حق ادا کیا، حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت رسول پاک ﷺ تک بے شمار رسول آئے، سب نے توحید کی شمع روشن کی اور اللہ کی معرفت کے لیے راہ ہموار کی، کسی کی صدا پر زیادہ انسانوں نے لبیک کہا اور کسی آواز پر کم لوگ آئے، اللہ کی حکمت کا تقاضا اور مشیت کا فیصلہ یہی تھا، کیونکہ دلوں کی دنیا میں تصرف اس نے صرف اپنے ہاتھ میں رکھا ہے، حدیث میں آتا ہے بندوں کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں ہیں، ان کو جدھر چاہے پھیر دے (مشکوٰۃ) اور قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿إنك لا تهدي من أحببت و لكن الله يهدي من يشاء﴾ (تم جس کو پسند کرو اس کو ہدایت نہیں دے سکتے اور لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا فرما دیتا ہے)۔ اسی کے ساتھ ساتھ دعوت کا کام غیر مسلموں میں کرنے کی تاکیدی حکم بے شمار قرآنی آیات میں اور بہت سی حدیثوں میں دیا گیا ہے اور اس کے فضائل بھی بہت بیان کیے گئے ہیں، اس لیے ہماری ذمہ داری دعوت دینا ہے، اور ہدایت دینا اللہ تعالیٰ مرضی میں ہے، ہم کو تو بس اتنا حکم ہے کہ اسلوب و زبان اور حالات کے تقاضوں کو سمجھ کر دعوت کا کام کریں، اگر اوپر ہدایت کے فیصلے ہو چکے ہیں تو نتائج محنت سے کہیں بڑھ کر سامنے آئیں گے۔ حضرت علیؓ کو مخاطب کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: تمہارے ذریعہ سے اللہ کسی فرد واحد کو ہدایت فرما دے وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے (سرخ اونٹ اس زمانہ کے معیار سے اعلیٰ ترین چیز تھے)۔

ان تمام باتوں کو سوچتے ہوئے ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ دعوت و ہدایت کی کوشش اپنی استعداد و صلاحیت اور امکانی و سائل کے ذریعہ کرے، اور خاص طور سے ہندوستان کی موجودہ صورت حال کا تقاضا اور ماحول کا مطالبہ یہ ہے کہ ہر ہندوستانی مسلمان اپنی دعوتی حیثیت کو اُجاگر کرے، اور پورے ہندوستان کو میدانِ دعوت سمجھ کر کام شروع کر دے کیونکہ اگر اس نے اس دعوتی خلا کو اپنی دعوتی حیثیت کو اجاگر کر کے پُر نہ کیا تو کوئی دوسرا اس خلا کو پُر کرنے کے لیے اٹھے گا اور اس طرح بہت ہی قیمتی موقع ہاتھ سے جاتا رہے گا اور عرصہ تک کے لیے دعوت کا دروازہ بند ہو جائے گا، اس کے لیے ہمارا

مندرجہ ذیل باتوں اور طریقوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی صلاحیت اور حیثیت کے اعتبار سے میدان عمل میں آجانا ضروری ہے۔

اسلامی نمونہ: سب سے زیادہ کامیاب، مفید اور تیر بہ ہدف طریقہ برادران وطن کے سامنے اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ اور اسلامی تعلیمات کی جیتی جاگتی تصویر پیش کرنا ہے، یہ طریقہ پہلی صدی سے آج تک اپنی کامیابی میں بے نظیر رہا ہے، جب بھی اس طریقہ سے کام لیا گیا دلوں کی دنیا بدل گئی، سوسائٹی کا نقشہ تبدیل ہوگیا، دشمن دوست ہوگئے، بیگانے اپنے بن گئے، اور دیکھتے دیکھتے کفر وشرک کی گندی بستی میں رہنے والے اسلام وایمان کے گلشن کے جانفزا اور روح پرور جھونکوں سے جھوم گئے اور اچانک موسم خزاں موسم بہار میں بدل گیا، سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد جتنے لوگ اسلام میں داخل ہوئے اس سے پہلے نہیں ہوئے تھے کیونکہ اس صلح کے زمانے میں مکہ کے مشرکین کو اور دوسرے مقامات کے غیر مسلموں کو مدینہ منورہ کی پاکیزہ بستی کے پاکیزہ اخلاق دیکھنے کا قریب سے موقع ملا، ذہن کی گرہیں کھل گئیں، اسلام کی حقانیت روشن ہوگئی، اب کیا تھا جوق در جوق لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے اور چند ہی دنوں میں لاکھوں انسانوں کا ایک سمندر تیار ہوگیا کیونکہ ہر شخص اپنا بھلا چاہتا ہے، ان کو اپنی بھلائی اسی میں نظر آنے لگی، یہی واقعات صحابہ کرام کے ساتھ پیش آئے، وہ جہاں گئے وہاں کی دنیا بدل دی، شمشیر کے زور پر نہیں اپنے عقیدہ کی پختگی سے، اخلاق کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی سے، عدل و انصاف اور مساوات سے، اس کے بعد اور اس طرح چند سالوں میں دنیا کے بڑے حصہ میں اسلام کا نام روشن اور کام نمایاں ہوگیا، یہی طریقہ ان کے غلاموں نے اپنایا اور اپنے اپنے زمانہ اور علاقہ میں اس سے خوب فائدہ پہنچایا، یہاں تک کہ مختلف قافلے ہندوستان پہنچے اور یہاں بھی انہوں نے اپنے اسلاف کے طریقہ کو اختیار کیا اور مختصر عرصہ میں توحید کے علم برداروں اور رسالت کے متوالوں کا ایک جم غفیر تیار ہوگیا، حضرت شیخ معین الدین چشتی آئے اور لاکھوں انسان آپ کے ذریعہ مشرف بہ اسلام ہوئے، حضرت سید علی ہمدانیؒ نے اپنے رفقاء کے ساتھ کشمیر کا تین مرتبہ دورہ کیا، پورا کشمیر گرویدہ ہوگیا اور اسلام کا کلمہ پڑھنے لگا، اسی طرح نہ جانے کتنے اللہ کے بندے آئے اور پورے پورے علاقے کو اسلام کے نور سے منور کر گئے، اخیر میں حضرت سید احمد شہیدؒ اپنے قافلہ کے ساتھ نکلے تو چالیس ہزار آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے، اور تیس لاکھ انسانوں نے توحید وسنت کی راہ اختیار کی اور جو لوگ بالواسطہ متاثر ہوئے ان کی تعداد خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ایک قابل توجہ بات: قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ طاقت وصلاحیت سے زیادہ کا حکم نہیں دیا، ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم جس زمانہ میں ہو اگر دسواں حصہ چھوڑو گے جس کا تم کو حکم دیا جارہا ہے تو تم ہلاک ہوجاؤ گے، ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اگر اس زمانہ کے لوگ جس کا ان کو حکم دیا گیا ہے اس کے دسویں حصہ پر بھی عمل کرلے جائیں گے تو نجات پاجائیں گے۔ اس لیے اب کام زیادہ آسان ہے، اور اگر خدا کا فیصلہ ہوچکا ہے تو ہدایت کی ہوائیں چلنے میں دیر نہیں لگے گی، حدیثوں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اسلام کا نور ہر گھر میں پہنچ کر رہے گا۔

کیا عجب ہے کہ ہندوستانی برادری کی اتنی بڑی تعداد کی قسمت میں ہدایت کا نور پہنچ گیا ہو، جس کے ظہور کا وقت آرہا ہو، جس کی طرف اشارے ہمارے ہندوستان کے چوٹی کے بزرگ اور اللہ کے محبوب بندے کرچکے ہیں، خاص طور سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے اپنے مکتوبات میں اور حضرت سید احمد شہیدؒ نے اپنے ملفوظات میں کہیں صراحتاً اور کہیں اشارۃً ہندوستان میں دین اسلام کی ترقی کی امید ظاہر کی ہے، بس دعوتی کام کے سلسلہ میں مزید دو باتیں ذہن میں تازہ رکھنے کی ہیں:

بعض لوگ یہ شکایت کرتے نظر آجاتے ہیں کہ ماضی میں اگر اجتماعی منظم کام کیا جاتا تو آج ہندوستان کا نقشہ کچھ اور ہوتا، اور اتنی پریشانیاں ہم کو نہ اٹھانی پڑتیں، اللہ کے سارے کام حکمت پر مبنی ہوتے ہیں، معلوم نہیں اس میں کیا کیا حکمتیں ہوں گی لیکن یہ ہماری خوش نصیبی معلوم ہوتی ہے کہ ہم کو کام کا میدان ملا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس ہدایت عامہ کے لیے قبول فرمالیا اور کچھ بندوں کو ہم نے صحیح راہ پر لگا دیا تو اس کے اجر وثواب کا ہم اندازہ نہیں کرسکتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم اسلام کی تعلیمات کو اپنا کر یا اسلام پر جتنا کچھ ہم عمل کررہے ہیں اس کو صحیح نیت کے ساتھ دوسروں کے

سامنے بھی رکھیں اور اسلام کی کسی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ سنت سے شرمائیں نہیں، معلوم نہیں اس کو کون سی ادا پسند آجائے کیونکہ اسلام کی ساری ادائیں دلفریب و دلنواز ہیں، چند نومسلموں کے تأثرات پڑھنے سے اندازہ ہوا کہ بظاہر معمولی چیز بھی اسلام کا سبب بن سکتی ہے، کسی کے دل کو نماز کے دلفریب منظر نے مسخر کیا اور کسی کو معاملات کی ستھرائی نے گرویدہ بنایا، کسی کو قرآن کے معجزانہ کلام نے اپنا بنایا، کسی کو اسلام کے مکمل و محکم نظام نے اپنے طرف کھینچ لیا، اس لیے ہمارا کام اسلام کی تعلیمات پیش کردینا ہے، اگر ہدایت کا فیصلۂ خداوندی ہو چکا ہے تو نتائج بہت ہی عمدہ اور خوش کن نکلیں گے۔

پیام انسانیت: سرزمین ہندوستان کو ہموار کرنے اور یہاں والوں کے دلوں کو تیار کرنے میں 'پیام انسانیت' تحریک بہت مؤثر رول ادا کرسکتی ہے بلکہ یہ تحریک دعوتی کام کو کامیاب بنانے میں بہت ہی مفید اور نفع بخش کردار ادا کرسکتی ہے، تحریک کے داعی اول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اپنے انٹرویو میں یہ بات کہی تھی کہ "پیام انسانیت کی تحریک ملک کے تمام دینی تعلیمی علمی کوششوں اور تحریکوں کے لیے ایک حصار کی حیثیت رکھتی ہے"۔

خاص طور سے آج کل کے حالات کی ابتری اخلاق کی انارکی اور خون انسانی کی ارزانی کو دیکھتے ہوئے اس کی اہمیت میں اور اضافہ ہوگیا ہے، اس اہم ضرورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولاناؒ نے ایک تقریر میں فرمایا تھا:

"اغراض و تعصبات، قوم پرستی اور سیاسی مقاصد سے بالکل آزاد اور بے تعلق ہوکر عام انسانوں کے سامنے وہ حقیقتیں رکھی جائیں جن پر انسانیت کی نجات اور سلامتی موقوف ہے، اور جن کو نظر انداز کرکے ہمارا یہ پورا تمدن اور انسانی سوسائٹی اس وقت سخت خطرے سے دوچار ہے اور موت و زیست کی کشمکش میں گرفتار ہے، یہ حقیقت اپنے اپنے زمانے میں پیغمبروں نے بیان کی تھی اور ان کے لیے سخت جد و جہد کی تھی، یہ حقیقتیں ابھی زندہ ہیں لیکن سیاسی تحریکوں، مادی تنظیموں اور قومی خودغرضیوں نے گرد و غبار کا ایسا طوفان کھڑا کردیا ہے کہ یہ روشن حقیقتیں ان کے اوٹ میں اوجھل ہوگئی ہیں لیکن انسانی ضمیر ابھی مردہ اور انسانی ذہن ابھی مفلوج و معطل نہیں ہوا ہے، اور پوری بے غرضی، پورے یقین اور خلوص کے ساتھ ان حقیقتوں کو عام فہم اور دل نشین انداز میں بیان کیا جائے تو انسانی ضمیر و ذہن اپنا کام کرنے لگتا ہے، اور بڑی گرم جوشی سے ان حقیقتوں کا استقبال کرتا ہے اور بعض وقت تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان تقریروں میں اس کے دل کی ترجمانی اور اس کے درد کا مداوا ہے"۔

اس مختصر اور جامع اقتباس سے تحریک کی اہمیت و افادیت اور اس کی معنویت پوری طرح واضح ہوجاتی ہے لیکن ذہن و دماغ میں افادیت و اہمیت کا واضح ہوجانا کافی نہیں بلکہ اس کے لیے اپنی استعداد اور امکانات کی حد تک آگے بڑھانے کی بھی ضرورت ہے، جس کے لیے مندرجہ ذیل کام کرنے ہوں گے:

۱- تحریک کا جو لٹریچر تیار ہو چکا ہے، اس کو ہمہ وقت اپنے پاس رکھنا، سفر میں، حضر میں اور برابر ایسے لوگوں سے ملتے رہنا جو اس سے اتفاق کرتے ہوں اور ان کو لٹریچر فراہم کرنا اور آفس پیام انسانیت P.O.Box 93 لکھنؤ سے حاصل کرنا اور اگر ممکن ہو تو اس میں سے کسی کتابچہ کا انتخاب کرکے مقامی زبان میں چھپوا کر تقسیم کرادینا اور برابر اس کام کو جاری رکھنا۔

۲- جب پیام انسانیت کے لیے مختلف حضرات کے دورے ہوں تو ان کا بھرپور تعاون کرنا اور خاص طور سے غیر مسلموں سے پہلے سے رابطہ قائم کرکے ایسے جلسوں میں شرکت کے لیے آمادہ کرنا۔

۳- کچھ فعال اور مخلص کارکنوں کا انتخاب کرکے مختلف علاقوں میں جاکر تحریک کا تعارف کرانا اور اس کے لیے کوئی مخصوص جگہ متعین کرکے اس کا مذاکرہ کرنا اور اس کے لیے مخلص و سمجھدار علماء کو تقریر کی دعوت دینا۔

۴- مختلف پسماندہ علاقوں اور شہر سے دور دیہاتوں میں مختلف کیمپوں کا انتظام کرنا اور اس کے سلسلہ میں مقامی و بیرونی ڈاکٹروں سے رابطہ قائم کرکے ان سے تعاون لینا جس میں انشاء اللہ بڑی کامیابی ہوگی، اس کا تجربہ بھی بعض علاقوں میں کیا گیا جو بہت کامیاب رہا اور اس کے بہت اچھے نتائج سامنے آئے۔

مظلوم کی مدد اور کچلے ہوئے طبقوں سے ہمدردی: ہمارے اس ملک کی زیادہ آبادی ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو ہزاروں سال سے کچلے جارہے ہیں اور ان کے ساتھ ناروا سلوک کیا جارہا ہے، کوئی ظلم ایسا نہیں جو ان پر کیا نہیں گیا اور خاص

طور سے ایک طبقہ برابر ان کا استحصال کرتا رہا ہے اور برابر وہ اس استحصال کو قائم رکھنا چاہتا ہے، پہلی مرتبہ ہندوستان کے بادشاہ قطب الدین ایبک نے ان کو شہر میں داخلہ کی اجازت اور رہنے کی سہولت دی تھی ورنہ اس سے قبل سورج غروب ہونے سے پہلے فصیل شہر سے باہر چلا جانا ان کے لیے ضروری تھا، جانوروں کی سی زندگی گزارتے گذارتے وہ غلامی کے ایسے خوگر ہو گئے تھے کہ بلند ہمتی اور خودداری جیسی انسانی صفات سے بالکل خالی ہو گئے تھے لیکن اب زمانہ نے کروٹ لی ہے، کچلے پسے مظلوم اٹھنے کی کوشش کرنے لگے ہیں، ہمارے ملک کی یہ طبقاتی کشمکش جو دو ہزار دو سو ستائس خاندانوں میں بٹی قوم کی کشمکش ہے پھر سے نئے حوصلے کے ساتھ اٹھ رہی ہے، اس وقت ان کو نئے سہارے کی ضرورت ہے، نئی پشت پناہی کی ضرورت ہے، نئے ہاتھ کی ضرورت ہے، لیکن پوری حکمت و دانائی کے ساتھ، مکمل چوکسی اور ہوش مندی کے ساتھ اور پورے خلوص اور ہمت کے ساتھ، آج ان کی نظریں ہماری طرف اٹھ رہی ہیں لیکن جھجک کے ساتھ، ہاتھ ہماری طرف بڑھ رہے ہیں لیکن تحفظ کے ساتھ، قدم ہماری طرف اٹھ رہے ہیں لیکن ہچکچاہٹ کے ساتھ، اس کے بھی اسباب ہیں جو ہمارے ماضی میں بکھرے ہوئے ہیں جن کو دوہرانے کا فائدہ نہیں، ہمارا کام مستقبل پر نظر رکھتے ہوئے قرآن و سنت اور سیرت نبوی کی روشنی میں آگے بڑھنا ہے۔

اس طبقاتی کشمکش کا گہرائی سے مطالعہ کر کے اس کے لیے لائحہ عمل تیار کرنا اور جو ہمیشہ کچلے گئے ان کے شعور کو بیدار کرنا ان کے اندر خود اعتمادی پیدا کرنا، اپنا حق لینے کا جذبہ پیدا کرنا، اور اس سلسلہ میں ان کا ہر ممکن تعاون کرنا اور تمام امکانی وسائل پوری سرگرمی اور محنت سے اس کے لیے استعمال کرنا۔

آج کل فرقہ واریت کا جو طوفان کھڑا کیا گیا ہے اس کے پیچھے بھی جو عوامل کارفرما ہیں ان میں سب سے اہم اور بنیادی سبب اس استحصال کا باقی رکھنا ہے، تاکہ جس طرح ایک طبقہ ہمیشہ تخت و سلطنت کا وارث رہا ہے وہ اسی طرح وراثت پاتا رہے اور حقیقی وارث محجوب ہی رہیں اور محرومی کی زندگی گزارتے رہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ داعیانہ جذبہ نہ ہونے اور اسلام کو صحیح نہ سمجھنے کی وجہ سے مسلمانوں کا ایک طبقہ ان کو وہ ہمدردی اور تعاون نہ دے سکا جو ان کا حق تھا، بلکہ وہ مسلمان طبقاتی کشمکش میں خود مبتلا ہونے لگا حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی جاہلیت زدہ ذہنیت کو پوری طرح کچلنے اور ختم کرنے کی کوشش فرمائی تھی، صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے پاس دو غلام بھاگ کر آ گئے اور مسلمان ہو گئے، ان کے آقاؤں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس لکھا کہ اے محمد یہ تمھارے دین کے خواہش میں مسلمان نہیں ہوئے ہیں بلکہ اپنی غلامی سے بچنے کی خاطر یہ راستہ اختیار کیا ہے، کچھ مسلمانوں نے اس بات کی تائید کی اور ان کو واپس بھیج دینے کی سفارش کی، رسول اللہ ﷺ یہ سن کر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: اے قریشیو! تم باز آنے والے نہیں معلوم ہوتے جب تک اللہ تعالیٰ کسی ایسے کو تم پر مسلط نہ کر دے جو تم کو اس طرح کی باتوں پر تہہ تیغ کرے اور آپ ﷺ نے ان کچلے مظلوم غلاموں کو واپس بھیجنے سے انکار کر دیا نیز فرمایا یہ اللہ کے آزاد کردہ ہیں۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ)

آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو یہ پیغام دیا تھا کہ انسان انسان ہے چاہے کسی طبقہ یا برادری سے تعلق رکھتا ہو اگر وہ ہمارے پاس آتا ہے اور اسلام قبول کرتا ہے تو اس کا درجہ کسی سے کم نہیں، لیکن ہم برادرانِ وطن سے متاثر ہونے کی وجہ سے ایسا کرنے سے اب تک قاصر رہے، اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طبقہ جو اپنی ہوشیاری اور مکاری سے ان کچلے ہوئے طبقوں کا غلط فائدہ اٹھا رہا تھا وہ اسی طرح مسلمانوں کے خلاف ان کو استعمال کرتا رہا جس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ مسلمان انہی کم پڑھے لکھے لوگوں کو اپنا حریف تصور کرنے لگے، اور ان کے دماغوں میں ایک کانٹا چبھ گیا کہ ان سے خیر کی امید نہیں ہے، مسلمانوں کے ذہن سے یہ بات دور ہونے لگی کہ سب آدم کی اولاد ہیں، سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، مظلوم کا ساتھ دینا اور کمزور کا ہاتھ بٹانا اسلام کا خاص پیغام ہے، مکر و فریب میں گرفتار لوگوں کو نکال کر شاہراہ معرفت پر لگانا بہت بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔

الحمد للہ اب مسلمانوں میں اس کا شعور بھی پیدا ہو چلا ہے لیکن ابھی رفتار میں سستی اور تعاون میں کمی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے کام کے لیے قبول فرمالے اور ہم کو ذریعۂ ہدایت بنا کر ہم کو اپنے خاص فضل سے نوازے (آمین)۔

عزیز القدر مولوی عبداللہ حسنیؒ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

برادر زادہ عزیز عزیز القدر مولوی سید عبداللہ حسنی ندوی مرحوم حسنی خاندان کی اس شاخ سے ہیں جو کئی پشتوں سے علم دین کی خدمت کا امتیاز رکھتی رہی ہے، ان کے والد مولانا سید محمد الحسنیؒ عربی اور اردو دونوں زبانوں کے ذریعہ صحیح فکر اسلامی کی صرف ترجمانی ہی نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی اشاعت اور اسلام دشمن فکر کا مقابلہ مؤثر اسلوب میں کرتے تھے، اور عربی ماہنامہ اور ایک اردو پندرہ روزہ پرچہ کی ایڈیٹری بھی کرتے تھے، عمر انہوں نے کم پائی لیکن اس کم عمری میں بڑا کارنامہ انجام دیا، انہوں نے اپنے چچا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے مفکرانہ اور داعیانہ جدوجہد کے طرز کو اختیار کیا تھا اور ان کے صحیح جانشین بننے کے لائق ہوگئے تھے، لیکن مقدر میں ان سے پہلے جانا تھا لیکن اپنے دائرہ عمل میں وہ جو کر سکتے تھے انہوں نے کیا، مولوی سید عبداللہ حسنیؒ نے انہی کے راستے کو اختیار کیا اور اپنے والد کے چچا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی صحبت سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور تزکیہ اور خدمت دعوت دونوں میں ان کے طریقہ کو اختیار کیا تھا، خاص طور پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ''پیام انسانیت'' کے عنوان سے غیر مسلموں میں اسلام کے تعارف کا جو حکیمانہ طریقہ اختیار کیا تھا اس کو انہوں نے ان کی وفات کے بعد آگے بڑھایا اور اس سلسلہ میں بڑی خدمت انجام دی اور تھوڑی مدت میں اچھے رفقاء تیار کردیے جنہوں نے مختلف حصوں میں کام کو پھیلایا اور اس کام کا انداز عزیزی عبداللہ حسنی نے ایسا اختیار کیا تھا کہ مذہبی دل آزاری سے بچاتے ہوئے انسانی سطح پر اسلام کی محبوبیت پیدا ہو، اس کی وجہ سے ان کی کوششوں کا فائدہ ہوا، اور اس کو خوب فروغ ملا۔

عزیزی عبداللہ حسنیؒ کے دادا مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ اور ان کے بھائی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ دونوں دعوت کے اسی اصول کے قائل تھے، اور دونوں اس کام کو صرف علاقائی نہیں بلکہ بین الملکی اور بین الاقوامی سطح پر کرنا پسند کرتے تھے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے جو کام انجام دیے ان کو ان کے بڑے بھائی حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کے مشوروں اور رہنمائیوں کا بھی بڑا دخل تھا، ان دونوں کے والد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ ندوۃ العلماء کے ناظم تھے اور اس کے ساتھ گوناگوں دینی و علمی خصوصیات کے حامل بھی تھے، ان کے والد مولانا سید فخر الدین خیالیؒ جو مولوی سید عبداللہ حسنیؒ کے دادا کے دادا تھے وہ بھی بڑے عالم دین اور مرشد ربانی شخصیت کے مالک تھے اور ان کے خال مولانا سید عبدالعلی حسنیؒ امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہیدؒ کے مرید و خلیفہ تھے، خاندان کے مشہور بزرگ اور تکیہ کلاں میں مورث خاندان حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ (جد امجد حضرت سید احمد شہیدؒ) سے ان کی خاندانی شاخ کا تعلق اس طرح بہت گہرا ہوا تھا کہ یہ لوگ حضرت شاہ علم اللہؒ (م ۱۰۹۶ھ) کی صاحبزادی کی اولاد میں ہیں جو سید عبدالرحیم شہیدؒ بن مولانا سید ہدایت اللہ حسنیؒ (برادر عم زادہ حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ) کی زوجیت میں تھیں اور ان کی نانیہالی شاخ میں بھی علم و عمل کی جامع شخصیات پیدا ہوئیں جن میں مولانا سید محمد معین کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے جو مولانا محمد ظاہر حسنیؒ کے خلیفہ اور برگزیدہ شخصیات میں سے تھے، مولانا محمد ظاہر حسنیؒ حضرت شاہ

علم اللہ حسنیؒ کی نسل میں بڑی ربانی شخصیت گذرے ہیں، انہیں حضرت سید احمد شہیدؒ سے نسبت حاصل تھی اور ان سے ان کے نواسے مولانا سید فخر الدین خیالیؒ نے تعلیم وتربیت پائی اور اجازت حاصل کی، اس طرح خاندان کی صفات وخصوصیات اور علمی ودینی امتیازات عزیز مرحوم کو مختلف جہتوں سے حاصل ہوئے، میرا تعلق مولوی عبداللہ حسنیؒ سے دوہرا تھا، ان کے والد میرے ماموں زاد بھائی تھے اور ان کے نانا ڈاکٹر سید حسن مثنیٰ حسنی میرے حقیقی پھوپھی زاد بھائی تھے۔

مولوی سید عبداللہ حسنی ندویؒ کے ۲۰-۲۲ سال تو اپنے والد ماجد مولانا سید محمد الحسنیؒ کی سرپرستی میں گذرے اور اپنے دادا کی بھی ان کو شفقت ومحبت حاصل ہوئی جس کا یہ اثر ہوا کہ وہ ان کی فکر ودعوت کے حامل اور وارث ہوئے۔ ان کی پیدائش ۲۹/جنوری ۱۹۵۷ کو ہوئی اور ڈاکٹر صاحب مرحوم کی وفات ۱۹۶۱ کو پیش آئی، اس طرح چار سال کا زمانہ دادا کے پاس گذارا۔ مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کے انتقال کے بعد خاندان کے سرپرست ان کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ تھے، محمد میاں مرحوم کے انتقال کے بعد جب عبداللہ مرحوم کی عمر ۲۲ سال تھی تو وہ پوری طرح حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں آگئے اور ان کی تربیت ورہنمائی میں انہوں نے علمی ودینی ترقی کی، انہی کے کہنے سے ابتدائی عمر میں وہ سہارن پور جاکر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے بیعت ہوگئے تھے لیکن اصلاح وتربیت پوری طرح حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے کی، اور آخر میں اپنی وفات سے ۱۶-۱۷ دن پہلے لکھنؤ میں اجازت وخلافت سے سرفراز بھی کیا، اور اس خصوصیت سے بھی انہوں نے لوگوں کو خوب فائدہ پہنچایا اور دیکھنے میں آیا کہ لوگوں کو ان کے انداز تربیت سے نفع پہنچ رہا ہے، خاص طور پر یہ بات رمضان میں زیادہ محسوس کی جاتی تھی، خاص طور سے حدیث کے درس کے موقع پر جس میں وہ اپنے دادا مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کی کتاب "تہذیب الاخلاق" کو پیش نظر رکھتے تھے، ایسے سبق آموز واقعات اور دل پر اثر کرنے والی باتیں مثالوں کے ذریعہ بتاتے جس سے لوگوں میں عمل کا جذبہ پیدا نظر آتا، خاص طور پر عقیدۂ توحید پر جمنے کا حوصلہ اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت بڑھتی۔

عزیزی مولوی سید عبداللہ حسنی مرحوم اپنی نوعمری میں جن مراحل سے گذرے تھے ان مراحل میں بھی ان میں عمل کی قوت اور احساس ذمہ داری تھی، خاص طور پر جب ان کے والد ماجد محمد الحسنیؒ کا سانحۂ وفات پیش آیا، اس وقت محمد میاں کی عمر ۴۴ سال اور عبداللہ کی عمر ۲۲ سال تھی اور ان کے دونوں چھوٹے بھائی ابتدائی تعلیم میں تھے، ان کی فکرمندی اور ان کو صحیح راہ پر قائم رکھنے کی توجہ کی ذمہ داری بھی ان پر آپڑی تھی، اس ذمہ داری کو انہوں بہت اچھے طریقہ سے نبھایا، یہ ایک اہم خدمت تھی کہ انہوں نے صرف اپنے ہی کو بنانے کی کوشش نہیں کی بلکہ اپنے چھوٹے بھائیوں کو بھی صاحب علم اور اسلامی فکر ودعوت کا حامل بنانے کی طرف توجہ رکھی جو کہ ماشاءاللہ مولوی حافظ سید عمار عبدالعلی حسنی ندوی اور مولوی سید بلال عبدالحی حسنی ندوی میں لوگ دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں، وہ دونوں دین کے صحیح راستے پر گامزن ہیں اور مولوی سید بلال عبدالحی حسنی ندوی تیسرے نمبر پر ہیں، وہ دعوت اور تعلیم وتربیت کا بہت قابل قدر کام انجام دے رہے ہیں اور اب مولوی عبداللہ حسنی مرحوم کا ان کو قائم مقام سمجھا جارہا ہے، اور وہ اس کے اہل ہیں۔

مولوی عبداللہ حسنی ندوی مرحوم کا امتیاز ان کی صرف دعوتی کوشش ہی کا نہیں ہے بلکہ علمی وادبی لحاظ سے بھی وہ بڑا امتیاز رکھتے تھے، عربی تحریر اور مضمون نگاری میں ان کے دادا کے بھائی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو بین الاقوامی سطح پر جو امتیاز حاصل تھا، جس کو تقریباً ان کے بھتیجے مولوی عبداللہ حسنیؒ کے والد مولانا سید محمد الحسنیؒ نے اپنالیا تھا، اور وہ بہت مؤثر مضمون اور تحریریں عربی واردو میں لکھتے تھے، اس کی پوری جھلک مولوی

عبداللہ حسنیؒ کے قلم میں آگئی تھی، عربی پندرہ روزہ "الرائد" کے جو وہ اداریے لکھتے تھے اس میں وہ صاف محسوس کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ دارالعلوم میں ان کو استاذ کا منصب حاصل ہوا، اور اس میں ۳۵ سالہ خدمات انجام دیں، حدیث کی کتابیں زیادہ تر ان کے زیر تدریس رہیں، اور اس میں سنن ترمذی اور صحیح بخاری کی تدریس کا انہیں زیادہ موقع ملا، عالمیت کے آخری سال میں تفسیر قرآن کریم کا درس بھی ان کے ذمہ ہوگیا تھا، اور ادھر دو تین سال سے حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اسرار شریعت پر معرکہ آرا تصنیف "حجۃ اللہ البالغۃ" کا بھی کامیاب درس دے رہے تھے، اور طلبہ کو ان سے بڑا نفع پہنچ رہا تھا، خود انہوں نے بھی بڑا نفع محسوس کیا، علوم شریعت سے اشتغال کا اثر اخلاق واعمال میں، احکام شریعت پر عمل، سنت نبوی کی پیروی، اور صلاح وتقوی کے طور پر آیا۔

اس کے علاوہ عوام کی اصلاح وتربیت اور ہدایت خلق کے لیے انہوں نے اپنے اوقات فارغ کیے تھے جس میں وہ تقریر وخطاب کے لیے پروگراموں میں جاتے، اور مجلس کے ذریعہ بھی دعوت کا کام کرتے، اس کے علاوہ ملاقاتوں کے ذریعہ بھی رابطہ قائم کرکے دین کی طرف دعوت دینے کی کوشش کرتے، اور اس کے لیے انہوں نے ملک کے مختلف حصوں کے خوب دورے بھی کیے اور ان دوروں کے ذریعہ اسلام کے تعارف اور پیام انسانیت کے کام کو خوب فروغ دیا اور اس میں وہ اتنا منہمک ہو گئے کہ صحت وغیرہ کا بھی خیال زیادہ نہ رکھ سکے۔

ادھر چند مہینوں سے ان کو جو بیماری لاحق ہوئی تھی شروع میں اس کی طرف بھی توجہ نہیں ہو پائی اور دین ودعوت کے کام ہی کی طرف زیادہ توجہ رہی، بیماری بڑھتی گئی آخر کار وہ صاحب فراش ہوگئے علاج ومعالجہ کی جو کوشش ہونی چاہیے اس میں کوئی کمی نہیں کی گئی لیکن موت وحیات کا جو وقت اللہ کے یہاں مقدر ہے اس سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتا، چاہے بیماری ہو یا نہ ہو چنانچہ وہ ۵۶ سال کی عمر میں ۱۷/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۰ جنوری ۲۰۱۳ء کو لکھنؤ میں تعلق والے ایک اسپتال "سحر نرسنگ ہوم" میں وفات پاگئے۔

معلوم ہوا کہ آخر وقت تک اور شدید تکلیف کے باوجود نماز باجماعت کا بڑا اہتمام تھا اور آخری نماز بھی جماعت سے ادا کی، اور ذکر اللہ کی طرف مسلسل راغب رہے، انہوں نے انتقال سے ایک مہینہ قبل یہ خوشی بھی دیکھی کہ ان کے فرزند نور چشم محمد میاں سلمہ نے حفظ قرآن کریم کی تکمیل کی اور اس مناسبت سے ایک مختصر سی تقریب بھی انہوں نے کرکے خوشی کا اظہار کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

عزیز مرحوم کے انتقال کی خبر اسی وقت دور دور پہنچ گئی تھی اور اہل تعلق کے مسلسل فون آنے شروع ہوگئے تھے، جنازہ میں شرکاء کی تعداد لکھنؤ ورائے بریلی دونوں جگہ اتنی دیکھی گئی جو کم موقعوں پر دیکھنے میں آتی ہے، اور بعد میں تعزیت میں آنے والوں کے تعلق ومحبت اور تعزیتی پیغامات اور خطوط جو بڑے جذبات وعقیدت سے لکھے گئے ہیں ان سے ان کی محبوبیت ومقبولیت کا پتہ چلتا ہے اور جو حرم اور جوار حرم میں تھے انہوں نے ان کی طرف سے طواف اور عمروں کی ادائیگی اور دوسرے ایصال ثواب کے ذرائع اختیار کرکے اپنے تعلق وعقیدت کا اظہار کیا۔

عزیز مرحوم نے زندگی کی ۵۶ بہاریں دیکھیں اور اس میں ان کو اپنے پردادا مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء) سے مناسبت رہی کہ انہوں نے بھی تقریباً اسی عمر میں دنیا سے رحلت کی تھی، وہ اپنے محبین اور قدردانوں کو رنجیدہ چھوڑ گئے لیکن وہ ایک دعوت ومشن کو بھی چھوڑ کر گئے ہیں جو ان کا سرمایۂ حیات تھا، اس لیے ان کی وفات کا اثر ملک اور بیرون ملک میں محسوس کیا گیا اور ملک وبیرون کے دعوتی ذہن رکھنے والوں نے خاص طور پر اپنے رنج وغم کا اظہار کیا، اس طرح وہ داعیانہ عمل کی سوغات لے کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوئے۔

عزیزی عبداللہ حسنی ندوی مرحوم

مولانا واضح رشید حسنی ندوی
(معتمد تعلیم، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

عزیزی عبداللہ حسنی ندوی جنہیں اب مرحوم لکھنا پڑ رہا ہے، ہمارے محبوب رفیق اور ماموں زاد بھائی محمد الحسنی کے صاحبزادہ تھے، اور ہمارے مربی اور مشفق ماموں ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کے محبوب پوتے، اس لیے وہ اولاد ہی کی طرح تھے، اور صلاح وتقوی اور دینی جذبات کی وجہ سے قابل قدر، محبت اور ہمدردی کے لائق تھے، انہوں نے علمی وتدریسی صلاحیت اور مقبولیت کے ساتھ دعوت، اصلاح معاشرہ، احقاق حق اور انسانی خدمت کا میدان اختیار کیا اور اپنے دادا اور ان کے بھائی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی فکر اور طرز عمل کو جمع کرنے کی کوشش کی، اس طرح انہوں نے تین مختلف میدانوں میں کام کیا، جن میں ہر میدان اہمیت کا حامل ہے اور کسی شخصیت کے لیے قابل امتیاز اور تقرب عند اللہ، تعلق مع اللہ اور مقبولیت کا ذریعہ ہے۔

پہلا میدان جو انہوں نے اپنے دادا کی خواہش اور پسند کا اختیار کیا، وہ غیر مسلموں میں اسلام کا تعارف ہے، جس میں مسلمانوں سے پوری تاریخ میں کوتاہی ہوئی ہے، خاص طور پر پسماندہ طبقات جو علم سے محروم ہیں، اور ان کو اختلاط کا موقع بھی نہیں ملتا، کہ وہ دوسروں کے اخلاق وکردار کو دیکھ کر یا مطالعہ سے اسلام کی تعلیمات سے واقف ہوں۔ اہل علم اور اعلی طبقہ جو لٹریچر پڑھتا ہے، وہ لٹریچر اسلام کے بارے میں اچھا تاثر دینے کے بجائے نفرت اور مذمت کا تاثر دیتا ہے، اس میں مسلم حکمرانوں کو موضوع بنا کر پوری مسلم قوم یا اسلام کو بدنام کیا جاتا ہے، یہ لٹریچر سامراجی عہد میں تیار کیا گیا اور اسی کو سورس (Source) سمجھ کر دوسری زبانوں میں اس کے تاثرات منتقل ہوئے۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس وقت جو ماحول ہے وہ نتیجہ ہے عدم اختلاط اور غلط علم کا، اس لیے جہاں بھی صحیح علم پہنچا، یا اسلامی ذہن کے لوگوں سے سابقہ پڑا وہاں ذہنیت میں تبدیلی آئی، کثرت سے اسلام لانے والے اکثر صحیح لٹریچر پڑھنے والے یا صحیح مسلمانوں سے رابطہ رکھنے والے ہیں، اکثر ٹرینوں اور جلسوں میں مختلف ملاقاتوں اور تبادلہ خیال سے ذہنوں کی صفائی کی مثالیں سامنے آتی ہیں۔

مولوی عبداللہ حسنی نے اس حقیقت کو سمجھا اور اس کو میدان عمل بنایا، مخلوط اجتماعات کا نظم، ملاقاتوں اور تبادلہ خیال کے مواقع کا نظم انہوں نے اختیار کیا، اس کے اچھے نتائج سامنے آئے، پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ ذہنوں میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں غلط تصورات کی تصحیح کی کوشش کی اور اس کے بعد اسلام کے متعلق شکوک وشبہات کے ازالہ کے لیے لٹریچر تیار کرایا اور مخلوط اجتماعات منعقد کیے، اسی کے ساتھ ساتھ انہوں نے اسلام سے واقفیت حاصل کرنے والوں اور نومسلموں کے مسائل سے دلچسپی لی اور ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا، اور ان کو مطمئن کرنے کی فکر کی، اپنی مختصر عملی زندگی میں اس میدان میں ان کو جو کامیابی ملی وہ تعجب خیز ہے۔

انہوں نے اسلام کے تعارف کے لیے لٹریچر تیار کرایا، ان کی تیار کرائی ہوئی کتاب (Introduction of Islam) بڑی مقبول ہوئی اور بڑی تعداد میں لوگوں کی ہدایت کا

ذریعہ بنی، اسی طرح ان کی رہنمائی میں تیار کی گئی کتاب ''قرآنی افادات'' جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی قرآن کریم سے متعلق تقاریر پر مشتمل ہے، بہت مقبول ہوئی، انہوں نے اس کے ساتھ ساتھ اس لٹریچر کو عام کرنے کے اقدامات کیے، مختلف اجتماعات، نمائشوں اور کانفرنسوں کے موقع پر اس لٹریچر کو عام کیا۔

ایک دوسری خصوصیت ان کی یہ تھی کہ ان کا انداز بیان اور خطاب جارحانہ یا ادعائی انداز کا نہیں تھا، بلکہ وہ مخالف کے رجحانات اور جذبات کی رعایت کرتے تھے، اور ان کا تفہیم کا انداز ہوتا تھا، ہجوم کا نہیں، اس لیے وہ سخت مخالف اور معاند ذہن کو اپنی طرف مائل کر لیتے تھے، یہ نبوی اسلوب ہے جو انہوں نے اختیار کیا تھا، اس لیے ان کے بیان کو ہر طبقہ اور ہر مذہب کے لوگ پسند کرتے تھے، اس کی وجہ سے مختصر مدت میں ان کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی جو بہت کم ہوتی ہے اور اس کا اندازہ ان کے انتقال پر مختلف حلقوں سے آنے والوں کے تاثرات سے کیا جاسکتا ہے، علمی حلقوں اور نوجوانوں میں ان کو بڑی مقبولیت حاصل تھی، دینی تعلیم حاصل کرنے والے اور عصری تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ اور اساتذہ اور تحریکوں کے لوگ ان سے بہت قریب تھے۔

اپنی ان عملی خدمات اور اچھے خطیب ہونے کے ساتھ وہ اپنے والد اور مربی کی طرح اچھے مضمون نگار تھے، ان کی تحریریں عربی اور اردو میں جذبہ ایمانی اور یقین پیدا کرنے والی ہوتی تھیں۔

اس طرح انہوں نے اپنے دادا اور ان کے بھائی جوان کے مربی اور شیخ تھے، دونوں کے فکر و عمل کو جمع کر لیا تھا، مفکر اسلام نے آخر عہد میں اصلاح معاشرہ اور پیام انسانیت کو اپنا میدان عمل بنایا تھا اور اسلام اور خاص طور پر سیرت نبوی کے تعارف کے لیے لٹریچر بھی تیار کیا تھا۔

ان کا خیال تھا کہ صرف اسلام کی اچھی تصویر پیش کرنا کافی نہیں ہے، ایک تو اس لٹریچر کو محدود طبقہ پڑھتا ہے دوسرے اس سے عقل تو متاثر ہوتی ہے شعور نہیں۔ شعور ذاتی تعلق اور اسلامی زندگی اور سلوک سے متاثر ہوتا ہے، اس لیے علمی وسیلہ کے ساتھ عملی وسیلہ یعنی ملاقات اور مسلمانوں کی زندگی اور سلوک کی اصلاح ہے، اس کے لیے اسلام کے تعارف کے ساتھ انہوں نے اصلاح معاشرہ اور پیام انسانیت کا میدان اختیار کیا۔

مولوی عبداللہ حسنی نے اپنی تدریسی مشغولیت کے ساتھ ان دونوں میدانوں کو اختیار کیا، انہوں نے تربیت کے لیے یہ چاہا تھا کہ ایسی تربیت گاہیں ہوں یا تربیتی کورس کا نظم ہو جہاں اسلام کو سیکھا جاسکے، اس کے لیے انہوں نے مختلف شہروں میں اپنے نمائندے مقرر کیے اور تربیت کے مراکز قائم کیے اور دعوت دینے کے لیے اور مسلمانوں کی اصلاح کے لیے داعی اور مربی تیار کیے جو مختلف صوبوں میں سرگرم عمل ہیں، ان کے اس کام میں ڈاکٹر، انجینئر، معلم اور سماجی کارکن شامل تھے، اس طرح ان کا کام ہمہ گیر تھا اور ان کا حلقہ اثر بہت وسیع تھا۔

اس سب کے لیے انہوں نے ہندوستان ہی کو اپنا میدان عمل بنایا، اس لیے کہ اپنے خاندان، اپنے گھر اور پڑوس کی اصلاح پہلے ہونی چاہئے، قرآن کریم کا یہی حکم ہے، حضور اکرم ﷺ کو سب سے پہلے اسی کی ہدایت کی گئی ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾۔

مولوی عبداللہ حسنی حدیث شریف سے شغف رکھنے کی وجہ سے سیرت کو اپنے لیے نمونہ اور ذات رسول ﷺ کو اپنے لیے اسوہ سمجھتے تھے، اتباع سنت کا ان کو بڑا اہتمام تھا، اور وہ اپنے معتقدین کو اس کی پابندی کا حکم دیتے، سخت بیماری میں بھی وہ اس پر عامل تھے۔

حدیث شریف میں ہے ''لیس منا من لم یوقر کبیرنا ولم یرحم صغیرنا'' مولوی عبداللہ حسنی اس پر عامل تھے، چھوٹوں پر شفقت اور ان کی اصلاح کی فکر اور بڑوں کی تعظیم اور ان کے تجربات سے استفادہ کرنا ان کا شعار تھا، اس کی ہم گواہی دے سکتے ہیں، وہ ہمارے ساتھ گفتگو میں اکرام اور

خاص مجلس ہوتی، بہت بڑی تعداد میں لوگ جمع ہو جاتے، اس وقت ہم اور برادر گرامی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب گھر پہنچتے تو وہ سب کو چھوڑ کر گھر میں ہم لوگوں کے پاس آکر بیٹھے رہتے اور ہم لوگوں کے متوجہ کرنے پر کچھ دیر کے لیے مجلس میں چلے جاتے، ان میں غایت درجہ کی تواضع تھی، اپنے اساتذہ کے ساتھ ان کا یہی معاملہ تھا، یہ خصوصیت ان کو اپنے مربی اور شیخ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے ملی تھی، وہ آخر تک اپنے عصر کے اہل علم اور اہل تقوی کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔

اپنے کام کے سلسلہ میں بھی وہ ہم لوگوں کو مطلع کرتے رہتے تھے، مولانا یوسف صاحب کاندھلویؒ کے بارے میں ایک بزرگ کا قول ہے کہ وہ اپنے عصر میں اپنے بڑوں سے بڑھ گئے تھے، یہ بات مولوی عبد اللہ حسنی ندوی مرحوم کی زندگی کی جامعیت، مقبولیت اور توفیق الٰہی کو دیکھ کر کہی جاسکتی ہے، فجزاہ الله خيرا بما هو أهله"۔

ہر انسان کی عمر مقرر ہے ﴿فإذا جاء أجلهم لا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون﴾ (سورہ نحل:۶۱) [پھر جب ان کا وقت معین آپہنچے گا اس وقت وہ ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے] ان کی بے چینی فکر و عمل کو دیکھ بعض وقت محسوس ہوتا تھا کہ ان کو اس بات کا احساس ہے کہ مدت عمل کم ہے، وہ چلے گئے؛ لیکن اپنے مشن کو چلانے اور جاری رکھنے کی لیے ایسے افراد چھوڑ گئے جو انشاء اللہ ان کے نہج پر کام کو آگے بڑھاتے رہیں گے، ان کے انتقال کا صدمہ فطری ہے، لیکن "ذلك قضاء الله ونحن بقضاء الله وقدره راضون"۔

قرآن مجید-ظاہر وباطن کا محافظ

دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو خراب آواز والا پڑھے اور اچھا سمجھا جائے، تنہا قرآن ہے، خراب سے خراب آواز ہو لیکن اگر تلاوت کرے گا تو قرآن اس کی خرابی آواز کو اچھا کردے گا اور اگر اچھی آواز والا ہے تو بہت اچھا کردے گا، یہ نہیں ہوا کہ اچھی آواز سے قرآن اچھا ہوا بلکہ قرآن اتنا اچھا ہے کہ آپ کی آواز کو اچھا کردیا، ہمارے تمام حفاظ وقراء کو سمجھنا چاہیے کہ قرآن ہمارا محافظ ہے اور قرآن نے ہمارے اندر حسن پیدا کیا ہے، جمال پیدا کیا ہے، رعنائی پیدا کی ہے، دلربائی پیدا کی ہے، یہ صدقہ ہے قرآن مجید کا۔ یہ تو میں ظاہر بتا رہا ہوں کہ ابھی قرآن کا ظاہر ہمارے ظاہر کا محافظ ہے لیکن جب ہم قرآن مجید سے اپنے آپ کو باطنی طور پر، جو اللہ نے اس کے اندر طاقت رکھی ہے اس سے جوڑیں گے اور اس کے لیے محنت کریں گے تو پھر ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری معنویت کو، ہمارے باطن کو محفوظ کردے گا یعنی سارے عالم میں ہمارا ڈنکا پٹ جائے گا، ساری دنیا ہماری طاقت کا لوہا مان لے گی، ہماری قیادت کو تسلیم کرلے گی، اس پر خوش ہوگی اور فخر کرے گی، آج جو تھوڑا بہت بھرم رہ گیا ہے وہ الفاظ قرآنی سے ہمارے تعلق کے نتیجہ میں ہے کہ اتنی بڑی تعداد مسلمانوں کی نظر آرہی ہے، اگر یہ ظاہری تعلق بھی ختم ہوگیا تو یہ بھرم بھی جاتا رہے گا، اس لیے کہ قرآن مجید سے آپ نے اور ہم نے ظاہر کا تعلق رکھا تو اللہ نے ظاہر کو بچالیا، لیکن جب اس قرآن سے ہمارا تعلق حقیقی ہوجائے گا، باطنی ہوجائے گا، معنوی ہوجائے گا تو پھر ہم اچھل جائیں گے اور نہ جانے کہاں پہنچیں گے۔ لیکن قرآن مجید کو ہم نے سمجھا نہیں کہ قرآن مجید ہے کیا؟!

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندویؒ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف	اصل قیمت
۱۔	حدیث نبویؐ	حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ	120
۲۔	یادایام (مختصر تاریخ گجرات)	// //	70
۳۔	ارکان اربعہ	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	140
۴۔	انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر	// //	150
۵۔	تزکیہ واحسان	// //	80
۶۔	تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات	// //	60
۷۔	تحفۂ برما	// //	120
۸۔	تحفۂ انسانیت (حدیث مالوہ)	// //	100
۹۔	تحفۂ دین دانش	// //	60
۱۰۔	حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب	// //	60
۱۱۔	دعوت فکر وعمل	// //	100
۱۲۔	دستور حیات	// //	100
۱۳۔	قرآنی افادات	// //	250
۱۴۔	قادیانیت۔تحلیل وتجزیہ	// //	100
۱۵۔	علماء کا مقام اوران کی ذمہ داریاں	// //	120
۱۶۔	سیرت رسول اکرمؐ	// //	200
۱۷۔	مطالعہ قرآن کے اصول مبادی	// //	80
۱۸۔	کاروان مدینہ	// //	110
۱۹۔	مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش	// //	140
۲۰۔	مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں	// //	100
۲۱۔	منصب نبوتؐ	// //	140
۲۲۔	ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں	// //	80
۲۳۔	ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی جائزہ	// //	100
۲۴۔	نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں	// //	100
۲۵۔	قرآن مجید انسانی زندگی کا رہبر کامل	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ	250
۲۶۔	رہبر انسانیت (اردو)	// //	250
۲۷۔	رہبر انسانیت (ہندی، انگریزی)	// //	500
۲۸۔	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (عہد ساز شخصیت)	// //	160
۲۹۔	حج مقامات حج	// //	90
۳۰۔	حالات حاضرہ اور مسلمان	// //	110
۳۱۔	یادوں کے چراغ (اول)	// //	250
۳۲۔	محسن انسانیتؐ	حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ	60
۳۳۔	۴۸ سال شفقتوں کے سایہ میں	حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ	350
۳۴۔	تذکرہ صحابیات	حضرت مولانا حمزہ حسنی ندوی مدظلہ	140
۳۵۔	سیرت امہات المومنین	// //	120
۳۶	عائشہ بی	مولانا محمود حسن حسنی ندوی	230
۳۶۔	اسلامی زندگی (حقوق وفرائض کی روشنی میں)	مولانا خالد فیصل ندوی	220
		میزان	5390/=

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی جدید و دیدہ زیب طباعت

یہ ساری کتابیں مناسب رعایت پر دستیاب ہیں۔

مصارف مع ڈاک صرف
Rs: 3000/-

A/C N0 10863759700
State Bank of India
Main Branch Lucknow
IFSC Code: SBIN0000125
Academy of Islamic
Research & Publication
Nadwatul Ulama, Lucknow
(U.P.) Ph: 0522-2741539
Mob: 09889378176
E-mail:
airpnadwa@gmail.com

نوٹ

مذکورا کاؤنٹ میں رقم جمع کرا کر بذریعہ فون یا ای میل اطلاع دیں
ان شاء اللہ مطلوبہ کتب روانہ کردی جائے گی۔

ماہنامہ پیام عرفات کے داعی اسلام نمبر پر دلی مبارک باد

مطبوعات دار الرشید، لکھنؤ

نام کتاب	مصنف	قیمت
رجال الفكر والدعوة في الإسلام (حصہ اول)	مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی	250
قرآن مجید: انسانی زندگی کا رہبر کامل	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	250
رہبر انسانیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (اردو)	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	250
رہبر انسانیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (ہندی)	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	250
Prophet Mohammad(ﷺ) THE PERFECT GUIDE FOR MANKIND	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	200
مسلم سماج: ذمہ داریاں اور تقاضے	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	80
أعلام الأدب العربي في العصر الحديث	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	190
أدب أهل القلوب	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	125
الشيخ أبو الحسن قائداً حكيماً	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	120
لمحات من السيرة النبوية والأدب النبوي	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	110
الدعوة الإسلامية ومناهجها في الهند	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	50
أدب الصحوة الإسلامية	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	50
مختصر تاريخ الثقافة الإسلامية	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	70
بين الدين والعلوم العقلية	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	50
مصادر الأدب العربي	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	150
محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	68
مسئلہ فلسطین، سامراج اور عالم اسلام	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	25
نظام تعلیم وتربیت: اندیشے، مسائل اور حل	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	100
العالم الإسلامي والغرب: التحديات والمستقبل	ڈاکٹر عبدالعزیز بن عثمان تویجری	20
ندوہ کا ایک دن	ڈاکٹر محمد اکرم ندوی	50

DAR AL-RASHEED
164/106 Khatoon Manzil, Haider Mirza Road, Golaganj, Lucknow
Contact : 9452294097, 9616186215

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

اللہ کے حضور میں!

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی (مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

یوں تو مولانا سید عبداللہ صاحب حسنی ندوی کی صحت ادھر کئی سال سے کمزور تھی، اس کے باوجود وہ دارالعلوم میں حدیث شریف اور فلسفہ شریعت کے اسرار و رموز پر مبنی کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" کی تدریس بڑے شوق و ذوق اور انہماک سے کرتے تھے، اس دوران ان کو پیام انسانیت کے سلسلہ میں سفر بھی کرنے پڑتے تھے، اور اس کو اپنی دعوتی ذمہ داری سمجھ کر ہمیشہ دعوت کے مواقع سے فائدہ اٹھایا کرتے تھے، پیام انسانیت کے نام اور عنوان سے جہاں وہ بڑے بڑے جلسوں کو خطاب کرتے تھے، وہیں ایسے مقامات کا دورہ بھی کرتے تھے جہاں اسلام کے پیغام کو مسلم غیر مسلم طبقات میں پہنچانے کی ضرورت محسوس کرتے اور اس معاملہ میں وہ اپنے جد معظم حضرت علامہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے جانشین تھے، حضرت علامہ نے ہی اسلامی دعوت کو غیر مسلموں اور کمزور عقیدے کے مسلمانوں میں حکمت، موعظت کے پہلو سے پہنچانے کے لیے پیام انسانیت کی تحریک قائم کی تھی، اور اس میدان میں زبردست کام کا نمونہ پیش کر دیا تھا، اپنی تمام مصروفیتوں کے ساتھ پیام انسانیت کے نام سے جہاں بھی لوگ دعوت دیتے اسے قبول فرما لیتے تھے اور نہایت انشراح کے ساتھ موقع سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے اپنی ٹیم کے ساتھ تشریف لے جاتے، اس ٹیم کا سب سے اہم نام ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی مرحوم کا ہے، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے نام لیے جا سکتے ہیں، مولانا اسحاق جلیس صاحب ندویؒ، مولانا عبدالنور صاحب ندویؒ، مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی، پروفیسر انیس چشتی صاحب وغیرہ حضرات اس تحریک سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے، اس ناچیز کو بھی پیام انسانیت کے جلسوں میں حضرت علامہ کے ساتھ شرکت کا موقع ملا ہے، یہ ایک کامیاب تجربہ تھا اسلام کے پیغام کو لوگوں تک اور خاص طور سے اعلیٰ تعلیم یافتہ غیر مسلم طبقے میں پہنچانے کا، الحمدللہ اس کام کا تسلسل قائم رہا جو وقت کی ایک بڑی دعوتی، دینی اور انسانی ضرورت تھی۔

حضرت علامہؒ کے وصال ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء کے بعد اس تحریک کے جانشین جناب مولانا سید عبداللہ حسنی صاحب ندویؒ ہوئے، انھوں نے حضرت علامہ کو اس کام میں فنائیت کا جذبہ رکھتے ہوئے اور اس کو ہر مصروفیت پر مقدم رکھتے ہوئے دیکھا تھا، اور وہ پیام انسانیت کے جلسوں میں شریک رہا کرتے تھے اور حضرت علامہ کے آخری ایام حیات باسعادت میں برابر اس میں شریک رہ کر اس کی سربراہی اور وقت کے حالات کو پیش نظر رکھ کر کام کرنے کا سلیقہ من جانب اللہ ان کو حاصل ہو گیا تھا، اس لیے وہ بھی اس کام کو اپنے جد عظیم کی دینی وراثت سمجھ کر کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے، اور سفر خواہ کتنا ہی طویل اور با مشقت ہو وہ اس پیغام کو پہنچانے کے لیے اپنے رفقاء کے ساتھ نکلتے، اور جہاں بھی ضرورت محسوس کرتے تقریر کے ذریعے اور باہمی مجلس و گفتگو کے ذریعے اپنے اس پیغام کو موثر طریقے سے پہنچاتے۔

اس دینی اور دعوتی وراثت کو اپنانے بلکہ اس کو سینے سے لگا لینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ذریعہ ایک معتد بہ تعداد مشرف باسلام ہوئی، اور بہت سے غیر مسلم خاندان بحیثیت کل زندگی کی صحیح راہ پاتے گئے، کئی ایسے غیر مسلم نوجوان مشرف باسلام ہوئے جن کو مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ سے ایسا لگاؤ اور تعلق ہو گیا کہ وہ

ہر سفر میں ان کے ساتھ رہتے تھے، اور ان کی پوری معاونت کرتے تھے، اس طرح مولانا عبداللہ حسنی نے علم کی وراثت اپنے آباء واجداد سے پائی، اور انھوں نے اسی وارثت کو نہایت صحیح انداز میں دوسروں تک پہنچایا، وہ حدیث کے استاذ تھے، اس مضمون سے انھوں نے پوری امانت داری کے ساتھ اپنے طلبہ کو فائدہ پہنچایا، اور ان کی علمی اور دینی نگرانی کا فریضہ انجام دیا، یہی وجہ ہے کہ طلبائے علوم دینیہ کے ایک گروپ نے آپ کی محبت وشفقت اور علمی افادہ کی سعادت حاصل کی، اور آپ کی عمومی اور خصوصی مجلسوں میں دل وجان سے حاضر رہا کرتے تھے، اور نہ صرف دارالعلوم کے دائرہ میں بلکہ آپ کی دینی مجلسوں جو عصر کے بعد اپنے گھر پر منعقد کرتے تھے، اس میں طلبہ کی ایک بڑی تعداد روزانہ حاضری دیتی تھی، اور بہت کچھ سیکھنے اور علم وعمل کی جامعیت کا فائدہ اٹھانے کا ان کو موقع حاصل ہوا کرتا تھا۔

مرحوم کے والد مکرم جناب مولانا سید محمد الحسنی صاحبؒ سے میرا تعلق بہت قدیم تھا، میں ۱۹۵۲ء میں ندوۃ العلما کے دارالعلوم کا طالب علم تھا، تخصص ادب کے درجہ میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا، تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے میرے لیے ایک رفیق مخلص مولانا سید محمد الحسنیؒ سے مخلصانہ تعلق کا انتظام کردیا، اور طبیعتوں اور امنگوں میں ہم آہنگی کے سبب ہم دونوں ایک دوسرے پر اعتماد اور محبت وتعلق رکھتے تھے، عربی زبان وادب کو فروغ دینے کے سلسلے میں مشورے کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ المنتدی الأدبي قائم ہوئی، اور اس وقت چند باذوق ساتھیوں نے اس کے پروگراموں میں حصہ لیا، اور کچھ مدت گذرنے کے بعد البعث الاسلامی نام کا ایک عربی مجلّہ نکالنے کا ارادہ ہوا، اس میں ہم چار رفیق تھے، لیکن دو ساتھیوں کا دمشق یونیورسٹی میں داخلے کا پروانہ آگیا، اور وہ اپنے اس علمی سفر پر روانہ ہوگئے، اب صرف اس ناچیز نے اپنے رفیق قدیم مولانا سید محمد الحسنی صاحب کے ساتھ رہ کر اس عربی مجلّہ کی ذمہ داری کسی حد تک سنبھالی، اس سلسلے میں نہایت قیمتی مشورے حضرۃ الاستاذ مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی مدظلہ العالی سے لیا کرتے تھے، اور انھیں کے مشوروں کی بدولت یہ مجلّہ منظر عام پر آیا، پہلا شمارہ ماہ صفر ۱۳۷۵ھ کا شائع ہوا، اس شمارے کو متعارف کرانے اور اس کے حلقۂ اشتراک کو وسیع کرنے کے لیے ہم دونوں نے تقریباً ڈھائی ہفتے کے ایک سفر کا پروگرام بنایا، اور ہم دونوں ساتھی سفر پر روانہ ہوئے، اس میں کانپور، آگرہ، علی گڑھ، سہارنپور، دیوبند، دہلی، مرادآباد، رام پور اور کچھ دیگر مقامات پر پرچہ کو لے کر جانے اور اس کے لیے خریدار حاصل کرنے کا موقع ملا۔

اس کے بعد مزید تعلقات اور رفاقت کا دائرہ وسیع ہوا، اور روزانہ مجلّہ کے سلسلے میں مشورہ کرنے اور اس کو مزید مفید ومستحکم بنانے کے لیے ملاقات کرنے کی ضرورت پر اتفاق ہوا، سفر سے واپسی کے بعد معاً ربیع الأول ۱۳۷۵ھ میں مولانا سید محمد الحسنی صاحب کا عقد خاندان کے اندر ہوا، اور سب کو اس سے بے حد خوشی اور مسرت ہوئی، ہر ایک نے مبارک باد دی، اور بڑوں نے دعائیں دیں، مولانا کے والد مکرم مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ اور ان کے عم مکرم حضرت علامہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو اس تقریب سے جو خوشی اور مسرت ہوئی، وہ مولانا سید محمد الحسنی صاحب کے روشن مستقبل کا اعلان تھا، اور الحمد للہ اس کا ظہور بھی ہوا۔

ہمارے برادر عزیز ومکرم جناب مولانا سید عبداللہ حسنیؒ کی ولادت ۲۹ رجنوری ۱۹۵۷ کو ہوئی، تو خانوادے کے جملہ حضرات کو اس واقعہ سے جو خوشی ہوئی اس کا احاطہ کرنا ناممکن ہے، عقیقہ کی دعوت میں سبھی اہل تعلق، اہل خاندان شریک ہوئے، یہ ناچیز بھی انتہائی مسرتوں کے ساتھ اس عقیقہ میں شریک ہوکر اپنی خوش نصیبی پر نازاں ہوا، اور اسی وقت سے مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی خیر وعافیت اور علوم ومعرفت کے اس عظیم ماحول میں ان کی تربیت اور بعد میں ان کی ذہانت وفطانت کے حالات معلوم ہوتے رہے، وقت گذرتا گیا، اور وہ تعلیم وتربیت کے میدان میں داخل ہوئے، گھریلو تعلیم کے ساتھ مکتب میں تعلیم کا سلسلہ بھی جاری تھا، اور پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوکر عالمیت اور فضیلت کی سند حاصل کی، اسی کے ساتھ خاندان کے بزرگوں سے استفادہ اور علمی ودینی ترقی کا سلسلہ قائم رہا، اور اس کی وجہ سے

دعوتی مزاج پروان چڑھا، اور حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر اور ان کی اقتدا کر کے داعیانہ صفات کے حامل ہوئے، اور حضرت مولاناؒ کی وفات کے بعد پیام انسانیت کی تحریک کو اپنا کر اس خلا کو پر کیا، اور اس راہ میں اپنی توانائیاں صرف کیں، اور ہر طرح کے حالات کا سامنا کیا، مسلسل اسفار کی مشقت برداشت کرنے کی وجہ سے صحت پر اثر پڑا، لیکن علاج کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی، دراصل اہل دعوت کا مزاج یہی ہوتا ہے کہ وہ دعوت کو ہر چیز پر مقدم رکھتے ہیں، اور اس کی فکر میں وہ اپنی پوری زندگی اور زندگی کے لمحات گذارتے ہیں، خاص طور سے جب داعی، آل رسول ﷺ سے نسبت رکھتا ہو، اور خیر امت کا سچا نمائندہ ہو۔

مولانا عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ اسی نوعیت کے عالم تھے، انھوں نے علم ودعوت کی جامعیت حاصل کی، اور اسی راہ میں اپنے آپ کو فنائیت کے درجے تک پہنچادیا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو جس کی بنیاد اخلاص کامل پر تھی قبول کرلیا، اور بے شمار انسانوں کو ان سے راہ حق کی تعلیم حاصل ہوئی اور اسلام کا صحیح پیغام ان تک پہنچا، اور وہ اپنے اس عمل سے سرخ رو ہوئے، اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ایک قابل تقلید زندگی کی بنیاد مضبوط کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوگئے اور نہایت مطمئن وپرسکون حالات کے ساتھ راضی برضا اپنے رب کے دربار میں پہنچ گئے، جہاں ان کے لیے باسعادت اور کامیاب لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کا فرمان الٰہی جاری ہوا ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مولانا سید عبداللہ حسنی مرحوم کو عربی زبان وادب پر کافی عبور تھا، وہ چاہتے تو اپنے والد محترم کے قائم کیے ہوئے عربی مجلہ البعث الاسلامی کے مدیر ہوتے، اور یہ ان کا آئینی حق ہوتا، لیکن انھوں نے اس جانب توجہ نہیں کی، اور بزرگوں کے مشورہ اور حکم کے مطابق پندرہ روزہ عربی اخبار "الرائد" کے نائب مدیر رہنے پر اکتفا کیا، اور یکم جولائی ۱۹۷۹ء سے برابر اس ذمہ داری کو انجام دیتے رہے، اور اس میں اپنے عربی مضامین شائع کراتے رہے، وہ اکثر افتتاحیہ بھی خود ہی لکھتے تھے، اور اپنے اسلاف کے نہج پر چل کر دعوتی اسلوب میں جدید ذہن کو مخاطب کرتے تھے، انھوں نے تاحیات اس خدمت کو بأحسن وجوہ انجام دیا، البعث الاسلامی میں بھی ان کے بہت سے عربی معیاری مضامین شائع ہوئے، ان کو اردو زبان وادب سے بھی کافی لگاؤ تھا، اردو میں کافی مضامین لکھے، اور وہ تعمیر حیات ودیگر اردو رسالوں کی زینت بنے، اور سب کا ماحصل یہی ہوتا تھا کہ دین کی دعوت لوگوں تک پہنچے، اور عصری ذہن کو اپیل کرسکے، اور امت اسلامیہ کے افراد اپنی کھوئی ہوئی ایمانی طاقت کو از سر نو اپنے اندر دریافت کرسکیں، اور منصب قیادت کو اختیار کر کے سارے عالم کو امن وامان اور عقیدہ وایمان کا گہوارہ بناسکیں، انھوں نے اپنے جد معظم حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کئی عربی رسالوں اور مہتم بالشان عربی مضامین کے اردو ترجمے کیے، اور وہ بڑے پیمانے پر اشاعت پذیر ہوئے۔

مولانائے مرحوم اپنی ایک خاص پہچان رکھتے تھے، تواضع، کسر نفسی، اخلاق حسنہ، اور خاموش طبیعت کے ساتھ خاموشی سے اپنے کام میں مشغول رہنا ان کا امتیازی وصف تھا، وہ دعوتی اور پیام انسانیت کے کاموں کے لیے کثرت سے سفر کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ بذات خود تصنیف وتالیف کے لیے وقت نہیں نکال سکے، ورنہ وہ اپنی علمی اور عملی زندگی میں ہر اعتبار سے مستقل تصنیفات پیش کرنے کے لیے نہایت موزوں تھے لیکن ہدایت وارشاد کے میدان میں انھوں نے جو کام کیا ہے وہ دیگر تمام مشغولیتوں سے بہتر ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور پاک ﷺ نے فرمایا تھا کہ "اے علی اگر تمھارے ذریعہ ایک آدمی کو بھی اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمادیں، تو عرب کے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ وہ قیمتی ہے" انھوں نے اپنے معاون علمی عزیز مکرم مولوی محمد زبیر احمد ندوی سے بہت سی دعوتی کتابوں کا ہندی ترجمہ اپنی قائم کردہ ہندی اکیڈمی "العافیۃ" جس کا قیام اکتوبر ۲۰۰۹ء میں ہوا، اور جو ہندی تحقیقی ادارہ

''ستیہ مارگ پرکاشن'' جو العافیہ کی تمدید ہے، کے ذریعہ ہندی میں کرایا، جو غیر مسلموں کے لیے انتہائی مفید مواد کا درجہ رکھتی ہیں، العافیۃ اسلام کی تعلیمات سکھانے کے لیے اور اسلامی زندگی کو عملی شکل میں پیش کرنے کا ذریعہ ہے، اس کا دفتر مکارم نگر میں قائم ہے، اور وہ اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طریقے سے انجام دے رہا ہے۔ فالحمد لله علی ذالك۔

مرحوم کے صرف ایک ہی بیٹے محمد حسنی ہیں، اور ابھی کم عمر ہیں، ان کا نام ان کے دادا جان مرحوم محمد الحسنی کے نام پر رکھا گیا، موجودہ حادثہ کے بعد بوقت تعزیت میں عزیزی محمد حسنی بن عبداللہ بن محمد الحسنی سے ملا اور ان سے معانقہ کیا تو مجھ کو ان کے والد مرحوم کے بچپن کا زمانہ یاد آ گیا۔

مولانا سید عبداللہ حسنیؒ کی پہلی نماز جنازہ حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم کے حکم سے دارالعلوم کے وسیع میدان میں ناچیز نے پڑھائی، تو عظیم مجمع کو دیکھ کر مجھے حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ کا منظر یاد آ گیا، اور حضرت والا کی حیات طیبہ کا ایک نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا، اور بہت سی یادیں تازہ ہو گئیں، ان کی دوسری نماز جنازہ تکیہ رائے بریلی میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے پڑھائی، اور رات گئے تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اس محبوب ہستی کی روح پر جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی، ان کو صالحین کا درجہ عطا ہو، اور جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام میں جگہ پائیں، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ وہ زبان حال سے کہہ رہے ہوں:

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اور غالب کی زبان میں:

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

زندہ جاوید قوم

''دنیا میں ایسی قوم موجود نہیں جس کے پاس چودہ سو سال کا کوئی سرمایہ جوں کا توں موجود ہو، جس کے پاس بھی پہلے سرمایہ تھا وہ لٹ پٹ گیا، ختم ہو گیا، اور اس کا نام بھی برائے نام باقی ہے، اس لیے جو منصف ہیں وہ قرآن پاک پر رشک کرتے ہیں، اور جو غیر منصف ہیں وہ حسد کرتے ہیں، قرآن ایک ایسی چیز ہے، ایسی زندہ جاوید کتاب ہے، اور ایسی جوان ہے اور زندگی سے ایسی بھرپور ہے کہ جو اس سے جڑ جائے جوان ہو جائے گا، صاحب بصیرت ہو جائے گا: ''أولٰئک علی هدیً من ربهم وأولٰئک هم المفلحون''۔ انقلاب اسی قرآن کی روشنی میں پیدا ہوگا، کسی نظام میں طاقت نہیں، وہ اندر سے کھوکھلے اور بہت بودے ہیں، ان سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں، وہ اپنی افادیت کھو چکے ہیں، وہ قرآن پاک کے انقلاب سے خائف ہیں، اس لیے غلط پروپیگنڈے کر رہے ہیں، دہشت گردی کے عنوان پر دہشت گردی کو جنم دے رہے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں ان کی یہ سازشیں بے نقاب ہو جائیں گی، اور اپنے بچھائے ہوئے جالوں میں خود پھنس جائیں گے۔''

حضرت مولانا عبیداللہ حسنی ندویؒ

بزرگی بفضل است نہ بسال

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی (دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

یادداری کہ وقت زادنِ تو ہمہ خنداں بدند تو گریاں
آنچناں زی کہ وقت مردنِ تو ہمہ گریاں شوند تو خنداں

(تمہیں یاد ہے! کہ جب تم پیدا ہوئے تھے سب لوگ خوش ہو رہے تھے اور تم رو رہے تھے اب اس طرح زندگی گزارنا کہ جب تم دنیا سے رخصت ہو تو تم ہنس رہے ہو باقی سارا عالم رو رہا ہو)

ان دو شعروں میں ایک عارف نے بہتر زندگی گزارنے کا کیا ہی عجیب، مختصر اور دلپذیر نسخہ بتایا ہے جس سے بہتر اور آسان تر پیرایۂ بیان میں بتانا مشکل ہے چنانچہ تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو ہر بڑے باخدا بندے کی زندگی کم وبیش اسی آئینہ میں دیکھی جاسکتی ہے، امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے قبل ان کی عیادت کرنے اتنا بڑا مجمع ہو جاتا تھا کہ شہر میں چلنا پھرنا، زندگی گزارنا مشکل تھا چنانچہ حکومت وقت کو کرفیو لگا کر شہر میں آنے والوں پر پابندی لگانا پڑی اور جب ان کی وفات ہوئی تو پورا شہر جنازے میں شامل ہو گیا ایسا کہ جامع مسجد میں جماعت تک نہ ہو سکی، کم وبیش یہی صورت حال درجہ بدرجہ بہت سے بزرگوں کی وفات کے وقت پیش آئی۔ حال ہی میں قریبی دو بزرگوں (حضرت مولانا قاری محمد صدیق صاحب باندویؒ، حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ) کے جنازوں کا ایسا ہی منظر پیش آیا اس کے دیکھنے والے ہزاروں اب بھی موجود ہوں گے کہ بسوں، موٹروں، دیگر سواریوں اور پیدل چلنے والوں کا ایسا ہجوم تھا کہ گھنٹوں راستے بند رہے، حال ہی میں ایک بار پھر تقریباً ایسا ہی منظر دیکھنے کو دارالعلوم ندوۃ العلماء اور تکیہ کلاں رائے بریلی دونوں میں نظر آیا اگرچہ مؤخر الذکر سن وسال کے لحاظ سے مقدم الذکر حضرات کے ہم سن تو کیا ان کی اولاد واحفاد سے بھی چھوٹے تھے، مگر مقبولیت ومرجعیت میں اپنے بہت سے پیش روں کو پیچھے چھوڑ دیا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کیا خوب کہا گیا ہے ع

بزرگی بفضل است نہ بسال

خداوند کریم نے عزیز مرحوم (مولانا عبداللہ حسنی ندوی) کو کم عمری میں ہی ان بہت سی صفات سے نواز دیا تھا جو عمر رسیدگی کے بعد حاصل ہوتی ہیں بلکہ عموماً نہیں حاصل ہوتیں، عزیز مرحوم سے میرا سابقہ تو ان کے بچپن عنفوان شباب سے جبکہ ان کی عمر ۱۵-۱۶ سال ہوگی اور تادم آخر رہا ان کی زندگی کے تمام نشیب وفراز راقم کے سامنے رہا اور ان کی ترقی ومرتبہ کی بلندیوں کا بچشم خود مشاہدہ کیا، ان کے عظیم المرتبت دادا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور ان کے لائق تر اور ہونہار والد مولانا محمد میاںؒ سے راقم کے گہرے مراسم تھے ان دونوں کے حسن تربیت اور شخصیت سازی کے گراں بہا انداز کا سالہا سال مشاہدہ کیا اور پھر سالہا سال درس و تدریس کا خود ان کا مجھ سے سابقہ رہا، اس تعلق سے بہتر کسی کے کردار، اطوار اور مزاج کے جاننے کا کوئی اور طریقہ مشکل ہے۔

ان سب باتوں کا مرحوم پر بہت اثر تھا کہ وہ صفات حسنہ کے پیکر، ہمدردی وغم گساری کا بہترین نمونہ، دینی تربیت، اخلاص وللّٰہیت، ارشاد ودعوت کا ایسا حسین گلدستہ بن گئے کہ جسے دیکھ کر رشک آئے اور ان کے درازیٔ عمر کے لیے دل سے دعا نکلے، مگر خدائی اٹل قانون "إن اجل اللّٰہ إذا جاء لا یؤخر" کے سامنے ہر ایک کو سپر ڈالنی پڑتی ہے اور تسلیم ورضا کے بغیر چارۂ کار نظر نہیں آتا، اور مرحوم کی وفات پر بے تأمل یہ کہنا پڑتا ہے

"خوش درخشید ولے شعلہ مستعجل بود"

اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ واکرم نزلہ وادخلہ جنتہ

سراپا دعوت وعزیمت

مولانا عبدالعلیم فاروقی (جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ہند)

عزیز مکرم مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے ان خوش نصیب اور باتوفیق افراد میں تھے، جنہوں نے اپنی پوری زندگی دین کی اشاعت وتبلیغ کی فکر اور ملت کے افراد کی تعلیم وتربیت کے لیے جدوجہد میں صرف کی، وہ اگرچہ ہم سے عمر میں خاصے چھوٹے تھے، اس کا اور ان کے خاندان میں میرا جو رشتہ قائم ہوا تھا اس کا ہمیشہ پورا لحاظ رکھتے، اور میرے دل میں ان کی بڑی قدر ومنزلت تھی۔

۱۹۷۴ میں میرے والد حضرت مولانا محمد عبدالسلام فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ جو میری اہلیہ کے حقیقی خالو اور قریبی رشتے میں ماموں اور چچا ہوتے تھے کی خدمت میں ان کے مستقر دائرہ حضرت شاہ علم اللہ تکیہ رائے بریلی میں حاضری کی توفیق ملی، اور دو تین دن حضرت کی خدمت میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

مولانا سید عبداللہ حسنی اس وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں تعلیم حاصل کررہے تھے، اور کم عمر لڑکوں میں تھے، وہ بھی اس موقع پر رائے بریلی میں ہی تھے، مجھے یاد پڑتا ہے کہ میری ان کی پہلی ملاقات اسی وقت ہوئی، یوں ان کے خاندان سے میری واقفیت پہلے سے تھی، اور ان کے خاندانی بزرگوں کی شفقت پہلے سے حاصل تھی، خاص طور سے میرے دادا امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبداللہ حسنی مرحوم کے دادا حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے درمیان باہمی گہرے دینی روابط وتعلقات تھے، اور یہ تعلق اور پہلے سے ڈاکٹر صاحب کے نانیہالی بزرگ حضرت شاہ عبدالسلام حسینی ہنسوی سے امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی کے والد مولانا ناظر علی کاکوروی مرحوم کے وقت سے تھا، جو حضرت شاہ عبدالسلام ہسوی کے مرید وخلیفہ تھے، پھر تکیہ رائے بریلی کے حسنی سادات میں میرا رشتہ ہوجانے سے یہ تعلق اور مضبوط ہوا، مولانا عبداللہ حسنی مرحوم میری اہلیہ کی حقیقی چچازاد بہن کے صاحبزادے تھے، اور ان کے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ بھی میری اہلیہ کے رشتہ میں ماموں زاد بھائی تھے، اس لیے ہمارے یہاں ان کا بے تکلف آنا جانا تھا، ان میں مطالعہ کا شوق علمی وادبی ذوق، دینی ترقی کی فکر اور دعوتی جذبہ شروع سے تھا، اور کم عمری سے ہی صالحیت اور رشد وہدایت سے آراستہ تھے، اور شروع سے ہی نماز باجماعت کے پابند تھے، اور اپنے بڑوں سے خوش خلقی کے ساتھ پیش آنا ان کی مزاج وطبیعت تھی۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کی خصوصیات کے مولانا عبداللہ حسنی امین ووارث تھے، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں درس وتدریس کے علاوہ تمام دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، اور اپنے دادا محترم کے اصول پر انتہائی خاموشی اور خلوص کے ساتھ احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ تادم آخر انجام دیتے رہے۔

چونکہ ابھی ان کی عمر ایسی نہیں تھی جس میں انسان کو بڑے تجربات سے گذرنا پڑتا ہے، لیکن دعوتی کاموں میں ان کی فکر مندی، روابط وتعلقات اور اس سلسلہ میں ان کی کوششوں اور اسفار نے ان کو بڑے تجربوں سے گذار دیا تھا، پھر بھی ان سے بڑی عمر والوں میں یہ احساس پایا جاتا تھا جو اپنے سے کم عمر والوں میں تجربات کی کمی کا ہوتا ہے، مگر ان کے انتہائی اہم دینی ودعوتی اصلاحی مشاغل اور کارناموں کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ اللہ تعالی نے انہیں دین کی خدمت کے لیے قبول فرمالیا ہے۔

اصحاب دعوت وعزیمت میں جو چیزیں نمایاں تھیں میں بغیر مبالغہ کے کہہ سکتا ہوں کہ مولانا سید عبداللہ حسنی مرحوم میں وہ تمام باتیں نظر آتی تھیں، بہت سے غیر مسلمین ان کی مجلس میں آتے تھے، اور وہ ان کے سامنے اسلام کی خوبیاں پیش کرتے تھے، مولانا مرحوم کی مساعی اس سلسلہ میں انتہائی موثر ہوتی تھیں، بہت سے اللہ کے بندے دائرہ اسلام میں انتہائی پختگی کے ساتھ داخل ہوگئے، بعض ڈاکٹروں اور تعلیم یافتہ لوگوں سے میری ملاقات ہوئی جن سے گفتگو کے بعد ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ لوگ پیدائشی مسلمان ہیں، اسی طرح مسلمان بن کر اسلام کی بیخ کنی کرنے والی جماعتوں کی شرانگیزی، ریشہ دوانیاں اور ان کے شرور سے بھی مولانا مرحوم پوری طرح واقف تھے، اور ان فتنوں کے دفاع کے لیے جدوجہد کرتے رہتے تھے، جس کی بڑی تفصیلات ہیں جو اس مضمون میں پیش نہیں کی جاسکتی ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان کے دادا مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ تحریک پیام انسانیت کو انہوں نے اچھی طرح سمجھ رکھا تھا، اسی لیے یہ اہم کام ان کے لیے آسان اور موثر ہوا، اور انسانی بنیادوں پر لوگوں کو جوڑنے اور قریب کرنے کا کام انہوں نے پیام انسانیت کے جلسوں، پروگراموں کے ذریعہ بڑے پیمانہ پر کیا، جس سے برادران وطن میں جو اسلام کے متعلق غلط فہمیاں پھیل رہی تھیں ان کا ازالہ ہونے لگا، اور توقع کی جارہی تھی کہ اللہ تعالی ان سے اس سلسلہ میں بڑا عظیم کام لے گا۔

جس طرح انہیں سبھی انسانوں کی ہدایت کی فکر تھی اور جو طریقے اس کے لیے وہ موثر اور مفید سمجھ رہے تھے اختیار بھی کر رہے تھے، افراد امت کی اصلاح کی وہ برابر فکر رکھتے، اور چونکہ ان کو ان کے دادا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وفات سے ۱۶/ ۱۷ دن قبل بیعت وارشاد کی اجازت بھی عطا کر دی تھی، اس نسبت سے بھی وہ لوگوں کو فائدہ پہنچا رہے تھے، اور ان کی مجلس میں شہر کے مختلف حلقوں کے لوگ شریک ہوکر استفادہ کرتے، اور ان کی صفات وخصوصیات سے متاثر ہوکر ان سے بہت انس اور قرب محسوس کرنے لگے تھے۔

مسلک حق کی صحیح ترجمانی اور کتاب وسنت پر ان کی نظر اور صحیح فہم دین کا، ان سے گفتگو سے ہر کوئی اندازہ کرسکتا تھا، ان کی یہ صلاحیت اس وقت خاص طور پر مشاہدہ میں آئی، جب انہیں ہم نے امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ تحریک دعوت واصلاح کے ایک اہم جزء محرم الحرام کے زمانہ میں لکھنو میں شہدائے اسلام کے تقریباً سوسالہ جلسوں کے انعقاد میں مدعو کیا تو انہوں نے وہ خطاب کیا جو ان جلسوں کے مقصد اور اس کی روح کے عین مطابق تھا، ہم لوگوں کو انکے بیان سے بڑی مسرت او رخوشی ہوئی، اور یہ صاف محسوس ہوا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مرتبہ اور ان کی خدمات کے سلسلہ میں بڑا ہی متوازن رجحان اور موقف رکھتے ہیں، اور زمانہ کی بیماریوں کو خوب سمجھتے ہیں۔

امید تھی کہ امت کو ان کی صلاحیتوں سے بڑا نفع پہنچے گا، او رآگے چل کر ان کو بڑا مقام حاصل ہوگا کہ ایک دن معلوم ہوا کہ ان کی طبیعت بہت ناساز ہے، میں ان کی عیادت کے لیے گیا، ان کی نقاہت اور کمزوری کا دل پر بہت اثر پڑا، علاج وغیرہ بہتر سے بہتر جاری رہا کہ ایک دن اچانک معلوم ہوا کہ وہ گھر سے قریب ایک مخلص تعلق والے ڈاکٹر محمد غوث قریشی صاحب کے اسپتال سحر نرسنگ ہوم میں داخل ہیں، دیکھ کر بہت ڈر محسوس ہوا، ایک روز حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب مدظلہ صدر جمعیۃ علماء ہند لکھنو تشریف لارہے تھے، ایرپورٹ سے سیدھے اسپتال عیادت کے لیے جانے کو کہا، وہاں اس وقت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی مدظلہ بھی تشریف رکھتے تھے، ان سے بھی ملاقات کی، اور اسی ماہ جنوری کے آغاز میں ایک خاندانی حادثہ وفات پر جو ان کے بھتیجہ بھائی صاحب سید حسن حسنی کا پیش آیا تھا تعزیت بھی کی، اور مولانا عبداللہ حسنی کی مزاج پرسی کی، اور تعلق کا اظہار کیا، کیا معلوم تھا کہ دو روز کے بعد وہ اپنے رب کے حضور پہنچ جائیں گے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کا حادثہ وفات بروز بدھ ۱۷/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۰/ جنوری ۲۰۱۳ء میں پیش آیا اور آبائی وطن رائے بریلی میں تدفین عمل میں آئی، ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اللہ تعالی اس کو پورا فرمائے، اور امت کے حال پر رحم فرمائے، اور ایسے افراد اسی حسنی خاندان میں پیدا فرمادے جو اکابر کے باقیات صالحات میں سے ہوں، اللھم اغفر لہ وارحمہ رحمۃ واسعۃ۔

تعزیتی مکتوب

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی (حال نزیل مکہ مکرمہ)

باسمہ تعالیٰ

اللہ اللہ اللہ

من فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی

حال نزیل مکہ مکرمہ

یکم فروری ۲۰۱۳ھ

محترم المقام یادگار اسلاف حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت فیوضکم وطال بقاؤکم

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته

چندروز پہلے عزیز القدر مولانا سجاد نعمانی زید مجدہ کے ذریعہ حضرت مولانا عبداللہ حسنی علیہ الرحمہ کی شدید علالت کا علم ہوا تھا، فقیر نے حسب توفیق ان کی شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ کے لیے بارگاہ الٰہی میں خوب آہ وزاری کی، مگر ہوتا وہی ہے جو رب کائنات کی مرضی ومنشا، چنانچہ کل مؤرخہ ۳۰ر جنوری ۲۰۱۳ء کی شام ان کے انتقال پرملال کی خبر وحشت اثر ملی۔ "إنا للہ وانا الیه راجعون"

"کل من علیها فان" کا قانون اٹل ہے۔

حضرت مولانا عبد اللہ حسنیؒ سے ایک یادگار ملاقات کی سعادت فقیر کو دیار حرم میں نصیب ہوئی، مرحوم نے جس محبت والفت ومسرت وگرم جوشی کا اظہار اس فقیر سے کیا اس کی مٹھاس آج بھی دل میں موجود ہے، یہ الفاظ صفحہ قرطاس پر بکھیرتے ہوئے مرحوم کا مسکراتا منور چہرہ آنکھوں کو پرنم اور دل کو پرغم کررہا ہے، بقول:

ع اک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی

عجیب بات ہے کہ اس پرفتن دور میں اللہ جل شانہ کے نیک بندے اپنے انوار وبرکات سمیت جس تیزی سے اس دنیا سے رخصت ہورہے ہیں، یہ جگہ ظلمات سے بھر رہی ہے، شیاطین اس خلا کو پورا کررہے ہیں، یوں لگتا ہے کہ یہ فانی دنیا اپنے انجام کو پہنچا چاہتی ہے، قحط الرجال کے اس دور میں ایک علمی وعملی شخصیت داعی إلی اللہ کا عالم جوانی میں داغ مفارقت دے جانا ہم فقیروں کے لیے سانحہ فاجعہ کی مانند ہے۔

ع جو بادہ خوار تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

وما کان قیس هلکه هلك واحد
ولکنه بنیان قوم تهدما

بس حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اتنا کہہ کر دل کو تسلی دیتے ہیں کہ "اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده".

اللہ رب العزت مولانا مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، اپنے قرب کے اعلیٰ ترین درجات عطا فرمائے اور ان کی قبر کو جنت کا باغ بنائے۔ بقول شخصے ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

نیز آنجناب اور دیگر متعلقین کے لیے اس صدمہ کو مقام تسلیم ورضا میں مزید ترقی اور رسوخ حاصل ہونے کا ذریعہ بنائے، آمین یارب العالمین۔

مولانا مرحوم کی وفات حسرت آیات پر ان کے اہل خانہ اور دیگر پسماندگان یقیناً غم سے نڈھال ہوں گے، ان کی تسلی واطمینان کے لیے ایک واقعہ پیش خدمت ہے، سیدنا عباسؓ جب فوت ہوئے تو ان کی تعزیت کے لیے ایک بدوی حضرت

عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

اصبر نکن بك صابرين
صبر الرعية بعد صبر الرأس
خير من العباس اجرك بعده
والله خير منك للعباس

جب سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا تو صحابہ کرامؓ کے لیے اس صدمۂ عظیمہ کو برداشت کرنا اک غم کا پہاڑ اٹھانے کے مانند تھا، چنانچہ وہ ایک دوسرے کو تسلی دیتے ہوئے یوں کہا کرتے تھے۔

فاصبر لكل مصيبة وتجلد
واعلم بان المرء غير مخلد
فإذا ذكرت مصيبة ومصابها
فاذكر مصابك بالنبي محمد ﷺ

الحمد للہ فقیر نے آج رات عمرہ کرنے کی سعادت حاصل کی، مختلف مقامات اور مختلف اوقات میں مولانا مرحوم کے لیے مغفرت و بلندیٔ درجات کی دعائیں کیں، آئندہ بھی یہ فقیر اس خانوادہ کے ہر فرد کے لیے دعا کرنا اپنی سعادت سمجھے گا۔

اگر فقیر کا محبت بھرا اسلام، دعائیں اور پیام تعزیت مولانا مرحوم کے اہل خانہ، برادران اور دیگر اکابر و اصاغر تک بآسانی پہنچ سکے تو فقیر پر احسان ہوگا، اپنی دعائے نیم شبی میں اس فقیر کو یاد فرمائیں تو زہے نصیب۔

ع وللارض من كأس الكرام نصيب

دعا گو و دعا جو

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

كان الله له عوضا عن كل شيئ

(مکہ مکرمہ)

کس قدر غم ناک ہے یہ سانحہ
جرعہ جرعہ زہر غم کو پیجئے

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنیؒ کی وفات نہ صرف اہل خانہ کے لیے بلکہ پوری امت محمدیہ کے لیے عظیم ایک خسارہ ہے، آپ کا وجود سراپا خیر و برکت تھا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ کے ادھورے کاموں کی تکمیل کا حوصلہ اور جزبہ عطا فرمائے اور ہمیں آپ کو نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین!

منجانب

محمد طارق اینڈ برادرس

روشن ٹریڈرس، کھویا منڈی، کیپر گنج، رائے بریلی

پیام عرفات

کے اس خصوصی اشاعت کے موقع پر آیئے ہم داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کے دعوت و تبلیغ کے مشن کو لے کر آگے بڑھیں، یہی داعی اسلام کے لیے بہترین خراج عقیدت ہے۔

منجانب

ڈاکٹر حبیب احمد خاں

Nehru Eye Hospital

علی میاں چوک، رائے بریلی۔

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کے اہل خانہ سے

ایک تعزیتی خطاب

مولانا احمد لاٹ صاحب ندوی (مرکز تبلیغی جماعت نظام الدین، دہلی)

زندگی اور موت کا جوڑ اللہ نے ہر ایک کے ساتھ رکھا ہے، بہت خوش نصیب اور بہت سعادت مند ہے اللہ کا وہ بندہ اور اللہ کی وہ بندی جن کے پاس اللہ کی دی ہوئی جان، اللہ کا دیا ہوا مال، اور اللہ کی دی ہوئی صلاحیتیں خیر میں استعمال ہو رہی ہوں کہ وہ خیر کے لیے چابی بن کر اور اس کے مقابلہ کی ہر برائی کے لیے تالا بن کر جیے، جیسے کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد بھی ہے: طوبی لعبد جعله الله مفتاحا للخير و مغلاقا للشر)۔

اللہ جل شانہ حضرت مولانا کے درجات کو بلند سے بلند تر فرماوے اور پس ماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے؛ ابھی ابھی میں عرض کر رہا تھا کہ بھوپال میں ایک مرتبہ ایک انگریز جوڑا آیا تھا، بہت سارے سوالات انہوں نے کیے تھے۔ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب اس وقت زندہ تھے، ان کی موجودگی میں وہ اجتماع ہوا تھا، ساری بات کے بعد پھر آخری بات ہمارے حضرت جی نے ان سے یہ فرمائی تھی کہ بھئی مومن کے لیے (جن کا ایمان اللہ پر اور آخرت پر ہو) سب سے بڑی تسلی کا سامان تقدیر پر ایمان ہے کہ یہی مقدر تھا اور اسی طرح تھا اور اللہ نے یہی چاہا؛ "قدّر الله، ما شاء فعل"۔

مولانا عبداللہ حسنیؒ نے ساری عمر ماشاء اللہ ہوش سنبھالنے سے لے کر دنیا سے رخصت ہونے تک اپنی تمام صلاحیتیں، سارا وقت، ساری توانائی اور جو کچھ خداداد چیزیں تھیں سب اللہ کے بندوں کو نفع پہنچانے میں، حضور پاک ﷺ کے غم کو اپنا غم بنانے میں، اور آپ کی تعلیمات کو رواج دینے ہی میں استعمال کیں۔ اسی کے ساتھ ماشاء اللہ آپ کے گھرانہ کے ہم فیض یافتہ ہیں، ہم تو آپ کے نمک خوار بھی ہیں اور خوشہ چیں بھی ہیں، آپ ہی کے گھر کی ہی ساری چیزیں ہیں جو ہمارے پاس ہیں۔ ہم بہت ناقدرے ہوئے؛ ہم نے حضرت کو بھی نہیں پہچانا، آپ کی کوئی قدر ہم سے نہیں ہوئی، ہم نے جب رات کو فون کیا اور گھر والوں کو بتایا کہ ہم لکھنؤ جا رہے ہیں تو ہماری اہلیہ نے بھی آپ کے گھر کی تمام مستورات کو سلام کہا اور کہا کہ ہمارا اس گھرانہ کو دیکھنے کو اور وہاں کی زیارت کو بہت جی چاہتا ہے، انھوں نے تعزیت بھی کی ہے اور سلام بھی کہا ہے، دعا کے لیے بھی کہا ہے۔

یہ تو آپ کے گھر کے واقعات ہیں، سارے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت اور ان کی مستورات اس موقع پر جب حضور اکرم ﷺ کی وفات اور آپ کے حادثہ کی خبریں چاروں طرف پھیلنے لگی تھیں تو جہاں مردوں میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضور اکرم ﷺ سے والہانہ محبت تھی وہیں مستورات کو بھی تھی حتی کہ کنواری بچیوں کو بھی۔ اور عجیب مزاج بنا ہوا تھا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند وہی ہم کو پسند۔ ہمارے کوئی چونچلے، ہمارے اپنے کوئی ارمان، ہماری کوئی امنگیں، ہماری کوئی مرغوبات، ہماری کوئی چیز نہیں، جو اللہ کو اور اس کے رسول کو پسند وہی ہمیں پسند، تو جب حضور اکرم ﷺ کی شہادت کی خبریں چاروں طرف پھیلنے لگیں تو حضرت خنساء صحابیہؓ کے پاس ان کے جوان بیٹوں کی شہادت کی خبریں آرہی ہیں؛ پہلا بیٹا بھی دوسرا بھی، تیسرا اور چوتھا بھی، لیکن ان کی زبان پر ایک ہی سوال تھا کہ حضور کیسے ہیں؟ حضور کیسے ہیں؟ دوڑی ہوئی میدان جہاد میں پہنچیں، جوں ہی حضور اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کی زیارت ہوئی برجستہ کہنے لگیں: ﴿كل مصيبة بعدك جلل يا رسول الله﴾ "حضور! آپ کے بعد کوئی مصیبت مصیبت نہیں"۔ اسی پر علماء نے لکھا ہے (حادثہ تو حادثہ ہی ہوتا ہے، غم غم ہی ہوتا ہے اور وہ کیا مرد ہے، وہ کیا عورت ہے، وہ کیا انسان ہے جسے خوشی کے موقع

پر خوشی نہ ہو اور غم کے موقع پر غم نہ ہو، وہ تو انسان ہی نہیں ہے، یہ تو چیز اللہ نے رکھی ہے کہ سردی میں سردی لگتی ہے اور گرمی میں گرمی لگتی ہے، بھوک کے وقت بھوک لگتی ہے، ایسے ہی حوادث اور صدمے پہنچتے ہیں اور غم آتا ہے، اور جب خوشیاں ہوتی ہیں اور تقریبات ہوتی ہیں تو چھوٹے بڑے سب ہی میں خوشی کی لہر ہوتی ہے تو یہ فطرت ہے لیکن) علماء نے لکھا ہے کہ جب کوئی کسی حادثہ کا شکار ہو اور کسی پر کوئی مصیبت اور کسی کو کوئی کسی طرح کی بات پیش آئے تو اس وقت اس کا تصور کرنا چاہیے کہ اس وقت میں حضور اکرم ﷺ کی وفات کیسا حادثہ تھا کہ ایسا حادثہ زمین وآسمان نے کبھی دیکھا ہے نہ دیکھیں گے، تمام عالم کے لیے اور ذرہ ذرہ کے لیے جن کو حق تعالےٰ شانہٗ نے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ﴿وما أرسلناك الا رحمةً للعالمين﴾ کیا مرد، کیا عورتیں، کیا انسانیت، کیا آدمیت، آسمان، زمین، چاند، سورج، سمندر، دریا پہاڑ، ہر مخلوق کے حق میں آپ کو اللہ نے رحمت بنایا کہ آپ کی تعلیمات رحمت، آپ کی ادائیں رحمت، آپ کی سنتیں رحمت، آپ کی شریعت رحمت۔

میں اس خاندان والوں کو مبارک باد دیتا ہوں کہ جیسے بچوں کو گھٹی دی جاتی ہے اس گھر کی گھٹی میں' آپ کے یہاں کی مستورات میں بھی، بچیوں میں بھی، بڑوں میں، مردوں میں بھی، اور اس پورے سلسلة الذهب میں حضور اکرم ﷺ کی شریعت وسنت کی اب تک گھٹی دی گئی اور اب بھی اسی کی گھٹی دی جارہی ہے؛ اس لیے میں تو یہی کہوں گا کہ اللہ جل شانہ ان نسلوں کو خوب آباد رکھے، اس گھرانے سے دنیا کو جو فیض پہنچ رہا ہے اور ان شاء اللہ پہنچتا رہے گا مستورات کے ذریعہ بھی مردوں کے ذریعہ بھی۔

ابھی معلوم ہوا کہ حضرت کے صاحب زادے بھی ہیں اور حضرت کے گھر والے بھی ہیں، اللہ جل شانہ آپ حضرات کو بہت صبر نصیب فرمائے اور یہ حضورؐ نے فرمایا ہے: ''انما الصبر عند الصدمة الأولى'' اصل صبر تو اسی وقت ہے جس وقت میں انسان حادثہ کا شکار ہو رہا ہے، اللہ جل شانہ جانے والوں کو بہت بلند درجات نصیب فرمائے، پیچھے ان کے صاحبزادے ہیں' اللہ ان کو بہت پروان چڑھائے، بہت ترقی دے اور آپ کو بہت صبر نصیب فرمائے۔ مجھے یاد ہے کہ میں جب ندوہ میں تھا اس وقت میرے والد صاحب کا انتقال ہوا تھا تو میرے استاذ میری تعزیت کے لیے آئے تھے، وہاں اپنے گاؤں کاوی میں انہوں نے اپنے اسلاف کے اور بزرگوں کے اخلاق سنانے شروع کیے، حضرت شاہ یعقوب صاحبؒ وغیرہ کے بھی، اس پر انہوں نے میری تعزیت کرتے ہوئے یوں کہا تھا کہ شاہ یعقوب صاحب نے بھی غالباً یوں کہا تھا کہ اب اس وقت حادثہ کے وقت میں جتنا اثر ہوتا ہے، فرمایا کہ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ حادثہ اور اس کا اثر، اس کا تاثر کم ہوتا جاتا ہے، پھر فرمایا تھا کہ ایک وقت وہ آئے گا کہ تم اپنے والد کو یاد کر کے رونا چاہو گے تو بھی رونا نہیں آئے گا، ابھی تو تصور سے رونا آتا ہے، لیکن اس وقت میں عجیب بات یہ فرمائی تھی کہ اس وقت میں جب والد صاحب تمہیں یاد آئیں گے اور تم ان کے لیے دعائیں کرو گے اور اپنی پوری طاقت کے ساتھ دعا کرو گے کہ میرے ابا کو یوں ہو اور میرے ابا کے ساتھ یوں ہو، ان کے قبر میں نور ہو، ان کے درجات بلند ہوں، ان کے ساتھ یہ ہو، ان کے ساتھ یہ ہو، اس پر تم اپنی پوری دعا کی طاقت خرچ کرو گے لیکن ساتھ ساتھ یوں بھی کہا کہ اس وقت امت کے بڑے بڑے مسائل ہیں، بالخصوص میں آپ سے پھر کہوں گا کہ اس گھر کے بچہ بچہ کو گھٹی جو دی گئی ہے وہ امت پنے ہی کی دی گئی ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کی امت دنیا کی چار سمتوں میں اور اس کا ہر بچہ کیسے پروان چڑھے، کیسے نبی کا دامن تھامے اور کیسے نبی کی تعلیمات پر علم وعمل کے اعتبار سے اور اس کی دعوت کے اعتبار سے چلے، اس گھر کی بنیادیں یہی ہیں اور اس گھر کے ہر بچہ کی گھٹی میں یہی دیا گیا ہے، اس گھر کی خصوصیات ہیں، اللہ جل شانہ بہت برکت دے، اسی لیے ہم آپ سے عرض یہی کریں گے کہ اس وقت میں بے شک مرحوم کی جو حیثیت تھی، انہوں نے جو ذمہ داریاں سنبھال رکھی تھیں، اللہ تعالیٰ فضل فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے اور اس وقت میں آپ کو جب کبھی بھی آپ بیٹھتی ہوں گی، آپ کا جمع ہونا ہوتا ہوگا، ایک دوسری کو دیکھتی ہوں گی فوراً آپ کو یاد آتے ہوں گے، خود حضرت کے گھر والوں کو اور مولانا کے صاحبزادے اور گھر کی جتنی مستورات ہیں، پھر تعزیت

کرنے والے جب آتے ہوں گے، وہ بھی تعزیت کرتے ہوں گے، وہ ان کی خوبیاں بیان کرتے ہوں گے، مجھے بیچ میں ایک بات یاد آگئی، جب میرے والد کا انتقال ہوا اور اعزہ واقارب جو تعزیت کے لیے آنے لگے، تو میرے والد صاحب کی خوبیاں بیان کرتے، والد صاحب ایسے تھے، ایسے تھے، اس پر میری والدہ کا رونا اور بڑھ جاتا، پھر مجھے خیال آیا کہ میرے والد تو گئے اب یہ اتنا رلا رہے ہیں کہ میری ماں بھی چلی جائیں گی تو میں نے اس وقت اپنی اہلیہ سے یوں کہا کہ تعزیت کرنے والیاں جب آئیں تو ان سے کہو کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جانے والے چلے گئے، مسئلہ تو اب جو پیچھے ہیں ان کا ہے کہ جانا ہر ایک کو اس راستہ پر ہے، لیکن تم یہاں گھر میں جو تعزیت کرنے آئے اس سے کہو کہ تین مرتبہ سورہ اخلاص قل ھو اللہ پڑھ کر کے ان کا ایصال ثواب کرو اور تعلیم شروع کردو، تاکہ میری والدہ پر سے بھی بوجھ ہلکا ہو، اس لیے کہ جو آتی تھیں وہ اسی طرح ان کی خوبیاں بیان کرتی تھیں، ہمارے والد صاحب اللہ ان کو غریق رحمت فرمائے، بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے، آپ سے بھی میری یہی درخواست ہے کہ تعزیت کرنے والے مرد ہوں یا عورتیں آپ کے یہاں جو بھی آئے تو ایصال ثواب ہو، گھر میں کوئی تعلیم کی کتاب ہو، اس کے ذریعہ اپنا غم بھی ہلکا ہوتا ہے اور وہ بات جو میں کہنا چاہ رہا تھا کہ میرے استاذ نے مجھ سے کہا تھا کہ وقت کے گذرنے کے ساتھ تاثر کم ہوتا چلا جائے گا اور وہ وقت آئے گا کہ یاد کر کے رونا چاہو گے تو رو نہیں سکو گے لیکن یہ وقت عجیب ہے اور اس وقت تمہاری دعا کہ جیسے اللہ پاک خود فرماتے ہیں، حدیث قدسی ہے: "أنا عند منكسري القلوب" (میں شکستہ دلوں کے پاس ہوا کرتا ہوں)، اس وقت جو آپ کے دلوں کی کیفیت ہے، جو آپ کے اندر کی چیزیں ہیں، وہ آپ زیادہ محسوس کرتی ہوں گی، ہم اتنا نہیں سوچ سکتے جو آپ کے دلوں پر گذرا ہو، اور یہی وقت ہے کہ اس وقت میں مجھ سے یوں فرمایا تھا کہ ایک تو یہ کہ تم اپنی ساری دعا کی طاقت اپنے والد کے آخرت کے بننے اور ان کے درجات کی بلندی پر لگا دو، بے شک یہ ان کا حق ہے لیکن ہماری تم سے نصیحت یہ ہے کہ اس وقت میں امت کے بڑے بڑے مسائل ہیں، اور اسی کو میں کہہ رہا تھا کہ چوں کہ اس گھرانہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس گھر کا کوئی مرد کوئی خاتون کوئی اپنے لیے نہیں رہا، جس طرح حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے مولانا یوسف صاحبؒ وغیرہ کی تربیت کی تھی اور کہا تھا کہ یہاں تو ہم بھی اپنے نہیں ہیں ہم تو امت کے ہیں، ایک مرتبہ چچہ کا مسئلہ آیا تھا؛ کہا کہ اس گھر کی کوئی چیز ہماری نہیں ہے، نہ ہم ہیں نہ ہماری کوئی چیز ہماری ہے، ہم تو امت کے ہیں، ایسے ہی اس گھرانہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا بچہ بچی اس کی بہوئیں، اس کی بیٹیاں، اس کے بڑے، اس کے چھوٹے، اس کے مرد، اس کی خواتین یہ کبھی اپنے لیے جیے ہیں نہ جی رہے ہیں، کھایا ہے نہ کھا رہے ہیں، ان کی تمام تر کاوشیں، تمام تر فکریں، تمام تر سوچیں امت ہی کے لیے رہی ہیں، خدا کرے یہ سلسلہ قیامت تک اسی طرح اس خاندان میں رہے، اور خدا ہمیں، ہم سے جتنی ہمارے بڑوں کی ناقدری ہوئی ہے اللہ اس کو معاف فرمائے، میں تو جب سوچتا ہوں ابھی کل ہی کی بات ہے کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے، وہاں دسترخوان پر میں نے حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا ملفوظ دوست کو سنایا کہ یوں فرمایا کرتے تھے کہ ہندوستان مردہ پرست ملک ہے، جب کوئی شخصیت اس کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے تو مرثیہ خوانی کرتا ہے، زندگی میں اس کی قدر نہیں کرتا۔

ہم نے خود اپنے آپ کو دیکھا، ہم ندوہ میں رہے اور حضرت مولانا علی میاںؒ کی شفقتیں ابھی تک اپنے دوستوں کو یاد دلاتا ہوں، عصر کی نماز کے بعد میں دارالاقامہ جا رہا تھا؛ ایک لڑکا پیچھے سے آیا کہ حضرت یاد کر رہے ہیں، میں ڈر گیا، کانپ گیا، میں نے کہا: چھوٹی بڑی شکایت ہوتی ہے تو نگراں صاحب نپٹا دیتے ہیں، کوئی بڑا مسئلہ ہے جو مجھے بلایا گیا ہے، میں گیا، معزز قسم کے مہمان بیٹھے تھے، حضرت تشریف فرما تھے، فرمایا: مولوی صاحب! تشریف لاؤ، ہم نے نماز میں آپ کی کھانسی سنی، یا اللہ! میری کھانسی اور حضرت نماز میں! میں نے کہا: جی حضرت! میں مولانا اسحاق صاحب کے پاس دوا لینے کے لیے جا رہا تھا، فرمایا: نہیں، کھانسی کا انداز بدلا ہوا ہے، تمہارا علاج ہم کرائیں گے، اور کل تمہیں ڈاکٹر فریدی کے یہاں جانا ہے، ہمارا رکشہ پہنچا، وہاں حضرت کے فون کی گھنٹی بجی، میں بھول نہیں سکتا، مغرب کے بعد ہم گجراتی لڑکے آپس میں کھانا کھا رہے تھے، دارالاقامہ میں حضرت تشریف لائے اور ہمارے پاس

کھڑے ہوگئے، پوچھا: کیا کھا رہے ہو، میں نے کہا: حضرت! مطبخ سے سالن روٹی وغیرہ، چاول نہیں؟ میں نے کہا: نہیں، حضرت! چاول نہیں ہے۔ فرمایا: واہ! تم گجرات کے لوگ تو چاول کھاتے ہو، وہیں کھڑے کھڑے حضرت نے مطبخ سے ملازم بلایا، جمیل نام تھا اس کا، اللہ اس کی مغفرت فرمائے، بلا کر کے فرمایا: جب تک یہ بچے دارالعلوم میں رہیں گے ان کے لیے چاول میرے حساب میں، میں کہتا ہوں کہ میرے ماں باپ سے زیادہ، ہمیں جو شفقتیں ملی ہیں، اور اس کے ساتھ اپنی پوری روحانیت، پوری نورانیت، اپنا علم و کمال، اور اس کے ساتھ گویا یہ فکر کہ کیا کچھ دے دوں طلبہ کو، اور کیا کچھ دے دوں امت کو، اس گھر کی ہر خاتون اور ہر بچہ کے اندر یہ جذبہ رہا ہے، خدا اس سلسلہ کو قیامت تک باقی رکھے، اور مردوں میں عورتوں میں جوانوں میں بوڑھوں میں ہر ایک میں باقی رکھے، اصل تو یہ ہے کہ ہم نے قدر نہیں کی، اور وہی ہم اب مرثیہ پڑھ رہے ہیں، حضرت ایسے تھے، حضرت ایسے تھے، اللہ جل شانہ آپ سب کو بہت صبر نصیب فرمائے، اور اس وقت میں اپنے دلوں کی کیفیت کی قدر کرتے ہوئے امت کے جو بڑے بڑے مسائل ہیں ان کی فکر کریں، او ہو! آپ کو امت کی کارگزاریاں سنائیں، امت کے حالات سنائیں، کیسے کیسے حالات، اور کہاں کہاں سے ہمارے پاس نظام الدین میں جو مجمع آتا ہے، ابھی ہم بنگلہ دیش کے اجتماع میں گئے تھے، اس سے پہلے رائیونڈ پاکستان گئے، وہاں لاکھوں کا مجمع، بنگلہ دیش میں تقریباً دنیا کے پینتالیس ملکوں کے مہمان، ہزاروں ہزار کے قریب، عجیب عجیب حالات سناتے ہیں، کل ہی کی بات ہے، ایک مفتی صاحب سسلی سے آئے جو ایک جزیرہ ہے، کہا کہ وہاں تینتیس ہزار کی آبادی ہے اور تین ہزار مسلمان ہیں، ان میں سے اکثر مرتد ہوگئے، نصرانی ہوگئے، پھر میں نے ان کو سنایا کہ نہیں، ۱۹۶۵ء میں جب ہم جا رہے تھے، ہمارا جہاز بھی وہاں سے گزرا تھا، ہم بھی سسلی اترے تھے، جس خاندان میں ہم گئے تھے وہ ہمارے قریب کے گاؤں کا خاندان تھا، اٹھارہ سال کا لڑکا ہمارے پاس آیا تو اس کی زبان پر کلمہ کے الفاظ نہیں جاری ہو رہے تھے، میں آپ سے یہی درخواست کروں گا کہ اس وقت امت کے ایمان کے لالے پڑ رہے ہیں، امت کے عقائد کے سودے ہو رہے ہیں، جس طرح جنگلوں میں اور منڈیوں میں جانور بیچے جاتے ہیں پورا بکرا لے لو، سری پائے لے لو، کلیجی گردے لے لو، اس طرح اس وقت میں امت کے جوانوں کے، بوڑھوں کے، مال داروں کے، غریبوں کے، دوشیزاؤں کے، کنواری بچیوں کے، خواتین کے گویا عقائد کے، اخلاق کے، حسن معاشرت کے مختلف لائنوں سے سودے ہو رہے ہیں، کیا جانوروں کی منڈیوں میں سودے ہوتے ہوں گے، کیا بازاروں میں چیزیں بک رہی ہوں گی جس طرح اس وقت ایمان بک رہا ہے، ایمان وعقیدہ امت کا انتہائی خطرناک دور سے گزر رہا ہے، میں آپ کا بچہ ہوں، آپ کا نمک خوار ہوں، آپ کے احسانوں تلے دبا ہوا ہوں، جن کا بدلہ دے نہیں سکتا، میری آپ سے درخواست ہے کہ یہی وقت ہے اپنے دوپٹے پھیلا پھیلا کے، دامن پھیلا پھیلا کے، سجدے کر کر کے اس ڈوبتی امت کی، اور امت کی ڈوبتی نیا کے تیرنے کے لیے اور اس کے عقیدہ، اس کے اعمال، اس کے اخلاق، اس کے علم وعمل اور اس کے ادارے، اور ان کے ذمہ داران، ہر ایک کے لیے جتنا جو کچھ مانگ سکتی ہو مانگ لو، بے شک مولاناؒ تو گئے، اللہ ان کے درجات کو بلند فرمائے کہ یہی وقت مقرر تھا، اسی طرح جانا مقدر تھا، تقدیر کو کوئی بدل نہیں سکتا، ہمارا ایمان ہے: "آمنت باللّٰہ و ملٰئکتہ و کتبہ و رسلہ و الیوم الآخر و القدر خیرہ و شرہ من اللّٰہ تعالیٰ و البعث بعد الموت" ہمارا ایمان ہے، یہی مقدر تھا، یہی تقدیر تھی، جانے والے اپنے رب کے پاس چلے گئے، مسئلہ میرا، آپ کا اور امت کا ہے، پیچھے والوں کو بھی اپنے جانے کی تیاری عملی ہی طور پر کرنی ہے اور جو اصل اس خاندان کی خصوصیت ہے، اس کے بچہ بچہ کو جس کی گھٹی دی جاتی ہے وہ امت کا غم ہے، وہ امت کے عقائد، امت کا ایمان، امت کے اخلاق، امت کا علم وعمل! آپ کا یہ وقت جس صدمہ سے آپ گذر رہی ہیں، اور آپ کے دلوں میں جو کیفیت ہے اس کو غنیمت سمجھیں، اس کو امت کے لیے وصول کریں اور امت کے لیے دعائیں کریں، خدا ہمیں بھی نصیب فرمائیں، آپ کو بھی نصیب فرمائیں اور آپ کے ذریعے حق تعالیٰ شانہ امت کے بڑے بڑے مسائل کو عافیت کے ساتھ حل فرمائیں، آمین!

(نقل کردہ: محمد انس اسرائیلی ندوی)

کیا لوگ تھے جو راہِ وفا سے گزر گئے

مولانا عزیز الحسن صدیقی (مہتمم مدرسہ دینیہ، غازی پور)

حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ محض ۵۵ رسال کی زندگی گزار کر اپنے رب سے جا ملے۔ ان کی زندگی میں تو ان کے محاسن اور کمالات کا تذکرہ کرنا مشکل تھا مگر اب جب کہ وہ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں، ہم ان کی شخصیت و کردار پر کھل کر گفتگو کر سکتے ہیں اور لوگوں کو بتا سکتے ہیں کہ وہ کیا تھے اور کیا کر گئے۔ سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ وہ اس خانوادہ کے چشم و چراغ تھے جس کے بارے میں مولانا عبداللہ عباس ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''شاہ علم اللہؒ اس خاندان کے سرخیل تھے جنھوں نے اپنی نو جوانی میں اس علاقہ کو اللہ کے ذکر سے آباد کیا اور اس کی مقبولیت کے آثار دیکھے گئے اور دیکھے جا رہے ہیں، اب تک ہر دور میں کوئی نہ کوئی اللہ والا فرشتہ صفت مرشد یہاں سے اٹھا اور اس نے دین کا چراغ روشن رکھا، ان لوگوں نے محض اللہ کے نام کو آباد کرنے کے لیے اس سرزمین پر اپنا پڑاؤ ڈالا، اس کے انعامات سے مستفید ہوتے رہے اور آزمائشوں سے بھی دوچار ہوئے، راحت و آرام کی کچھ ساعتیں بھی ملیں اور افلاس کی سختیاں بھی برداشت کیں۔''

(خانوادۂ علم اللہی ص ۱۱)

مولانا سید عبد اللہ حسنی ندویؒ خانوادۂ علم اللہی سے نسبت رکھنے والے ان سیکڑوں افراد میں سے ایک تھے جو صبر و قناعت، خلوت پسندی اور اخفائے حال کی صفت سے متصف ہوا کرتے تھے۔ وہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کے پوتے ہی نہیں شاگرد اور دست گرفتہ و مجاز بیعت بھی تھے، مولانا کی صحبت و معیت میں رہ کر اور مولانا سے تربیت پا کر وہ کندن بن گئے تھے۔ وہ بالیقین خانوادۂ علم اللہی کی متاع گراں مایہ تھے، عالی نسب ہی نہیں عالی حوصلہ بھی تھے اور خاندانی روایات کے امین و پاسدار بھی۔ انھوں نے خاندان کے ممتاز ترین بزرگ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ سے صرف انس و محبت کی سوغات ہی نہیں مزاج و عادات، علو ہمت اور دنیا سے بے رغبتی و یکسوئی کی دولت بھی پائی تھی۔ صوفیانہ مزاج و انداز اور خدا ترسی کا جذبہ ورثہ میں پایا تھا۔ مولانا سید عبداللہ عباس ندویؒ خانوادۂ علم اللہی (مصنفہ مولانا سید محمد ثانیؒ) کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

''اس خاندان کا حق تھا کہ اس کے روحانی تسلسل کو باقی رکھنے والے افراد کو دنیا یاد رکھے اور اس حقیقت کو سمجھے کہ اللہ کے جس بندے نے رشتہ عبودیت کو مستحکم کیا اس کو زوال نہیں ہے، چہرے اور نقشے بدلتے رہے کہ یہ سنت الٰہی ہے مگر اللہ کے نام کی گرمی آج بھی اس خطہ میں سانس لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

(خانوادۂ علم اللہی ص ۳)

بلاشبہ مولانا سید عبد اللہ حسنیؒ لوگوں کے درمیان ایک عام آدمی کی طرح رہے، ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا عام لوگوں جیسا رہا مگر ان کو دیکھنے والا بھانپ لیتا تھا کہ وہ کسی اور دنیا کے آدمی ہیں، کبھی کبھی کچھ کھوئے کھوئے سے نظر آتے تھے۔ لگتا تھا کسی شئے کی جستجو میں ہیں، جستجو کیا تھی؟ وہی تھی جو انھیں ورثہ میں ملی تھی یعنی دین کے چراغ کو روشن رکھنے اور انسانیت کے پرچم کو بلند کرنے کی فکر جس نے انھیں اندر ہی اندر گھلا رکھا تھا۔ ان کے درسی مشاغل کم نہیں تھے، تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری تھا، مدارس کی سرپرستی و نگرانی کے ساتھ ساتھ اسفار بھی ہوتے رہتے تھے مگر رشتہ عبودیت

کو مستحکم کرنے کی فکر سب پر غالب تھی اور یہ ساری تگ ودو اور محنت ومشقت ہمت عالی پر موقوف تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ میر سید محمد معین کے نام اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''حقیر کا اعتقاد یہ ہے کہ حضرت شاہ علم اللہ کی اولاد میں ہمت عالی اس وقت تک موجود ہے۔ یہی توجہ خاطر اور ہمت عالی مطلوب ومقصود ہے''۔

ہم جب مولانا عبداللہ حسنیؒ کی شخصیت وکردار اور ان کے کارناموں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ان کی ذات میں وہ وہ ساری صفات اور کمالات جلوہ گر نظر آتے ہیں جو ان کے خاندان کا طرہ امتیاز ہے، ہم جب مولانا مرحوم کے دینی ودعوتی کاموں کا جائزہ لیتے ہیں تو مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کے قول ''ہر دور میں کوئی نہ کوئی اللہ والا فرشتہ صفت مرشد یہاں (تکیہ کلاں) سے اٹھا اور اس نے دین کا چراغ روشن رکھا'' کی صداقت ہمارے اوپر روشن ہونے لگتی ہے۔

مولانا مرحوم نے اپنی زندگی کے آخری دور میں دین کی دعوت جس ہمت اور لگن کے ساتھ دی اور اس کے لیے جتنی مشقتیں اٹھائیں اور اپنے مقصود کو پانے کے لیے ان کے دل میں جو اضطراب تھا، اس کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے وہی کیا جو ان کے اسلاف صدیوں سے کرتے چلے آئے تھے۔ اللہ کے فضل سے ان کی مساعی بارآور ہوئیں اور بندگان الٰہی جوق در جوق ان کی طرف رجوع ہوئے اور اللہ والے بن گئے۔

۱۹۴۷ء اس اعتبار سے خوشیوں کا سال تھا کہ وطن عزیز آزادی کی نعمت سے ہم کنار ہوا تھا مگر برطانوی حکومت کی مکارانہ ڈپلومیسی کے نتیجے میں ملک دو ٹکڑوں میں بٹ گیا اور برصغیر میں خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ وزیر اعظم برطانیہ مسٹر چرچل نے ایک موقع پر کہا تھا کہ ''اول تو ہم ہندوستان سے جائیں گے نہیں اور اگر جائیں گے تو دھول اڑا کر جائیں گے'' چرچل کا یہ قول سچ ثابت ہوا۔ برطانوی قوم ایسے چرکے لگا کر گئی کہ زخموں سے اب تک خون رس رہا ہے۔ برصغیر کی تقسیم نے دس لاکھ لوگوں کی جانیں لے لی تھیں اور لاکھوں لوگ بے گھر ہو گئے تھے، اس کے بعد سے اب تک ہزاروں چھوٹے بڑے فسادات ہو چکے اور ایک ایک فساد میں ہزاروں لوگ تہہ تیغ کر دیے گئے، مکانات جلائے گئے، معیشت کو تباہ کیا گیا۔ ملک کا نقصان ہوا، انسانیت کو ٹھیس پہنچی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ پر اس کا بڑا اثر تھا اور وہ محسوس کرتے تھے کہ اس ملک کے بسنے والے جو مختلف مذاہب اور مختلف طبقات سے تعلق رکھتے ہیں برطانوی سامراج کے شکنجے سے آزاد ہونے کے بعد اگر سماجی اور اخلاقی اعتبار سے نہیں سدھرے تو ملک یقیناً تباہی کے غار میں چلا جائے گا چنانچہ آپ نے پیام انسانیت کے نام سے ایک تحریک کا آغاز کیا اور جگہ جگہ اس کے بینر تلے چھوٹے بڑے اجتماعات ہونے لگے۔ آپ برسہا برس تک یہی پیغام دیتے رہے کہ موجودہ حالات میں اس ملک کو بچانے کی مخلصانہ کوشش نہیں کی گئی اور انسانیت کی بے لوث خدمت کو اپنا شعار نہیں بنایا گیا تو ملک وقوم کو تباہی سے بچایا نہیں جا سکتا۔ آپ فرماتے تھے کہ پوری قوم ایک کشتی پر سوار ہے اور اگر کشتی ڈوبی تو سب ہلاک ہوں گے۔ آپ کبھی دانشوروں سے خطاب کرتے تھے، کبھی بڑی بڑی جامعات میں جا کر اپنی بات کہتے تھے، کبھی عوام سے ہم کلام ہوتے تھے اور کبھی صاحبان اقتدار کو ان کا فرض یاد دلاتے تھے، ۱۹۹۹ء میں سابق وزیر اعظم اٹل بہاری واجپئی جب آپ سے ملاقات کرنے کی غرض سے ندوہ آئے تو آپ نے فرمایا ''اس ملک میں اگر تین چیزیں ایجوکیشن، میڈیا، اور پولیس درست ہو جائیں تو ملک میں امن قائم ہونے میں دیر نہیں لگے گی مگر افسوس کہ تینوں مخدوش ہو چکی ہیں''۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اسی سال ہمیں داغ مفارقت دیا آپ کے بعد آپ کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی مدظلہ العالی نے تمام ذمہ داریاں سنبھال لیں اور مولانا سید عبداللہ صاحب کو پیام انسانیت فورم کی ذمہ داری سونپی، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا نے اس کا حق ادا کر دیا اور اس تحریک کا پیغام ملک بھر میں پہنچا دیا..... (باقی صفحہ ۴۸ پر)

مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ
چند یادیں

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری

مولانا مرحوم کا حادثۂ فاجعہ اور اس پر اپنے تأثر کا اظہار اپنے تعزیت نامے میں جو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کی خدمت میں ارسال کیا تھا ذکر کر چکا ہوں، اب ان پر خصوصی نمبر پیش کیا جا رہا ہے، اس میں متعدد مقالات ان کی حیات وخدمات پر آ رہے ہیں، میری مختصر تحریر بھی نقوش و تأثرات کی حیثیت رکھتی ہے۔

مولانا عبداللہ حسنی صاحبؒ کے والد مرحوم مولانا سید محمد الحسنی متوفی ۱۹۷۹ء میرے رفیق درس رہے ہیں، وہ شاہ حلیم عطاء صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء کے درس صحیحین میں شریک ہوتے تھے اور حضرت شاہ صاحبؒ ان کے والد محترم حضرت ڈاکٹر عبدالعلی صاحب سے خصوصی تعلق کی بنا پر اہتمام فرماتے تھے، ہمارے درس میں کل بشمول مولانا مرحوم کے چھ طالب علم تھے، لیکن مولانا کا تعلق زیادہ تر اس ناچیز سے تھا، ایک دوسرے ہمارے ساتھی مولانا مطیع الرحمٰن ندوی مقیم جدہ تھے، ان کا تعلق ان کے ماموں مولانا سید واضح رشید ندوی سے زیادہ تھا جو ہم سے ایک سال آگے تخصص ادب میں تھے، ہمارا اور محمد میاں مرحوم کا تعلق آئندہ چل کر بڑھتا رہا، میرے ندوے کے زمانے میں تقریباً پانچوے گھنٹے میں ترمذی کی تدریس سے فارغ ہو کر ان کی آفس میں ملاقات کے لیے جو انس و دل بستگی کی علامت ہوتی شرکت کرتا، عام طور پر مولانا سعید الرحمٰن ندوی مہتمم ندوۃ العلماء درس سے فارغ ہو کر آ جاتے، باری باری سے چائے نوشی ہوتی ہوٹل پر یا مہتمم صاحب کے مکان پر جہاں بہت لذیذ و نفیس چائے بنتی تھی، پھر جب انہیں عربی میں ایک بولٹن نکالنے کا خیال پیدا ہوا تو اس کی ممبری میں میرا نام بھی رکھا تھا اگرچہ میری تدریسی ذمہ داریوں کی وجہ سے وقت بہت کم ملتا تھا لیکن کبھی کبھی چھٹیوں میں گوئن روڈ ان کے مکان پر حاضری دیتا اور ان کی مجلسوں میں شرکت کرتا، وہاں پر مرحوم ضیافت و مہمان نوازی فرماتے، بہت نفیس چائے پلانے کا انتظام کرتے، ایک مرتبہ حضرت گنج کے عمدہ ہوٹل میں ہم سب لوگ چائے نوشی کے لیے گئے، داعی ہمارے ایک ساتھی تھے بل چودہ روپئے کا آیا لیکن ادائیگی سے پہلے وہ اٹھ کر چل دیئے، کسی نے ادائیگی نہیں کی، مرحوم نے بل ادا کیا، ان کے حالات میں اپنے مقالے میں لکھ چکا ہوں، ندوۃ العلماء سے جانے کے بعد میرا ان کا تعلق اسی طرح باقی تھا، صحبتے با اولیاء کی طباعت کے بعد انہوں نے تعمیر حیات میں ایک تحریر لکھی ''مولانا تقی الدین صاحب ندوی پر اللہ تعالیٰ کے بہت سے انعامات ہیں، ان میں سے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کی توجہ و شفقت ہے'' مجھے یاد ہے کہ ان کی یہ تحریر پڑھ کر مجھ پر گریہ طاری ہو گیا۔

مولانا عبداللہ صاحب کی ولادت پر ہم سب کو بڑی خوشی ہوئی تھی، ان کی بڑی خواہش تھی کہ میرا یہ بچہ تعلیمی مراحل طے کر کے محدث اور داعی بنے، مولانا مرحوم میں یہ دونوں صفت پیدا ہو گئی تھی، ندوہ میں حدیث شریف کا درس دینے لگے تھے، وہ جلسوں میں ایک اچھے واعظ و مقرر کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے آئے، ذکر و فکر و انابت الی اللہ کی دولت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو سرفراز کیا تھا، اس لیے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اجازت و خلافت کی

دولت سے سرفراز فرمایا اور ان کی تبلیغی و دعوتی حکمت عملی سے بڑی تعداد میں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو رہے تھے، اس میدان میں ان کو انفرادی حیثیت حاصل تھی، ان کی پُرکشش شخصیت لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی، مولانا کو اللہ تعالیٰ نے استغناء و توکل کی صفت سے بھی نوازا تھا، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حاکم شارقہ شیخ سلطان بن محمد القاسمی نے دو ایسے علماء کو طلب کیا جو شارقہ کی ٹی وی سے اردو میں خطاب کر سکیں، اس ناچیز نے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے ذریعہ مولانا سلمان ندوی و مولانا عبداللہ مرحوم کو متعین کیا، دونوں شارقہ آئے، پروگرام ختم ہونے پر ان کے لیے ایک رقم پیش کی گئی جس کو دونوں نے لینے سے انکار کر دیا، اس استغناء کا ان لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑا، جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے شیخ کے قریبی عزیز شیخ سالم بن محمد القاسمی جو مجھ سے بے حد محبت رکھتے ہیں ان کو فون کیا کہ میں حاجت مند ہوں، مجھ کو وہ رقم بھجوایئے، چنانچہ وہ رقم میرے پاس آئی اور ان دونوں کو زبردستی حوالہ کیا اور کہا کہ ابھی آپ دونوں ''حضرت'' نہیں ہوئے ہیں، ندوے کے ہر آمد و رفت میں ہمیشہ ایک دو مرتبہ ملاقات کے لیے آتے اور اپنی تبلیغی کوششوں کا ذکر فرماتے، ان کو جامعہ اسلامیہ آنے کی بار بار دعوت دی، بعض مرتبہ طلبہ میں بیان بھی کرایا جو بڑا مؤثر تھا، اپنی آخری علالت سے چند روز پہلے بھی ندوے میں مجھ سے ملاقات کے لیے آئے اور اپنی علالت کا ذکر کیا، لیکن کہیں سے یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ آخری وقت آنے والا ہے، ان کی علالت کی خبر سن کر اس ناچیز نے بھی اللہ سے فریاد کی اور بہت سے علماء و اہل ذکر نے دعائیں کی لیکن قضاء و قدر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں، چنانچہ ان کا وقت موعود ۳۱ر جنوری ۲۰۱۳ء کو آ گیا۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

خراج عقیدت

ندوہ اُداس اُداس در و دیوار اُداس اُداس
حضرت کے دوستوں کا بھی ہے پیار اُداس اُداس

محسن چمن کا رنگ یکا یک بدل گیا
گل ہیں اگر اداس تو ہیں خار اُداس اُداس

جو بھولے بھالے لوگ ہیں وہ ہیں شکستہ دل
اہل خرد زمانے کے ہشیار اُداس اُداس

طلبہ ہو یا اساتذہ ہوں سب ہیں سوگوار
غمگیں عوام، صاحب کردار اُداس اُداس

جو لوگ تیز گام ہیں حضرت کے فیض سے
دیکھیں تو آج ان کی ہے رفتار اُداس اُداس

جو لوگ گاؤں شہر سے مٹی میں آئے ہیں
خود ہیں اُداس ان کے ہیں گھربار اُداس اُداس

عبداللہ شیخ حسنیؒ کے جانے سے دوستو
لگتا ہے جیسے سارا ہے سنسار اُداس اُداس

جو لوگ ہیں انیسؔ فصاحت کے سربراہ
ایسے زبان والوں کی گفتار اُداس اُداس

انیس احمد انیسؔ پُرخاصوی الہ آبادی

زیبِ لوح وقلم

مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری (گجرات)

اِس جہاں میں ہرلمحہ موت وحیات کے مابین کشمکش رہتی ہے؛ پَر موت کا زندگی پر غلبہ یقینی اور فتح قطعی ہے، اور موت چوں کہ ہر زمانے میں اور ہر جگہ آتی رہتی ہے؛ اِس لیے اِس کی جانب توجہ نہیں کی جاتی؛ البتہ جب کوئی ایسا باہوش خوش بخت انسان حیات جاودانی کا استقبال کرتا ہے، جس کی زندگی کے لمحات وساعات خود اُس کے اور دوسروں کے لیے نفع بخش ہوتے ہیں، تو وہ اپنے وابستگان اور شناساؤں کو حزن وغم کے دریا میں چھوڑ جاتا ہے۔ کچھ ایسے ہی خوش نصیبوں میں سے عنوان ''مرنجا مرنج'' کا صحیح مصداق حضرت مولانا عبداللہ حسنیؒ ہیں۔

مرحوم نے ۱۹۵۷ء میں - جب کہ والدِ محترم، الہامی نثر نگار مولانا محمد الحسنی عمر کی بائیسویں منزل میں تھے- اِس دارفانی میں قدم رکھا، اور تقریباً دو دہائیوں تک پدری سایے میں پروان چڑھتے رہے، اور جب خود عمر کے بائیسویں درجے پر سوار ہوئے تو والد محترم نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

حضرت مولانا کو سالہا سال اپنے دادا (یعنی برادرِ دادا) مفکر اسلام، زاہد بے مثال حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ سے اکتسابِ فیض کا موقع ملا، کئی ایک خوبیاں - کہ جن میں کی فقط ایک دو خوبیوں سے آدمی کافی بڑا معلوم ہوتا ہے- اِس سرائے میں ساتھ لائے تھے، اور مزید برآں اُن کی مقناطیسی اور جدِّ ابی فطرت نے والد ودادا سے بھی بہت کچھ جذب کیا، جس کی شہادت اُن کی پوری زندگی دیتی ہے۔

والد محترم حضرت مولانا محمد الحسنی - کہ جن میں عربی اردو نثر نگاری کا ملکہ وہبی تھا- سے عربی اردو، زبان وقلم ملے، اور تاحینِ حیات اُن کا اشہبِ قلم مختلف موضوعات پر سرپٹ دوڑتا رہا۔

''الرائد'' کی ادارت آپ کے حوالے رہی، اِس مشہور رسالے کے توسط سے پُرجوش مگر اخلاص وہمدردی سے بھرپور طریقے سے عربوں اور وابستگانِ الرائد کو جھنجھوڑتے رہے، اور اپنا درد دل اور امت کی زبوں حالی اُنڈیلتے رہے، اور اُن کے علاج ومعالجات کے نسخے بیان کرتے رہے۔ چناں چہ کبھی زبان قلم بول اٹھتی ہے:

" أصبح المسلمون في العالم المعاصر في العالم كله جسدا بلا روح، علما بلايقين، صورة بلاحقيقة، لهم أعلام مرفوفة على الأمم المتحدة؛ ولكنها منكسة في قلوب الأعداء، لهم عدد هائل في الدنيا ولكنهم غثاء كغثاء السيل، عندهم جواهر ولآلي ثمينة ولكنها تباع وتشترىٰ في سوق الغرب، لهم عقول ولكنها غسلت في الديار الغريبة بماء نجس، عظمت جثتهم، وانتفخت أبدانهم بأدوية وأقراص تناولوها من مواليهم."(الرائد، ربیع الآخر ۱۴۳۴ھ ص:۱۷)

مسئلۂ فلسطین پر اُن کا جلا بھونا دل یہ تأثرات پیش کرتا ہے:

"العالم الإسلامي اليوم فقد علىٰ حين غفلة من الدعاة والمربين شيئا كثيرا من معنوياته، والعناصر التي تكون شخصيته وهي (۱)الإيمان بالغيب إيمانا يفوق إيمان الماديين بماديتهم(۲)إيثار آجل الآخرة على عاجل الدنيا (۳)الاستهانة بزخارف الدنيا ومتعها(۳)الاستقامة على الحق والتفاني في سبيله (۵)الحمية الدينية ؛ فكانت هذه النكسة في النفس هي السبب الحقيقي للنكسة الفظيعة التي واجهها العالم الإسلامي في جميع ميادين الحياة، وسبب النكبات التي نكب بها في العصور

الأخيرة." (الرائد، ربيع الآخر ۱۴۳۴ھ ص: ۱۸)

والد محترم کی طرح بعض اوقات عنوان اتنے عمدہ ہوتے کہ قاری عش عش کر جاتا، مثلاً: (۱) معالجة السقيم أو إسقام السليم (۲) حماقة العقلاء وجهالة العلماء (۳) عليكم بالثقلين أيها الثقلان.

حضرت مولانا مختلف میدانوں کے شہسوار تھے، جن میں سے تحریر وقلم کے سلسلے میں کچھ اشارے دیے جا چکے۔

زبان وبیان کا بھی عمدہ سلقیہ تھا، ملک بھر میں مولانا کے محبین، مسترشدین ومریدین، علماء واہلِ مدارس اپنے اجتماعات وپروگرامات میں بلاتے، اور مرحوم کی پُر مغز وپُر اثر تقاریر سے سیراب ہوتے۔

سال گذشتہ احقر کی ملاقات کے لیے تشریف لائے تھے، اور سورت میں کئی سالوں سے جاری درسِ حدیث کی مجلس شنبہ میں ''احتساب'' کے عنوان پر بزرگوں کے واقعات کی روشنی میں بہت ہی عمدہ وپُر اثر بیان فرمایا تھا۔

جہاں آپ بہترین انشاء پرداز اور مقرر تھے وہیں آپ کامیاب مدرس بھی تھے، ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ۱۹۷۱ء میں فراغت کے بعد وہیں تدریسی سلسلے کی ابتداء ہوئی، اور ابتدائی کتابوں سے لے کر بخاری شریف تک کتابیں زیرِ درس رہیں۔

زمانۂ طفولیت میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ سے شرف بیعت حاصل ہوا، بعد ازاں مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی آغوشِ تربیت میں رہ کر منازلِ سلوک طے کیے، حضرت مفکر اسلامؒ نے اپنی زندگی کے آخری رمضان المبارک میں اجازت بیعت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اجازت بیعت کے بعد مسترشدین کو فیوضِ باطنی سے مالا مال فرماتے رہے، نیز ۱۹۸۰ء سے رمضان المبارک میں تکیہ رائے بریلی کی مسجد میں درسِ حدیث بھی دیتے رہے۔

اِن مختلف الجہات میدانوں میں بہت ہی نمایاں اور سرِ فہرست کام ''تحریکِ پیام انسانیت'' کی خاموش؛ مگر بہت ہی کامیاب قیادت ہے۔ ملک کی دن بہ دن بگڑتی ہوئی صورت حال اور انسانی اخلاقی قدروں کی پامالی سے متاثر ہو کر حضرت مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے بلاتفریقِ مذہب وملت ہر طبقے سے خطاب کی مہم شروع فرمائی، جس کا آغاز ۱۹۵۴ء میں ہوا، جس کی پہلی تقریر ۹ر جنوری ۱۹۵۴ء گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ میں ہوئی، حضرت کے کچھ اسفار اور مشاغل کی بناء پر اِس میں طویل وقفہ رہا، پھر دوبارہ ۱۹۷۴ء دسمبر کو الہ آباد سے پھر اُسی مہم کا آغاز ہوا، اور تاہنوز جاری ہے۔ اِس تحریک کے اَغراض ومقاصد اور طریقۂ کار ''تحریکِ پیام انسانیت کے بارے میں ایک اہم انٹرویو'' میں مفصل مذکور ہیں۔

الغرض! حضرت مفکر اسلام کے بعد اِس تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے ایک باہوش مدبر قائد کی ضرورت تھی، جو حضرت مولانا عبداللہ حسنیؒ کی شکل میں میسر آ گیا۔ فلله الحمد علىٰ ذلك.

مرحوم نے بہت ہی خاموشی اور حسنِ تدبیر کے ساتھ اِس پلیٹ فارم سے غیر مسلموں تک دعوت پہنچانے کا کام انجام دیا، اور آپ نے اِس تعلق سے اپنے بہت سے شاگردوں اور متعلقین کو تیار کیا، اور پورے ملک کے طول وعرض میں پھیلا دیا، جو پورے لگن کے ساتھ کام میں مشغول ہیں۔ آپ نے اِس تحریک کے قائد کی حیثیت سے جہاں غیر مسلموں کو دعوت دی، اور برادرانِ وطن کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا، وہیں افراد سازی کا نہایت ہی مفید کام انجام دیا۔

بہر کیف! ۳۰ر جنوری ۲۰۱۳ء کو صبح ساڑھے دس بجے علمی ودعوتی دنیا کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے جملہ کارہائے خیر کو شرف قبولیت سے نوازے، اور اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین!

دین ودنیا

دین ودنیا ساتھ چلتے ہیں، ایک خراب ہو اور دوسرا صحیح ایسا نہیں ہوتا، جس طرح دنیوی چیزوں میں ملاوٹ ہو گئی ہے اور ان کے کھانے سے متعدد امراض پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح دین کا کام کرنے والوں کے یہاں بھی اخلاص کے نہ ہونے سے بہت سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں، جس طرح دنیوی چیزوں میں ملاوٹ نہ کرنے والے مخلصین کی کمی ہے، اسی طرح دین کا کام کرنے والوں میں بھی مخلص کم ہوتے جا رہے ہیں اور دھیرے دھیرے بالکل ہی کم ہو جائیں گے۔

حضرت مولانا عبیداللہ حسنی ندویؒ

فکر و نظر کے چند گوشے

ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن نشاط

۳۰ جنوری ۲۰۱۳ء کو مجھے اچانک حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ کے انتقال کی خبر چنئی میں ملی جہاں میں ان دنوں مقیم تھا۔ یہ خبر اتنی اچانک تھی کہ تھوڑی دیر کے لیے اس بات کا یقین کرنا مشکل ہوگیا کہ مولاناؒ واقعی اس دار فانی کو چھوڑ کر سفر آخرت اختیار کر چکے ہیں۔ دھڑکتے دل کے ساتھ میں نے فوراً مولانا محمود حسن حسنی صاحب کو ٹیلیفون کیا۔ اطلاع صحیح تھی۔ ٹیلیفون رکھتے ہی محرومی کا احساس ہوا اور ماضی میں ساتھ گزارے ہوئے لمحات یاد آنے لگے۔ ابھی تو ہم ان سے بہت ساری امیدیں لگائے بیٹھے تھے لیکن موت وحیات کا فیصلہ تو مشیت الٰہی کے اسرار میں سے ایک ہے۔ ان کے انتقال سے چند دن پہلے تک میری ان سے بات ہوتی رہی تھی۔ اس بات سے تشویش تو تھی کہ بیماری نے طوالت اختیار کر لی تھی، لیکن کم از کم مجھے اس بات کا بالکل اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ خطرہ اتنا سنگین تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سامنے آیا اور انہوں نے ایک بامقصد اور مثالی زندگی گزار کر اچانک سفر آخرت اختیار کیا۔

مولانا عبداللہ حسنی صاحبؒ سے میرے تعلق ومحبت کا دائرہ کئی دہائیوں پر پھیلا ہوا ہے۔ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جب بھی حاضر ہوتا تھا تو وہ ان کے آس پاس ہی ہوتے تھے۔ ان کا بچپن، طالب علمی کا زمانہ اور پھر ندوہ کے تدریسی ایام، سب حضرت مولاناؒ کے سایۂ عاطفت میں ہی گزرے۔ میں جب بھی حضرت مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا، مولانا عبداللہ صاحبؒ سے ملاقات ہوتی۔ رفتہ رفتہ عمومی تعارف کی جگہ قلبی تعلق نے لے لی۔ پھر جب میں حضرت مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو میرا جی چاہتا کہ فراغت کا کچھ وقت مولانا عبداللہ صاحبؒ کے ساتھ بھی گزاروں۔ وہ بھی کرم فرماتے اور میرے ندوہ کی حاضری کے دوران مہمان خانہ میں میرے قیام کے کمرے میں تشریف لے آتے اور پھر جتنا وقت بھی ان کے پاس ہوتا، ہم ایک دوسرے سے باتیں کرتے۔ عموماً حضرت مولاناؒ کی باتیں ہوتیں۔ کبھی کسی ایسے دینی کام کے سلسلے میں بھی گفتگو ہوتی جو ان کے پیش نظر ہوتا۔ کبھی کبھی وہ اپنے رفقاء میں سے کسی کو ساتھ لے آتے اور مجھ سے ملاتے۔ رائے بریلی کی میری حاضری کے دوران بھی ان کے ساتھ ایسی مبارک نشستیں ہوتیں۔ باتوں کا محور عموماً حضرت مولاناؒ کی ذات ہی ہوتا۔ حضرت مولاناؒ، ان کے بڑے بھائی صاحب مرحوم جناب سید عبدالعلی حسنیؒ اور جد امجد حضرت شاہ علم اللہ نقشبندیؒ کا ذکر خیر بھی ہوتا لیکن بات پھر حضرت مولانا کی طرف ہی مڑ جاتی۔ یہ موضوع ہم دونوں ہی کو اتنا عزیز تھا کہ اس سے کبھی سیری نہیں ہوتی تھی۔ چونکہ حضرت مولاناؒ کے انتقال کے بعد میں نے اپنی اصلاح وتربیت کا تعلق حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی سے قائم کر لیا اس لیے حضرت مولاناؒ کے انتقال کے بعد بھی یہ سلسلہ اسی نہج پر قائم رہا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو مولانا عبداللہ صاحبؒ سے بہت محبت تھی۔ اس محبت کا منبع خونی رشتہ اور مولانا عبداللہ صاحبؒ کی سعادت مندی کے علاوہ میرے خیال میں حضرت مولانا محمد الحسنیؒ کا، جو مولانا عبداللہ صاحبؒ کے والد ماجد اور حضرت مولاناؒ کے حقیقی بھتیجے تھے، کم عمری میں انتقال بھی تھا۔ خود مولانا عبداللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت مولاناؒ انہیں اپنے سے قریب رکھتے تھے اور ان کی تعلیم کے ساتھ ان کی تربیت پر بھی نگاہ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ مولانا عبداللہ صاحبؒ نے حضرت مولاناؒ سے اصلاح کا تعلق قائم کیا اور اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے۔ خود

مولانا عبداللہ صاحبؒ کو حضرت مولاناؒ سے جو محبت تھی، اس میں والہانہ انداز بھی تھا اور حضرت مولاناؒ کی عنداللہ مقبولیت اور اخلاص وبزرگی پر اتنا مضبوط اعتماد بھی جس سے زیادہ مضبوط اعتماد کا تصور مشکل ہے۔ انہوں نے مجھ سے خود یہ فرمایا کہ وہ حضرت مولاناؒ کے کسی ارشاد کو اس کے عندیہ ومفہوم کی سطح پر نہیں بلکہ لفظی سطح پر لیتے ہیں۔ حضرت مولاناؒ جو الفاظ ارشاد فرماتے ان ہی پر عمل کرنا مولانا عبداللہ صاحبؒ کی ترجیح ہوتی تھی۔ وہ ان الفاظ میں کسی دوسرے مفہوم کی گنجائش پر غور کرنے اور ان میں اپنی پسند کا پہلو ڈھونڈنے کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ بارہا ذکر کرتے تھے کہ حضرت مولاناؒ کے حق میں جو مقبولیت کا اثر سامنے آچکا ہے، اس کے علاوہ ابھی ان کی دعوت کا اثر سامنے آنا باقی ہے۔ وہ یہ مانتے تھے کہ اگر حضرت مولاناؒ کی کتابوں پر صحیح طریقے سے کام کیا جائے اور ان کے پیغام کو عام کیا جائے تو اس کے اثر سے ایک عظیم انقلاب پیدا ہوگا۔

انہوں نے حضرت مولاناؒ کی زندگی میں درس وتدریس، وعظ وتذکیر اور دعوت وارشاد کی ذمہ داری سنبھالنی شروع کردی تھی۔ حضرت مولاناؒ کے بعد انہوں نے ''پیام انسانیت'' کا کام اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا اور اس کے اجتماعات میں خطاب عام کی نازک ذمہ داری خود ہی انجام دیتے تھے۔ مسلمانوں کا ایک بڑا حلقہ ان سے سلسلۂ ارادت میں بھی منسلک تھا۔ وہ غیر مسلموں میں بھی بہی خواہی اور حکمت کے پرخلوص جذبہ سے اسلام کے تعارف کا کام کررہے تھے۔ ان کا کام مختلف جہتوں سے بہت پھیل گیا تھا۔ لیکن وہ اس کا زیادہ ذکر کرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کے کام کرنے کا انداز خاموش، نام ونمود اور بلند دعوے سے مبرا اور افراط وتفریط سے پاک تھا، اور اس میں بھی وہ اپنے دادا اور مرشد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا اسوہ سامنے رکھتے تھے۔ انہوں نے حضرت مولاناؒ کی تصانیف وتقاریر سے اقتباسات لے کر اپنے طور پر ایک کتاب تیار کی تھی جو ''اسلام کے تعارف'' کے نام سے چھپی۔ دعوت کے لیے وہ اسی کتاب کا خاص طور پر استعمال کرتے تھے۔ بعد میں یہ کتاب ہندی میں بھی منتقل کی گئی، پھر اس کا انگریزی ترجمہ ''Islam: An introduction'' کے نام سے سامنے آیا۔ انگریزی ترجمہ کی سعادت مجھ بے حیثیت کو ہی نصیب ہوئی۔ حضرت مولاناؒ کی خدمت میں میری ایک حاضری کے موقعہ پر انہوں نے مجھ سے اس کتاب کو انگریزی میں منتقل کرنے کی فرمائش کی۔ پھر حضرت مولاناؒ نے ان کی تحریک پر ان کی موجودگی میں خود اپنے دست مبارک سے مجھے اس کتاب کا اردو مسودہ سونپا اور اس کے ترجمہ کا حکم فرمایا۔ بعد میں مولانا عبداللہ صاحبؒ نے خود مجھ سے ایک موقعہ پر فرمایا کہ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی بہت مقبول ہوا اور جس مقصد سے اسے تیار کیا گیا تھا اس میں اس سے مدد ملی۔ انہوں نے ایک بار مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اس کتاب میں اسلام میں عورت کے مقام پر کوئی مواد نہیں ہے جسے وہ حضرت مولاناؒ کی کسی کتاب یا تقریر سے کوئی مختصر اقتباس لے کر اس کتاب میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ میں اس کا بھی انگریزی میں ترجمہ کردوں۔ لیکن اپنی گوناگوں مشغولیتوں کی وجہ سے انہیں اس کا موقعہ نہیں مل سکا۔

حضرت مولاناؒ کی آخری علالت کے دوران ان کی خدمت میں میری دوبارہ حاضری ہوئی۔ میں ان دنوں اپنی ملازمت کے سلسلے میں مکہ مکرمہ میں مقیم تھا۔ دونوں حاضریوں میں جو وقت نصیب آیا، مولانا عبداللہ صاحب کا ساتھ رہا۔ میں دیکھتا تھا کہ وہ انتہائی محبت کے ساتھ حضرت مولاناؒ کے آس پاس ہوتے تھے۔ وضو کا وقت ہوتا تو 'جو میں نے دیکھا' سید بلال عبدالحی حسنی صاحب وضو کرانا شروع کرتے، لیکن جب پاؤں دھلانے کا وقت آتا تو مولانا عبداللہ صاحبؒ یہ خدمت خود انجام دیتے۔ حضرت مولاناؒ کے انتقال سے صرف چند دن پہلے ہی میں مکہ مکرمہ سے لکھنؤ حاضر ہوا۔ پھر حضرت مولاناؒ کے ساتھ رائے بریلی تکیہ کا میرا بھی سفر ہوا۔ وہی سفر حضرت مولاناؒ کا ندوہ سے رخصتی سفر تھا۔ رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ حضرت مولاناؒ کے رمضان کے مہمان ندوہ میں ہی ان کے ساتھ تھے۔ جب حضرت مولاناؒ ڈاکٹروں کی اجازت سے رمضان کا آخری عشرہ گزارنے کی نیت سے تکیہ روانہ ہوئے تو ایک پورا قافلہ کاروں اور بس میں حضرت کے ہمراہ تھا۔ میں اور مولانا عبداللہ صاحبؒ ایک ہی کار میں تھے اور اس تاریخی سفر میں حضرتؒ کے کارواں میں شریک

ہونے کو اپنے لیے باعث عزت وشرف سمجھ رہے تھے۔ راستہ میں بھی ان کی معیت کی برکت سے ایمان افروز باتیں ہوتی رہیں اور خیر وبرکت کا ماحول پورے سفر میں قائم رہا۔

جس سال حضرت مولاناؒ کا انتقال ہوا حضرت مولاناؒ کے خانوادے کے کئی لوگوں نے حج ادا کیا۔ اس قافلۂ حج میں مولانا عبداللہ صاحبؒ کے علاوہ مولانا عمار حسنی ندوی، مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی، مولانا جعفر حسنی ندوی اور ان کی والدہ ماجدہؒ، حاجی عبدالرزاق صاحب اور رائے بریلی کے شہزادے نام کے ایک نیک شخص شامل تھے۔ امیر کی حیثیت مولانا عبداللہ صاحبؒ کو ہی حاصل تھی۔ حضرت مولاناؒ کے انتقال کا زخم بالکل تازہ تھا۔ اس پس منظر میں ان سب بزرگوں کو یکجا دیکھ کر دل کو ایک عجیب خوشی اور طمانیت کا احساس ہوا۔ اس مبارک قافلہ نے مجھ بے استحقاق کو وہاں بھی فراموش نہیں کیا اور غریب خانے پر تشریف لاکر میری عزت افزائی کی۔ اس سفر پر مولانا عبداللہ صاحبؒ نے مجھے حضرت مولاناؒ کا ایک عربی رومال جو سر پر اوڑھا کرتے تھے، عنایت فرمایا اور کہا کہ حضرت مولاناؒ کی یادگار چیزوں میں سے صرف چند ہی گھر کے بڑوں کے مشورے سے ان کے تعلق کے لوگوں کو دی گئی ہیں جن میں سے وہ رومال مجھے دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ باقی چیزوں کو بطور یادگار رکھ دیا گیا ہے۔ اس رومال پر قلم سے میرا نام لکھا ہوا ہے۔ پتہ نہیں وہ ان کے قلم سے ہے یا کسی اور کے۔ مجھ بے استحقاق تک حضرت والاؒ کے مبارک رومال کے پہنچانے کا مبارک ذریعہ مولانا عبداللہ صاحبؒ ہی بنے۔ یہ مجھ پر ان کے احسانات میں شاید سب سے بڑا احسان ہے۔

میں اس لائق تو نہ تھا لیکن دل گواہی دیتا تھا کہ مولانا عبداللہ صاحبؒ کے دل میں مجھ بے حیثیت کے لیے بھی محبت کا ایک گوشہ تھا۔ ایک بار میری ندوہ کی حاضری کے موقعہ پر مجھ سے ملنے مہمان خانہ تشریف لائے اور فرمایا ''اچھی اچھی نیت کرکے تم سے ملنے آیا ہوں۔'' ان کا ایک سفر عمرہ کا ہوا۔ میں جب ابہا، سعودی عرب سے جہاں میں ان دنوں ملازمت کے سلسلے میں مقیم تھا، مکہ مکرمہ ان سے ملنے آیا تو فرمانے لگے۔ ''مجھے معلوم ہوا کہ خلیل (میرا بڑا بیٹا) دلی میں ہے۔ چاہتا تھا کہ ان سے مل کر آؤں اور تمہیں بتاؤں تاکہ تمہارا دل خوش ہو۔'' ایک بار میں نے ازراہ محبت انہیں سعودی عرب سے ٹیلیفون کیا۔ خوش ہوئے اور فرمانے لگے، ''میں تو خود تم سے رابطہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ میں تمہارے آبائی وطن لکھمنیاں گیا تھا۔ بیگو سرائے کے آس پاس میرا پروگرام تھا۔ میں نے انہیں اسی شرط پر وقت دیا تھا کہ وہاں سے میرے لکھمنیاں کے سفر کا بھی نظم کریں۔'' جیسا کہ انہوں نے بتایا، اس سفر میں مکرمی سید محی الدین طالب صاحب مدظلہ، جو حضرت مولاناؒ کے مجاز ہیں، بھی ساتھ تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے وہاں ہمارے جد امجد حضرت شیخ سلطان صاحبؒ کی مسجد میں نماز پڑھی، ان کے مزار پر فاتحہ پڑھی، ڈاکٹر مہدی حسن صاحب مرحوم سے، جو حضرت مولاناؒ کے مجاز تھے، ملاقات کی، ان کے یہاں کھانا تناول فرمایا اور اسی دن واپس ہوگئے۔ میرے آبائی وطن لکھمنیاں سے، جو بہار کے بیگوسرائے ضلع میں مسلم شرفاء کا ایک معروف قصبہ ہے، حضرت مولاناؒ کے خانوادہ عالی مرتبہ کا یہ رشتہ ہے کہ ہمارے جد امجد اور لکھمنیاں کے بانی حضرت شیخ سلطان صاحبؒ اور حضرت مولاناؒ کے جد امجد اور تکیہ کے بانی حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ، دونوں حضرت شیخ آدم بنوریؒ کے جید خلفاء تھے اور اس طرح پیر بھائی تھے۔ اس رشتہ کا لحاظ ونباہ حضرت مولاناؒ کے یہاں کچھ اس طرح کا تھا کہ وہ ہم لکھمنیاں کے فقراء سے محبت کا معاملہ فرماتے تھے اور ہمیں اس کا احساس بھی دلاتے تھے۔ میرے چچا شاہ حبیب الرحمان مرحوم جب ان سے اصلاح کا تعلق قائم کرنے کے لیے تکیہ حاضر ہوئے تو حضرتؒ نے فرمایا، ''شاہ صاحب! آپ اپنے دادا کے گھر آئے ہیں۔'' اس رشتہ کی وجہ سے حضرت مولاناؒ نے ایک بار لکھمنیاں کا سفر بھی فرمایا تھا۔ مولانا عبداللہ صاحبؒ نے حضرت مولاناؒ کی یہ بات دیکھی تھی اور اسی تعلق کی بناء پر لکھمنیاں کا سفر کیا۔ یہی بات میں نے اوپر لکھی کہ مولانا عبداللہ صاحبؒ حضرت مولاناؒ کی نگاہ دیکھتے تھے اور ہر اس کام کو بصد شوق کرنے کی کوشش کرتے تھے جس کی طرف حضرت مولاناؒ کا واضح رجحان یا ارشاد رہنمائی کرتا تھا۔

ایک بار جب میں حضرت مولاناؒ کے انتقال کے بعد تکیہ حاضر ہوا تو وہ بھی وہاں موجود تھے۔ میرا لکھنؤ واپسی کا پروگرام بس سے تھا۔ مولانا عبداللہ صاحبؒ کی کریمانہ طبیعت کو میرا بس سے سفر کرنا گوارا نہیں ہوا.....

(باقی صفحہ ۱۰۵ پر)

عالمی پیمانے پر صرف دو ہی مہینہ میں ڈیڑھ لاکھ وزٹرس کا دیدار کرنے والا آن لائن اخبار

فکر و خبر ڈاٹ کام

www.firkokhabar.com

FIKROKHABAR Bhatkal

کیا آپ اپنے شہر کی، اپنے ملک کی، اور عالم بھر کی خبروں سے واقف ہونا چاہتے ہیں؟

آپ کو اُردو ادب، شعر و شاعری، افسانے و کہانیوں کے پڑھنے میں دلچسپی ہے؟

آپ دنیا بھر کے مشہور قلمکار، تبصرہ و تنقید نگاروں کے مضامین پڑھنا چاہتے ہیں؟

آپ اپنے فقہی مسائل، سیرتِ سلف و خلف، سیرتِ صحابہ، سیرتِ انبیاء، کے تفصیلی مضامین پڑھنا چاہتے ہیں؟

کیا آپ درسِ قرآن و درسِ حدیث سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں؟

کیا آپ اپنے بچوں کے اسلامی نام ڈھونڈ رہے ہیں؟ یا پھر اپنے بچوں کو اصلاحی کہانیاں سنانا چاہتے ہیں؟

کیا آپ بیٹھے بیٹھے مکہ و مدینہ کا لائیو ٹیلی کاسٹ دیکھنا چاہتے ہیں؟

تاریخِ اسلامی، آداب و فضائل، سائنس و ٹیکنالوجی، طب و صحت، تربیت و تعلیم، دینی مناسبات جیسے اہم عنوانات پر مکمل تفصیلات حاصل کرنا چاہتے ہیں؟

کیا آپ کو لکھنے کا شوق ہے؟ اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کی تڑپ ہے؟

آپ کو کوئز مقابلے میں حصہ لینے کی دلچسپی ہے؟

تو پھر دیر کس بات کی؟؟

بس ایک کلک پر آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں ایک بار فکر و خبر ڈاٹ کام ٹائپ کیجئے اور پھر معلومات اور انفارمیشن ٹکنالوجی کی دنیا کی سیر کیجئے خود بھی دیکھئے اور پڑھئے استفادہ کیجئے اور دوسروں تک بھی یہ بات پہنچائیے۔ یہ ویب سائٹ صرف اور صرف آپ کا ہے۔

آپ کی باتوں کو دوسروں تک پہونچانا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ ہمارے رپورٹر بنئے، اپنے محلہ، کالونی، شہر اور اداروں، کی خبروں سے ہمیں مطلع کرتے رہیے۔

ہم سے رابطہ کرنے کے لیے:

N.H.17 Nawayath colony, Near Ribco Showroom, Bhatkal - 581320,
E-Mail: aazaan32@gmail.com / info@fikrokhabar.com
Phone:+91 9620364858, +91 810566481

نوٹ: انگریزی اور کنڑا آن لائن ایڈیشن عنقریب منظر عام پر لائے جانے والے ہیں

ایڈیٹر انچیف: مولانا ہاشم نظام ندوی ایڈیٹر: انصار عزیز ندوی

داعی اسلام نمبر کے لیے نیک خواہشات

کمپیوٹر پوائنٹ

RTO آفس کے سامنے، منڈی سمیتی روڈ، رتاپور، رائے بریلی، یو۔پی۔
09336009823, 9026287094, 9452517015

دور جدید میں تعلیم کا اہم مرکز سابقہ ۱۰ سالوں سے مسلسل اپنی تعلیمی و تربیتی خدمات مختلف قسم کے سرکاری ڈپلوما کورس کی شکل میں انجام دے رہا ہے۔

ملحق بہ

NCPUL
National Council for Promotion of Urdu Language
New Delhi, Min. of H.R.D. Govt. of India.

NIELIT
National Institute of Electronics and Information Technology
Chandigarh, Min. of I.C.T. Govt. of India.

سرکاری کمپیوٹر کورس

ONE YEAR
DIPLOMA IN COMPUTER APPLICATION, BUSINESS ACCOUNTING AND MULTILINGUAL DTP (CABA - MDTP)... EQUIV. TO "O-LEVEL"

DOEACC "CCC"
COURSE ON COMPUTER CONCEPTS
(सरकारी नौकरियों में मान्य)

مختصر میعادی کورس

MS - OFFICE | CORELDRAW | PHOTOSHOP | INPAGE URDU | PAGEMAKER
TALLY | WEB DESIGNING | VISUAL BASIC | JAVA | C / C++

اردو، عربی کورس

ONE YEAR DIPLOMA IN URDU LANGUAGE
اردو زبان میں یک سالہ ڈپلوما

ONE YEAR CERTIFICATE IN FUNCTIONAL ARABIC
فنکشنل عربک میں یک سالہ سرٹیفکٹ

TWO YEARS DIPLOMA IN FUNCTIONAL ARABIC
فنکشنل عربک میں دوسالہ ڈپلوما

وہ فیضان حق کا نمونہ تھے

مولانا محمد ریاض الدین فاروقی ندوی
(ناظم جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم، مہاراشٹر)

آخر جس کا دھڑکا لگا ہوا تھا وہ سانحہ جانکاہ پیش آکر رہا۔ حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ جن کے لیے کل تک دامت برکاتہم اور مدظلہ العالی لکھا کرتے تھے آج رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ بہت کم عمری میں دنیا سے رخصت ہوگئے، اور اپنے مالک حقیقی کے حضور پہنچ گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اس امت کے بڑوں کے بارے میں سنت معلوم ہوتی ہے کہ جس سے عظیم الشان کام لیتے ہیں انہیں فرصت کار کم دی جاتی ہے، چنانچہ امام غزالیؒ ۵۵ رسال کی عمر میں داغ مفارقت دے گئے۔ اس طرح ہمارے قریبی زمانے کی ۲ رعبقری اور عہد ساز شخصیتوں نے بھی ۵۴/۵۵ رسال ہی کی کم عمر میں اس دنیا سے کوچ کیا، میری مراد قاسم العلوم والخیرات بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ اور داعی اعظم حضرت مولانا یوسف صاحبؒ جنہوں نے دعوت وتبلیغ کو اقصائے عالم میں پہنچا دیا۔ حضرت مولانا یوسف صاحبؒ نے بھی ۵۴ رسال کی حیات مستعار پائی تھی۔ اب اسی مبارک زمرہ میں غیر مسلموں میں وہ ایمان اور اسلام کو پہنچانے والی شخصیت حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ نے بھی ۵۵ رسال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ للہ ما أعطی وما أخذ۔

اس چھوٹی عمر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی عظیم خدمات لیں۔ کتنے وہ نوجوان ہیں جنہوں نے کفر اور شرک کی گود میں پرورش پائی اور انہوں نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست سے ایمان اور ہدایت کی دولت پائی۔ اور یہ سب سے اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان ہیں۔ ان میں سے کوئی پروفیسر ہے اور کئی کمپیوٹر انجینئر ہیں اور وہ تمام نمازوں کا باجماعت اہتمام کرنے والے اور ایمان ودین کی راہ میں آنے والی ہر آزمائش پر ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی نظر بد سے حفاظت فرمائے اور ان کو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کو اپنی خدمات کو مخفی رکھنے کا بڑا اہتمام تھا، خود بھی اظہار سے بچتے اور اپنے رفقائے کار کو اپنے کاموں کے اخفاء کی ہدایت فرماتے تھے۔

آپ نے ہر میدان کے رجال کار کی ایک جماعت مختصر مدت میں تیار فرمائی۔ گروکل جہاں جاکر اچھے اچھے پڑھے لکھے مسلمان اور صاحب علم اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں وہاں بھیج کر تین چار سال میں سنسکرت اور ویدوں کے ماہر علماء آپ نے اس مختصر حیات میں تیار فرمائے۔ قادیانی فتنہ ہو یا اور کوئی فتنہ ہر ایک کے دفاع کے لیے ایک جماعت دعاۃ آپ نے تیار فرمائی۔ مرحوم کی کس کس خوبی کا ذکر کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ حضرت والا کی تمام خدمات کو بے حد قبول فرمائے، اور اپنے شایانِ شان بہترین جزائے خیر عطا فرمائے، خصوصاً ہم سب کے سرپرست حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم کو اس پیرانہ سالی میں اس عظیم سانحہ کے تحمل کی دولت عطا فرمائے۔ (آمین)

اس کی اُمیدیں قلیل - اس کے مقاصد جلیل

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
(المعهد العالی الاسلامی حیدرآباد)

اگرچہ کہ دین کی خدمت میں نسل ونسب کی کوئی قید نہیں اور خاندانی نسبت کی کوئی شرط نہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ جیسے اپنے دین کی خدمت کے لیے بعض افراد کا انتخاب کرتے ہیں، اسی طرح بعض اوقات اس کے لیے من جانب اللہ خاندانوں کا بھی انتخاب ہوتا ہے، ہندوستان میں بھی متعدد ایسے خانوادے ہیں، جن کو اسلامی علوم کی خدمت، دین حق کی تبلیغ واشاعت، اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد اور لوگوں کو کیفیت احسان سے آراستہ کرنے کے لیے تزکیۂ قلوب میں امتیازی شان حاصل رہی ہے، ایسے ہی خانوادوں میں ایک حسنی سادات کی شاخ خانوادۂ ''علم اللّٰہی'' ہے جس میں بڑے بڑے اہل دل، صوفیاء، اصحاب نظر علماء اور اہل تحقیق مصنفین ومؤلفین پیدا ہوتے رہے ہیں، اسی خانوادہ کے فرد جلیل حضرت سید احمد شہیدؒ ہیں، جنھوں نے اپنے عہد میں خلوت کدۂ خانقاہ اور کارزار جہاد کا رشتہ استوار کیا۔

اسی خاندان کے گل سرسبد مولانا حکیم عبدالحی حسنیؒ تھے، جن کے قلم گہر رقم سے علم وادب کے ایسے شہ پارے وجود میں آئے کہ اگر ایک جماعت اور ایک اکیڈمی مل کر ایسی خدمت انجام دیتی تب بھی یہ خدمت تحسین وآفریں کی مستحق ہوتی، مولانا عبدالحی صاحب کے دو صاحبزادے ہوئے، دونوں علم وعمل کے جامع، دونوں دل ودماغ کا سنگم اور زہد واستغناء کا مرکز تھے، بڑے لڑکے ڈاکٹر عبدالعلی حسنیؒ جو اپنے خوردوں کے لیے مرکز عقیدت تھے اور اپنے بڑوں کے محبوب، انھوں نے طویل عرصہ تک ندوۃ العلماء کے انتظام وانصرام کو سنبھالا اور ندوہ کے ابتداء قیام سے دل ودماغ کی جو کشمکش جاری تھی، بڑی حکمت کے ساتھ اس کو ختم کیا اور اسے ایک ایسی شاہراہ پر ڈال دیا، جس میں عقل ونقل اور دل ودماغ بہتر امتزاج کے ساتھ دوش بدوش آگے بڑھیں، انھیں تصنیف وتالیف کی طرف زیادہ توجہ کا موقع نہیں ملا؛ لیکن انھوں نے کتابیں تصنیف کرنے کے بجائے افراد تصنیف کیے، وہ مصنف سے زیادہ مصنف گر تھے، اور اہل نظر جانتے ہیں کہ یہ کام زیادہ دشوار ہوتا ہے، ان کی سب سے بڑی تصنیف تھی: ''مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ'' ان کی تعلیم وتربیت، قلب ونظر کی طہارت، داعیانہ مزاج، اقلیم ادب میں حاصل ہونے والی فتح مندیاں، دل کا سوز اور اسلام کے لیے نغمہ زن رہنے والا ساز ان سب میں مولانا کی والدہ ماجدہ اور برادر بزرگ مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کی تربیت و نگہداشت کا بنیادی کردار رہا ہے۔

مولانا ڈاکٹر عبدالحی حسنیؒ کے اکلوتے صاحبزادے مولانا محمد الحسنی تھے، جن کو عربی زبان وادب کا ذوق وہبی طور پر حاصل تھا، ان کی تحریریں اتنی خوبصورت اور طاقتور ہوتی تھیں کہ عالم عرب کے زبان شناس ادباء بھی عش عش کرتے تھے ''البعث الاسلامی'' انھیں کی علمی یادگار ہے، لوگ انھیں بجا طور پر حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے جانشیں کے طور پر دیکھتے تھے، جیسے مولانا عبدالعلی صاحب نے مولانا علی میاں صاحب کی تربیت فرمائی، اسی طرح کمال محبت وشفقت اور انتہائی نگہداشت کے ساتھ مولانا علی میاں صاحبؒ نے اپنے برادر زادہ کی تربیت کی، مگر افسوس کہ وہ اپنے حبیب ومحبوب چچا کی زندگی ہی میں رخصت ہوگئے اور اپنی علمی و تصنیفی یادگاروں کے ساتھ ساتھ تین صاحبزادوں کو چھوڑا، جن میں بڑے فرزند مولانا سید عبداللہ محمد حسنی ندوی تھے، وہ اپنے خاندان کی شرافت کا نمونہ اور علم ومعرفت کے حقیقی وارث تھے؛ اگرچہ اس حقیر کو سیدی وسندی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی صحبت سے زیادہ استفادہ کا موقع نہیں ملا؛ لیکن ایک دو بار رائے بریلی میں

حاضری کا اور کئی بار لکھنؤ میں ملاقات کی سعادت حاصل رہی اور متعدد مواقع پر محسوس ہوا کہ مولانا محمد الحسنیؒ کی وفات کے بعد مولانا عبداللہ حسنی صاحب مولانا کی توجہات اور ان کی شفقتوں کا مرکز بن چکے ہیں اور اپنے خاندان کی اگلی پشت میں مولانا کی سب سے زیادہ نگاہ انھیں پر ہے، اس میں دادا کی شفقت و محبت کے ساتھ ساتھ خود مولانا عبد اللہ صاحب کے جوہر قابل، سعادت مندی، تواضع، شرافت نفس اور جذبہ فنائیت کا دخل تھا۔

وہ حدیث و تفسیر کے مقبول اساتذہ میں تھے، ان کے بعض تلامذہ سے معلوم ہوا کہ درس حدیث پر محدثانہ رنگ غالب ہوتا تھا اور بہ تکلف کسی خاص نقطۂ نظر کو ثابت کرنے سے اجتناب کرتے تھے، وہ شستہ، سادہ اور آسان عربی و اُردو زبان میں لکھنے کا مزاج رکھتے تھے، وہ ندوہ کے مؤقر عربی جریدہ ''الرائد'' کے مدیر تھے اور ان کی تحریریں شوق کی آنکھوں سے پڑھی جاتی تھیں۔

انھیں افراد سازی کا ملکہ گویا اپنے دادا کی میراث میں ملا تھا؛ ندوہ کے سینکڑوں فضلاء اپنی تربیت کے لیے ان سے مربوط تھے اور وہ چھوٹے سے بڑے ہر دینی کام کا نقشہ ان کے مشورے سے تیار کرتے تھے، یہ ان کی اصابت رائے، طلبہ کے ساتھ شفقت، انکساری و ملنساری، معاملہ فہمی اور زمانہ آگہی کا نتیجہ تھا، اس حقیر کو ملک کے مختلف علاقوں میں دین کی نسبت سے جانے کا موقع حاصل ہوتا رہتا ہے، اکثر مقامات پر میں نے دیکھا کہ ان کے تلامذہ ان سے بے حد محبت کرتے ہیں اور انھیں ٹوٹ کر چاہتے ہیں، اولاد کی والدین سے محبت میں فطری رشتہ کا دخل ہوتا ہے، مرید اپنے شیخ کو غیر معمولی عقیدت کی نظر سے دیکھتا ہے اور یہ عقیدت اس کے لیے دیوار بنی رہتی ہے؛ لیکن شاگرد غیر محسوس طور پر اپنے اساتذہ پر ناقدانہ نظر رکھتے ہیں اور شب و روز کی زندگی ان کے سامنے ہوتی ہے؛ اس لیے شاگرد کی اپنے استاذ سے محبت اور اس محبت و عقیدت میں دوام و استمرار کسی شخصیت کے اخلاق اور ملی زندگی کو پرکھنے کے لیے بہترین کسوٹی ہے، مولانا عبداللہ حسنیؒ اس کسوٹی پر واقعی پورے اُترتے تھے۔

تعلق مع اللہ اور تزکیہ نفس میں بھی وہ اپنی خاندانی روایت کے بہترین وارث تھے اور ملک کے کونے کونے میں ان کے منتسبین موجود تھے، جو مولانا عبداللہ حسنی کے ذریعے اپنے ایمان اور تقویٰ کی انگیٹھیاں گرم کرتے تھے اور احسان کی منزلوں کو طے کرتے تھے؛ بلکہ غالباً مخدوم گرامی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے اکثر نوجوان متوسلین کی تربیت بھی انھیں کے ذریعے ہوتی تھی؛ اگرچہ انھوں نے دعوتی مصروفیات کی وجہ سے تصنیف و تالیف پر زیادہ توجہ نہیں دی؛ لیکن عربی و اُردو دونوں زبانوں میں ان کے بہت سے بیش قیمت مقالات شائع ہوئے، اُمید ہے کہ ان کے برادر خورد مولانا سید بلال حسنی ندوی کے ذریعہ ان کی ترتیب و اشاعت عمل میں آئے گی، انھوں نے حضرت مولانا علی میاں اور اپنے والد ماجد کے متعدد عربی خطبات اور کتابوں کو اُردو کا جامہ پہنایا، جو دونوں زبانوں پر ان کی قدرت کی شہادت دیتے ہیں اور جن کو پڑھتے ہوئے ترجمہ کا احساس نہیں ہوتا۔

مولانا کا سب سے بڑا کام؛ بلکہ کارنامہ ''تحریک پیام انسانیت'' ہے، اس تحریک کی بنیاد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اس وقت رکھی، جب ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات نے آندھی کی شکل اختیار کرلی تھی اور اس تحریک کے زیر سایہ برادرانِ اسلام اور برادرانِ وطن کے مشترکہ اجتماعات رکھے جاتے تھے؛ اگرچہ مولانا علی میاں صاحبؒ کی نظر میں اس تحریک کی منزل اسلام کی دعوت تھی؛ لیکن ان کے زمانہ میں عام طور پر ملکی حالات کے پس منظر میں ابتدائی کوشش کے طور پر فرقہ وارانہ فضا ہموار کرنے کو ترجیح دی گئی، مولانا علی میاں صاحب کی وفات کے بعد مولانا عبداللہ حسنی صاحب نے اس تحریک کو نہ صرف اپنے ہاتھ میں لیا؛ بلکہ اس کو اس کی منزل تک پہنچادیا اور اس کے ذریعہ پورے ملک میں برادرانِ وطن تک دعوت اسلام کو پہنچانے کی بہترین کوششیں فروغ پانے لگیں، سینکڑوں لوگوں کو آپ کے ذریعہ براہ راست یا بالواسطہ ہدایت حاصل ہوئی اور وہ اسلام کے حلقہ بہ گوش ہوئے، غیر مسلموں کی تربیت پر بھی خصوصی توجہ دی، وہ ان کے ساتھ ایسی شفقت کا برتاؤ کرتے تھے کہ نومسلم بھائیوں کو احساس ہوتا تھا کہ اگرچہ وہ اپنے پیدائشی خاندان سے کٹ گئے ہیں؛ لیکن انھیں ایک دوسرا بہتر خاندان حاصل ہوگیا ہے، ان کے دادا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی غیر مسلم بھائیوں میں دعوت کے کام کے آرزومند تھے اور اپنے برادر خورد کو بھی

اس کی تلقین فرماتے تھے، مولانا عبداللہ حسنی صاحب گویا اسی خواب کی تعبیر اور اسی آرزو کی تکمیل تھے اور اہم بات یہ ہے کہ انھوں نے اس کام کو بغیر کسی تشہیر کے انجام دیا، جو اس کی مصلحت وحکمت کا تقاضا ہے، اگر وہ چاہتے تو اپنے اس دعوتی کام کو کسی نئی تحریک سے موسوم کر سکتے تھے، جس سے ان کا تشخص قائم ہوتا اور جو ان کی طرف منسوب ہوتا، مگر ان کے تواضع اور کسر نفسی کی بات ہے کہ انھوں نے ایسا نہیں کیا؛ بلکہ ''پیام انسانیت'' کے نام سے جو تحریک پہلے سے قائم تھی، اسی کے زیر سایہ یہ خدمت انجام دی۔

مولانا عبداللہ حسنی صاحبؒ سے میری دیرینہ ملاقات تھی، ہر ملاقات ان کے خلوص، تواضع، سادگی، ذاتی زندگی میں احکام شریعت کی اتباع، معاملات میں احتیاط اور للّٰہیت کا پتہ دیتی تھی، وہ متعدد بار المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد تشریف لائے، ایک بار میری گزارش پر ''دعوت'' کے موضوع پر بڑا عمدہ خطاب بھی فرمایا، وہ دعوت اسلام کے کام میں مداہنت یا اسلام کے مسلم افکار واعمال میں تساہل کے بالکل قائل نہیں تھے، دوبار ایسا بھی ہوا کہ وہ حیدرآباد تشریف لائے، میرا ان کے میزبانوں سے ربط نہیں ہوسکا، اس لیے میں ان کو دعوت نہیں دے سکا؛ لیکن اس کے باوجود وہ خود تشریف لائے اور دیر تک معہد میں رہے اور تبادلۂ خیال کیا۔

چند ماہ پہلے ان کی علالت کی اطلاع ملی؛ لیکن اندازہ نہیں تھا کہ یہ بیماری ایسی جان لیوا ہے، وفات سے کچھ عرصہ پہلے لکھنؤ کا سفر ہوا، تو میں ان کی رہائش گاہ ''خاتون منزل'' جاکر عیادت کا متمنی تھا؛ مگر اطلاع ملی کہ بے چین بہت زیادہ ہیں اور ملاقات باعث زحمت ہوتی ہے، اس لیے ارادہ ترک کردیا، اسی سفر میں یہ بھی اطلاع ملی کہ مرض کے سلسلہ میں ''کینسر'' کی تشخیص ہوئی ہے، آخر مؤرجہ ۳۰/جنوری ۲۰۱۳ء کو ۵۶ سال کی عمر میں وہ اللہ کو پیارے ہوگئے، جیسے انھیں علم وادب، شرافت ونجابت اور تعلق مع اللہ میں اپنے والد کی میراث حاصل ہوئی تھی، اتفاق ہے کہ عمر طبعی سے پہلے راہیٔ ملک بقا ہونے میں بھی اپنے والد کے وارث ثابت ہوئے، بہ قول شاعر:

خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود

بقیہ: کیا لوگ تھے جو راہِ وفا سے گزر گئے

.....آپ جہاں جاتے تھے وہی باتیں کہتے تھے جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرمایا کرتے تھے۔ ان باتوں کا لوگوں پر اثر بھی ہوتا تھا۔ بڑے بڑے سنتوں مہاتماؤں اور حکومت کے اعلیٰ مناصب پر فائز غیر مسلموں کو ان باتوں کی تائید وتحسین کرتے ہوئے دیکھا گیا۔

ملک کو آزاد ہوئے ۶۵/سال گزر چکے ہیں مگر ہم ۴۷ء کے آشوب سے اب تک چھٹکارا نہیں پاسکے، نفرت کی کاشت بدستور جاری ہے، محبت ومروت اور انسانیت کا فانوس بجھا بجھا سا نظر آتا ہے۔ ابھی بہت کام باقی ہے۔ یہ کمر کھولنے کا نہیں بلکہ کمر کسنے اور نئے عزم کے ساتھ میدان میں اترنے کا وقت ہے۔ ایسے وقت میں پیام انسانیت فورم کے ذمہ دار اعلیٰ حضرت مولانا سید عبداللہ حسنیؒ کا جدا ہوجانا تحریک کے لیے اور ہم سب کے لیے زبردست خسارے اور نقصان کا باعث ہے۔

تحریک پیام انسانیت کے سلسلے میں ایک ضروری گزارش یہ ہے کہ اس کے جلسے ایسی جگہوں پر کیے جائیں جہاں بلا جھجک ہر شخص پہنچ سکے۔ مدرسوں میں یہ جلسے ہرگز نہ کیے جائیں نیز برادران وطن کو اور ان کی مختلف تنظیموں سے وابستہ افراد اور مقامی حکام کو ضرور دعوت دی جائے اور ان کی شرکت کو یقینی بنانے کی کوشش کی جائے۔

ہمارے پیشوا ومقتدا مولانا سید عبد اللہ صاحب حسنی علیہ الرحمہ تو خوشی خوشی راہ وفا سے گزر گئے اب بعد والوں کو انہی نقوش قدم پر چلنے اور انہی خطوط پر کام کرنے کی ضرورت ہے جو مولانا چھوڑ گئے ہیں۔

شاعر نے کیا اچھی بات کہی ہے۔

کیا لوگ تھے جو راہ وفا سے گزر گئے
جی چاہتا ہے نقش قدم چومتے چلیں

اگر ہم نے ان کے نقوش قدم کا اتباع کیا اور ان کے مشن کو آگے بڑھانے کی کوشش کی تو اس سے بڑا خراج عقیدت ان کے لیے کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

سرمایۂ ملت کے پاسباں

قاری سید حبیب احمد باندوی (ناظم جامعہ عربیہ، ہتھورہ، باندہ)

مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کا تعلق ایک ایسے گھرانے سے تھا جس نے بلا انقطاع صدیوں تک ہندوستان میں علم دین، تبلیغ اسلام اور اصلاح وتزکیہ کا کام انجام دیا، مولانا کی ذات میں اللہ نے تمام نسبی صفات کو جمع کردیا تھا، مولانا اپنے اسلاف خاندان کی زندہ تصویر، ان کی کوششوں کی تفسیر اور ان کے خوابوں کی تعبیر تھے، قلیل مدت میں اللہ نے ان سے بڑے بڑے کام لیے۔

مولانا کی وفات سے امت کے ہر طبقہ کو بڑا نقصان پہنچا، مدارس دینیہ کے خادمین کو مولانا سے ہمیشہ تعلیمی وتربیتی امور میں مفید مشورے ملتے رہتے تھے، احقر نے اس سلسلہ میں ایک سے زائد مرتبہ مولانا سے مشورہ کیا، مولانا کی عیادت کے دوران ان کی قیام گاہ پر ایک معاملہ میں مشورہ کیا جس کے بڑے مفید نتائج ثابت ہوئے، بالخصوص تبلیغ ودعوت اور اشاعت دین کا کام کرنے والوں کو ان کے مشوروں، ملفوظات اور خود ان کے ایمان ویقین، اولوالعزمی وجفاکشی، صبر وثبات اور روحانی سوز وگداز سے فیض پہنچتا تھا، ان کی کوششوں سے جہاں علم دین کے خادمین کی ایک مخلص جماعت تیار ہوئی، وہیں دعوت وتبلیغ کے میدان کو مخلص میدان کار ملے۔

مولانا کی وفات کا غم ایک ذاتی غم ثابت ہوا، مولانا سے احقر کو جو قلبی لگاؤ اور مناسبت تھی، وہ ناقابل بیان ہے، مولانا اور ان کے خانوادے کے بزرگوں کی سرپرستی ہم اہل خاندان کو حضرت والد صاحب (قاری سید صدیق احمد صاحبؒ) کے زمانہ طالب علمی سے ہی حاصل رہی ہے، اور اس محبت اور شفقت کے واقعات احقر بچپن سے ہی دیکھتا چلا آرہا ہے، والد صاحب اور حضرت مولانا علی میاںؒ کا تعلق تو مشہور زمانہ ہے، حضرت کی شان بڑائی تھی کہ انہوں نے والد صاحب کے بعد بھی اس تعلق کو قائم رکھا بلکہ اپنی شفقت وعنایات میں اور اضافہ فرمادیا اور حضرت کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور اس خاندان کے دیگر بزرگوں سے جو محبت اور اپنائیت ملتی ہے وہ کہیں بھی نہیں ملتی، "وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء"۔

مولانا نے مدرسہ جامعہ عربیہ ہتھورا کو اپنا مدرسہ سمجھا اور مفید مشوروں سے نوازتے رہے، چند سال قبل مولانا مجلس شوری میں مشفق وکرم فرما حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی نیابت میں تشریف لائے، احقر نے کتب خانہ کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھنے کی درخواست کی تو اصرار کے بعد قبول فرمایا اور خوب دعاؤں سے نوازا۔

والد صاحب کی وفات کے بعد ایک مرتبہ اچانک تشریف لائے اور فرمایا: حضرت قاری صاحب کی جگہ پر بیٹھ کر دعا کرنی ہے، پھر فرمایا: حضرت قاری صاحب کے معمولات پڑھ کر مجھ پر دم کردیجیے، مولانا سے احقر کو ہمیشہ بڑی تائید اور رہنمائی ملتی تھی۔

مصائب اور تھے پر اُن کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہوگیا ہے

اللہ مولانا کو ان کی عنایتوں اور نوازشوں کا خوب خوب صلہ عطا کرے۔

مولانا کا شمار اس دور کی مغتنم شخصیات میں ہوتا تھا، وہ اپنی کم عمری کے باوجود ہندوستان کے اکابر کے نزدیک نہایت محترم اور معتمد علیہ تھے، وہ ایک متبحر عالم دین تھے، سادگی وتواضع، اخلاق حسنہ، اخلاص وللّٰہیت جیسے اوصاف کے حامل تھے، ساتھ ہی وہ ایک انشاء پرداز صاحب قلم اور کامیاب مدرس بھی تھے، ان کی رحلت سے رشد وہدایت تبلیغ ودعوت اور اشاعت اسلام کے میدانوں میں ایک خلا پیدا ہوگیا، اللہ مولانا کے کاموں کو جاری وساری فرمائے اور ہم خادمین کو اس میں حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے۔

احقر کو لکھنے سے زیادہ مناسبت نہیں رہی، یہ چند سطریں فرط جذبات میں مولانا کے بارے میں اور مولانا سے تعلق کے بارے میں لکھ دی ہیں، اللہ قبول کرے اور مولانا کو اپنے شایان شان جزائے خیر عطا کرے، اور مولانا کی فکروں اور کوششوں کو جاری وساری فرمائے۔ آمین۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مولانا عبیداللہ حسنی ندویؒ

جوار رحمت میں

مولانا عبیداللہ اسعدی (جامعہ عربیہ، ہتھورہ، باندہ)

امیر المؤمنین سید احمد شہید علیہ الرحمہ کے خانوادہ سے ہمارے خاندان کا تعلق قدیم رہا ہے، ہمارے اجداد میں کئی حضرات حضرت سید صاحبؒ سے بیعت تھے بلکہ خلافت کا شرف رکھتے تھے، نہ صرف یہ بلکہ ہمارے اجداد میں مولانا جعفر علی صاحب علیہ الرحمہ سید صاحبؒ کے سفر ہجرت و جہاد میں رفیق تھے، اور سید صاحبؒ کی شہادت کے بعد وہ واپس آگئے اور پوری زندگی دعوت وتبلیغ میں لگے رہے، اور نواب ٹونک نواب وزیر الدولۃ علیہ الرحمہ کی خواہش و گزارش پر سید صاحبؒ کے حالات میں "منظورة السعداء في أحوال الغزاة و الشهداء" کے نام سے کتاب لکھی جو سید صاحبؒ کے حالات کے اہم مآخذ میں شمار ہوتی ہے۔

والد گرامی قدر جناب مولانا محمد مرتضیٰ صاحب علیہ الرحمہ جب مظاہر علوم سہارنپور کے طالب علم تھے تو اس تعلق کی تجدید و تقویت یوں ہوئی کہ حضرت مولانا محمد ثانی حسنی علیہ الرحمہ مظاہر علوم میں ان کے رفیق درس ہوئے اور پھر ان دونوں کا جو باہمی تعلق مودت واخوت کا قائم ہوا تو والد صاحب فراغت کے بعد ہی تقریباً لکھنؤ آگئے اور دار العلوم ندوۃ العلماء کی خدمت سے ایسا وابستہ ہوئے کہ اسی خدمت میں رہتے ہوئے اور دار العلوم کے احاطہ میں ہی انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

ایک لمبے عرصہ تک قیام گوئن روڈ پکریا والی مسجد کے قریب رہا جس کے ایک طرف یہ خانوادہ مقیم تھا، حضرت مولانا علی میاں علیہ الرحمہ کے برادر بزرگ مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب علیہ الرحمہ اوران کے جملہ اہل خانہ۔

ہم سب کی پیدائش و پرورش اسی محلے میں ہوئی اور ہمارے گھر کا اس گھر سے ایسا ربط وتعلق رہا کہ خاندانی گھروں کی طرح آمد و رفت رہی، میں اس گھر کا گویا ایک بچہ تھا اور اس گھر کے بچے میرے رفیق و معاصر، مرکز تبلیغ میں واقع ندوۃ العلماء کے مکتب و شاخ سے لے کر دار العلوم تک۔

دار العلوم ندوۃ العلماء میں میرا داخلہ اور برادر معظم مولانا محمد حمزہ صاحب حسنی و مولانا محمد حسینؒ کا داخلہ ساتھ ہی ساتھ ہوا، یہ حضرات شعبۂ عربی میں اور میں شعبۂ حفظ میں گوئن روڈ سے براہ کچہری روڈ قیصر باغ ہم لوگ ندوہ تک پیدل آتے جاتے تھے۔

برادر مکرم مولانا عبداللہ محمد الحسنی علیہ الرحمہ ہمارے چھوٹوں میں تھے، اس لیے تعلیم کے مرحلہ میں کہیں ان کا ساتھ و رفاقت کا معاملہ نہیں رہا، لیکن گھریلو تعلقات میں قرب، واقفیت اور تعلق کا معاملہ رہا، ان کے والد بزرگوار مولانا محمد الحسنی علیہ الرحمہ ہماری زبان پر اسی طرح چچا تھے جیسے ہمارے عم گرامی قدر مولانا ڈاکٹر اجتباء ندوی علیہ الرحمہ تھے، اوران دونوں میں باہم ایسی ہی مودت و محبت اور بے تکلفی تھی جیسے والد صاحب اور مولانا محمد ثانی حسنی علیہما الرحمہ کے درمیان تھی۔

مولانا عبداللہ صاحبؒ دار العلوم کے احاطہ میں ہم سب کے بعد آئے اور وہیں سے اپنی تعلیم مکمل کی، صلاح و سادہ لوحی جو اس خاندان کا امتیازی وصف ہے، اس سے تو متصف تھے ہی، صلاحیت سے بھی آراستہ تھے، اس کی وجہ سے دار العلوم کے احاطہ میں بحیثیت استاذ ہی نہیں بطور مربی بھی ایک نمایاں مقام حاصل کیا، ان سے مستفید ہونے والے بہت سے طلباء اس نسبت وحیثیت سے ان سے ایک خصوصی ربط رکھتے اور استفادہ کرتے اور وہ بھی ان کی سرپرستی فرماتے اور اس طرح ایسے طلباء دار العلوم کے احاطہ سے باہر جانے کے بعد علمی وعملی سطح پر اچھا کام کرتے تھے۔

یہ ان کا بڑا فیض ہے اور مزید جو کام وہ اپنی خاموشی وحکمت عملی کے ساتھ کرتے رہے اور اپنے ساتھ ایک ٹیم کو بھی لگائے رکھا وہ ایک الگ ان کا امتیاز وفیض ہے۔

عمر میں چھوٹے ہونے کے باوجود میرے لیے وہ انتہائی محترم تھے کہ ہمارے مرشد ومربی خانوادہ سے ان کا تعلق تھا، اور پھر ان کی نمایاں صفات۔ ملاقات جب ہوتی تو برادرانہ ہی نہیں عزیزانہ محبت و مسکراہٹ اور بے تکلفی کے ساتھ، چونکہ اب ایک عرصہ سے میرا قیام زیادہ تر کیا بلکہ ایک درجہ مستقل باندہ میں ہے، اس لیے ملاقات کم اور کم وقت کے لیے ہوتی لیکن ان سے مل کر ایک سرور حاصل ہوتا تھا۔

ادھر ایک لمبے عرصہ سے وہ ''شکر'' کے مریض تھے جس کا ان کی صحت پر کافی اثر تھا، تاہم ان کے مشاغل جاری تھے اور ان کے فیض کا دریا رواں تھا۔

سال رواں ان کی صحت کے حق میں شروع سے ہی کچھ دوسرا انداز اختیار کر گیا اور ان کی بیماری کی نوعیت بدل گئی یا یہ کہ بیماری کی حقیقت کو دیر سے سمجھا گیا، بہر حال بات تو یہی ہے کہ ان کا وقت موعود آپہنچا، ذات بے نیاز نے ان کو اپنے پاس بلا لیا جب کہ امت محمدیہ کو بھی ان کی ضرورت تھی اور ان کے اہل خانہ کو بھی۔

حق تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور بلند درجات عطا فرمائے اور ان کے کاموں کی تکمیل کا سامان وانتظام فرمائے۔

مولانا مرحومؒ صاحب قلم بھی تھے، کسی تصنیف کا مجھ کو علم نہیں لیکن یہ خوب معلوم ہے کہ وہ عربی واردو دونوں زبانوں میں لکھتے رہے، تعمیر حیات والرائد کے ذریعہ نیز دوسرے رسالوں کے ذریعہ ان کا قلمی فیض (مضامین، خطابات وغیرہ) بھی جاری رہا، اور لوگ ان کی تحریری کاوشوں سے بھی مستفید ہوتے رہے۔ ضرورت ہے کہ ان کی متفرق ومنتشر تحریروں کو یکجا کیا جائے، یہ بھی دراصل ان کے والد علیہ الرحمہ سے ان کی ایک خاص مناسبت ہے کہ ان کا قلمی کام و فیض تو بہت رہا اور بڑا نمایاں، لیکن تصنیف کے بجائے عموماً مضامین کی شکل میں جو عموماً ''البعث الإسلامي'' کی زینت ہوتے تھے اور بعض دوسرے جرائد میں بھی کچھ چیزیں گاہے بگاہے آجاتی تھیں۔

امید ہے کہ مولانا موصوفؒ کے کاموں کی طرف توجہ کرنے والے اس گراں قدر ومفید ترین سلسلہ کی طرف بھی توجہ فرمائیں گے۔

مکاتب کی اہمیت

''یہ چھوٹے چھوٹے مکاتب ہماری بنیاد ہیں، بنیاد کے بغیر عمارت بن ہی نہیں سکتی، یہ ریڑھ کی ہڈی ہیں، جیسے کوئی الفاظ نہ جانے، حروف تہجی نہ جانے، ا، ب، ABCD کس کو کہتے ہیں اگر یہ کوئی نہ جانے تو 'ابجد' میں کیسے جائے گا؟ پہلے تو ا، ب، جاننا ہوگا، ایسے ہی مکاتب بھی ہیں، یہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں، لوگ ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ معمولی ہیں، یہ غیر معمولی ہیں، یہ بنیاد ہیں، انہی پر ساری عمارت کھڑی ہوتی ہے، بڑے مدارس ان ہی پر چل رہے ہیں، یہ چھوٹے مدارس جو ہیں یہ سپلائی کرتے ہیں اور پھر آگے کام چلتا ہے، تو ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے، ان پر خرچ کرنا، اپنا مال اور وقت لگانا بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اس لیے کہ یہ ہماری بنیاد ہیں اور ان سے وابستہ ہماری پوری نئی نسل ہے۔''

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندویؒ

خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود

مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی
(مدیر ماہنام الفرقان، لکھنؤ)

۳۰ جنوری کی صبح گیارہ بجے کے قریب بھٹکل جانے کے ارادے سے ریلوے اسٹیشن پر اترا اور وہاں سے آئے ہوئے علمائے کرام اور عزیز دوستوں کے ساتھ بھٹکل کے لیے ہمارا چھوٹا سا قافلہ کاروں میں روانہ ہوا، مہمان اور میزبان سب ہی اس ملاقات پر بے حد خوش تھے کہ اچانک عزیز القدر مولوی محمد الیاس ندوی نے کسی سے فون پر خبر سننے کے بعد بتایا کہ ابھی چند منٹ پہلے مولانا عبداللہ حسنی اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، سب کی زبان سے نکلا: إنا لله وإنا إليه راجعون ۔اور پورے ماحول پر سناٹا چھا گیا، ہر ایک سکتہ کے عالم میں تھا اور دعا و رجوع إلی اللہ میں ماسوا سے منقطع، اللهم اغفر له وارحمه وأدخله الجنة ونجه من النار، اللهم تقبل حسناته وتجاوز عن سيئاته، اللهم اعف عنه وعافه وأكرم نزله ووسع مدخله، اللهم لا تحرمنا خيره ولا تفتنا بعده.

مولانا عبداللہ حسنی کچھ عرصہ سے بیمار تھے، مرض کی نوعیت بھی سنگین بتائی جاتی تھی، لیکن شاید کسی کو بھی یہ خیال نہیں تھا کہ اتنی جلدی وہ ہم سے جدا ہو جائیں گے، جنوری کے پہلے ہفتہ میں یہ راقم الحروف ۷۔۸ دن لکھنؤ میں رہا، مولانا کی علالت کی خبر سن کر عیادت کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو معلوم ہوا کہ لوگوں سے ملاقات آج کل مولانا کے لیے اذیت کی ہی کا باعث بنتی ہے تو نہ جانا اور دعا پر ہی اکتفاء کرنا کافی سمجھا۔

مولانا عبداللہ حسنی برصغیر کے اس نہایت برگزیدہ اور عالی نسب خاندان کے چشم و چراغ تھے جس میں شاید ہر دور میں دعوت و عزیمت کی تاریخ رقم کرنے والے عظیم علمائے ربانیین پیدا ہوئے، ان کے جد امجد حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (رحمہما اللہ) سے کون پڑھا لکھا مسلمان ناواقف ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بارے میں تو کچھ بھی عرض کرنے کی ضرورت نہیں، تاہم ان کے بڑے بھائی اور ہمارے مولانا عبداللہ حسنی کے دادا حضرت مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب کے بارے میں اتنا عرض کرنا مناسب ہوگا کہ وہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی اور علامہ انور شاہ کشمیری کے تلمیذ رشید تھے، شیخ الہند انہوں نے ۱۹۱۰ء میں دار العلوم دیوبند میں صحیح بخاری اور سنن ترمذی پڑھی تھی اور علامہ کشمیری سے سنن ابی داود۔ بیعت وارادت کا تعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے تھا، اور حکیم الامت حضرت تھانوی کی بھی شفقت وتوجہ خاص انہیں حاصل تھی، چنانچہ ۱۹۳۸ اور ۱۹۴۱ میں لکھنؤ تشریف آوری کے موقع پر حضرت تھانوی مجالس میں بڑے اہتمام سے شرکت فرماتے تھے، حضرت تھانوی بھی ان کے مکان پر خود تقاضہ کر کے تشریف لے گئے تھے بلکہ اسی موقع پر ان کے صاحبزادے محمد الحسنی (جو اس وقت ۳۔۴ سال کے تھے اور بعد میں ہمارے ممدوح مولانا عبداللہ حسنی کے والد بنے) کی بسم اللہ کرائی۔ اسی طرح حجرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کو بھی ان سے خصوصی تعلق خاطر تھا، امام اہل سنت حضرت مولانا محمد عبد الشکور فاروقی سے بھی گہرا تعلق تھا اور ڈاکٹر صاحب ان کے اخلاص وللّٰہیت کے بے حد معترف رہا کرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے بھی ان گہری عقیدت ومحبت، حضرت ڈاکٹر

صاحبؒ سفروں کے عادی نہیں تھے مگر اس کے باوجود حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی ملاقات اور ان کی صحبت میں چند گزارنے کے ارادے سے نظام الدین تشریف لے گئے۔ اور جب رخصت ہونے لگے تو حضرت مولانا الیاسؒ نے یہ شعر پڑھا تھا

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم وبہار آخر شد

یہ ساری تفصیل صرف یہ بتانے کی غرض سے لکھی ہے کہ ہمارے نوجوان طلبہ ونو واردان بساط علم کو خاص طور پر یہ معلوم ہو کہ خانوادۂ حسنی کی ایک بہت بڑی صفت اہل اللہ کی قدر اور ان کا ادب واحترام اور ہر طرح کی عصبیت وتحزب سے دور رہتے ہوئے اپنوں کو بڑوں کا چھوٹا تسلیم کرنا اور کھلے دل سے سب سے استفادہ کرنا ہے۔ یہ راقم سطور گواہی دیتا ہے کہ بڑوں کا تو ذکر ہی کیا چشم بد دور! ابھی تک اس خانوادے کے نوجوانوں میں بھی یہ ذوق دوسرے بہت سے خاندانوں کی بہ نسبت سلامت بلکہ نمایاں نظر آتا ہے اور شاید یہی اس خانوادے کے اقبال کا اصل سبب ہے۔ اللہ سدا اقبال بلند رکھے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ بزرگوں کا احترام اور ان کی دلی قدر ومحبت کس قدر مفید ہوتی ہے اور ان کی تنقیص وتنقید کا ذوق بلکہ چسکا کس درجہ تباہ کن اور ہلاکت خیز!!

یہ تو ہوا مختصر سا تذکرہ مولانا عبداللہ حسنی کے جد امجد حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلیؒ کا، جہاں تک ان کے عظیم والد گرامی مولانا محمد الحسنی کا تعلق ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں ان کے انتقال کے بعد صاحب الفرقان (ہمارے والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ) نے جو مضمون لکھا تھا وہ پورا مضمون ذیل میں نقل کر دیا جائے، اس لیے کہ ہمارے موجودہ قائین میں زیادہ تر وہ ہوں گے جن کی نظر سے وہ مضمون نہیں گزرا ہوگا اور جو پڑھ بھی چکے ہونگے وہ بھی اسے بھول چکے ہوں گے، الفرقان جولائی ۱۹۷۹ء کے ''نگاہ اولیں'' میں ''مولانا محمد الحسنی، مدیر البعث الاسلامی إلی رحمۃ اللہ'' کے زیر عنوان انہوں نے لکھا تھا، جس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''اکثر ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہوگا کہ رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی کے اکلوتے حقیقی بھتیجے اور دار العلوم لکھنؤ کے شہرۂ آفاق عربی جریدہ ''البعث الاسلامی'' کے مدیر مولانا محمد الحسنی جو اپنی بعض خداداد خصوصیات اور وہبی کمالات کے لحاظ سے اللہ تعالی کی قدرت کاملہ کی ایک نشانی تھے اور جن کی عمر ابھی صرف ۴۴ سال کی تھی، صرف چند گھنٹے کی علالت کے بعد ہماری اس دنیا سے اٹھا لیے گئے۔ إن للہ ما أخذ ولہ ما أعطی وکل شیئ عندہ بأجل مسمی۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے سابق مہتمم مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی ازہری' مولانا علی میاں کے بارے میں فرمایا کرتے ہیں کہ: ''رجل موھوب'' (یعنی ان کے پاس جو کچھ ہے وہ کسبی نہیں، وہبی ہے، انہوں نے محنت کر کے حاصل نہیں کیا اللہ تعالی نے اپنے خزانۂ کرم سے یوں ہی عطا فرما دیا ہے)۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ بات مولانا علی میاں سے کہیں زیادہ ان کے مرحوم بھتیجے مولانا محمد الحسنی پر صادق آتی ہے۔ وہ عربی زبان کی صرف ونحو سے بالکل ناواقف تھے (راقم سطور نے خود مولانا علی میاں سے سنا ہے کہ غالبا ان کو ماضی کی پوری گردان بھی یاد نہ تھی) لیکن ''البعث الاسلامی'' میں ان کی جو تحریریں شائع ہوتی تھیں وہ زبان کے لحاظ عالم عربی کے مشاہیر اہل قلم کی تحریروں کے ہم پلہ ہوتی تھیں، ان کے مضامین کا ایک مجموعہ ''الاسلام الممتحن'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے اس کو دیکھ کر ہر وہ شخص جس میں اس کی اہلیت ہو یہ موازنہ کر سکتا ہے۔ وہ زبان واسلوب میں (عربی میں بھی اور اردو میں بھی) مولانا علی میاں کا ایسا تتبع کرتے تھے کہ گویا ان کا ثنی اور ''دوسری کاپی'' بن گئے تھے، لیکن ادھر کچھ دنوں سے بعض وہ حضرات جن کا احساس وانداز اس باب میں معتبر ہو سکتا ہے محسوس کرتے تھے کہ ان کے قلم میں خاص کر عربی تحریر میں مولانا سے بھی زیادہ طاقت آ گئی تھی، خود مولانا علی میاں بھی کبھی کبھی اس کا اظہار فرماتے تھے۔

۱۱ جون دوشنبہ کی شام کو اسی مہینہ جون (مطابق رجب) کا ''البعث الاسلامی'' کا شمارہ میرے پاس آیا، مغرب وعشاء کے درمیان میں نے سب سے پہلے اس افتتاحیہ پڑھا جو عزیز مرحوم کے قلم کا لکھا ہوا تھا، اس کا عنوان تھا ''سؤال حائر یحتاج إلی جواب'' یہ سات صفحہ کا مضمون تھا، اس میں ممالک اسلامیہ عربیہ خاص کر سعودی مملکت کے ذمہ داروں سے وہ باتیں صاف صاف کہی گئی تھیں جن کا اسی طرح صاف صاف کہا جانا ان کی خیر خواہی کا بھی تقاضہ تھا اور از روئے دین اب فرض ہوگیا تھا اور اس فرض کو اب وہی مرد خدا ادا کرسکتا تھا جس کو اللہ تعالی کی طرف اس کی خاص توفیق عطا ہوئی ہو۔ اس کو پڑھ کر میں نے محسوس کیا کہ اللہ تعالی کی طرف سے ہمارے مولانا محمد الحسنی کو یہ سعادت بخشی گئی ہے کہ بہتر سے بہتر اور مؤثر سے مؤثر انداز میں انہوں نے یہ فرض ادا کردیا، میں نے اس افتتاحیہ کو ان قلم سے ''ندائے غیب'' سمجھا اور طے کرلیا کہ اس کو اردو میں منتقل کرکے ''الفرقان'' شائع کرنا ہے۔

اگلے دن (۱۲ جون سہ شنبہ) فجر کی نماز کے بعد ہی میں نے مولانا محمد میاں کو فون کیا، ان کے مضمون کے بارے میں اپنا تأثر ان کو بتلایا اور ان سے فرمائش کی کہ وہ اس کو جلدی زیادہ سے زیادہ بس دو تین دن اس کو ''الفرقان'' کے لیے اردو میں منتقل کردیں یا کسی سے کرادیں، انہوں نے کہا بہت اچھا! انشاء اللہ ہوجائے گا۔ اللہ کے سوا کسی کو بھی علم نہ ہوگا کہ آج ہی کا دن ان کی زندگی اور ان کے کام کا آخری دن ہے اور کل ہی ان کا سفر آخرت ہے۔

عزیزم مرحوم مولانا محمد میاں کو اللہ تعالی نے جس طرح اپنے خاص فضل سے غیر عادی طریقہ پر وہ علمی وقلمی کمال عطا فرمایا تھا جس کا ذکر اوپر کیا گیا، اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑا فضل وانعام ان پر ان کے رب کریم نے یہ فرمایا تھا کہ جس تزکیۂ نفس اور اصلاح اخلاق کے لیے طالبین صادقین برسوں اصحاب ارشاد مشائخ کی تربیت میں رہتے اور ریاضتیں کرتے ہیں، اللہ تعالی نے یہ بے بہا دولت بھی ان کو اپنے فضل خاص ہی سے عطا فرمادی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ کبر، غصہ، حسد، کینہ، بخل جیسے رذائل ان کی فطرت سے نکال دئے گئے ہیں اور محاسن اخلاق بھرپور عطا فرمادئے گئے ہیں. ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء.

بہرحال یہ تھے ہمارے مولانا عبداللہ حسنی کے باپ دادا، اب آپ خود ہی سمجھ لیجیے کہ ایسے بزرگوں سے شرف انتساب رکھنے والا خود کیسا ہوگا

ایں خانہ ہمہ آفتاب است ایں سلسلۂ طلائے ناب است

مولانا خاموش طبع تھیم عربی اور اردو دونوں تقریر وتحریر پر اچھی قدرت رکھتے تھے، اپنے ابا میاں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی تو تھے ہی ان عقیدت کا اصل مرکز، تاہم وقت کے دوسرے بزرگوں سے بھی عقیدت واحترام کا تعلق رکھتے تھے، حضرت مولانا کی تو خاص نظر ان پر تھی، تربیت کے مرحلہ سے گزار کر انہوں نے ان کو تزکیہ وارشاد اور عمومی دعوت کے کاموں پر مامور بھی کردیا تھا، اور وہ نہایت خاموشی اور سنجیدگی ووقار کے ساتھ ان سب کاموں میں لگے رہتے تھے۔ ان کے قریبی لوگوں کو بھی ان کے حلقہ کی وسعت اور کام کے پھیلاؤ کا اندازہ ان کے انتقال کے بعد ہی ہوا، ان کے والد کی پیدائش ان دنوں میں ہوئی تھی جب ان کے والد کے جواں سال چچا (حضرت مولانا سید ابو الحسن ندوی) اپنے بڑے بھائی اور سرپرست کے ایماء پر ڈاکٹر امبیڈکر کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے بمبئی گئے ہوئے تھے، پھر ان کے والد (مولانا محمد الحسنی) کی وفات جب ہوئی تب بھی حضرت مولانا علیہ الرحمۃ پیام انسانیت کے عنوان پر ایک دعوتی سفر پر ہی نکلے ہوئے تھے۔ اور میرا خیال تو بعض قرائن کی وجہ سے یہ ہے کہ ہمارے مولانا عبد اللہ حسنی کو بھی اسی دعوت کی راہ میں شہادت کا شرف ملا ہے، حقیقت اللہ بہتر جانے!

برادران وطن میں دعوت کا کام مولانا اس انداز سے کرتے

تھے کہ نہ لمبی چوڑی فتوحات کی کارگزاریاں اور نہ کراماتی واقعات کی لن ترانیاں، ایک خاموش اور سنجیدہ انداز تھا، نہ صلہ کی تمنا اور نہ ستائش کی پرواہ!

بھٹکل اور حیدرآباد کے سفر سے واپسی پر جب یہ راقم تعزیت کے لیے تکیہ کلاں رائے بریلی حاضر ہوا تو مولانا مرحوم کے چھوٹے بھائی مولانا سید بلال حسنی نے جو آخری تین ماہ علالت کے دوران مستقل اپنے بڑے بھائی کے ساتھ ہی رہے، بتایا کہ اللہ کا شکر ہے ایک نماز نہ صرف یہ کہ قضا نہیں ہوئی بلکہ ہر نماز باجماعت ادا کرتے تھے، اور سخت تکلیف کے باوجود بیٹھ کر ادا کرنے کا اہتمام کرتے تھے، آخری دن پوری سورۂ بقرہ رکارڈ سے سنی اور اس کے بعد دوسری سورہ بھی سننا شروع کردی تھی کہ سانس میں تغیر محسوس ہوا، ایک ہچکی سی آئی اور دیکھتے ہی دیکھتے روح قفص عنصری سے پرواز کرگئی۔

سچ عرض کرتا ہوں کہ موت سے متصلا قبل کے یہ احوال سن کر بے حد رشک آیا مولانا عبداللہ حسنی کی قسمت پر، ان کی زندگی ہم جیسوں کے لیے قابل رشک تو تھی ہی، موت زندگی سے بھی بڑھ گئی!

اس خانوادے کے بزرگ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی مدظلہ العالی نے ان تمام کاموں کی ذمہ داریاں مولانا سید بلال حسنی کے سپرد کردی ہیں۔ یہ ناکارہ دست بدعا ہے کہ اللہ تعالی ان کے لیے اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بحسن وخوبی تمام ذمہ داریوں کی ادائیگی کو آسان فرمائے، قدم قدم پر غیبی نصرت شامل حال فرمائے۔

یہ راقم اپنی طرف سے، اپنے پورے خاندان کی طرف سے اور ادارۂ الفرقان کی طرف سے مولانا عبداللہ حسنی کے اہل خانہ اور ان کے اکلوتے بچے، ان کے دونوں بھائیوں مولانا عمار حسنی اور مولانا بلال حسنی اور پورے خانوادۂ حسنی کی خدمت میں، نیز مولانا سے دینی واصلاحی تعلق رکھنے والے سب ہی عزیزوں اور دوستوں کی خدمت میں پیام تعزیت پیش کرتا ہے اور سب سے دعاؤں کا سائل ہے۔

ملت کے اتحاد کا دیتا رہا سبق
کرتا نہ تھا پسند کبھی باہمی نفاق

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی وفات سے دینی علمی ودعوتی تحریکات وسرگرمیوں میں ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے، اللہ تعالی اس خلا کو پُر فرمائے اور امت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔

نیاز احمد ندوی

ناظم

مدرسہ طیبۃ الاسلامیۃ للبنات

(بچیوں کی دینی وفکری تعلیم وتربیت کا قابل اعتماد مرکز)

شیخواڑہ، قلعہ بازار، رائے بریلی

حق کا پاسباں جاتا رہا

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

ہمہ جہت دینی وعلمی، روحانی ودعوتی خصوصیات کے حامل تھے، آپ نے ہر میدان میں ناقابل فراموش نقوش چھوڑے ہیں۔ اللہ تعالی مولاناؒ کو اپنی شایان شان اجر جزیل عطا فرمائے۔

منجانب

(چودھری) ذاکر حسین

رکن اسٹیٹ حج کمیٹی آف ہریانہ

ورکن اسٹیٹ کانگریس کمیٹی، ہریانہ

یاد آتی ہیں تری باتیں ترے جانے کے بعد

جناب انیس احمد انیسؔ (پرخاص، الہ آباد)

حضرت مولانا کے محاسن وکمالات پر بہت سے صاحب علم حضرات نے اپنے اپنے تاثرات قلم بند کیے ہیں، ابھی اس سے کہیں زیادہ مزید لکھا جائے گا اس حقیر کو چونکہ حضرت مولانا سے والہانہ محبت اور عقیدت تھی، اس لیے چند سطروں میں اپنی محبت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت مولانا سے میرا تعلق اس وقت سے ہے جب آپ ندوۃ العلماء سے فارغ ہوئے تھے میں برابر تکیہ، رائے بریلی اور ندوۃ العلماء حاضر ہوا کرتا تھا دونوں جگہ مجھے اپنا نعتیہ کلام سنانے کا موقع میسر آتا، حضرت بھی فرمائش کرتے کہ کچھ سنایئے، کبھی تو ایسا ہوا کہ تنہا حضرت ہوتے اور میں اپنا کلام سناتا، بہت پرانی بات ہے غالباً آپ کا طالب علمی کا زمانہ تھا مجھ سے فرمایا آیئے یہاں تنہائی ہے آپ کو ایک معروف ومشہور مقرر کی تقریر کیسٹ سے سناتا ہوں، میں نے عرض کیا کس کی تقریر ہے فرمایا پہلے سن لیجیے بعد میں بتاوں گا کہ کس کی تقریر تھی، کیسٹ ختم ہوئی تو فرمایا اب آپ بھی کچھ سنا دیجیے، بہر حال حضرت نے مجھے بہت قریب کرلیا اس حقیر کو بھی حضرت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا پھر تو میں حضرت کا معتقد ہوگیا، حضرت میری عمر کا خیال کرتے ہوئے تواضع سے کام لیتے اور بے تکلفی کے کلمات سے محظوظ فرماتے مگر میں نے ادب اور احترام کو ہاتھ سے جانے نہ دیا کیوں کہ حضرت مولانا کی شخصیت نے مجھے اپنی طرف جھکا لیا تھا، رفتہ رفتہ اللہ پاک نے آپ کو عروج بخشا اور شہرت سے نوازا آپ کی تقریر ی صلاحیت اور انداز خطابت نیز اخلاق کریمانہ سے بندہ بہت متاثر ہوا، انجمن اصلاح المسلمین الہ آباد کے خادم کی حیثیت سے میں حضرت سے ہر سال چار روزہ سیرت کے جلسوں میں شرکت کے لیے گذارش کرتا آپ تشریف لایا کرتے تھے۔

حضرت کا نرالہ اور انوکھا انداز یہ کہ جب کبھی میں فون کرتا آواز پہچان لیتے فرماتے اوف فو کہیے حضرت انیس پرخاصوی کیسا مزاج ہے، اس پرکشش لہجہ سے میرا سارا رنج وغم کافور ہوجاتا اور دل میں عجیب قسم کی ٹھنڈک محسوس کرتا کبھی خود فون کرتے فرماتے کہ بہت دنوں سے خیریت نہیں معلوم ہوئی آپ آئے بھی نہیں میں فلاں تاریخ کو کنڈہ پہونچ رہا ہوں، میری خواہش ہے کہ اس موقع پر آپ بھی آجائیں جب حاضر ہوتا تو بہت خوش ہوتے فرماتے اب تو محفل جمے گی، اس کے علاوہ اکثر کئی موقع پر عالمی رابطہ ادب اسلامی کے اجلاس میں شرکت کے لیے ترغیب دیتے۔ کئی مدرسوں میں آپ کے ہمراہ میرا سفر ہوا۔ فرماتے ابھی آکے گاؤں ''پرخاص'' چلنا باقی ہے، افسوس کہ آپ پرخاص تشریف نہ لے جاسکے البتہ الہ آباد شہر کے میرے مکان پر حضرت متعدد بار تشریف لائے اور ارت میں قیام بھی فرمایا۔ حضرت کا پرخاص نہ جاسکنے کا مجھے افسوس ضرور ہے لیکن میرے لیے بے انتہا مسرت اور خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ ۱۰ر اکتوبر ۲۰۱۲ء کو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید صاحب ندوی دامت برکاتہم، حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ العالی اور مولانا شاہد صاحب ندوی مدظلہ العالی اور حضرت مولانا محمود حسنی صاحب مدظلہ العالی میری عیادت کے لیے میرے گاؤں پرخاص تشریف لائے اور میرے گاؤں کے مدرسہ عربیہ اشاعت العلوم، پرخاص میں ان حضرات کے بیانات بھی ہوئے اس موقع پر شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمرالزماں صاحب دامت برکاتہم کا بھی بیان ہوا اور آپ ہی کی دعا پر جلسہ ختم ہوا۔ رات میں میرے غریب خانہ پر ان حضرات کا قیام بھی ہوا ان دنوں حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندوی

رحمۃ اللہ علیہ سخت بیمار تھے، حضرت مولانا کی عنایت جو مجھ حقیر پر تھی اس میں میری کوئی تخصیص نہیں بلکہ حضرت ہر شخص سے انتہائی خندہ پیشانی اور محبت سے پیش آتے اور ملنے والوں سے ہمدردی کا اظہار فرماتے، گفتگو تو اس انداز کی ہوتی کہ مخاطب بغیر متاثر ہوئے رہ نہیں سکتا تھا۔

حضرت کی خدمت میں کچھ ایسے بھی مسلم نوجوان حاضر ہوتے تھے جو پیچیدہ اور مشکل سوالات کرتے بلکہ بحث ومباحثہ کے انداز سے پیش آتے لیکن حضرت کو ذرا بھی ناگواری نہ ہوتی بلکہ انتہائی نرم لہجے میں مسکرا کر تسلی بخش دلائل کے ساتھ جواب مرحمت فرماتے، مسائل کے اشکالات کو رفع فرمادیا کرتے یا پھر آگے سوال کی گنجائش نہ چھوڑتے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے آپ مجاز بیعت اور خلیفہ بھی تھے، اصلاح وتربیت اور تزکیۂ نفس کا کام بھی آپ کے سپرد فرمایا تھا، اس سلسلہ سے کثیر تعداد میں لوگوں کو حضرت کی ذات سے فیض پہونچا، طریق وتصوف میں آپ اپنے شیخ کے نقش قدم پر آخری سانس تک قائم رہے، اخلاص کے ساتھ کتاب وسنت کی پیروی کو اصل قرار دیتے، ایک موقع پر مجھ سے فرمایا ہمارے حضرت علی میاںؒ جب کسی کو بیعت فرماتے تو یہ تاکید فرماتے کہ ذکر واذکار کے علاوہ معتبر دینی کتب کا مطالعہ معمول میں رکھیں اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مواعظ کے مطالعہ پر کافی زور دیتے پھر فرمایا کہ طریق میں قدم رکھنے کے بعد حضرت تھانوی کے مواعظ کا مطالعہ اصلاح کے لیے بہت مفید ہے۔

آپ دین اسلام کے ایک ایسے شیدائی تھے کہ رات دن یہی ایک لگن اور فکر کہ اپنی قوم کے علاوہ برادران وطن بھی اسلام کے قریب آکر اسلام کو سمجھیں اور صدق دل سے ایمان لائیں، چنانچہ اس میدان میں بھی آپ نے زبردست اور حیرت انگیز کام کیا جس کی مثال ابھی تک تو سامنے نہیں آئی، غیروں کے دلوں میں مذہب اسلام کی حقانیت اپنی روحانیت اور حکیمانہ انداز سے بھر دیتے اور وہ اسلام کا شیدائی بن جاتا، اپنے خطاب میں حق بات نہایت حسن وخوبی سے دلائل کے ساتھ پیش فرماتے باطل اور غیر اسلامی طریقے اور رسم ورواج وبدعات وخرافات سے آپ کو بے انتہاء وحشت تھی جس پر جرات مندانہ نکیر فرماتے۔

درس وتدریس کے علاوہ عالمی رابطہ ادب اسلامی الہند، پیام انسانیت اور اصلاح معاشرہ کے اجلاس میں برابر شرکت فرماتے اور اپنے موثر خطابات سے ان اجلاس میں جان ڈالدیتے، مسلمانوں کی بے راہ روی، شادی بیاہ میں فضول خرچی، دین سے دوری، علماء حق سے بے تعلقی کے سبب آپ نے اصلاح معاشرہ کے اسٹیج سے نہایت پر اثر تقریروں سے قوم کو جھنجوڑا اور فکر مند کردیا، ملک کے بعض حصوں میں اس سلسلہ سے بہت کام ہوا۔

حضرت کی شخصیت کے بارے میں آخری میں یہ لکھنا چاہوں گا کہ علم وعمل، زہد وتقویٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دور اندیش، عقلمند، ہوش مند، فہم وفراست، اخلاص وللہیت، روحانیت وولایت، صبر وقناعت، جرأت وہمت، ہمدردی وغم خواری، تواضع وانکساری جیسے دیگر اوصاف حمیدہ سے بھی متصف فرمایا تھا، یہ سارے اوصاف حضرت والا کی زندگی کے ہر گوشے میں موقع بہ موقع صاف نظر آتے تھے، اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو نور سے بھر دے، اور درجات بلند فرمائے۔

آخر میں اپنے اس شعر پر مضمون کو ختم کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

لکھ رہا ہوں قصۂ الفت تجھے پانے کے بعد
یاد آتی ہیں تری باتیں ترے جانے کے بعد

ایمان کیسے تازہ ہو؟

"ایمان والوں کی مجلسوں میں بیٹھنے سے سب سے زیادہ ایمان تازہ ہوتا ہے، دوسرے درجہ میں ایمان والوں کی باتیں سننے سے ایمان تازہ ہوتا ہے، تیسرے درجہ میں جہاں ایمان والوں کا تذکرہ ہو وہاں بیٹھنے سے ایمان تازہ ہوتا ہے۔"

—— حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندویؒ

جامع اور متوازن شخصیت

مولانا نور عالم خلیل امینی
(چیف ایڈیٹر ''الداعی'' دارالعلوم دیوبند)

عالمِ صالح داعی اِلی اللہ مولانا سیّد عبداللہ محمد الحسنی ندوی کا طویل علالت کے بعد لکھنؤ کے ایک ہسپتال میں تقریباً سوا دس بجے صبح، چہار شنبہ ۱۷؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ/ ۳۰؍جنوری ۲۰۱۳ء کو سنۂ عیسوی کے اعتبار سے ۵۶ سال اور سنۂ ہجری کے لحاظ سے ۵۸ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ اُن کے عظیم خاندان کے سارے چھوٹوں اور بڑوں اور برصغیر نیز بیرونِ ملک کے اُن کے سارے محبین واہلِ تعلق نے اُن کے لیے دعا اور دوا میں کوئی کسر نہیں رہنے دی؛ لیکن خدائے علیم نے اُن کے لیے جو فرصتِ عمر مُقدّر کر رکھی تھی، وہ پوری ہوچکی تھی؛ اِس لیے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوسکی اور وہ نسبتاً خاصی کم عمری میں اپنے رب کے حضور جا پہنچے، جہاں ہر ایک کو اپنی باری پر کسی لمحے کی تاخیر کے بغیر پہنچنا ہے۔

اِس راقم کو اُن کی سخت علالت اور نازک حالت کا علم انتقال سے صرف چند روز پہلے ہوا، اُن کے بعض قریبی اَعِزّا ہمارے ہاں آئے اور اپنی زبان سے تفصیل بتا کر دعا کی آرزو کی، تو ہمیں معلوم ہوا کہ وہ بیماری کے شاید اُس اسٹیج پر پہنچ چکے ہیں، جہاں سے صحت اور زندگی کے لیے بازواپسی بہ ظاہر اور اسباب ومُسبّبات کے منطقی نتیجے کے اعتبار سے بہت مشکل ہوتی ہے؛ لیکن آسمان وزمین کی تخلیق کرنے والے خدا کے لیے مُردوں کو زندہ کرنا بھی مشکل نہیں، اِس لیے دعا اور دوا کا ہمہ گیر اور بھرپور سلسلہ جاری رہا؛ مگر وہی ہوا جو خدا کو منظور تھا۔ کم عمری کے باوجود اپنے علم وحلم، دین ودعوت کے میدان میں اپنی ہنرمندی اور تھوڑے ہی وقت میں میدانِ عمل میں نقوشِ جاوداں ثبت کر لینے کی وجہ سے اللہ نے اُنھیں بے پناہ محبوبیت سے نوازا تھا، اِسی لیے اُن کی وفات پر سیکڑوں دل اور آنکھیں حزن وملال سے نم اور پرغم رہیں۔ علم سے زیادہ عمل کی پاکیزگی اور کردار کی پختگی انسان کو اِنسان کا غلام بے دام بنا لیتی ہے، اُس کا ایک نمایاں نمونہ مولانا سیّد عبداللہ محمد الحسنیؒ تھے۔

مولانا عبداللہ حسنی، مشہور عالم ومفکر وداعی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء-۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) کے بڑے بھائی مولانا حکیم ڈاکٹر سیّد عبدالعلی حسنیؒ (۱۳۱۱ھ-۱۳۸۰ھ) کے پوتے تھے۔ مشہور مجاہد جنھوں نے برِصغیر سے انگریزی سامراج کے خاتمے کے لیے باقاعدہ اُن سے جنگ کی اور راہِ خدا میں سرزمینِ بالاکوٹ میں شہید ہوئے یعنی امام سیّد احمد بن عرفان شہیدؒ (۱۲۰۱ھ-۱۲۴۶ھ) اِسی خاندانِ والاشان کے سرخیل تھے، ''تکیہ کلاں'' ہی میں پیدا ہوئے، یہیں پلے بڑھے اور یہیں سے آزادی کا صور پھونکا، جس سے پورا برِصغیر ایسا بیدار ہوا کہ اسی کے نتیجے میں بالآخر یہ ملک آزاد ہوکر انگریزی استعمار کے ناپاک قدموں کے اثرات سے ہمیشہ کے لیے پاک ہوگیا۔ مولانا عبداللہ حسنی کے پردادا مولانا حکیم سیّد عبدالحی حسنیؒ (۱۲۸۶ھ-۱۳۴۱ھ) برِصغیر کے چنیدۂ روزگار فضلاے نام دار میں تھے۔ وہ بہ یک وقت مولانا وحکیم اور عربی واردو کے ادیب ومؤرخ تھے، اُنھوں نے برِصغیر میں اسلام کی آمد کے وقت سے اپنی وفات کے وقت تک کے برصغیر کے علما واہلِ کمال کا تذکرہ عربی زبان میں مُدوّن کیا جو آٹھ ضخیم جلدوں میں ''نزهة الخواطر'' کے نام سے مطبوعہ ومتداول ہے اور علماے اسلام وفضلاے مشاہیر کے تذکرہ کے سلسلے میں عربی میں واحد مستند مرجع وماخذ ہے۔ یہ صحیح النسب حسنی خاندان برصغیر میں علم وعمل کی جامعیت اور رات کی ''رہبانیت'' اور راہِ خدا میں دن کی ''شہہ سواری'' کے لیے مشہور ومعروف رہا ہے۔ آج بھی اِس خاندان کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ فرد سے ملیے تو صاف معلوم ہوگا کہ واقعی یہ ''حسنی'' ہے؛ کیوں کہ اپنی ترکیب میں خاص امتیاز کا حامل ہے جو عام مسلمانوں میں تمام خوبیوں کے باوجود نہیں پایا جاتا۔

مولانا سیّد عبداللہ حسنی اِسی اَصل کی خوب صورت وخوب سیرت فرع تھے، اُنھیں علم وفضل، صلاح وتقویٰ اور جامع انسانی قدریں نسلاً بعد نسل وراثت میں ملی تھیں، جنھیں اُنھوں نے خدا کی توفیق سے بڑی خوب صورتی سے جذب کر کے اُن میں اپنی سعادت مندی کا قلم لگایا اور اپنے ٹھوس کردار سے نسلی موروثات کو سند عطا کی۔ جیسا کہ کہا گیا وہ مولانا سید محمد الحسنی بن سید عبدالعلی بن سید عبدالحی کے سب سے بڑے فرزند تھے، مولانا سید محمد الحسنی دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے عربی ترجمان رسالہ ''البعث الاسلامي'' کے بانی وایڈیٹر انچیف

تھے۔ وہ عربی انشا پردازی کے حوالے سے برِّصغیر میں ربِّ عظیم کا معجزہ تھے، اُن کے ایسی عربی اُن کی زندگی میں یا اُن کے بعد نہ صرف کوئی عجمی نژاد اہلِ قلم اور صحافی نہیں لکھ سکا؛ بل کہ عربوں میں بھی اُن کی زندگی میں یا اُن کے بعد اُن کی ٹکر کا جنم نہ لے سکا۔ یہ صرف میرا دعوی بلا دلیل نہیں؛ بل کہ عرب وعجم کے سارے مُعْتَبَر اہلِ قلم کا اِس پر اب تک اِجماع ہے، جس کی مخالفت کرنے والا عربی زبان کی نزاکتوں سے نا آشنائے محض گردانا جائے گا۔

مولانا سید عبداللہ حسنی کو اچھا بننے کے لیے، الحمدللہ اچھے سے اچھا ماحول ملا، اُنھوں نے توفیقِ خداوندی سے اُس کی قدر کی اور واقعی عالم باعمل ڈھل کر نکلے۔ نیکی اور صالحیت اُن کی گھٹی میں پڑی تھی، اُنھیں اپنے آبا سے یہ خصلت ملی تھی کہ گناہ کرنے کی صلاحیت سے شاید پیدائشی طور پر بالکل عاری تھے، معصیت اور اَحکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کی ''لذت'' سے نا آشنا مخلوق ہوے تھے۔ یہ اُن کی اور اُن کے عظیم خاندان کی سب سے بڑی خصوصیت رہی ہے۔ وہ پرسکون، دھیمی طبیعت، خاموش مزاج، اور صرف کام کی بات کرنے کی فطرت کے ساتھ دنیا میں آئے تھے اور اِسی پر دنیا سے گئے۔ سادگی، خاک ساری، بے نفسی، غریبوں سے محبت، ضرورت مندوں کی حاجت روائی، سارے مسلمانوں کی دین ودنیا کی بھلائی کے درد سے معمور دل کے مالک تھے۔ شہرت کی طلب، نیک نامی کی خواہش، اپنی ذات کی بات اور اُس کا ڈھول پیٹنے کے فن سے شاید ملائک کی طرح معصوم تھے۔ دنیا طلبی، زرکشی، یہاں کی زندگی کی آرایش اور یہاں کے ''گھروندے'' کی منفرد اور دعوت نظارہ دینے والی تعمیر وتزیین کہ جیسے ہمیشہ ہمیش یہیں رہنا ہے، جیسا کہ بہت سے اہلِ علم اور بعض نیکی اور دین داری کی شہرت رکھنے والے ''اہلِ کمال'' کا بھی شیوہ ہوا کرتا ہے؛ سے اُنھیں یا اُن کے خاندان اور بالخصوص اُن کے آبا کوئی نسبت تھی نہ اُنسیت نہ معرفت۔ اللہ نے اُن سعادت مندوں کو ہمیشہ اِس لایعنی ''تجربے'' سے بالکل محفوظ رکھا؛ تاکہ اُن کے آخرت کے ذخیرے میں کوئی کمی واقع نہ ہو۔

وہ حسنِ اخلاق، نرم گوئی، شیریں سخنی، چھوٹے بڑے کے ساتھ نرم روی کی وجہ سے ہر ایک کے دل میں گھر کیے رہتے تھے۔ غیظ وغضب، اِحساسِ برتری اور کسی پر اپنی بڑائی جتانے کے فن سے بالکل واقف نہ تھے۔ ہاں اگر اللہ کی کسی حرام کردہ چیز کو پامال کرنے کی کوشش کی جاتی تو بے شک بہت ناراض ہوتے۔ اُنھوں نے اپنی زندگی کا تمام تر مشغلہ تعلیم وتدریس اور دعوت وتبلیغ کو بنائے رکھا، بہت خاموشی سے، کسی شور شرابے کے بغیر نوجوانوں اور غیر مسلموں میں دعوت دین کا مؤثر اور نتیجہ خیز کام کیا۔ زندگی کے معرکے میں حسنِ اخلاق اور بے نفسی کے دونوں نہ کند ہونے والے کارگر ترین ہتھیاروں سے ہمیشہ فتح پائی، یہ دونوں اُن کے لیے ''ماسٹر کی'' تھے جن سے اُنھوں نے لوگوں کے دلوں کے قفل کھولے۔ وہ ایک کام یاب مُرَبّی اور بہترین داعی تھے؛ کیوں کہ اُنھوں نے قول سے زیادہ اپنے فعل سے لوگوں کو مُتَاَثِّر کیا۔

وہ تقریر اور گفتگو کی طرح اپنی تحریر میں بھی اپنی خوبیوں بھری شخصیت کا عکس تھے، اردو یا عربی میں جو کچھ لکھتے، اُس میں الفاظ، ترکیبیں، جملے، جملوں کی بندشیں ہلکی، نرم اور ہر سطح کے قاریوں کے لیے ''زود ہضم'' ہوتیں۔ سچ ہے کہ تحریر وتقریر میں بھی اِنسان کے اَخلاق وکردار کی پوری جھلک موجود ہوتی ہے، اِنسان وہی کچھ بولتا اور لکھتا ہے جو اُس کے اَخلاق اُس کو اِلہام کرتے ہیں۔

اُنھوں نے زائد از تیس برس دارالعلوم ندوۃ العلما میں تفسیر وحدیث اور متعلقہ علوم کا درس دیا۔ اُن سے طلبہ کو بہت فیض پہنچا؛ کیوں کہ اُن کی نرم خوئی اور ہنس مکھے پن کی وجہ طلبہ اُن سے گھلے ملے رہتے اور بہت فائدہ اٹھاتے تھے۔ اُن کی ترسیلی صلاحیت کو اُن کے خلوص ومحبت اور گدازی نے بہت بارآور بنا دیا تھا۔

وہ پندرہ روزہ عربی جریدہ ''الرائد'' کے مدیر تھے، اُس میں اُن کے بہت سے مضامین شائع ہوتے رہے، جو علمی وادبی حلقوں میں بہت پڑھے جاتے رہے۔ اردو میں بھی مقالات و مضامین کے علاوہ کئی کتابیں اُنھوں نے یادگار چھوڑی ہیں۔ اُن کی تحریر میں روانی وسلاست کے ساتھ اِصلاحی اور دعوتی روح کی کارفرمائی ہوتی تھی؛ اِس لیے اُن کی تحریر قلب ونظر کے لیے تریاق ہوتی تھی۔ اسلامی تہذیب کی عظمت، دینِ اسلام کی ہمہ وقت تازہ دمی، مغربی تہذیب کی بدتہذیبی، انسانی ترقی کے نام سے انسانوں کو ہمہ گیر طور پر تباہ کرنے کی مغرب کی بھیانک منصوبہ بندی کے موضوعات پر اُنھوں نے بہت خوب لکھا۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی ''تحریکِ پیامِ انسانیت'' کو نہ صرف زندہ رکھا؛ بل کہ اس پلیٹ فارم سے لائقِ تحسین وتجلیل کارنامے انجام دیے۔ بہت سے غیر مسلم پڑھے لکھے لوگوں کو نہ صرف تحریک سے جوڑا؛ بل کہ اسلام اور اسلامی تہذیب وثقافت سے خاصا قریب کیا، اُن میں سے بہت سے لوگوں کے لیے اسلامی تعلیمات سے نزدیکی واقفیت کی راہ ہموار کی، اِس طرح ہندوؤں کے ایک طبقے کو اسلام اور مسلمانوں سے رہنے والی وحشت کو دور کیا، جس سے اُس کو بہ خوبی اندازہ ہوگیا کہ دہشت گردی، انتہا پسندی اور کسی طرح کے تشدد پر کوئی سچا مسلمان اِیمان رکھتا ہے نہ عمل کرتا ہے اور بالآخر اُنھیں یقین کرنا پڑا کہ مسلمانوں سے زیادہ اچھا شہری اور ملک کا وفادار کوئی اور نہیں ہوسکتا اور جو لوگ مسلمانوں کے متعلق غلط فہمیاں پھیلاتے ہیں، وہ ملک کے دشمن ہیں، اُس کے دوست نہیں ہوسکتے۔

اِسی کے ساتھ وہ متعدد مدرسوں، مکاتب اور انجمنوں کے ذمے دار اور سرپرست تھے، اُنھوں نے ملک اور بیرونِ ملک کا بہت بار علمی ودعوتی سفر کیا۔ اندرونِ ملک تو بہت زیادہ اُن کی آمد ورفت اور چلت پھرت رہی؛ کیوں کہ تدریسی کام کے ساتھ اُن کے دعوتی کاموں کا دائرہ خاصا کشادہ تھا۔ وہ جہاں جاتے دینی اکتسابات اور دعوتی فتوحات کا بڑا ذخیرہ اُن کے دامن میں ہوتا۔ اُن کی سیرت اور بھولی بھالی صورت میں مقناطیس کی کشش تھی، لوگ اُن کی طرف اُسی طرح کھنچتے تھے جیسے مقناطیس کی طرف آہن پارے۔

مولانا سید عبداللہ حسنی، ۲۹؍جنوری ۱۹۵۷ء کو لکھنؤ کے مشہور ''امین آباد'' محلے میں متولد ہوے، جہاں برسوں سے اُن کے خاندان کے بہت سے اَفراد بالخصوص اُن کے والدین رہتے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے خاندان میں حاصل کی، پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوے، جہاں سارے تعلیمی مراحل اپنے چھوٹے دادا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی سرپرستی میں طے کیے۔ شروع سے ہی والدین اور حضرت مولاناؒ کی بے پناہ شفقت اور خصوصی توجہ اُن پر مرکوز رہی؛ کیوں کہ وہ حضرت مولاناؒ کے اِکلوتے بھتیجے کی پہلی نرینہ اولاد تھے۔ حضرت مولاناؒ لاولد تھے، اِس لیے اُنھوں نے اپنے بھائی بہن کی اولادوں کو ہی اپنی اولاد کی شفقت ومحبت عنایت فرمائی۔ مولانا سید عبداللہ نے حضرت مولاناؒ ہی سے اپنے والد ہی کی طرح دین کا درد، دعوت وتبلیغ کا جذبہ، اِنسانیت کی چارہ گری اور بھٹکے ہوے آہو کو پھر سوئے حرم لے آنے کی تدبیر سازی کا ہنر اخذ کیا اور کچھ اُن کی طرف خاندانی طور پر بھی اُن سے منتقل ہوا۔ اُنھوں نے حضرت مولاناؒ سے ہی ذوقِ عبادت وشوقِ اِنابت بھی پایا، اُنھی سے بیعت ہوے اور اُنھی سے اِجازت وخلافت ملی۔

حضرت مولاناؒ کے علاوہ، ندوہ میں اُنھوں نے حضرت مولاناؒ کے بعد اپنے خاندان کے سب سے بڑے بزرگ وسرپرست حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی سے، نیز حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی، حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی قاسمی اور حضرت مولانا ضیاء الحسن اعظمی قاسمیؒ (۱۳۴۸ھ-۱۴۰۹ھ) وغیرہ سے بھی تعلیم وتربیت حاصل کی۔ نیز ندوہ میں وقتاً فوقتاً آنے والے اساتذۂ زائرین سے بھی اکتسابِ علم وفضل کیا، جن میں عالمِ اسلام کے عظیم محدث، عاشق رسول علامہ شیخ عبد الفتاح ابوغدہ حلبی شامیؒ (۱۳۳۶ھ-۱۴۱۷ھ) اور علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی مصری مقیم قطر، نیز شیخ نورالدین عتر وغیرہ سرفہرست ہیں۔

مولانا سید عبداللہ حسنی، نبوی اَخلاق کے حامل تھے، دین ودنیا میں کام دینے والی بات کے سوا، زبان سے کوئی لفظ ادا نہ کرتے، اُن کا دل ہر طرح کی کدورتوں سے آئینے کی طرف شفّاف تھا، زبان اور ہاتھ سے کسی کو کوئی اذیت بھولے سے بھی نہیں پہنچنے دی۔ غیبت اور بدگوئی خود کرتے نہ کسی سے سنتے؛ بل کہ اگر کوئی اُن کی مجلس میں کسی پر حرفِ تنقید زبان پر لاتا تو فوراً موضوعِ سخن تبدیل کردیتے۔ حسد، کینہ، بغض، منفی تنافس، اور کسی کی بے آبروئی اور پردہ دری سے کبھی کوئی سابقہ نہ ہوا۔ نیز وہ ''حسنی'' السیرت بھی تھے: کشادہ دل، سیرچشم، اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے عذر تلاش کرنے والے، لغزشوں سے درگزر کرنے والے، اختلافی مسائل میں باہمی گفتگو اور مذاکرے پر عمل کرنے والے انسان تھے، گرم گفتاری اور کرخت کرداری سے کوسوں دور رہتے۔ انسان کی صرف خوبیوں پر نظر رکھتے اور خرابیوں سے چشم پوشی کرتے۔ اُنھوں نے یہ اَخلاق اپنے آبا سے وراثت میں پایا تھا، جس سے نسب کی بلندی، حسب کی اَصلیّت، اَصل وفرع کی پاکیزگی کا بہ خوبی اندازہ ہوتا تھا اور جس میں عملِ صالح پر کاربندی نے چار چاند لگادیے تھے۔ یہی وہ صفت ہے جس

سے کوئی بھی اِنسان اپنے رب کا محبوب، خلق خدا میں مرغوب اور شریعت کا مردِ مطلوب بن جاتا ہے۔

مرحوم کو یہ راقم اُن کے آغاز جوانی سے جانتا تھا، اِس لیے کہ وہ جون ۱۹۷۲ء میں دارالعلوم ندوۃ العلما میں عربی زبان کے اُستاذ کی حیثیت سے برسرِ عمل ہوا، اُس وقت مولانا سید عبداللہؒ دارالعلوم ندوۃ العلما میں تعلیمی مراحل کے وسط میں تھے۔ اُن کے عظیم والد مولانا سید محمد الحسنیؒ سے راقم کو قلبی تعلق تھا، کیوں کہ اِتنی پاکیزہ مٹی کا اِنسان اُس نے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا، مولانا محمد الحسنی بھی اِس راقم آثم پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ اُنھیں کوئی خاص تحریر لکھنی ہوتی بالخصوص "البعث الاسلامي" کا اداریہ تحریر کرنا ہوتا، تو وہ بہت اچھا لباس زیب تن کر کے اپنی رہایش گاہ "امین آباد" سے آتے اور دارالعلوم ندوۃ العلما پہنچ کر اچھی چائے کی خواہش کرتے، پہلے وہ اپنے دیرینہ دوست مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی کو تلاش کرتے، اگر وہ کسی گھنٹے میں پڑھاتے ہوتے، تو وہ اِس راقم کے کمرے پہ تشریف لاتے اور فرماتے: "بھئی! دماغ چلانے والی چائے پلاؤ"، یعنی لیپٹن گرین لیبل کی دم کی چائے، جو یہ راقم لیتا تھا، اُس کی طرف اِشارہ کرتے۔ چائے لیتے ہی جھومتے ہوئے اپنے دفتر میں چلے جاتے اور تنہائی میں بیٹھ کے مطلوبہ تحریر رقم فرماتے۔ مولانا محمد الحسنیؒ کی اِس غیر معمولی محبت کی وجہ سے اُن کے خاندان کے بچے بالخصوص مولانا عبداللہ حسنی بھی راقم الحروف سے بہت مانوس ہوگئے تھے اور اکثر وہ کسی نحوی یا صرفی مسئلے کی پیچیدگی کے حل کے لیے راقم الحروف سے ملتے رہتے۔ عربی کے کسی اچھے جملے کی تراش خراش کے لیے تبادلۂ خیال کرنے آتے رہتے اور جب اُن کا مقصود حاصل ہوجاتا، تو وہ بہت خوش ہوتے تھے۔

مجھے اُن کی اُس وقت کی شبیہ یاد ہے: سبزہ آغاز، پاک دل، پاک سیرت، موہنی صورت، معصومیت اور اَخلاقی پاکیزگی کی مورت نوجوان۔ آواز میں نرمی، اَخلاق میں شیرینی، برتاؤ میں جادوگری، ہونٹوں پہ مسکراہٹ، آنکھوں میں اِیمان کی چمک، پیشانی سے دین داری وعفت مآبی کی روشنی ابلتی ہوئی، زبان سے سچائی کے پھول جھڑتے اور کردار سے دامنِ دل کو تھامنے والی سچائیاں مخاطب پر اپنا جادو دکھاتیں۔ دن گزرنے کے ساتھ یہ راقم اُن کے فرد خاندان کی طرح بن گیا، اکثر اُن کے آبائی وطن "تکیہ کلاں" رائے بریلی جانا آنا ہوتا، جہاں حضرت مولانا علی میاںؒ کا بہ استثنائے اسفار مستقل قیام رہتا تھا، بسا اوقات اُن کی طلب پر وہاں راقم کی حاضری ہوتی، مہینہ، پندرہ دن، ہفتہ عشرہ وہاں راقم کا قیام عام سی بات تھی، حضرتؒ کے حکم سے کوئی تحریر صاف کرتا، یا وہ کوئی تحریر یا تالیف کا راقم کو اِملا کراتے، یا کسی عبارت کا اُردو سے عربی میں ترجمہ کرنے کا حکم فرماتے۔

مولانا سید عبداللہ حسنیؒ میں، اُن کے فضل وکمال کے بال وپر نکلنے کے بعد، اہلِ بصیرت وفراست کی نگاہ میں وہ خاص خاندانی "جوہر" آشکارا ہونے لگا تھا جس کے آخری سب سے بڑے محافظ؛ بل کہ اُس کے ثمرات واثرات وبرکات سے اپنی زندگی میں ساری اُمّت؛ اور ملک وملّت کو نہال کردینے والے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تھے؛ اِسی لیے اُنھیں بہت سے اہل دانش وبینش حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے بعد (اللہ اُن کی صحت وعافیت کے ساتھ عمر دراز کرے) ندوۃ العلما کی کشتی کے کھیون ہار کے روپ میں دیکھ رہے تھے؛ کیوں کہ مرحوم میں حضرت مولانا ندوی جیسی کشادہ نفسی، دریادلی، مال وزر سے اِستغنا، زرکشی سے نفرت، دنیا میں ایک پردیسی اور مسافر کی طرح رہنے کی خصلت، اختلاف کے باوجود صاحبِ معاملہ کا احترام کرنے کی عادت، عیب جوئی وتنقیص وتنقید سے مکمل دوری، انسان کی کم زوریوں اور عیوب کی پردہ پوشی، حد درجہ تحمل وبردباری، ہر سنی ہوئی بات کی تصدیق سے مکمل احتراز، انتظام وانصرام کے باب میں مکمل تحقیق اور روایت ودرایت کے معقول معیار پر رکھے بغیر کسی شکایت کنندہ کی بات سے مُتأثر ہونے سے بچنے وغیرہ جیسی صفات پائی جاتی تھیں، اور یہی اور اِن جیسے دیگر عناصر کی صحیح ترکیب وامتزاج سے کوئی اِنسان بڑا اِنسان بن پاتا ہے۔

اللہ پاک کے فیصلے اور تقدیر میں یقیناً کوئی بڑی حکمت ومصلحت ہوگی، جو ہم اِنسانوں سے مکمل طور پر مخفی رکھی گئی ہے؛ ورنہ ہم انسانوں کی تو یہی خواہش تھی کہ مولانا سید عبداللہ حسنی ایسے لوگ تادیر زندہ رہتے؛ تاکہ انسانی معاشرے کو اُن سے خوب خوب فیض یاب اور خود اُنھیں مزید سعادت مندیوں اور نیکیوں سے اپنے دامن کو بھرنے کا مزید موقع ملتا؛ لیکن رہے نام اللہ کا۔

نمونۂ سلف

مولانا محمد عمیر الصدیق ندوی
(دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ)

یہ جنوری کا مہینہ بھی کس قیامت کا تھا، تیس تاریخ تھی کہ یہ خبر صاعقہ اثر بن کر سب کو تڑپا گئی کہ مولانا عبداللہ حسنی ندوی نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔ إنا لله و إنا إليه راجعون.

اب کوئی کیسے بتائے کہ ایک مختصر عمر میں مدت ہائے دراز کے فاصلوں کو طے کرنے والی یہ شخصیت کیا تھی، یقیناً ان کے نسب میں ابن محمد الحسنی بن ڈاکٹر عبدالعلی بن حکیم عبدالحی حسنی جیسے نام ہیں جو کسی بھی سلسلہ کو زریں بنانے کے لیے کافی ہیں، وہ مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کے پوتے، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے داماد تھے، وہ رائے بریلی کے تقدس مآب خانوادہ کے گوہر شب چراغ تھی، لیکن ماتم کرنے کے لیے کیا یہ کافی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ کم عمر عبداللہ حسنیؒ میں ان کے اجداد کی وہ خوبیاں جھلملاتی تھیں جو کسی بھی انسان کو اس لائق بناتی ہیں کہ اس سے محبت کی جائے، کم آمیزی اپنی جگہ لیکن اظہار کمال سے نفرت اور نمود و نمائش سے وحشت، یہ تو خاصان خدا کی خاص شناخت ہے، ان کے دادا کے دادا مولانا فخر الدین خیالیؒ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ''ان کو کم کسی نے جانا اور بایں ہمہ کمالات علمی و عملی وہ گوشۂ گمنامی میں چھپے رہے، مزاج میں خاموشی، متانت تھی، صبر و قناعت و حلم کی صفات ان کی ہر ادا سے ظاہر تھیں، ظاہر و باطن یکساں اور سب سے بڑھ کر سینۂ آئینہ تھا جو گرد کدورت سے صاف تھا، ہم نے قریب اور دور سے اس کا ایک عملی نمونہ مولانا عبداللہ حسنی ندوی کی ذات میں بھی دیکھ لیا۔

۲۹ جنوری ۵۷ء میں وہ پیدا ہوئے، اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنے والد مولانا محمد الحسنی اور جد امجد مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کی تربیت کے سایہ میں ترقی کے مدارج طے کرنے لگے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اساطین اساتذہ سے اکتساب فیض کے علاوہ انہوں نے شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، شیخ نورالدین عتر اور علامہ یوسف قرضاوی جیسے عالم عرب کے مشاہیر علماء سے بھی استفادہ کیا، ۷۷ء میں فضیلت کی سند حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تفسیر، حدیث اور نحو کی تدریس میں مشغول ہوئے، ان کا طریقہ تدریس بھی جدا تھا، وہ اسباق کی روح سے جس طرح اپنے شاگردوں کو آشنا کرتے، آج ان کے ہر تلمیذ کی زبان پر اس خصوصیت کا اعتراف ہے۔

عربی زبان بولنے اور لکھنے پر غیر معمولی قدرت تھی، نوعمری میں اخبار الرائد کے ان کے ادارتی کلمات اور مضامین اس کے شاہد ہیں، خطابت کا جوہر بھی خاندانی تھا، ان کی ایک تقریر جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ میں سننے کا اتفاق ہوا، ایسی پُر اثر تقریر واقعی کم سننے میں آتی ہے جس میں مغز ہی مغز ہو، تحصیل علوم کے لیے انہوں نے چاہت، طلب اور تڑپ کے عناصر کی جس طرح وضاحت کی معلوم ہوتا تھا کہ غیب سے یہ مضامین القا ہو رہے ہیں اور اصل یہی ہے کہ ان کی باتوں میں تاثیر کا سرچشمہ ان کا قلب صافی تھا، اور نانیہال والوں کا والدہ کا حق سمجھ کر خیال رکھتے، ان کا مربیانہ مزاج تھا وہ خاندان کے بچوں او ردوسرے لوگوں کی دینی تربیت کی فکر کرتے تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ دوست نوازی کی عادت پڑے اور انسان کی عمر اس میں ضائع ہو جائے اور نماز کے سلسلہ میں وہ بہت سخت تھے اور کسی کی بھی اس میں رعایت نہ کرتے اور جماعت کے ساتھ نماز کا ان کو بہت زیادہ اہتمام رہتا تھا، خاندان میں بھی وہ مقبول تھے اور خاندان سے باہر بھی وہ محبوب تھے، سبھی لوگ اپنی بات ان کے سامنے رکھتے اور اپنا حال ان کو سناتے، خواب سنانے والے ان سے خواب کی تعبیر لیتے، وہ خواب کی بہت اچھی تعبیر دیتے تھے، اور صاف محسوس ہوتا تھا کہ ان کی دی گئی تعبیر الہامی ہے، وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، سنن نبوی کا عملی پیکر تھے، خلق خدا پر بڑی شفقت کرنے والے تھے، انداز تربیت اور طور و طریق بڑا خیر خواہانہ ہوتا تھا، بدعت سے بڑی نفرت تھی، توحید میں دوبے ہوئے تھے، ان کی تحریر بھی زوردار تھی ان کی تقریر بھی بڑی اثر انداز تھی، وہ حضرت مولانا علی میاں کی نیابت ان ۷۶ کی زندگی میں کرنے لگے تھے اور بعد میں ان کے خلیفہ ہو کر ان کی مکمل نیابت کی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے وہ داماد تھے، اور ان کو انہوں نے ہمیشہ اپنا سرپرست سمجھا اور چاہا کہ ان کے مشورہ کے بغیر وہ کوئی کام نہ کریں، ان کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ اپنا کام خود کرتے تھے اور چھوٹوں سے جو وہ کام لیتے تھے اس میں تربیتی پہلو سامنے رہتا تھا۔

Al-Baladul Ameen Tours International

البلد الامین ٹورس انٹرنیشنل

حج ☆ عمرہ ☆ زیارت

☆ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں ہمارے عازمین عمرہ کا قیام ستارہ ہوٹلوں میں
☆ مکہ مکرمہ میں ہمارے عازمین عمرہ کا قیام شارع ابراہیم خلیل میں
☆ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے درجنوں مقامات مقدسہ کی زیارت
☆ ارکان حج و عمرہ کی ادائیگی جید علمائے کرام کی سرپرستی و رہنمائی میں

عبادت آپ کی
خدمت ہماری

آپ کا رہبر:

Al-Haaj Hafiz Jameelur Rahman Nadwi
#167, 1st Floor, 9th F Main, BTM 1st Stage,
Near Masjid-e-Moazzam, Bangalore-560029
Mob: 9845077917, 9741367815
E-Mail: albaladul.ameen@gmail.com
Website: www.albaladulameen.com

Shafiq-ur-Rahman

بیت اللہ ٹورس انٹرنیشنل

BAITULLAH TOURS INTERNATIONAL

Recognized by Govt. of India & Ministry of Hajj, Kingdom of Saudi Arabia

Organisers of:

حج ☆ عمرہ ☆ زیارت

Hajj, Umrah & Ziyarat

Since 1990 قائم شدہ

9-12, S.L.N. Complex, City Market Square, Bangalore - 560 002
Telephone: 080-2670 1029 / 2670 8401 / 2670 1835
Fax: 2670 6688, Cell: 94484 81835

داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کی زندگی ہمارے اسلاف، بزرگان دین واولیائے عظام کا نمونہ تھی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین!

منجانب

محمد شمیم

DECOR TRADERS

مسجد کی صفوں، چٹائی، گدے اور صوفوں کے لیے ہم سے رابطہ کریں

Ghalla Mandi, Near Bombay Dharam Kanta, Raebareli

داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کی وفات امت مسلمہ کا عظیم خسارہ ہے۔ مولانا ایک ماہر نبض شناس اور روحانیت کے کامیاب اور بے مثال معالج تھے۔ یقیناً آپ کی رحلت سے یہ شعبہ بھی سونا ہوگیا۔

منجانب

انیس الرحمٰن ندوی

HIRA HERBAL CLINIC

بڑا کنوں، رائے بریلی، یوپی

Mobile: 8795409029

داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی خدمات جلیلہ و اوصاف حمیدہ پر پیام عرفات کی اس خصوصی اشاعت کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں، ہمیں امید ہے کہ یہ رسالہ حضرت مولانا کے مشن کو آگے بڑھانے میں کلیدی کردار ادا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی قبر کو نور سے بھر دے۔

منجانب

حاجی محمد یاسین انصاری اینڈ سنس

ہائی ٹیک پروڈکٹس، کھجوری روڈ یمنا، ہریانہ

کہکشانِ علم و معرفت کے بدرِ منیر

مفتی جمیل الرحمٰن قاسمی (جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ)

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا سانحۂ وفات بڑا کربناک اندوہناک اور ملال آگیں حادثہ ہے۔ ایسا حادثہ جس کو نہ سمع و بصر قبول کر رہے ہیں نہ ذہن و دماغ۔

کانوں نے یہ المناک خبر سنی، آنکھوں نے یہ روح فرسا منظر دیکھا، دل نے شدید کرب و اضطراب محسوس کیا، پھر بھی نہ جانے کیوں وہ چلتے پھرتے، درس گاہ میں قال اللہ قال الرسول کی صدائے مشک بار سے طالبین کو گوش بر آواز کرتے ہوئے، مجالسِ معرفت کو کلماتِ عالیہ ارشاداتِ غالیہ سے معمورۂ انوار بناتے ہوئے، گم کردہ راہ سسکتی، بلکتی انسانیت کو پیغام حق سے سرشار کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ اور یقین نہیں آرہا ہے کہ وہ رخصت ہوگئے، ان کی منزل ختم ہو گئی یا انکی تحریک دم توڑ گئی، یا انکا آوازۂ حق خاموش ہوگیا۔

مولانا حسنی صاحب ندویؒ اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں۔ تقریباً چھپن ۵۶ سال اس عالم رنگ و بو میں گزارے۔ لگ بھگ چار دہائی تعلیم و تبلیغ ارشاد و تلقین اور دعوت و اصلاح کے کام میں گزارے۔ یقین نہیں آتا کہ اتنے کم وقفۂ حیات میں عظیم ترین کارہائے نمایاں کس طرح انجام دیئے۔ عربی فارسی انگریزی ہندی اردو متعدد زبانوں کے ماہر، علوم منقولہ اور فنون معقولہ کے استاذ و غواص، سنجیدگی متانت عفو و درگزر حلم و بردباری کے پیکر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سلسلۂ نسب ہمرشتہ ہونے کے باعث حضرت حسن کا مزاج کوٹ کوٹ کر ان کی طبیعت میں بھرا ہوا تھا صلح پسندی اور دلجوئی دلبستگی ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ ظاہر کی صفائی باطن کی پاکیزگی روشن ضمیری خوش خلقی عدل گستری جیسے اوصاف عالیہ سے آراستہ رہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الندوی قدس سرہٗ نے پیام انسانیت کے نام سے ایک مبارک تحریک کا آغاز فرمایا تھا۔ مولانا عبداللہ حسنی صاحب نے اس تحریک کو مزید تیز تر فرمایا اور پوری انسانیت کی صلاح و فلاح کا مشن لے کر چلے۔ شب و روز اس تحریک کے لئے سرگرم عمل رہنا مولانا مرحوم کا خاص مشغلہ رہا۔ دونوں جہان کی خیر سے محروم انسانیت جو جاں بلب نظر آتی ہے مولانا اس کے لئے داروئے شفاء تجویز فرماتے تھے۔ مختلف علاقوں میں جید علماء اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کا گروپ ترتیب دیتے تھے جو پیام انسانیت کے کام کو آگے بڑھائے۔ غیر مسلم بھائیوں کو دینِ فطرت کی تعلیم دینا، اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ان کے شبہات اور غلط فہمیوں کو دور کرنا دار آخرت کے مراحل سے ان کو روشناس کرانا۔ اسلامی آداب زندگی کے محاسن کو اجاگر کرنا۔ ابناء آدم کے رشتے سے ان کو اخوت و رواداری کا خوگر بنانا۔ مشترک اصول و اعمال کی روشنی میں مساوات و یک جہتی کا ماحول بنانا اور فروغ دینا اس تحریک کے اراکین کے لئے ناگزیر ہے۔

پیام انسانیت کے کارکن حضرت مولانا عبداللہ حسنی صاحب سے یہ اصول و آداب سیکھتے اور اپنے اپنے علاقوں میں بڑی یکسوئی اور خاموشی کے ساتھ اپنی سرگرمیاں جاری رکھتے۔ قلتِ وسائل کے باوجود ملک گیر پیمانے پر یہ کام جاری تھا اور توقع تھی کہ چند دہائی کی محنت کے بعد یہ کام وسیع سے وسیع تر ہو جائیگا اور دینِ حق کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ حالات سازگار ہونگے۔

مولانا حسنی کا آخری دنوں میں کاندھلہ جانا ہوا تو جامعہ رحمانیہ بھی تشریف لائے، آپ کے ہمراہ آپ کے برادر صغیر اور آپ کے علوم و معارف کے امین آپ کے فکر و عمل کے علم بردار آپ کے جانشین حضرت مولانا سید بلال عبدالحی صاحب حسنی ندوی، جناب مولانا نظار حسن ندوی اور لکھنؤ و مراد آباد کے دیگر چند رفقاء

تھے۔آرام کے وقت حضرت نے فرمایا کہ مفتی صاحب آپ میرے پاس رہیں گے، مولانا نے فرمایا مفتی صاحب میرے بیڈ پر آیئے۔ میں مولانا کے قدموں کی جانب بیڈ پر بیٹھ گیا، چند لمحے مولانا خاموش لیٹے رہے۔ پھر مولانا نے آنکھیں کھولیں اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے سینۂ مبارک پر رکھا پھر مولانا نے دوبارہ آنکھیں کھولیں اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا:۔

''مفتی صاحب اس دنیا میں ہم لوگ دعوت واصلاح کا کام کرنے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اس کام کے لیے منتخب فرماتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے۔ صحابہؓ علماء اور مصلحین آئے۔ سب اپنا کام کر کے رخصت ہو گئے، کسی کو کام کرنے کا زیادہ، کسی کو کم موقع دیا گیا۔ یہ اللہ کا نظام ہے۔ اس کی حکمت ومصلحت ہے۔ مجال دم زدن۔ معاذ اللہ ___ اللہ تعالیٰ جس حال میں رکھیں، جس کو جتنی عمر دیں، جس کو جتنا موقع دیں۔ ان کا فضل ہے، وہ اپنے خاص بندوں پر فضل ہی فرماتے ہیں۔ زمان ومکان سب ان کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ جس بندہ کو جہاں رکھیں جس طرح رکھیں ان کا فضل ہی فضل ہے۔ بندہ کی شان بندگی یہ ہے کہ وہ ہر حال میں راضی رہے۔ اس کے فیصلے پر اس کے ہر حکم پر لبیک کہے۔ حضرت رسول پاک ﷺ کو ۶۳ر سال عمر دی گئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ۶۳ر سال کا وقفۂ حیات دیا گیا۔ حضرت مولانا سید احمد شہیدؒ نے ۴۶ر سال کی عمر میں جام شہادت نوش فرمایا ___ حضرت سید احمد شہیدؒ نے کس قدر قلیل عرصہ میں کتنے کثیر وعظیم کام انجام دئے ___ دعوت واصلاح کا ___ دینی تعلیم کی اشاعت کا ___ سنت وشریعت کے فروغ کا ___ نظام حق نافذ کرنے کا ___ ان سب باتوں کا تصور بھی اتنے قلیل عرصۂ حیات میں محال ہے ___ یہ سب مالک کی توفیق سے ہوتا ہے ___''

کچھ دیر کے لیے مولانا نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں ان کے چہرے کی طرف غور سے دیکھتا رہا۔ ان کی رفتار صحت کا جائزہ لیتا رہا۔ سات منٹ بعد مولانا نے ہلکی آنکھیں کھولیں۔ اور قدرے توقف کے بعد ارشاد فرمایا:

''یہ حیات مستعار اللہ کا انعام ہے۔ اس میں بندہ اللہ کے دین کا کچھ کام کر جائے تو کیا کہنے ___!'' پھر فرمایا:

''مفتی صاحب کافی دن ہمارا آپ کا ساتھ رہا ہے ___ ہمارے کاموں کو آپ دیکھ رہے ہیں ___ میری محنت اور جدو جہد آپ کے سامنے ہے ___ یہ سلسلہ ختم نہ ہو، آپ کوشش کریں ___ اپنے ساتھیوں کو شاگردوں کو اولاد کو اپنے اہل خاندان کو اس مشن پر لگائیں ___ لوگ آئیں گے جائیں گے۔ انشاء اللہ یہ کام ختم نہیں ہوگا ___ محنت کرنے والے اجر پائیں گے۔''

طویل توقف کے بعد مولانا نے فرمایا:

''باطل طاقتوں سے، شر پسند قوتوں سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے ___ یہ لوگ بظاہر بڑے وسائل والے ہیں، لیکن اللہ کی طاقت سب سے بلند و برتر ہے ___ مسلمان مسلمان بن کر رہیں، ایمان اور تقویٰ پر قائم رہیں ___ اجتماعیت کو ختم نہ کریں ___ انشاء اللہ کوئی بھی ان کا بال بیکا نہ کر سکے گا ___ اللہ کی مدد شامل حال رہے گی ___ و اَنتم الاعلَونَ اِن کُنتُم مئو مِنین.''

مولانا حسنی صاحبؒ نے ان کلمات طیبات کا صدور فرمایا، میں نے کچھ دیر توقف کے بعد قرطاس وقلم سنبھالا اور غیر محسوس طریقہ پر نوٹ کرتا رہا۔ مولانا کے بصیرت افروز، نصیحت آموز یہ چند جملے پانچ منٹ سے بھی کم وقت میں بولے جا سکتے ہیں۔ لیکن مولانا نے یہ جملے وقفہ وقفہ سے فرمائے۔ لگ بھگ ایک گھنٹے میں یہ کلمات ارشاد فرمائے۔ مولانا کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ لہجہ میں رقت تھی۔ اور چہرہ کرب اور بے چینی کا غماز تھا (سطر مستطیل مولانا کے کلمات کے درمیان طویل وقفہ کی علامت ہیں)۔

دس بجے ضیوف کرام نے ناشتہ کیا۔ ساڑھے دس بجے بذریعہ کار مولانا کاندھلہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

مولانا حسنی صاحبؒ بظاہر سفر کاندھلہ کے لئے رخصت ہوئے مگر مجھے محسوس ہوا کہ شاید یہ مولانا کی تشریف آوری آخری بار ہے۔ غالباً مولانا الوداعی ملاقات کر کے گئے ہیں۔ اور اپنے احباب و خدام کے لیے آخری پیغام چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ جمعہ کا دن تھا۔ گیارہ بجے میں قدرے آرام کے لیے لیٹا، مگر نیند نہ آئی۔ مولانا کے ہر جملہ کی بازگشت میرے ذہن ودماغ کو جھنجوڑتی رہی۔ مولانا کے جانے کے غم کا تصور کر کے کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔ بعد کے حالات میں کون ان ذمہ داریوں کو سنبھالے گا۔ کون اور کب اس ذہن وفکر اور

تڑپ ولگن کا داعی اس سسکتی بلکتی انسانیت کا مسیحا منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوگا۔ زبان پر بے ساختہ یہ کلمات جاری ہوگئے۔ ع

دگر دانائے راز آید نا آید

مولانا حسنی صاحب اپنے اکابر کے طرز پر رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات مقدسہ حضرت عمر فاروقؓ کے جہد وعمل کو اور حضرت مولانا سید احمد شہید کی تحریک اور دین حق کے لیے ان کی مساعی جلیلہ وکبیرہ کو بار آور کرنا چاہتے تھے۔ اور دعوت وعزیمت کے ان کے مشن کو مدارج کمال تک پہنچانے کا جذبہ رکھتے تھے اور وہ شب و روز اس کے لیے ساعی وکوشاں رہے۔

مولانا حسنی صاحبؒ متعدد بار جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ اور مدرسۃ الایمان ٹوکرہ گجرولہ کے جلسوں میں جلوہ افروز ہوئے۔ کسی بار بھی اس ناکارہ کو اتنا قرب عطا نہیں فرمایا جتنا آخری بار کے قیام میں اپنے جسم سے، اپنے دل سے بہت قریب کیا، اور ذہنی، فکری روحانی، معنوی قربت عطا فرمائی۔ اس آخری ملاقات میں حضرت مولانا حسنی صاحبؒ نے جو کلمات طیبات ارشاد فرمائے وہ تقریباً اس باریکی نظر، گہرائی فکر اور معاشرہ کی ہمہ گیر کمزور اعتقادی و بے عملی پر تشویش کے غماز ہیں۔

رزم بزم خلوت جلوت مجلس جلسہ ہائے عوام کے مختلف مراحل میں ان کو دیکھا پرکھا، الحمدللہ مکارم اخلاق کے پیکر نظر آئے۔ مثبت فکر، سلیم طبیعت، صالح مزاج، خیر اندیش ذہن، روشن ضمیر، پاکیزہ عمل، شیریں گفتار، راست کردار، میانہ رفتار محسوس کیا۔ آپ کی مجلس میں ہفوات، غیبت، یاوہ گوئی کبھی نہیں سنی گئی۔ کسی فرد پر کسی طبقہ یا فرقہ پر لعن طعن، نازیبا تبصرہ یا تذکرہ نہیں سنا گیا۔ محبت، اخوت، اتحاد، اعتماد، رجوع الی اللہ، ایثار مواساۃ، مواخاۃ، تقوی پرہیزگاری کے اسباق سنے اور فکر آخرت کا جذبہ پیدا ہوا۔

چند سال قبل ایک مجلس میں ایک صاحب نے ایک ذمہ دار عالم کے حوالہ سے کہا کہ وہ آپ کی اور ندوہ والوں کی بہت برائیاں کرتے ہیں اور ندوہ کے لوگوں کو گم گشتہ راہ قرار دیتے ہیں۔ مولانا حسنی صاحب خاموش رہے۔ وہ صاحب دوبارہ گویا ہوئے۔ حسنی صاحبؒ نے فرمایا:

''یہاں کسی غائب کا یا غیر کا ذکر نہ کریں۔ ان کو ہم کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونا ہے، ایک ایک عمل کا، ایک ایک قول کا حساب دینا ہے، رب العالمین خود ان سے پوچھیں گے کہ آپ نے کس تحقیق کی بنیاد پر ان کو گمراہ کہا؟ وہ خود اس کا جواب دیں گے۔ جواب نہ دے سکے تو سزا پائیں گے۔ آپ کیوں فکر مند ہیں! آپ اپنا کام کیجئے ان کو ان کا کام کرنے دیجئے۔ صبر کیجئے اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

ایک بڑے مخالف کے طنز وتشنیع کا آپ نے کتنا حکیمانہ وشائستہ جواب دیا اور برائی کرنے، برائی سننے یا اس کا اثر قبول کرکے انتقام لینے سے اجتناب کرنے کی تلقین فرمائی اور معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کی ترغیب دی۔

مولانا حسنی کے ساتھ جو لمحات گزرے مغتنمات حیات محسوس کرتا ہوں، شش وہائی سے بھی کم سنین پائے۔ اسرار شریعت رموز طریقت اور امور تکوینیہ کی مصالح ان پر منکشف تھیں۔ ان کے تجربات مشاہدات اور پیچیدہ لاینحل مسائل میں ان کی اصابت رائے تائید غیبی کے ساتھ وزن دار قرار پاتی تھی، حسنی صاحب کی گاہ بگاہ رفاقت ومصاحبت کی برکت سے جو حقائق ہویدا ہوئے، عزیمت، صبر واستقامت کے جو نقوش جلوہ گر ہوئے ان پر قدرے روشنی ڈالنے کی جسارت کی ہے تاکہ ملت کے اجیال ناشئین اور دعوت حق کے رجال کار ظروف راہنہ اور درپیش حالات میں جوش وخروش عزم و ہمت اور ایمان واجتماعیت کی قوت سے آگے بڑھیں، کسی گام کسی منزل پر بھی ان کے قدم متزلزل نہ ہوں۔ وہ دین حق اور شریعت حقہ کی تابانی وسربلندی کے لیے مولانا حسنی کے نقوش پا پر جادہ پیما رہیں۔

مولانا حسنیؒ جیسی مقدس ہستیاں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ اپنی قلیل حیات مستعار میں کارہائے عظیمہ انجام دیتے ہیں۔ ان کے رفقائے کار اور اخلاف صدق ان کے تجویز کردہ خطوط ونقوش پر رواں دواں رہتے ہیں اور ان کے نام وکام کو مٹنے نہیں دیتے۔ مولانا حسنیؒ ان مردان حق میں شامل ہیں جن کا نام وکام انشاء اللہ تاباں و فروزاں رہے گا اور ہر لحظہ وہ ذات رحیم وکریم کے فضل ورضوان سے شادکام رہیں گے۔

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

همه گریان تو خندان

مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی (آکسفورڈ)

نظام خانۂ فخر جہاں تمہیں تو ہو
قیام سلسلہ وخانداں تمہیں تو ہو
نثار تم پہ ہیں پروانہ ساں ہزاروں دل
کہ شمع محفل صاحب دلاں تمہیں تو ہو

منتسبین ندوۃ العلماء، وابستگان تحریکات فکر ودعوت، طالبان علوم نبوت، رہروان شریعت وسنت اور سالکان تصوف وطریقت کو ایک اور تازہ الم انگیز صدمہ پہنچا، یعنی سن کہولت میں مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی پس ماندگان کو یہ کہتا چھوڑ کر عالم فانی سے ملک بقا کی طرف راہی ہوگئے کہ ''خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود'' رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ ورفع درجاتہ وأسکنہ فسیح جناتہ۔ اس حادثہ فاجعہ کی خبر آناً فاناً پوری دنیا میں پھیل گئی، اور ایک عالم کو سوگوار کرگئی، اس دور میں جب کہ باکمال افراد اور رجال الفکر والدعوۃ کا وجود عنقا ہے' آپ کا وجود مغتنمات سے تھا، مادہ پرستی اور علمی اور روحانی زوال کے عہد میں آپ ہمہ جہت سے آنکھیں بند کرکے درس وتدریس' دعوت وتبلیغ' تعلیم وتربیت اور ارشاد وتلقین کے کام میں مشغول تھے، نامساعد حالات وامراض وآلام کے باوجود ایمان ویقین' زہد وقناعت اور صلاح واتقاء کا بے پناہ سرمایہ آپ کے حوصلوں کو بلند اور عزم کو مستحکم کیے ہوئے تھا۔

آپ ایک عظیم علمی وروحانی خاندان کے فرد تھے، آپ کے جد امجد ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی رحمۃ اللہ علیہ ولایت وبزرگی کے اعلی مقام پر فائز تھے، ندوہ کی نظامت کے ساتھ دعوت واصلاح کے میدان میں آپ کی فکر ومساعی آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں، ڈاکٹر صاحب مرحوم کی سوانح حیات کا ہر پہلو اخلاص وللّٰہیت اور امت کی فکر ودردمندی کی مؤثر داستان ہے۔

آپ کی نشو نما آپ کے جد امجد کے برادر خورد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی ونگرانی میں ہوئی تھی، نوجوان علماء میں حضرت مولانا سے علمی، فکری وروحانی استفادہ میں شاید آپ سب سے زیادہ ممتاز تھے، فکری سنجیدگی اور ثبات واستقامت میں حضرت مولاناؒ کے قدم بہ قدم تھے، حضرت مولاناؒ کی صحبت وقربت اور تعلیم وتربیت نے سلوک ومعرفت کی دشوار گزار راہیں آپ کے لیے آسان کردیں ۔

از برائے سجدۂ عشق آستانے یافتم
سرزمینے بود منظور آسمانے یافتم

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ کا عربی زبان کے ممتاز اہل قلم میں شمار ہوتا تھا، جن کے فکری ودعوتی مضامین نے عرب دنیا میں دھوم مچادی تھی، مولانا محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ کے مضامین کا ایک مجموعہ الإسلام الممتحن کے نام سے شائع ہوا، جسے بے حد مقبولیت حاصل ہوئی، احقر نے بھی کئی بار اس کا مطالعہ کیا، اس مجموعہ کے مطالعے سے کبھی سیری نہیں ہوتی، فکری ودعوتی مضامین کو اس قدر مؤثر اور بلیغ انداز میں پیش کرنا آپ کا مابہ الامتیاز تھا۔

مولانا سید عبد اللہ حسنی مرحوم ایسے چمن کے نونہال اور ایسے نونہال کے ثمر تھے، شرافت اور علو مرتبہ از روئے نسب تھا، علم وفضل اور تصوف ومعرفت آپ کے خانوادہ میں بطناً بعد بطنٍ اور صلباً بعد صلبٍ اس طرح منتقل ہوتی رہی جیسی سلطنت سلاطین تیموریہ کے خاندان میں یا خلافت بنی عباس وآل عثمان میں۔ تعلیم وتربیت اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی تھی، گھر کی تربیت اور ندوہ کی تعلیم نے آپ کی شخصیت سازی میں زبردست کردار ادا کیا، طبیعت شروع سے نرم تھی، صلاح

وتقوی اور تصوف وطریقت سے فطری مناسبت تھی، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے، تعلیم وتزکیہ پر توجہ کی، اور اوراد واشغال کی پابندی کی، حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ابرار الحق رحمۃ اللہ علیہ، استاذ محترم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم، استاذ محترم حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی مدظلہ العالی اور دوسرے بزرگوں سے بھی خصوصی تعلق تھا، علوم ظاہری وباطنی دونوں کی تکمیل کی فکر میں رہتے، جواں عمری ہی میں نسبت باطنی مستحکم ہوگئی، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے منصب خلافت سے سرفراز ہوئے، اور رشد وہدایت کی شمع روشن کی، غرض شرافت موروثی، صفات ذاتی اور کمالات ظاہری وباطنی نے ہم عصروں میں آپ کو کافی ممتاز کردیا تھا۔

سنہ ۱۹۷۸ میں احقر ندوہ میں طالب علم کی حیثیت سے داخل ہوا تھا، اور یہی مولانا مرحوم کا پہلا تدریسی سال تھا، شروع میں آپ سے واقفیت سرسری تھی، لیکن رفتہ رفتہ یہ واقفیت بڑھتی گئی، جب سنہ ۱۹۸۴ میں میری تقرری بھی ندوہ میں بحیثیت مدرس ہوگئی تو آپ سے تعلق اور قربت میں کافی ترقی ہوئی، وجہ اس کی شاید یہ ہوئی ہو کہ آپ ندوۃ العلماء کے مؤقر عربی جریدہ الرائد کے نائب مدیر تھے، اور میں استاذ محترم حضرت مولانا سید واضح رشید ندوی دامت برکاتہم (الرائد کے چیف ایڈیٹر) کی ملاقات کی غرض سے فارغ اوقات میں الرائد کے دفتر میں حاضر رہتا تھا، ان دنوں استاذ محترم کی خدمت میں حاضری اور استفادہ میرا محبوب مشغلہ تھا، وہیں مولانا عبداللہ صاحب سے بھی صحبت رہتی، عمر ورتبہ میں بڑے ہونے کے باوجود آپ خاص خیال کرتے، اور بڑی توجہ فرماتے، بہت ہی جلد آپ سے انسیت ہی نہیں بلکہ بے تکلفی ہوگئی، آپ سے یہ تعلق میری علمی ترقی اور عملی اصلاح کے لیے بہت مفید ثابت ہوا، آپ کی زبانی حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے بہت سے وہ واقعات وخصائص سنے جو عام طور سے لوگوں کے علم میں نہیں، مولانا عبداللہ حسنی مرحوم کی ایک اہم خصوصیت جس کا ہمہ وقت تجربہ ہوتا وہ افکار وخیالات کی پختگی تھی، جبکہ میں ندوہ کی روایت کے مطابق آزادی کے ساتھ متقدمین ومتأخرین کی تحریروں کا مطالعہ کرتا، اور آپ سے ہر روز کسی نہ کسی نئے موضوع پر گفتگو ہی نہیں بلکہ بحث ومباحثہ رہتا، اس زمانہ میں ابن حزم ظاہریؒ، ابن قیمؒ اور ابن تیمیہؒ کی کتابوں کا خصوصی مطالعہ کرتا تھا، اور میرے خیالات ہر دن بدلتے رہتے تھے، آپ کشادہ دلی سے میرے سوالوں کا جواب دیتے، اور فرماتے کہ ابھی پختگی آنے میں وقت لگے گا، بعد میں مجھے اندازہ ہوا کہ جن موضوعات پر میں آپ سے بحث کرتا تھا ان میں سے زیادہ تر میں آپ کی رائے صحیح تھی۔ آپ کی صحبت سے تصوف وحقیقت کے بہت سے پہلو منکشف ہوئے، اور بالخصوص علم وتصوف کے درمیان معتدلانہ راہ روی کی معرفت مجھے آپ کے ذریعہ حاصل ہوئی۔

غرض مولانا مرحوم غایت ادراک ونہایت فہم سے متصف، فنون ادبیہ وعلوم نقلیہ کے جامع، فروع واصول پر حاوی، مالک مشاہدہ وصاحب مطالعہ تھے، علم تفسیر وحدیث نہایت مستحضر تھا، عام طور سے حدیث وتفسیر کی کتابوں کا درس دیتے، فقہ سے بھی اچھی خاصی مناسبت تھی، طلبہ آپ سے مطمئن ہی نہیں بلکہ آپ کے طرز تدریس، مسائل کی تقریر اور معضلات وغوامض کی تشریح کے دل دادہ تھے، تقریر کرتے تو ہمیشہ شریعت وسنت کے مطابق، جو لوگ آپ کی مجلس کے بیٹھنے والے ہیں ان سے پوچھا جائے کہ ان میں کیا کیفیت ہوتی تھی اور پڑھنے پڑھانے سے سننے والوں کا کیا حال ہوتا تھا۔ بلند پایہ خیالات انتہائی سادگی، نفاست اور دل کشی سے ادا کرتے، گفتگو قرآنی آیات اور احادیث سے مدلل ہوتی، بزرگوں کے واقعات اور سلف کے احوال اس طرح سناتے کہ سامعین کی دلچسپی میں اضافہ ہوجاتا، گزشتہ سال رمضان ۱۴۳۳ھ میں استاذ محترم ومخدوم ومعظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں تکیہ کی مسجد میں اعتکاف کی سعادت حاصل ہوئی، آپ کے روزانہ کے دروس، جمعہ اور عید کی تقریر اور دعاؤں میں شرکت کی توفیق ملی، سنت وبدعت کی تشریح میں آپ کا انداز بہت واضح اور طاقت ور تھا، ایک خاص بات یہ محسوس کی کہ آپ کی گفتگو روحانیت وباطنی کیفیات سے لبریز ہوتی، رمضان مبارک کے دوران آپ کے دروس ومجالس کا سلسلہ حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی زندگی سے

جاری تھا، سامعین وقت سے پہلے بیٹھ کر آپ کی تشریف آوری کا انتظار کرتے، آپ کی تقاریر غور سے سنتے اور انھیں قلم بند کرتے، استاذ محترم مولانا سید واضح رشید ندوی مدظلہ العالی کو بھی پابندی سے ان دروس کے وقت تشریف فرما ہوتے دیکھا، برادر محترم سید محمود حسنی ندوی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت مولانا واضح صاحب مولانا عبد اللہ صاحب کے دروس کی بڑی قدر کرتے ہیں، بلکہ یہ مشورہ دیا ہے کہ ان دروس کو قلم بند کر کے شائع کیا جائے تاکہ یہ گراں قدر افادات محفوظ ہو جائیں، اور جو حضرات ان مجالس میں شریک نہیں ہو سکتے وہ ان سے محروم نہ رہیں، آپ کے دروس و مجالس کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے لیے میرے نزدیک استاذ محترم کی شہادت سب سے بڑی شہادت ہے۔

مولانا مرحوم حلیم الطبع اور خوش مزاج تھے، شکل و شمائل نورانی تھی، بے اختیار آپ کی صحبت میں حاضر ہونے کو دل چاہتا، اور حقیقت میں تواضع کو بدرجہ کمال پہنچا دیا، علمی و روحانی مقام کی بلندی کے باوجود کبھی یہ محسوس نہ ہوتا کہ آپ خود کو بڑا یا دوسروں کو نیچا سمجھتے ہیں، فیاضی و سخاوت اس قدر کہ کبھی سائل کو محروم نہیں پھیرا، ہر شخص ملنے والا جانتا تھا کہ جیسی عنایت اور شفقت آپ کو میرے حال پر ہے اس سے سوا دوسرے پر نہیں، لوگوں کی دل گیری کو اپنا فرض اولیں تصور کرتے، خواہ وہ آشنا ہو یا بے گانہ، ایک ہی طریقہ سے ملتے، عید کے دن جب میں رائے بریلی سے واپس ہو رہا تھا تو مجھے ایک نہایت عمدہ اور قیمتی جائے نماز ہدیہ کی، اس وقت مجھے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ آپ کے اندر دنیا اور مال کی محبت بالکل نہیں۔

آپ کی زندگی کے علمی اور عملی دونوں پہلو روشن تھے، علماء و مشائخ متقدمین کی کتابوں اور اپنے ذاتی تجربات سے جو حاصل کیا تھا ان پر عمل کا التزام کرتے، علم و عمل کی اس جامعیت کی وجہ سے ذات فیض آیات سے ایک جہاں میں فیض پھیلا، تصوف و طریقت کے عملی پہلوؤں کو پوری وضاحت کے ساتھ پیش کیا، اس حقیقت کا شدید احساس تھا کہ تصوف میں فکری اور عملی دونوں حیثیتوں سے بہت سے ایسے عناصر راہ پا گئے ہیں جن سے بنیادی مقاصد متاثر ہو رہے ہیں، اس لیے صوفیائے خام کے انحرافات کھول کر بیان کرتے، انفاس متبرکہ کی برکت سے بہت سے گم گشتگان بادیۂ ضلالت نے راہ ہدایت حاصل کی، کوئی عالم جان کر آتا، کوئی صوفی خیال کرتا، کوئی داعی و مبلغ تصور کرتا، کچھ اخلاق کی وجہ سے اور بعض اعمال و اوراد کی فکر میں رجوع کرتے، عام مریدین و معتقدین کی اصلاح و تربیت میں بڑی دلچسپی لیتے تھے، ان کو درستی اخلاق اور اتباع شریعت کا درس دیتے، اہل علم اور عوام میں روحانی تعلیم و تربیت کے لیے آپ کی سعی بلیغ کسی سے مخفی نہیں تھی، آپ کا احساس ملّی اسلام کا پیغام ہر کان تک پہنچانے کے لیے مضطرب تھا علم، بصیرت اور تجربہ نے مل کر آپ کی شخصیت کا وقار کچھ اس طرح بڑھا دیا تھا کہ ہندوستان کے علمی و روحانی حلقوں ہی میں نہیں بلکہ دور دور عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

صحت کی خرابی، جسمانی تکالیف اور نا مساعد حالات کے باوجود پوری زندگی درس و تدریس، ارشاد و تلقین اور اعلائے کلمۃ الحق میں گزار دی، اور یہ کہتے ہوئے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

سپردم بتو مایۂ خویش را　　تو دانی حساب کم و بیش را

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندوی
علم و صحافت کے میدان کا ایک مرد مجاہد رخصت ہوا۔
اللہ تعالی اصحاب علم و دانش کو آپ کا بدل عطا فرمائے۔
● ابراھیم بک ڈپو ●
مناسب قیمتوں پر دینی و دعوتی، علمی و فکری
کتابوں کا قابل اعتماد مرکز۔
مدرسہ ضیاء العلوم
میدان پور، تکیہ کلاں، رائے بریلی

ایک داعی-ایک مصلح-ایک مربی

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی (مدرسہ عالیہ عرفانیہ، لکھنؤ)

''ہمارے محلہ کی رونق چلی گئی، برکت اٹھ گئی، بہار رخصت ہو گئی، لگتا ہے یہ سانحہ آپ کے گھر میں نہیں ہمارے گھر میں پیش آیا ہے، نقصان صرف آپ کا نہیں ہم سب کا ہوا ہے، یہ ایسے مولانا تھے جن سے ہم ہر وقت مل سکتے تھے، ہر بات کہہ سکتے تھے، اپنے مسائل ان کے سامنے رکھ سکتے تھے، وہ بات توجہ سے سنتے تھے، مسکرا کر جواب دیتے تھے، دماغ کو تو مطمئن کرتے ہی تھے اپنی مسکراہٹ سے دل کو بھی خوش کر دیا کرتے تھے۔''

یہ تھے تأثرات محلہ والوں کے جو ان کی زبان پر آئے، کسی تعزیتی جلسے میں نہیں، راہ چلتے ہوئے، مسجد سے گھر اور گھر سے مسجد جاتے ہوئے، لوگوں نے کچھ اس طرح اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کیا، سچائی کے ساتھ، سادگی کے ساتھ، خلوص کے ساتھ، اور نیک نیتی کے ساتھ۔

ہوسکتا ہے کہ آپ سوچ رہے ہوں کہ اتنی بڑی شخصیت، کام کا اتنا وسیع میدان، اتنی متنوع خدمات، اتنا بڑا حلقہ، اور ہر حلقہ میں اس طرح کی پذیرائی، اور ذکر صرف محلہ کا، پڑوس کا، گلی میں چلتے پھرتے لوگوں کا، گھر اور مسجد کے درمیان ایک مختصر سی مسافت کا۔

سوچتے ہوں تو سوچئے اور خوب سوچئے، کیوں کہ یہی چیز ہے سوچنے کی، غور کرنے کی، سمجھنے کی، اور سب سے بڑھ کر اپنانے کی، سابقہ کس کو آپ سے پڑتا ہے؟ ہر ہر موقع پر سامنا کس کا آپ سے ہوتا ہے؟ معاملہ کس سے بنتا اور بگڑتا ہے، ٹکراؤ کس سے اور کب کب ہوتا ہے؟ انہی پڑوسیوں سے، رشتہ داروں سے، محلہ کے لوگوں سے، مسجد میں آمد ورفت رکھنے والوں سے، محلہ کے دکان داروں سے، راستہ میں بھیڑ لگائے محلہ کے نوجوانوں سے، اگر ان کی نظر میں آپ اچھے ہیں، ان کی گواہی آپ کے حق میں ہے، ان کے دلوں میں آپ کے لیے جگہ ہے، ان کو آپ کے جانے سے دُکھ ہوا ہے، ان کی زبان پر آپ کا ذکرِ خیر ہے، تو واقعی آپ اچھے ہیں، اب نہ آپ کو کسی سند کی ضرورت ہے، اور نہ کسی کی گواہی کی۔

وہ میرے ماموں زاد بھائی تھے، پڑوسی تھے، آنے جانے کا ایک ہی راستہ تھا، ایک ہی دسترخوان بچھتا تھا، ناشتہ، کھانا، ایک ہی جگہ ہوتا تھا، عصر بعد ان کی مجلس کو روزانہ ہی قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا تھا، مہمانوں کے ساتھ ان کا سلوک، قرابت داروں کے ساتھ ان کا معاملہ، پڑوسیوں کے ساتھ ان کا برتاؤ، کان بھی اس کے گواہ ہیں، اور آنکھ بھی، ہر چیز میں ان کو مثالی پایا، نمونہ ہمارے لیے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے، اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کو اپنائے بس وہی ایک مثالی ہے۔

جب تک ان کی صحت نے ساتھ دیا، زندگی کا مقصد دعوت اور عبادت کو بنایا، نہ دعوت حائل ہوئی عبادت کے راستے میں، اور نہ عبادت کوتاہی کا سبب بنی دعوت کے معاملہ میں، دونوں میں سے ایک پہلو کو اختیار کرنے والے تو آپ کو بہت مل جائیں گے، لیکن دونوں پہلوؤں کو صحیح تناسب کے ساتھ لے کر چلنے والے آپ کو خال خال ہی نظر آئیں گے، سیرت نبوی کا مطالعہ اگر آپ نے کیا ہوگا، اور سیرت کی کسوٹی پر عمل کو پرکھنے کا فن آپ کو آتا ہوگا، تو آپ کا دل خود یہ گواہی دے گا کہ مولانا عبداللہ حسنی ندوی مرحوم نے اپنی زندگی میں سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پہلوؤں کو کس طرح سمولیا تھا۔

ہرقل اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والی گفتگو، سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہے، اس گفتگو کی روشنی میں لوگوں کے بارے میں اچھی یا بُری رائے قائم کرنا آسان ہے،

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ہرقل کے سوالوں کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف بیان فرمائے ان اوصاف کی معمولی سی جھلک بھی اگر کسی کے یہاں نظر آئے گی تو وہ اس کے قد کو اتنا اونچا اور اتنا بلند کردے گی کہ لوگ اس پر رشک کریں گے، اور اس مقام تک پہنچنے کی تمنا کریں گے۔

بات یہ معمولی نہیں بڑی اہم ہے کہ جو مولانا مرحوم سے جڑا وہ پھر ان سے الگ نہیں ہوا، ضرورت انسان کو کہیں بھی لے جاسکتی ہیں، یہ ضرورت ان سے تعلق رکھنے والوں کو بھی ادھر سے ادھر لے گئی، شہر چھٹا، ملک چھٹا، آدمی سمندر پار پہنچا، لیکن رابطہ تھا کہ اسی طرح برقرار رہا، دوری نے محبت کی تپش میں اور اضافہ ہی کیا، وجہ اس کی دنیا کچھ بھی بیان کرے، میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اس کی وجہ قول وعمل کی یکسانیت اور ظاہر وباطن کی ہم آہنگی تھی، سادگی تھی، تواضع تھی، نرمی تھی، کردار تھا، ایثار تھا، اور ہمدردی کے ساتھ دوسروں کے جذبات واحساسات کا پورا خیال تھا۔

ان سے تعلق رکھنے والوں میں بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی، جو معاشرہ میں وہ مقام نہیں رکھتے تھے جو مقام لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کا باعث بنتا ہے، ایسے لوگوں کو مجلسوں میں جگہ ملتی ہے لیکن کچھ دور، توجہ تو ان کی طرف کی جاتی ہے لیکن ذرا کچھ فاصلہ سے، کیوں کہ ان کے پاس نہ تو دولت ہوتی ہے، نہ وجاہت ہوتی ہے، نہ نسبت ہوتی ہے اور نہ ہی ظاہری شان وشوکت، لیکن ایسے حضرات کو میں نے چھوٹے بھیا عبداللہ کی مجلسوں میں بہت قریب پایا، میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ایسے کسی شخص کو انہوں نے ناشتے یا کھانے کے موقع پر ناشتہ یا کھانا کسی اور کے ذریعہ بھجوادیا ہو، اور خود گھر میں گھر والوں کے ساتھ کھایا ہو، یا دسترخوان پر ان کی توجہ اس کے مقابلہ میں دوسروں پر زیادہ رہی ہو، یا گفتگو میں اس کو نظر انداز کیا ہو، یا اس کے سوال کا جواب بے اعتنائی سے دیا ہو، وہ بے وقت آئے، آرام کے موقع پر آئے، ضرورت سے آئے یا بے ضرورت آئے، لگتا تھا کہ وہ استقبال کے لیے پہلے سے تیار بیٹھے ہیں۔

عہدوں کا تذکرہ، اور عہدہ داروں کی پذیرائی، دولت کا ذکر اور دولت مندوں کی عزت وتوقیر سے کون سی مجلس پاک ہے، تلاش کرنا پڑتی ہیں ایسی مجلسیں اور ڈھونڈنے پڑتے ہیں ایسے افراد، جن کی مجلس میں عزت ملتی ہو دین کی بنیاد پر، علم کی بنیاد پر، عمل کی بنیاد پر، مولانا سید عبداللہ حسنی کی مجلس انہی نادر ونایاب مجلسوں میں سے ایک تھی۔

مولانا سید عبداللہ حسنی ایک دواساز کمپنی (حسنی فارمیسی) کے مالک تھے، درس وتدریس، تعلیم وتربیت، دعوت واصلاح کے ساتھ ساتھ کاروبار سے بھی منسلک تھے، کاروبار سے متعلق ان کے ذہن میں جو منصوبے ہوں، دل ودماغ میں ان کے جسطرح کے خیالات ہوں، لیکن کاروبار کے لیے فکرمند، اس کی ترقی کے لیے کوشاں ان کو کبھی نہیں دیکھا، قناعت، زہد، اور سادگی نے ان کو آمدنی اور آمدنی کے ذرائع کی فکر سے بالکل آزاد کر رکھا تھا، ان کو فکر تھی تو صرف دعوت کی، کوشش تھی تو صرف معاشرہ کی اصلاح کی، خیال تھا تو صرف لوگوں کی تربیت کا، یہی فکر ان کی غذا، یہی کوشش ان کی دوا، اور یہی خیال ان کے لیے تسکین قلب کا سامان تھا۔

غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے والے وہ اکیلے نہیں تھے، نہ جانے دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں، اپنے اپنے علاقے میں، اپنی اپنی سطح پر، اپنے اپنے انداز سے، نہ میں نے سب کو دیکھا ہے، اور نہ مجھے سب کا علم ہے، لیکن مولانا عبداللہ حسنی کو ضرور میں نے قریب سے دیکھا ہے، موبائل پر انکو گفتگو کرتے ہوئے سنا ہے، اور غیر مسلموں سے ملاقات کرتے ہوئے ان کو دیکھا ہے، اسلام لانے کی خبر پر ان کی آنکھوں کی چمک اور چہرہ پر خوشی کی وہ لہر ہم میں سے ہر شخص صاف محسوس کرلیا کرتا تھا، لگتا تھا کہ وہ پیاسے تھے ان کو پانی مل گیا، بے چین تھے ان کو قرار آگیا، اور پھر کام ان کا یہیں پر ختم نہیں ہوجاتا تھا، نومسلموں کی پوری فکر، ان کی ضرورتوں کا پورا خیال، ان کے مسائل حل کرنے سے پوری دلچسپی اور مستقبل کے اندیشوں کو لے کر ان کے لیے مادّی وسائل فراہم کرنے کا پورا اہتمام، یہ ان کی ایسی خصوصیت تھی جو کم داعیوں میں نظر آتی ہے۔

تحفے کسے نہیں ملتے، اور ہدایا کس کو نہیں پہنچتے، ان میں مہنگے بھی ہوتے ہیں اور سستے بھی، پسندیدہ بھی ہوتے ہیں اور ناپسندیدہ

بھی، لیکن ہوتا یہ ہے کہ پسندیدہ اور قیمتی تحفے رکھ لیے جاتے ہیں اپنے استعمال کے لیے، اپنی اولاد کے لیے، اپنے گھر والوں کے لیے، اور معمولی تحفوں اور غیر مرغوب چیزوں کو تقسیم کر دیا جاتا ہے آنے جانے اور ملنے جلنے والوں میں اور نام دیا جاتا ہے اس کو دریا دلی اور سخاوت وفیاضی کا، لیکن مرحوم کا مزاج اس سلسلہ میں لوگوں سے کچھ مختلف تھا، ان کے ہاں مہنگا اور سستا، معمولی اور عمدہ، پسندیدہ اور ناپسندیدہ کی کوئی قید نہیں تھی، وہ قیمتی سے قیمتی چیز بڑی خوشی سے دوسروں کو دے دیا کرتے تھے اور پسندیدہ سے پسندیدہ چیز بڑی آسانی سے دوسروں کو کھلا دیا کرتے تھے۔

وہ اس مقام پر پہنچ گئے تھے جہاں خدمت کے لیے لوگوں کی ایک بھیڑ لگی ہوتی ہے، غیروں کو تو جانے دیجیے، تکلف ہوتا ہے ان سے کام کرانے میں اور جھجک ہوتی ہے ان سے خدمت لینے میں، گھر میں، بھانجوں اور بھتیجوں کی موجودگی میں، وہ اپنا کام خود کرتے تھے، عصر بعد کی مجلس میں شریک لوگوں کے لیے چائے کا تھرماس خود لے کر جاتے تھے، مہمان آتا تو کھانے پینے کا سامان خود پہنچاتے تھے، ان کے چھوٹے خود سے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے وہ چیزیں لینے کی کوشش کرتے، کبھی کامیاب ہوتے اور کبھی ناکام۔

شریعت کے خلاف عمل میں وہ خاموش نہیں رہتے تھے، ٹوکتے تھے، غلط بولنے پر اصلاح کرتے تھے، بدسلیقگی اور پھوہڑپن پر تنبیہ کرتے تھے، لیکن محبت کے ساتھ، خلوص کے ساتھ، خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ، نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ ان کے ٹوکنے کا اثر پڑتا تھا، دل ان کی بات کو قبول کرتا تھا، اور ان کا ٹوکنا کبھی کسی کو برا نہیں لگتا تھا۔

وہ ایک داعی کے ساتھ ساتھ ایک مصلح بھی تھے، یہ الگ بات ہے کہ ان کی زندگی کا دعوتی پہلو زیادہ نمایاں ہونے کی وجہ سے ان کی زندگی کا اصلاحی پہلو کچھ دبا ہوا نظر آتا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے یہاں دعوتی اور اصلاحی دونوں پہلو ایک ساتھ حرکت کرتے نظر آتے ہیں، جس طرح ان کی دعوت نے غیر مسلموں پر گہرا اثر ڈالا اسی طرح ان کی اصلاحی کوششوں نے بدعقیدہ لوگوں کی زندگیوں کو بدلنے میں بڑا کام کیا، کتنے گھرانے ایسے تھے جہاں عقیدہ کی شکل بگڑ چکی تھی، دین کے نام پر خرافات کا ایک سلسلہ تھا، الٹی سیدھی رسموں نے ان گھرانوں کو پوری طرح جکڑ رکھا تھا، لیکن تواضع اور سادگی کے رنگ میں ان کی حکیمانہ اصلاحی کوششوں نے اپنا اثر دکھایا اور آخر کار ان گھرانوں میں بھی توحید وسنت کا پرچم لہرایا۔

متعدد مدرسوں کے وہ ناظم تھے، مختلف انجمنوں کے وہ صدر تھے، اور ایک نہیں کئی کئی سوسائٹیوں کے وہ سرپرست تھے، لیکن نہ ان میں ناظموں والی شان تھی، نہ صدور اور سرپرستوں والی آن بان، نہ ان کے پاس اپنی کوئی سواری تھی، نہ ان کا اپنا کوئی آفس تھا، اور نہ ان کا اپنا کوئی ذاتی خدمت گار، وہ سادگی کا ایک نمونہ تھے اور تواضع کا ایک پیکر، وہ صرف عبداللہ تھے یعنی (خدا کا بندہ) اور یہی بندگی مؤمن کی معراج ہے، یہی بندگی اس کے لیے راہ نجات ہے، یہی بندگی اس کا سب سے بڑا اعزاز اور یہی بندگی اس کے لیے سب سے زیادہ شرف وعزت کی بات ہے۔

زندگی کے ساتھ جس طرح موت لگی ہے صحت کے ساتھ اسی طرح بیماری، اچانک آنے والی موت سے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پناہ مانگی ہے، بیمار ہونا، تکلیف میں مبتلا ہونا، زحمت میں پڑنا مؤمن کے لیے باعث رحمت ہے اور اگر صبر کے ساتھ ہے تو عبادت ہے، ایک کانٹا بھی چبھتا ہے تو کفارہ بنتا ہے، نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے، دل کی صفائی کرتا ہے، روح کو طاقت بخشتا ہے، درجات کو بلند کرتا ہے، اپنے اس بندہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے نوازا، بیماری دے کر، کرم فرمایا صبر دے کر، رحم فرمایا تکلیف سے بچا کر، مغفرت کا مژدہ سنایا بندگی کی توفیق دے کر۔

بیماری لاحق ہوتی ہے، کمزوری ہے کہ بڑھتی چلی جارہی ہے، اور غذا ہے کہ کم سے کم تر ہوتی جارہی ہے، لیکن جب پوچھیے، الحمدللہ، زبان پر یہ کلمہ کس کے حکم سے جاری ہوا؟ یہ فضل خداوندی نہیں ہے تو اور کیا تھا۔

بیماری میں تو لوگوں کی نمازیں چھٹی ہیں، یہاں نماز چھٹنا تو دور کی بات، جماعت بھی ایک وقت کی نہیں چھٹی، زندگی کی جو آخری نماز تھی وہ بھی جماعت ہی کے ساتھ ادا کی، دو آدمی دائیں اور بائیں طرف سے سہارا دے کر بٹھاتے تھے اور خدا کا یہ بندہ امام کی اقتدا میں اپنی نماز ادا کرتا تھا۔

دنیا سے رخصت ہونے کے بعد رخصت ہونے والے کے متعلقین بیٹھتے ہیں وراثت کی تقسیم کے لیے، یا جمع ہوتے ہیں جانے والے کے اہل وعیال کے معاشی مسئلے کو حل کرنے کے لیے، لیکن یہ جانے والا ایسا تھا کہ اس کے متعلقین جمع ہوتے ہیں اس کے دعوتی، تربیتی اور اصلاحی کاموں کی تقسیم اور ترتیب کے لیے۔

مبارک تھی اس کی زندگی، مبارک تھی اس کی بیماری، اور مبارک تھی اس کی موت، زندگی گذری دعوت کے ساتھ، بیماری گذری صبر کے ساتھ، اور موت آئی خدائے واحد کی بندگی کے ساتھ۔

قرآن مجید کی ایک سورہ ہے، نام اس کا سورہ کہف ہے، اس سورہ میں ایک آیت ہے ﴿وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحاً فَأَرَادَ رَبُّكَ أَن يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ﴾ (الکھف)

(رہی یہ دیوار تو وہ اس شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا ایک خزانہ گڑا ہوا تھا اور ان دونوں کا باپ ایک نیک صالح آدمی تھا اس لیے آپ کے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کی عمر کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں، یہ سب آپ کے رب کی رحمت کی بنا پر ہوا)۔

یہ آیت سفر آخرت پر روانہ ہونے والے ایک صالح باپ کی کمسن اولاد کے لیے ایک بشارت اور ایک خوشخبری ہے، یقین ہے قرآن کریم کی اس آیت پر، اور یقین ہے رحمٰن کی رحمانیت اور رحیم کی رحیمیت پر کہ وہ اس صالح باپ کے کمسن بیٹے پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے گا، اور وہ بیٹا آسمان علم وفضل پر ایک ستارہ بن کر چمکے گا اور رشد وہدایت کا سورج بن کر دنیا کو راہ دکھانے کا کام کرے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے والد مرحوم کی تمام دعائیں اس کے حق میں قبول فرمائے، اور اس کو اپنے والد سے زیادہ عزت، محبوبیت اور مقبولیت عطا فرمائے، کیوں کہ یہی ہر باپ کی تمنا اور یہی ہر باپ کی آرزو ہوتی ہے۔

داعی اسلام نمبر کے لیے نیک خواہشات
کیفے فردوس
CAFE' FIRDAUS
لذیذ ترین انواع واقسام کے ناشتے اور کھانوں کا جانا پہچانا نام
Partly Air Condition
MOGHALAI & CHINESE FOOD
عبداللہ علاء الدین ندوی
154, Sarang Street, Opp. Crawford Market, Mumbai-102
Phone: 23424781 - 23459921

میرے محسن و مشفق بھائی

مولانا عمار عبدالعلی حسنی ندوی
(مہتمم مدرسہ مظہر الاسلام، بلوچ پورہ، لکھنؤ)

اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت اللہ ہی کو معلوم ہے، یہ حادثہ وفات سبھی کے لیے خاص طور پر ہم لوگوں کے لیے بہت ہی شدید تھا، ہم لوگوں نے ان کے کاموں کو دیکھ کر بہت زیادہ ان سے توقعات وابستہ کر رکھی تھیں، اور اس طرح کے حادثہ کا اندیشہ بھی نہیں تھا، لیکن اللہ کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے، ہمارے والد کا انتقال ہم بھائیوں کے بچپن میں ہی ہوگیا تھا تو بھائی صاحب نے شروع ہی سے بڑی محبت و شفقت سے اس کمی کو دور کیا، اور زندگی کے کسی مرحلہ میں اس کمی کا احساس پیدا ہونے نہیں دیا، حسب استطاعت اچھے سے اچھا کھلانے اور پہنانے کی کوشش کرتے رہے، والدہ کے ہر آرام کو پورا کرنے کو اپنا نصب العین بنالیا تھا، شروع کے کئی سالوں تک ندوۃ العلماء سے تنخواہ نہیں لیتے تھے، لیکن مسلسل لوگوں کے اصرار کے بعد کہ تمہارے اوپر والدہ اور بھائیوں کی ذمہ داری ہے تنخواہ لے لیا کرو اور جب اللہ تعالیٰ کوئی انتظام فرمادیں تو چھوڑ دینا، اس کے بعد فارمیسی کا ایک چھوٹا سا کام شروع کیا گیا، اور اس کے پیچھے یہی خواہش کارفرما تھی کہ اس سے ضرورتیں پوری ہوں گی تو ندوۃ العلماء سے تنخواہ لینا چھوڑ دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم و تربیت کا بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا، تمام کاموں کے ساتھ ہم دونوں بھائیوں کی تعلیم و تربیت کی حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ فکر رکھتے تھے، ابتدائی تعلیم و تربیت سے آج تک پوری زندگی میں کوئی کمی نہیں آنے دی۔

ہمارے حفظ قرآن میں آپ کی چاہت کو بڑا دخل تھا، تعلیم کے زمانے میں دوستی کے بہت مخالف تھے، کہتے تھے تعلیمی اوقات کو تمام لغویات سے فارغ رکھو، آپ کی پوری زندگی تقویٰ وللّٰہیت سے بھری تھی، تہجد و ذکر الٰہی آپ کا معمول تھا، حلال و حرام کا زیادہ احساس رہتا تھا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو نقل کرتے رہتے تھے، ایک دانہ بھی حرام اگر پیٹ میں چلا گیا تو اللہ کی طرف سے خیر کی توفیق ملنا مشکل ہوجاتی ہے، اور دعائیں قبول ہونا بند ہوجاتی ہیں۔ بھائی صاحب کی وفات ہم سب کا ناقابل تلافی نقصان ہے، گھر کے تمام معاملات میں تربیت کی ذمہ داری انہی کے اوپر تھی، کھانا کھانے کا کیا وقت ہو، سونا کب ہے، اٹھنا کب ہے، مہمانوں کے ساتھ اکرام کیسا ہونا چاہیے، ہر چیز کا خیال رکھتے تھے، والدہ کا انتقال بھی جلدی ہوگیا تو ان کی محبت بھی دینی شروع کردی تھی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے مشن پیام انسانیت کو اپنا مشن بنالیا تھا، اور ہمہ وقت اپنے کو اسی میں مصروف رکھنے کو سعادت محسوس کرنے لگے تھے، اور چاہتے تھے کہ دوسرے لوگ بھی اس عظیم کام میں اپنا قیمتی وقت لگائیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس خواہش کو پورا کرنا شروع کردیا تھا، اور چاروں طرف سے لوگ اس کام میں جڑنا شروع ہوگئے جس سے ان کو مسرت حاصل ہونے لگی تھی کہ شاید اللہ تعالیٰ اس تحریک سے کوئی بڑا کام لینے والا ہے، انفرادی اصلاح کا کام تو ہو رہا ہے تو اب اجتماعی طور پر لوگ اسلام کی طرف رجوع کریں گے اور خاندان کے خاندان اسلام قبول کریں گے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دوسری خواہش کو پورا نہیں کیا، اللہ کی حکمت و مصلحت اللہ ہی جانے اللہ کی ذات بے نیاز ہے، بندوں کو اس کی ضرورت ہے اس کو بندوں کی ضرورت نہیں، یہ کام ان کے لیے صدقہ جاریہ ہے، اللہ جس سے چاہیں کام لیں، جس کو اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنی ہو تو وہ اس انبیاء کرام کے کام کو

اخلاص کے ساتھ انجام دے، اور جب کوئی دعوت کے کام کو اخلاص کے ساتھ کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کو قبول بھی فرماتے ہیں اور اس کے کام کو باقی بھی رکھتے ہیں اور کام میں وسعت وترقی عطا فرماتے ہیں، جس سے جنت کے راستے کھل جاتے ہیں، اللہ تعالی نے بھائی صاحب کے اندر اس کام کی تڑپ اور فکر پیدا فرمادی تھی جس کی وجہ سے ہر وقت اس دعوتی کام میں مشغول رہنے لگے تھے، ایک ہی دھن تھی کہ کام زیادہ سے زیادہ اور جلدی ہو شاید دنیا سے جلد ہی رخصت ہونے کا احساس ہونے لگا تھا، کبھی کبھی کہتے تھے کام بہت زیادہ ہے اور وقت کم ہے۔

اللہ تعالی نے آپ کو اجتماعی کام کرنے کی قوت واستطاعت عطا فرمادی تھی، اس دعوتی کارواں میں ہر طرح کے مزاج رکھنے والے لوگ شامل تھے، اور آپ ہر ایک سے ان کے مزاج وفکر کو سامنے رکھ کر کام لے لیا کرتے تھے، اور کام تیزی سے آگے بڑھنے لگنے لگتا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کو انہوں نے قریب سے دیکھا اور سمجھا اور انہی سے اس کام کو سیکھا اور انہی کے راستے پر چل کر اس کام کو شروع کیا اس سے بہت جلد ہی کام بام عروج پر پہنچ گیا، اب جبکہ مولانا عبداللہ حسنی اس دنیا میں نہیں رہے لیکن ان کا کام باقی ہے، جو کام بھی اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے کیا جاتا ہے وہ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

اللہ تعالی ان کی جگہ پر دوسرے اپنے بندوں کو ہمت وقوت عطا فرمادیتے ہیں وہ لوگ اس کام کو آگے بڑھاتے رہتے ہیں، بہر حال یہ کام خود مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے لیے صدقہ جاریہ ہے، اللہ تعالی نے مولانا کو یہ بڑی توفیق بخشی تھی کہ وہ اللہ کے نیک بندوں کے یہاں حاضری کو اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے، شیخ الحدیث حضرت زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں جایا کرتے تھے، مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی کے یہاں حاضری دیتے، مولانا صدیق باندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کو اپنے لیے عزت وشرف کی بات سمجھتے، حضرت مولانا ابرار الحق حقی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بار بار جایا کرتے اور ان تمام بزرگوں سے کسب فیض کرتے اور ان تمام بزرگوں سے تقوی وللّٰہیت دعوت وتبلیغ کا سبق لیتے اور اس کی برکتیں جو زندگی میں ظاہر ہوتی ہیں اس کو سیکھتے اور سمجھتے اور اس کو اپنانے کی کوشش کرتے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی عقیدت وتعلق تھا، ان کو اپنا آئیڈیل مانتے تھے، زیادہ سے زیادہ وقت ساتھ گزارنے کی کوشش کرتے، اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ان پر بھروسہ واعتماد تھا، حضرت مولانا کو ان سے بہت سی توقعات وابستہ تھیں کہ یہ ہمارے بعد ہمارے کاموں کو آگے بڑھائیں گے، تمام دینی کاموں میں مددگار بنیں گے، کتابوں کی اشاعت سے لے کر پیام انسانیت تک، تقریروں سے لے کر تحریروں تک ہر امر میں مفید ثابت ہوں گے، حضرت مولانا نے اپنا اعتماد ظاہر کرتے ہوئے ان کو اپنا خلیفہ ومجاز بنایا تھا، بہر حال کام جتنا اللہ تعالی نے چاہا اتنا ضرور ہوا جتنا وہ کام کر کے گئے اس پر ہم فخر کر سکتے ہیں، اللہ تعالی ہم سب کو ان کے چھوڑے ہوئے کاموں کو کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

مولانا عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک وصف کتب بینی کا بھی تھا، کوئی بھی کتاب ان کے مطالعہ سے خالی نہیں رہتی تھی، اگر سیرت کی ہو تو انہماک بڑھ جاتا تھا، گھر کے بچے وبچیوں کو اس طرح کی کتاب کے پڑھنے کا شوق دلاتے تھے، اور شفقت کے ساتھ نگرانی کرتے، ہر وقت عملی تربیت کی فکر رکھتے۔

اللہ تعالی اپنے شایان شان ان کو بدلہ عطا فرمائے، اور ان کے کاموں کو جلا بخشے، ترقی عطا فرمائے، بھرپور مغفرت فرمائے، شہداء وصدیقین میں آپ کا شمار ہو۔

"عام طور پر دو باتوں کی وجہ سے نماز میں اور دعا میں دل نہیں لگتا، ایک اکل حرام اور دوسرے بدنظری، اس لیے ان دونوں چیزوں سے ہمیشہ خود کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو، اور کوشش جتنی ہوگی فائدہ بھی ویسا ہی نظر آئے گا۔"

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندوی

وہ کوہ کن کی بات.....

بلال عبدالحی حسنی ندوی (مدیر دارعرفات، رائے بریلی)

والد صاحبؒ کی وفات ہوئی تو راقم سطور کی عمر نو ساڑھے نو سال کی تھی، حادثہ کا صحیح شعور بھی اس کو نہیں تھا، وہ دن ہے اور بھیا کی وفات کا دن انہوں نے جس طرح میری اور میرے بڑے بھائی مولانا عمار حسنی صاحب کی تربیت ونگہداشت رکھی اور جس پدری شفقت ومحبت کا معاملہ کیا اس کا صلہ ان کو اللہ ہی عطا فرمائے گا، یہی وجہ ہے کہ ان کی وفات نے ہم سب کو ہلا کر رکھ دیا، اور وہ سارے خواب زیروزبر ہوکر رہ گئے جو درد وفکر رکھنے والے اہل تعلق اپنی آنکھوں میں سجائے ہوئے تھے۔

بھیا کی ولادت ۲۹/ جنوری ۱۹۵۷ء کو ہوئی، وہ اپنے والدین کے پہلے فرزند تھے، دادا (ڈاکٹر عبدالعلی صاحبؒ) کی آنکھوں کا نور تھے، بچپن دادا کے ساتھ گزرا، تین چار سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے مگر اس کے باوجود دادا کے ساتھ مسجد جاتے، ایک ایک چیز میں ان کی نقل کرتے، یہاں تک کہ ان کی خدمت میں بھی ان کو مزہ آتا، دادا صاحب کے مطب جانے کا وقت آتا تو جوتے صاف کر کے سامنے رکھ دیتے، والدہ مرحومہ بتاتی تھیں کہ عبداللہ بہت کم عمری میں بولنے لگے تھے، ابا میاں (ڈاکٹر عبدالعلی صاحبؒ) کے پاس لیٹے رہتے اور مزے مزے کی باتیں کرتے، ان کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں، کبھی کبھی ان کی باتوں اور ان کی خدمت سے بہت خوش ہوکر فرماتے کہ یہ میرا اتالیق ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا معمول تھا کہ وہ لکھنؤ کے قیام میں ہمیشہ ڈاکٹر عبدالعلی صاحبؒ کے گھر میں قیام فرماتے تھے، بھیا کی ولادت کے بعد جب حضرت تشریف لائے تو ڈاکٹر صاحبؒ نے تحنیک کی سنت ادا کروائی، عجیب بات ہے کہ والد ماجد مولانا سید محمد الحسنیؒ کو بچپن میں حضرت تھانویؒ کی گود میں دیا گیا تھا پھر انہی کے ذریعہ والد صاحبؒ کی بسم اللہ ہوئی تھی اور بھیا بچپن میں حضرت مدنیؒ کی گود میں دئے گئے، اسی سال حضرت مدنیؒ کی وفات ہوگئی اور بھیا صرف چار ہی سال کے تھے کہ دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا، اب ان کی تعلیم کا وقت آگیا تھا، مولوی محمد سلیم صاحبؒ کا ان کی مکتبی تعلیم کے لیے انتخاب ہوا جو والد صاحبؒ کے بھی استاذ رہ چکے تھے اور خاندان کے اکثر بزرگوں نے ان سے پڑھا تھا، شرافت واخلاص کا پیکر تھے، بڑی دلسوزی کے ساتھ انہوں نے تعلیم شروع کرائی، قرآن مجید ان کے یہاں مکمل ہوا، پھر قریب کے مکتب میں ابتدائی درجات کی تعلیم حاصل کی اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ ہوگیا جس سے خاندان کا تعلق تین پشتوں کا تھا، دارالعلوم میں داخلہ سے پہلے ایک عرصہ تک ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی سے بھی تعلیم جاری رہی جو گھر کے نیچے ہی قائم مکتبۂ اسلام کے انچارج تھے اور بڑا مخلصانہ تعلق رکھتے تھے، اب بھی ان کی محبت وشفقت کا وہی سلسلہ جاری ہے جو خاندان کے بچوں کے ساتھ شروع میں تھا، اپنی کمزوری کے باوجود وہ بڑی مستعدی کے ساتھ دارالعلوم کے شعبۂ دعوت وارشاد میں اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

بھیا کی کل تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی کی ہے، شروع سے اخیر تک انہوں نے وہیں پڑھا، ۱۹۷۷ء میں ان کی فراغت ہوئی، حدیث کی منتہی کتابیں انہوں نے مولانا عبدالستار صاحب اعظمیؒ سے پڑھیں جو اس وقت دارالعلوم میں شیخ الحدیث تھے، حدیث ہی سے انہوں نے اختصاص بھی کیا، تعلیم کے آخری دور میں کئی مہینے انہوں نے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ سے بھی استفادہ کیا، وہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ مولاناؒ کے گھر حاضر ہوکر باقاعدہ بخاری شریف کا درس لیتے تھے، مولاناؒ نے باقاعدہ تینوں کے ذمہ

الگ الگ شروحات کا مطالعہ لازم کیا تھا، بھیا کے ذمہ علامہ عینی کی عمدۃ القاری تھی جس کو وہ بڑے اہتمام سے دیکھ کر جاتے تھے، فراغت کے بعد یا اس سے کچھ پہلے کچھ عرصہ انہوں نے مدرسہ فرقانیہ جا کر تجوید سیکھنے کا بھی اہتمام کیا اور اس کی ان کو باقاعدہ سند بھی حاصل ہوئی اور دستار بھی ملی۔

تعلیم کے آخر دور میں محدث شام علامہ عبد الفتاح ابو غدہ پندرہ روز کے لیے ندوہ تشریف لائے جو منتہی طلبہ ان کے بہت قریب رہے اور انہوں نے علامہ موصوف سے بھرپور استفادہ کیا ان میں بھیا بھی تھے، ان کی شفقت ومحبت کا گہرا اثر پڑا اور رخصت ہوتے وقت بعض طلبہ ضبط نہ کر سکے۔

فراغت کے بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے حکم سے وہ ندوہ ہی سے وابستہ ہوگئے، تدریس کا سلسلہ شروع ہوا اور الرائد سے بھی وابستگی ہوگئی جس میں مضامین لکھنے کا کام بھی سپرد ہوا، راقم سطور اس وقت بہت کم عمر تھا مگر یاد ہے کہ بھیا کبھی کبھی اپنے شاگردوں کی دعوت بھی کرتے تھے جن میں خاص طور پر ملیشیا کے طلبہ ہوتے تھے، ان میں ایک تعداد ایسے طلبہ کی ہوتی جو بھیا سے عمر میں بڑی ہوتی، وہ بیس سال کی عمر میں ہی مدرس ہوگئے تھے، تدریس سے ان کو مناسبت بھی تھی اور اس کے لیے بڑا اہتمام کرتے تھے، اس ابتدائی دور کے طلبہ جن میں بہت سے آج علماء ودعاۃ ہیں مولانا کا تذکرہ بڑی محبت وعقیدت سے کرتے ہیں۔

تدریس کو شروع کیے ہوئے ابھی دو سال ہی ہوئے تھے کہ ان پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، اچانک ہمارے والد ماجد مولانا سید محمد الحسنی صاحبؒ کا وفات کا سانحہ پیش آیا اور چند گھنٹوں میں سب کچھ ہوگیا، حضرت مولاناؒ سفر پر تھے، واپس تشریف لائے تو تدفین ہوچکی تھی، بھیا سامنے آئے لپٹا لیا اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، اب بھیا ہی گھر کے بڑے تھے، البتہ حضرت مولاناؒ کی سرپرستی سب کے لیے باعث تسکین تھی، انہوں نے گھر کو سنبھالا، تدریس کا معاوضہ وہ لیتے نہیں تھے، الرائد سے کچھ الاؤنس ملتا تھا اور کچھ آمدنی مطب سے ہوتی تھی جو ہمارے گھر میں پشتوں سے قائم تھا اور اس وقت اس میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب بیٹھا کرتے تھے جن کا والد صاحبؒ سے بڑا گہرا تعلق تھا۔

والد صاحبؒ کے انتقال کے بعد کا زمانہ کچھ تنگی ترسی میں بھی گزرا، کبھی کبھی والدہ مرحومہ کو بڑی دشواری ہوتی تھی، بھیا اس کو محسوس کرتے تھے اور کہیں سے کچھ نہ کچھ انتظام کر لیتے تھے، والدہ بڑی غیرت مند خاتون تھیں، قرض لینا بھی ان کو گوارہ نہیں ہوتا تھا، ان کو بھیا کی احتیاط معلوم تھی پھر بھی ہمیشہ تحقیق کرتیں کہ کہاں سے انتظام کر کے لائے ہو، اطمینان ہونے پر ہی اس کو استعمال میں لاتیں، ان کو یوں بھی دنیا کا کوئی شوق نہیں تھا، نہ کھانے کا، نہ پہننے کا، اپنے معمولات کی بڑی پابند تھیں، فجر بعد کی تلاوت کا ناغہ ہم نے کبھی نہیں دیکھا، جب تک رہیں ہمارے گھر میں کھانے سونے کا نظام درست رہا، ان کے بعد بھیا نے یہ ذمہ داری سنبھال لی تھی، وہ ہمیشہ رات کو جلدی سونے کی تاکید کرتے تاکہ فجر کی نماز میں کوتاہی نہ ہو اور تہجد پڑھنے والوں کو دشواری نہ ہو۔

والد ماجدؒ کے انتقال کے بعد ہم دونوں بھائیوں کی تعلیم وتربیت کا بھیا نے پورا ذمہ لے لیا، والد صاحبؒ کے سامنے بھی وہ ہم لوگوں کی فکر رکھتے تھے، عمار بھیا کا حفظ خود انہوں نے ہی شروع کرا دیا تھا، اور اب تو وہی ہمارے ولی تھے، ہماری تعلیم انہوں نے انوکھے انداز سے شروع کی، بجائے معہد میں داخل کرنے کے انہوں نے ندوہ کے مختلف اساتذہ سے بات کی اور الگ سے ہمیں تعلیم دینے کا نظام بنایا، ہمیں لے جا کر مولانا مرتضی صاحب کی نگرانی میں بٹھایا جو ایک طرح سے خاندان ہی کے بزرگ تھے، ہمارے پھوپھا مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کے بڑے مخلص اور چاہنے والے دوست تھے، حضرت سے والہانہ تعلق تھا، گھر کے بچہ بچہ سے ان کو پیار تھا، ہم دن بھر وہیں رہ کر تعلیم حاصل کرتے، خود مولانا مرتضی صاحبؒ نے فارسی پڑھائی، ان کے علاوہ مولانا عبد الغفار صاحب نگرامی نے صرف ونحو اور بعض دوسرے اساتذہ نے اور کتابیں۔ بھیا نے یہ نظام تعلیم قدیم طرز تعلیم سے لیا تھا گرچہ بعض حضرات نے اس کو زیادہ مفید نہیں سمجھا لیکن بھیا اسی کو تربیت وتعلیم کے لحاظ سے مفید سمجھتے تھے اور ان کا یہ تجربہ مفید ہی ثابت ہوا، بھیا کو تعلیم سے زیادہ تربیت کی فکر رہتی تھی اسی لیے انہوں نے ہم پر بڑی پابندیاں لگا رکھی تھیں، عباسیہ ہال جو پہلے کتب خانہ بھی تھا وہاں سے ہمیں سیدھے گھر آنا ہوتا تھا، کسی طالب علم سے گفتگو کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی، ایک مرتبہ ہم اپنی

کاپی بھول گئے باہر نکلے تو ایک طالب علم سے کچھ اسی سلسلہ میں گفتگو کرنے لگے، بھیا نے نہ جانے کہاں سے دیکھ لیا، بعد میں اس پر بھی ڈانٹ پڑی، دو سال کی تیاری کے بعد انہوں نے ہم کو ہشتم معہد میں داخل کرایا، پھر ہشتم عربی تک پوری نگرانی اسی طرح رکھی، عالیہ رابعہ تک نہ ہم نے بورڈنگ کی شکل دیکھی تھی نہ کینٹین کی، اس کے جو فوائد ہوئے وہ ہم جانتے ہیں، بھیا کے احسانات تو بے شمار ہیں، اس احسان کو بھی ہم عمر بھر نہیں بھول سکتے۔

والد صاحبؒ مرحوم کو تقریر سے بالکل مناسبت نہیں تھی، اس کمی کو وہ بہت محسوس کرتے تھے اور بھیا کے لیے ان کو اس کی بڑی فکر تھی، وہ یہ ضرور پوچھتے تھے کہ تم نے تقریر کی یا نہیں، والد صاحبؒ کے زمانہ میں انہوں نے یہ سلسلہ شروع کر دیا تھا، ندوہ میں جمعیۃ الاصلاح کے اسٹیج سے تو انھوں نے شاید ہی کبھی تقریر کی ہو وہ خود کہتے تھے کہ رٹ کر تقریر کرنا ہمیں یاد نہیں لیکن اندر کے فکر و جذبہ نے ان کے اندر تقریر کا ملکہ پیدا کر دیا، شروع میں مولانا محمد عارف صاحب سنبھلی ندویؒ اکثر اپنے ساتھ لے جاتے اور تقریر کراتے پھر سلمان بھائی کے ساتھ دوروں کا سلسلہ شروع ہوا اور جا بجا تقریریں کرنی پڑیں، مولانا ابوالعرفان خاں صاحبؒ کو بھی بھیا سے بڑی مناسبت تھی، بعض طویل سفروں میں وہ بھیا کو ساتھ لے گئے، اس طرح بھیا کو خطابت سے مناسبت پیدا ہوگئی، ہمارے محلہ کی مسجد میں بھی اس دور کے شہر میں رہنے والے منتہی درجات کے طلبہ ہر ہفتہ جمع ہوتے تھے اور مذاکرہ و تقریر کا سلسلہ رہتا تھا، سلمان بھائی اور بھیا کے علاوہ مولانا خالد صاحب غازیپوری، مولانا افتخار صاحب اور بعض دوسرے حضرات اس میں شریک ہوتے تھے، لیکن اصل چیز جس نے بھیا کے اندر خطابت کا جوہر پیدا کیا وہ امت کے لیے ان کی تڑپ ہے، لگتا ہے یہ چنگاری ان کو اپنے نامور دادا مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے مل گئی تھی، جن کا درد و سوز امت کے لیے مشہور ہے۔

حضرتؒ کے ساتھ بھیا نے بہت سفر کیے، ہندوستان کے دوروں میں وہ بہت ساتھ رہے اور بیرون ملک کے بھی دو تین سفر حضرت کے ساتھ ہوئے، حضرت سے بھیا کو بچپن سے محبت و مناسبت تھی اور یہ طبعی بات تھی جس زمانہ میں ہمارے گھر کے سب لوگ رمضان میں بھی لکھنؤ میں رہتے تھے، اس وقت بھی بھیا والد صاحبؒ سے اجازت لے کر تکیہ حضرتؒ کے پاس وقت گذارنے آجاتے تھے، حضرتؒ کو بھی بھیا کے حال پر بڑی شفقت و عنایت تھی، اکثر افطار میں جب کہ بھیا کا بچپن تھا، حضرت بھیا کو اپنے پاس بٹھا لیتے اور اپنا بچا ہوا ان کو کھلاتے، یہ محبت بڑھتی ہی گئی، حضرتؒ نے بھیا کی پوری تربیت کی، ادھر بھیا کی عقیدت و محبت میں بھی اضافہ ہوتا گیا، بھیا اکثر کہتے تھے کہ جتنے میں نے سفر کیے اور علماء و مشائخ کو دیکھا اتنی ہی ابا جان کی عظمت بڑھتی گئی۔

حضرت مولاناؒ نے بھیا کو رمضان المبارک میں درس حدیث کا حکم دیا اور فرمایا کہ تہذیب الاخلاق کو سامنے رکھ کر درس دیا جائے، بھیا اس وقت ندوہ سے فارغ ہی ہوئے تھے اور ان کو اس میں ذرا تکلف تھا مگر حضرت تاکید فرماتے اور روز پوچھتے بالآخر بھیا کو شروع کرنا پڑا، تقریباً ۳۵ رسال یہ سلسلہ جاری رہا۔

حضرت کا اعتماد اتنا بڑھ گیا تھا کہ آس پاس کے جلسوں میں جہاں جانا مشکل ہوتا اکثر بھیا کو بھیج دیتے اور تکیہ کی مسجد میں جمعہ کی امامت ان ہی کے سپرد تھی، جس دن حضرت کی وفات ہوئی ہمیں بلا کر وفات سے چند منٹ پہلے بھی فرمایا کہ عبداللہ سے کہہ دینا کہ جمعہ کی نماز وہی پڑھائیں، عیدین کی نماز حضرت ہی پڑھاتے تھے، جب کمزوری بڑھی تو اس کی امامت بھی حضرت نے بھیا ہی کے حوالہ فرمادی۔

سلوک و تصوف سے ان کو شروع ہی سے مناسبت تھی اور وہ اس کو خاص طور سے دین کا کام کرنے والوں کے لیے ضروری سمجھتے تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی خدمت میں سہارنپور کی حاضری ہر رمضان کو ہوتی تھی، حضرت مولاناؒ کے ساتھ ہی زیادہ تر یہ سفر ہوتا تھا، اسی ایک سفر میں حضرت نے شیخ سے فرمایا کہ عبداللہ آپ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں، کھانے کا وقت ہوا اور لوگ اٹھنے لگے تو شیخ نے بھیا کو تنہائی میں بٹھالیا اور بیعت لی اور خصوصی توجہ فرمائی، شیخ کا جلد ہی وصال ہوگیا تھا، اس لیے سلوک و تربیت کا تعلق حضرت مولاناؒ سے رہا، آخر میں حضرت نے بڑے انشراح کے ساتھ اجازت بیعت مرحمت فرمائی، اس لیے پہلے ہی متعدد بیعت ہونے والوں سے فرمادیتے کہ عبداللہ سے رابطہ رکھنا۔

حضرت مولاناؒ نے آخر دور میں بخاری شریف سننے کی خواہش ظاہر فرمائی اور اس کے لیے بھیا ہی کا انتخاب فرمایا، کئی سال یہ سلسلہ جاری رہا اور وہ ندوہ کے قیام میں بخاری شریف کے چند صفحات پڑھتے، کہیں حضرت مولاناؒ کچھ وضاحت بھی فرماتے جاتے، رائے بریلی کے قیام میں بھیا کی جگہ پر اس ناچیز کو یہ شرف حاصل ہوتا، حضرتؒ کی معذوری کا سلسلہ کئی ماہ رہا، اس میں وضو کرتے وقت حضرت خاص طور پر بھیا کو بلواتے اور پاؤں دھلوانے کی خدمت ان سے لیتے، کسی دوسرے سے یہ خدمت لینا ناگوار ہوتا اس لیے بھیا بھی اس زمانے میں سفر وغیرہ سے احتیاط کرتے تاکہ یہ خدمت وہی انجام دیں۔

حضرتؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کو سب نے اپنا سرپرست بنالیا، بھیا خاص طور پر اہتمام کرتے تھے کہ کوئی کام ان کی اجازت اور انشراح کے بغیر نہ کریں، متعدد مرتبہ ایسا ہوا کہ انہوں نے کوئی رائے قائم کی مگر جب مولانا کی رائے اس سے ہٹ کر معلوم ہوئی تو فوراً اپنی رائے سے رجوع کرلیا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ کی وفات جمعہ کے دن ہوئی، اس کے ایک ہی گھنٹہ بعد بھیا نے جمعہ پڑھایا، اس کی تقریر وخطبہ میں انہوں نے جس استقامت کا ثبوت دیا وہ بھی ایک مثال ہے۔

حضرت مولاناؒ کے بعد تیرہ سال وہ اس دنیا میں رہے، یہ پوری مدت انہوں نے امت کے لیے فکرمندی اور دل سوزی میں گذاردی، ان کی زندگی کے چار نمایاں عنوانات ہیں، ان کی سب سے بڑی خصوصیت افراد امت کی فکر اور ان کی اصلاح کی کوششیں ہیں، یہ سلسلہ ان کی تدریس کے زمانہ ہی سے شروع ہوگیا، سب سے پہلے ان کو گھر کے افراد کی فکر تھی، دینی معاملات میں مداہنت ان کو ذرا گوارہ نہیں تھی، گھر میں کسی ایسے عزیز کا ٹھہرنا بھی ان کو گوارہ نہیں ہوتا تھا جو نماز کا پابند نہ ہو، ایسا بھی ہوا کہ اگر کسی نے نماز نہیں پڑھی تو انہوں نے صاف کہہ دیا، دین کے لیے ان کو کسی ملامت کی پرواہ نہیں ہوتی تھی، جو بات غلط ہوتی اس پر نکیر کرتے یا کم از کم اظہار ناراضگی کرتے اور ماحول کو بہتر بنانے کی فکر میں لگے رہتے۔

دارالعلوم کے طلبہ کی بھی ان کو بڑی فکر رہتی تھی، وہ چاہتے تھے کہ یہ طلبہ دعوت کے مشن کو لے کر کھڑے ہوں، اور مختلف میدانوں میں کام کریں، ان کی اصلاح کی بھی فکر کرتے، طریقہ کار بھی بتاتے، مسائل کو بھی حل کرتے اور دکھ درد میں شریک رہتے، ادھر چند سالوں سے طلبہ کا بہت رجوع تھا، عصر بعد کی مجلس میں کثرت سے طلبہ آتے اور ان کو بڑا فائدہ پہنچتا، متعدد اساتذہ بھی اصلاحی تعلق رکھتے اور مشورہ لیتے رہتے۔

مسلمانوں کی اخلاقی بدحالی پر وہ غمگین رہتے تھے اور اپنی تقریروں میں اور مجلسوں میں اس کی طرف توجہ دلاتے، اہل محلہ کی خاص طور پر فکر کرتے، ان کی دینی رہنمائی کے ساتھ ساتھ ان کی ضرورتوں کا بھی خیال کرتے اور حالات معلوم کرتے رہتے اور ہر ممکن مدد فرماتے تھے، ان کی فکر وتڑپ کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہیں تھا بلکہ ان کو اس سلسلے میں وراثت نبوت حاصل تھی، وہ ایک ایک انسان کے لیے کڑھتے تھے، اس کی ہدایت کے لیے فکرمند رہتے تھے، کبھی کبھی اپنے مخصوص حاضر باشوں سے اس کا اظہار بھی ہوجاتا تھا، اور آخری چند سالوں میں وہ جس طرح دعوتی مشن کو لے کر کھڑے ہوئے اور ہندوستان کے مختلف علاقوں کے انہوں نے دورے کیے، لوگوں کو کام کے لیے تیار کیا اور میدان بھی بنایا اور افراد سازی بھی کی، یہ ان کی اسی تڑپ کا نتیجہ تھا جو اللہ نے ان کے سینے میں ودیعت کردی تھی۔

خود کام کرلینا قدرے آسان ہوتا ہے لیکن افراد سازی کرنا اور مختلف میدانوں کے لیے ان کو تیار کرنا بہت مشکل کام ہے، یہ بھیا کی وہ خصوصیت ہے جس میں کم لوگ ان کے شریک ہوں گے، ان کو اللہ نے جوہر شناس نگاہ عطا فرمائی تھی، وہ ندوہ میں بھی اور سفروں میں بھی مختلف افراد پر نگاہ رکھتے، پھر ان کا انتخاب کرکے ان کو کاموں میں لگاتے، کسی کو دعوت کے کاموں میں لگاتے، تو کسی کا کسی علمی کام کے لیے انتخاب کرتے، کسی کو انتظامی کام سپرد فرماتے، بہت سے ایسے افراد جن سے کوئی توقع نہیں کی جاسکتی تھی، انہوں نے ان سے بڑے بڑے کام لیے اور ان کو تربیت واصلاح کا ذریعہ بنایا۔

بھیا کی تیسری بہت نمایاں خصوصیت خودنمائی سے اجتناب ہے، انھوں نے بڑے بڑے کام کیے اور کروائے لیکن نام ونمود سے دور رہے، وہ بڑے مصنف نہیں تھے لیکن مصنف گر تھے، خطابت

کے وہ شہسوار نہیں تھے لیکن نہ جانے کتنے خطباء انھوں نے تیار کردیے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو درد اللہ نے ان کو دیا تھا وہ نہ جانے ان کی صحبت واخلاص سے کتنے دلوں میں منتقل ہوا، کتنے اللہ کے بندے وہ ہیں کہ ان کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے ان کی دنیا بدل گئی۔

چوتھی بڑی خصوصیت بھیا کی یہ تھی کہ وہ سراپا درد ومحبت تھے، ایسے ایسے لوگوں کو انہوں نے گلے لگایا جن کی طرف نگاہ کرنے کے بھی لوگ روادار نہیں ہوتے، ان کی محبت نے نہ جانے کتنے دلوں کی دنیا بدل ڈالی، اور کتنے وہ لوگ جو اپنی حالت سے مایوس ہو چکے تھے ان کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی، انھوں نے سب کچھ کیا مگر کس نے دیکھا؟ ہاں! جس ذات کے لیے انہوں نے کیا یہ سب اس کے خزانہ میں جمع ہوا اور ان شاء اللہ وہ وہاں اس کا مزہ اٹھا رہے ہوں گے، البتہ ان کی وفات نے آنکھیں کھول دیں، تعزیت میں آنے والوں نے جو تفصیلات بیان کیں اس پر حیرت بھی ہوئی اور مسرت بھی، حیرت اس بات پر کہ وہ سب کچھ کر گئے اور ان کے سگے بھائیوں اور گھر والوں کو بھی اس کا علم نہ ہوا، اور مسرت اس بات پر کہ انھوں نے اپنی محبت واخلاص سے اپنے نامور بزرگوں کی یاد تازہ کردی، اور ان کے جنازہ نے ان کی مقبولیت ومحبوبیت لوگوں کو دکھادی۔

آخری دورہ مہاراشٹر میں جو بڑا کامیاب اور اثر انگیز رہا اور اس کی روداد بھی ان شاء اللہ عزیز گرامی قدر مولوی مسعود الحسن ندوی کے قلم سے سامنے آئے گی، جو شریک سفر تھے، عزیز القدر عبد اللہ سلمہ پرتا بگڈھی نے بتایا کہ ایک دن تہجد کے وقت کہنے لگے کہ اللہ کا بڑا فضل ہے اس نے بڑا کام لیا، مگر الحمد للہ ہمارے گھر والوں کو بھی اس کا علم نہیں ہے۔

ایک سچے داعی کے لیے یہ چار وہ خصوصیات ہیں جن سے اس کام میں جان پیدا ہوتی ہے، ان کی زندگی خاص طور پر اخیر سالوں میں سراپا دعوت بن گئی تھی، ان کی صرف یہی دھن تھی اور یہی ان کا اوڑھنا بچھونا بن گیا تھا، تہجد سے لے کر دیر رات تک اسی کے لیے دعا کرتے، اسی کی فکر میں رہتے، اور اسی کے لیے تدابیر اختیار کرتے، دعوت کے کام کرنے والوں کو دیکھ کر ان کے اندر طاقت پیدا ہوجاتی تھی، ان کو دین میں داخل ہونے والوں سے بڑی توقعات تھیں اور وہ کہا کرتے تھے کہ نیا خون ہے، اس سے ان شاء اللہ امت میں جان پیدا ہوجائے گی، ان کو نہ سونے کا خیال رہ گیا تھا اور کھانے کا، شاید وہ دیکھ رہے تھے کہ وقت کم اور کام زیادہ ہے، عزیزی عبد اللہ سلمہ نے یہ بات بھی بتائی کہ وہ اخیر میں دعا میں یہ بھی کہنے لگے تھے کہ یا اللہ کچھ مہلت مل جائے اور تو یہ کام اور پھیل جائے، کبھی جوش میں کہتے کہ وقت کم ہے کام زیادہ!

گفتگو کرنے کا بڑا سلیقہ اللہ نے ان کو دیا تھا، ان کی تقریر بڑی حکیمانہ اور پُر مغز ہوتی تھی، مثالوں سے بات سمجھانا اور مسائل کو حل کرنا ان کی بڑی خصوصیت تھی، انھوں نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات کا بڑا مطالعہ کیا تھا، ان کی تقریروں میں وہ رنگ چھلکنے لگا تھا، بعض مرتبہ آیات واحادیث کی روشنی میں ایسے نکتہ کی بات کہہ جاتے کہ حیرت ہوتی، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا رسا ذہن عطا فرمایا تھا، درس کے دوران بھی دل کو لگتی ایسی باتیں کہتے تھے جن میں حکمت وموعظت کا بڑا سامان ہوتا تھا۔

اللہ نے ان کو تعبیر کا بھی بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا، اس کی شہرت دور دور ہوگئی تھی، اور لوگ ٹیلیفون پر کثرت سے خواب کی تعبیر بھی دریافت کرتے تھے، دعوت کا کام کرنے والوں میں کسی نے خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑے بزرگ ان سے کہہ رہے ہیں کہ کام تیز کردو لیکن داڑھی منڈوادو، ان صاحب نے صبح ہی فون کیا اور داڑھی منڈوانے کا ارادہ کرنے لگے، بھیا نے کہا: ٹھہر جایئے! خواب پر غور کیجیے، داڑھی منڈوانے کا وہ مطلب نہیں جو آپ نے سمجھا، داڑھی منڈوانے کا مطلب یہ ہے کہ کام خوب کیجیے مگر اس کو خوب چھپایئے، اس کی تشہیر نہ کیجیے، اور لوگوں کو بتایئے نہیں۔

ایک صاحب نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو انگریزی لباس میں دیکھا، فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ سے مراد اسلام اور مسلمان ہیں، اور آپ ﷺ پر جو لباس نظر آرہا ہے اس سے مراد انگریزی تہذیب ہے جو مسلمانوں پر چھائی ہوئی ہے۔

دینی وروحانی ترقی کے لیے وہ دو چیزوں سے اجتناب کو بہت اہمیت دیتے تھے، اور ان کو محرومی کا ذریعہ فرماتے تھے: ایک حرام مال، دوسرے بے ادبی۔ وہ کہتے تھے کہ حرام مال کا ذرہ بھی اگر پیٹ

میں چلا جائے تو وہ سب کچھ گندا کر دیتا ہے، اور برکت اٹھ جاتی ہے، خود ان کا اس سلسلہ میں حال یہ تھا کہ وہ عام طور پر لوگوں کی دعوتوں سے پرہیز کرنے لگے تھے، مدرسوں میں اگر کھانا بھی پڑتا تو اپنی اور اپنے رفقاء کی طرف سے اس کا معاوضہ مدرسہ میں داخل کر دیتے، وہ کہتے تھے کہ مدارس میں بے برکتی کا سب سے بڑا سبب یہ حرام و مشتبہ مال ہے۔ اسی طرح بے ادبی کو وہ بڑی محرومی کا ذریعہ سمجھتے تھے، اللہ والوں کے بارے میں ان کی طبیعت بڑی حساس تھی، کوئی اگر ان کے بارے میں کوئی نامناسب تبصرہ کر دیتا تو ان کو سخت ناگوار ہوتا، اور وہ ضرور اس پر نکیر کرتے تھے۔

ان کا ذہن صحیح اسلامی فکر میں ڈھلا ہوا تھا، انھوں نے متقدمین اور متاخرین کی کتابوں کا کھلے ذہن سے مطالعہ کیا تھا، اور اکثر وہ کہتے تھے کہ ان کتابوں میں بہت سے ایسے مسائل کا شاندار حل موجود ہے جن میں ذہن اُلجھتے ہیں، ان کا خیال تھا کہ مختلف مصنفوں کی کتابوں سے ایسے ایسے اقتباسات جمع کر دیے جائیں جن کا مطالعہ ایک عالم کے لیے ضروری ہے، خود ان کا یہ ارادہ بھی تھا مگر زندگی نے وفا نہ کی، حضرت مجدد صاحبؒ کے مکتوبات سے بھی انھوں نے اسی فکر کو سامنے رکھ کر منتخبات جمع کیے تھے، اور عصر بعد کی مجلس میں ان کو متعدد مرتبہ پڑھوایا بھی تھا، ان شاء اللہ جلد وہ منتخبات شائع کیے جائیں گے۔

ہندوستان کے مصنفین میں وہ متاخرین میں سے علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا عبد الباری ندویؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا عبد الماجد دریابادیؒ اور حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کے بہت قائل تھے، اور فرماتے تھے کہ ہمارے علماء اگر ان حضرات کی کتابیں پڑھ لیں تو ان کی فکر درست ہو جائے اور ذہن صاف ہو جائیں۔

لکھنؤ میں عصر بعد کی مجلس کا سلسلہ سالوں سے چل رہا تھا، ہر طبقہ کے لوگ اس میں شریک ہوتے، علماء طلبہ سے لے کر عصری تعلیم یافتہ، عامی اور غیر پڑھے لکھے ہر طرح کے لوگ اپنے اپنے مسائل لے کر عمومی مجلس میں حاضر ہوتے تھے، بہت سے دلوں کو اپنے درد کا درماں یہیں سے مل جاتا، اس کے علاوہ خصوصی ملاقاتوں کا سلسلہ دیر رات تک جاری رہتا، لوگ ان میں اپنے اپنے مسائل پیش کرتے اور بھیا بڑی محبت سے حکمت کے موتی لٹاتے اور لوگ مطمئن ہو کر واپس جاتے۔

تلاوت و اوراد اور ذکر کا ان کا مستقل معمول تھا، سفر و حضر میں اس کا اہتمام فرماتے تھے، فجر بعد دیر تک چہل قدمی کرتے اور ذکر میں مشغول رہتے، اخیر سالوں میں لوگوں کی آمد و رفت اتنی بڑھ گئی تھی کہ اکثر چہل قدمی کے بعد مجلس کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا، اس میں ناشتہ کا وقت ہو جاتا، فارغ ہو کر ندوہ کی تیاری کرتے۔

ناشتہ اور کھانے میں مہمانوں کا بڑا خیال رکھتے، ان کا دسترخوان وسیع تھا، روزانہ دو چار مہمانوں کا رہنا عام بات تھی، صبر و برداشت کی طاقت ان کی بہت بڑھ گئی تھی، لوگ وقت بے وقت آتے، بے ضرورت ہی دیر دیر تک بیٹھے رہتے کہ ہم لوگ اس کو محسوس کرتے تھے، مگر بھیا کا حال یہ تھا کہ کبھی اُف بھی زبان پر نہ آتا، ان کے ان کریمانہ اخلاق سے نہ جانے کتنے لوگوں کی کایا پلٹ ہوئی اور انھوں نے نئی زندگی شروع کی۔

ان کی دعوت و فکر کے مختلف میدان تھے، ایک طرف تحریک پیام انسانیت کا کام تھا، جس کی انہوں نے پورے ملک میں صور پھونک دی، لوگ اس کی ضرورت کو محسوس کرنے لگے اور اس کے بڑے بڑے جلسے مختلف علاقوں میں کیے گئے، پھر غیر مسلموں میں اسلام کے تعارف کے لیے ان کے خدمات بڑی ٹھوس اور بنیادی ہیں، اس کے لیے انہوں نے لٹریچر بھی تیار کرایا، افراد بھی تیار کیے، مختلف صوبوں میں وہاں کی علاقائی زبانوں کی اکیڈمیاں قائم کروائیں اور لٹریچر کو مختلف زبانوں میں منتقل کرنے کی طرف توجہ دلائی، اور یہ سب کام بڑے خفیہ طریقہ پر ہوتا رہا، اور اس طرح وہ پورے ملک میں اس کی اندر ہی اندر ایک فضا سی بن گئی۔

افراد سازی میں وہ ایک طرف فکر کی پختگی اور ذہن کی بالیدگی پر خاص توجہ دیتے تو دوسری طرف باطنی اصلاح کی ان کے یہاں بڑی اہمیت تھی، انہوں نے دونوں حیثیتوں سے افراد تیار کیے، اور اس کے لیے مستقل کوشش میں مصروف رہے، ملاقاتوں میں بھی اور خطوط کے ذریعہ بھی وہ رہنمائی کا کام کرتے رہے، فون کو بھی انہوں نے اس کا ذریعہ بنایا، کثرت سے لوگ فون کرتے اور دلی جذبات و کیفیات بیان کرتے اور مشورہ لیتے، اور وہ نرمی، بشاشت سے جواب دیتے

رہتے، انہوں نے پوری زندگی دعوت و اصلاح میں گذاری، لیکن حضرت مولاناؒ کی وفات کے بعد تیرہ سال اسی طرح گذارے کہ پھر ان کو اپنی صحت کی بھی فکر نہیں رہی، بس صرف ایک ہی چیز کی دھن تھی کہ کس طرح پیغام ایک ایک فرد تک پہنچ جائے اور کس طرح مختلف صلاحیت رکھنے والے افراد کو دعوت و اصلاح، تعلیم اور تصنیف و تحقیق کے کاموں میں لگا کر ان کو امت کے لیے مفید بنایا جائے۔

حضرت مولاناؒ کی وفات کے بعد دوسرے ہی سال حضرت کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہ کے ہمراہ بھیا نے جنوبی افریقہ کا ایک دعوتی و علمی سفر کیا، سفر سے واپسی پر ان کی علالت کا سلسلہ شروع ہوا، بخار آیا پھر اس کی شدت بڑھتی گئی، اس کے اترنے میں وقت لگا، اس کے نتیجہ میں کمزوری اتنی بڑھ گئی کہ مہینوں اس کا اثر رہا، اس کے بعد ذیابطیس کی بیماری لگ گئی، جس نے کمزور کر کے رکھ دیا، مگر وہ اپنے کاموں میں اسی طرح لگے رہے، گذشتہ سال ہی پورے قافلہ کے ساتھ حج پر تشریف لے گئے، اس میں اہلیہ کے علاوہ گھر کے مزید چھ افراد تھے، پورا سفر بڑی خیر و برکت کے ساتھ پورا ہوا، وہاں بھی ان کا دعوتی مشن جاری رہا، بیانات بھی ہوئے، بیعت ہونے والوں کا سلسلہ بھی رہا، اور اجازت حدیث بھی لوگوں نے لی، جن میں بعض عرب بھی شامل تھے، مشائخ و علماء سے ملاقاتوں کا سلسلہ بھی رہا، قیام کے آخری دنوں میں حرم کا مجمع اتنا کم ہو گیا کہ حجر اسود کا بوسہ لینا ملتزم پر پہنچنا اور حطیم میں نماز پڑھنا آسان ہو گیا، بھیا نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا، اور خوب طواف کیے، اور گھر والوں کو کرائے، وہاں سے واپسی کے بعد وہ اور طاقت کے ساتھ دعوتی مشن میں لگ گئے، ۲/ مارچ/۲۰۱۲ء کو مہاراشٹر کا بڑا کامیاب دورہ ہوا، بعض بعض جلسوں میں دس دس ہزار کا مجمع ہوتا تھا، ہزاروں غیر مسلم شریک ہوئے، اور انہوں نے اپنے بڑے تاثر کا اظہار کیا، اسی سفر سے مرض وفات کا آغاز ہوا، غالباً ناگپور میں رات کو پشت کے بائیں طرف شدید تکلیف ہوئی، جو رات بھر رہی، لیکن اس میں بھی ان کے معمولات جاری رہے، انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی، واپسی کے بعد بھی اسی طرح مشغولیات رہیں، تکلیف بڑھتی گئی، دم کرنے سے کم ہو جاتی تھی، مگر رات میں کروٹ لینا مشکل ہو گیا، اور نیند کم ہو گئی، اسی میں رمضان کا مبارک مہینہ آ گیا، تکیہ دائرہ شاہ علم اللہؒ میں رمضان کے معمولات شروع ہو گئے اور انہوں نے مرض کو دوسروں پر پوری طرح ظاہر نہیں کیا، رمضان کے بعد تکلیف اتنی بڑھی کہ ندوہ میں درس کا سلسلہ موقوف کرنا پڑا اور کاندھلہ تشریف لے گئے، سحر کا اندازہ تھا، مگر وہ بیماری کی شکل بنتی جا رہی تھی، کاندھلہ میں آرام ہوا، واپسی پر مرادآباد میں اہل تعلق نے زبردستی چک اپ (Check Up) کرایا تو الٹرا ساؤنڈ (Ultrasound) سے پتہ چلا کہ بائیں طرف کوئی گانٹھ ہے، اس سے اہل تعلق کی تشویش بڑھی، اصرار پر بمبئی کا سفر ہوا، ہر طرح کے معائنے ہوئے اور ڈاکٹروں نے سخت تشویش ظاہر کی، بھیا کے سامنے ساری باتیں آتی رہیں، مگر زار و نزار بدن کے اندر معلوم ہوتا تھا کہ صبر و استقامت کا کوئی پہاڑ ہے، دوسرے پریشان ہوتے، وہ سب کو سکون دلاتے اور اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنے کی تلقین کرتے اور ایمان و یقین کی ایسی باتیں کرتے کہ اس سے حاضرین کے ایمان میں اضافہ ہوتا، محب و مکرم مولوی خالد بیگ ندوی جنہوں نے خدمت و فکر میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، ایک مرتبہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جلد شفا دے تاکہ اتنا بڑا کام جو پھیلا ہوا ہے اسی طرح چلتا رہے، فرمانے لگے: کام کسی پر منحصر نہیں ہوتا، کام ہمارے بعد بھی انشاء اللہ ہوتا رہے گا، بمبئی کے پورے قیام میں لوگ آتے رہے اور مولاناؒ کی اصلاحی گفتگو کا سلسلہ جاری رہا، عیدالاضحیٰ سے ایک روز پہلے واپسی ہوئی، تکیہ میں قیام ہوا، مگر تکلیف میں کوئی افاقہ نہیں تھا، ہومیو پیتھک علاج شروع ہوا، یونانی دوائیں بھی چلتی رہیں، علاج کے لیے کئی سفر بھی ہوئے، بیچ بیچ میں ذرا سکون بھی ہو جاتا تھا مگر مرض بڑھتا گیا، عیدالاضحیٰ کے بعد سے غذا برائے نام رہ گئی، پورے پورے دن میں دو چار چمچہ یا دو ایک پیالی کوئی مشروب لے لیتے تھے، اس کے نتیجہ میں کمزوری بڑھتی گئی، مگر ان کی حمیت و عزیمت کا حال یہ تھا کہ جب تک جا سکے مسجد جاتے رہے، کمزوری بہت بڑھ گئی تو قیام گاہ میں جماعت کے ساتھ اہتمام سے ہر نماز پڑھنے لگے لیکن نماز کھڑے ہو کر پڑھتے حالانکہ اٹھنے میں شدید تکلیف ہوتی تھی، جب اٹھنا ناممکن ہو گیا تو بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے جس کا سلسلہ وفات تک جاری رہا، بیٹھنے میں بھی جب تکلیف ہونے لگی تو ہم لوگوں نے بہت کہا کہ لیٹے لیٹے نماز

پڑھ لیں لیکن کسی صورت میں راضی نہیں ہوئے، نہ بیٹھ کر نماز پڑھنا چھوڑا، نہ جماعت چھوڑی، یہاں تک کہ اسپتال کے ایک ہفتہ کے قیام میں بھی اس پر عمل رہا، جس دن وفات ہوئی اس دن بھی فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اور ساڑھے نو بجے کے قریب قرآن مجید سننے لگے، تقریباً ایک گھنٹہ اسی میں گذرا اور ساڑھے دس بجے سے پہلے پہلے روح پرواز کرگئی، ایک ہچکی سی آئی، حاضرین نے سورہ یٰسین شروع کی کسی نے کلمہ طیبہ کا ورد شروع کیا بس یٰسین شریف ختم ہوئی اور انہوں نے آخری سانس لی، إنا للہ و إنا إلیہ راجعون

بیماری کے تین مہینے انہوں نے جس ثبات واستقامت کے ساتھ گذارے اس کی مثال ملنی مشکل ہے، کبھی ایک حرف بھی شکایت کا زبان پر نہیں آیا، وفات کی رات تک جب کسی نے پوچھا: طبیعت کیسی ہے؟ فرمایا ماشا اللہ بہتر ہے۔ اور انتقال سے ایک دو روز پہلے ہی اہلیہ سے فرمایا کہ الحمدللہ کی ایک تسبیح روز پڑھا کرو۔ اپنی حالت پوری طرح سمجھنے کے بعد بھی کبھی انہوں نے مایوسی ظاہر نہیں ہونے دی، البتہ دو سال سے بعض باتیں ان کی ایسی ہوتی تھیں جن سے لگتا تھا کہ ان کو اپنے وقت کے قریب ہونے کا احساس ہے لیکن وہ مایوسی کی باتیں کرکے اہل تعلق کو غمگین دیکھنا نہیں چاہتے، اور نہ یہ چاہتے تھے کہ لوگ ان کی بیماری میں مشغول ہوکر اپنے کام چھوڑ دیں، لوگ آکر بیٹھ جاتے تو ان کو یہی مشورہ دیتے کہ اپنا اپنا کام کریں، بے ضرورت وقت ضائع نہ کریں، فون پر دور دور سے اہل تعلق آنے کی اجازت چاہتے تو ان کو بھی منع کردیتے اور فرماتے کہ وہیں رہ کر دعا کریں اور اپنے اپنے کام میں لگے رہیں۔

نماز بیٹھ کر پڑھتے تو ان کو شدید تکلیف ہوتی، حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی دامت برکاتہم سے ملاقات میں فرمایا کہ نماز کے لیے دعا کردیں کہ وہ سکون سے ہوجایا کرے، جہاں تک ہوسکا زبان سے ذکر و دعا میں لگے رہے، جب بولنا بھی مشکل ہوگیا تو ذکر خفی جاری رہا اور ہر ہر سانس سے لفظ اللہ ادا کرتے رہے، خود بھی ایک روز عزیزی عبداللہ سلمہ سے فرمانے لگے کہ ذکر خفی کی مشق اب کام آرہی ہے، آخر میں راقم سطور نے خود ان کی سانسوں میں ذکر کو صاف محسوس کیا، ہر سانس کے ساتھ لگتا ہے کہ اسم جلالہ ادا ہورہا ہے۔

ان کو نماز باجماعت کا اہتمام ہمیشہ رہا، شدید بیماری کے تین مہینہ میں ان کی کوئی نماز جماعت سے نہیں چھوٹی، شدید تکلیف کے باوجود جمعہ کے لیے مسجد تشریف لے جاتے رہے، صرف آخری جمعہ کو جب کہ معذوری اس حد تک ہوگئی تھی کہ پیر ہلانا بھی مشکل ہوگیا تھا، جمعہ کی نماز کے لیے نہ جاسکے مگر پوچھتے رہے کہ جانے کی کوئی صورت ہو تو بتاؤ مگر ظاہر ہے یہ ممکن نہ تھا، سب ساتھی بدل بدل مختلف مسجدوں میں جمعہ پڑھ آئے، وہی ایک نماز تھی جو ان کو تنہا ادا کرنی پڑی، اس آخری جمعہ کو حجام کو بلایا، حجامت بنوائی، کپڑے بدلوائے، اور حسب استطاعت جمعہ کی تیاری کی، مگر کمزوری اتنی بڑھ چکی تھی کہ محبین، اہل تعلق یہ سب خدمت انجام دیتے، اور خدمت میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے میں کوشش میں رہتے، اس کیفیت کو دیکھ کر سحر نرسنگ ہوم کے مالک ڈاکٹر غوث صاحب کہنے لگے، کہ اصل بادشاہت تو یہ ہے کہ دلوں پر حکومت ہو، یہ چیز اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں ہی کو دیتا ہے۔

سنتوں کا اہتمام ہمیشہ رہا، بیماری کے زمانہ میں بھی اگر غلطی سے کوئی موزہ اتارتے وقت پہلے دائیں پیر کا اتارنے لگتا تو کمزوری کے باوجود پاؤں کھینچتے لگتے اور حسب مقدور تنبیہ بھی فرماتے، مہمانوں کا اکرام مزاج میں داخل تھا، سخت بیماری میں بھی یہ اہتمام رہا، سحر نرسنگ ہوم کے ایک ہفتہ کے قیام میں آنے والوں کا تانتا بندھ گیا، بولنا مشکل تھا، مگر ہر آنے والوں کے لیے ہاتھ بڑھا دیتے اور مصافحہ کرتے اور خیریت پوچھتے۔

بیماری کے دنوں میں سب سے زیادہ خدمت عزیز القدر میاں عبداللہ پرتا بگڈھی سلمہ نے کی، جن کو بھیا سے بڑی عقیدت و محبت تھی، بھیا بھی ان کا ایسا خیال رکھتے تھے جیسے کوئی فرزند کا کرتا ہے، اسلام لانے کے بعد ہی سے وہ بھیا کے ساتھ رہنے لگے، پھر سفر وحضر کے رفیق بن گئے تھے، اللہ تعالیٰ ان کے ایمان وصحت وعمر میں برکت عطا فرمائے۔ ان کے علاوہ عزیزان گرامی مولوی نظار الاسلام ندوی اور مولوی رضوان نستار ندوی نے بھی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، اخیر میں عزیزان مولوی جمال احمد ندوی اور شفیق سیتاپوری نے بھی بڑی خدمت کی، اللہ تعالیٰ ان سب

چاہنے والوں اور خدمت کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، بعض اہل نسبت بزرگوں نے یہ بات کہی کہ ان دنوں میں مولاناؒ پر اللہ کی خاص رحمت ہے اور ان کا قرب بڑھتا جارہا ہے، اس وقت جو بھی مولاناؒ کی خدمت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی خاص رحمت میں لے لیں گے۔

آخری رات راقم بھی ساتھ میں رہا، تقریباً ہر ہر گھنٹے پر زم زم طلب فرماتے اور خلاف معمول آدھی ایک پیالی پی بھی لیتے، حالانکہ دو دنوں سے کسی چیز کا آدھی پیالی پینا بھی بہت مشکل ہو گیا تھا، یہ دیکھ کر اطمینان ہو رہا تھا کہ ماشاء اللہ طبیعت میں افاقہ ہے مگر دو تین دنوں سے ایک نئی بات یہ دیکھنے میں آرہی تھی کہ بار بار سامنے دیکھتے اور ہاتھ بڑھانے لگتے کہ کسی کا استقبال کر رہے ہیں، پوچھنے پر کوئی جواب نہ دیتے، سب کچھ ہونے کے بعد بھی دل یہ کہتا تھا کہ شاید ٹھیک ہو جائیں گے، مگر اللہ کا فیصلہ یہی تھا، اور شاید یہی وجہ تھی کہ جو کام سالوں میں ہوتا ہے، وہ اس کو مہینوں میں کر رہے تھے، لگتا تھا کہ وہ بہت جلد سب کچھ کر کے اپنے مالک کے حضور میں پہنچ جانے کی تیاری میں ہیں، جو ہونا تھا وہ ہو گیا، خبر بہت تیزی کے ساتھ پھیل گئی، لوگ سحر نرسنگ ہوم کے سامنے جمع ہونے لگے، جنازہ خاتون منزل لایا گیا، وہاں بھی خبر ہو چکی تھی، ظہر بعد غسل دیا گیا اور پہلی نماز جنازہ ندوہ میں ہوئی جو والد صاحب کے رفیق خاص مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے پڑھائی، ازدحام اتنا تھا کہ میدان پورا بھرا ہوا تھا، شاید عرصہ دراز کے بعد اتنا مجمع دیکھنے میں آیا ہوگا، مغرب بعد رائے بریلی روانگی ہوئی اور تکیہ پر رات تقریباً دس بجے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے دادا حضرت سید محمد ہدیٰ کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی، اس طرح دعوت و اصلاح کا وہ ماہتاب غروب ہو گیا جس سے ہزاروں لوگوں نے راستہ پایا اور وہ اپنی منزل کو پہنچے۔

رائے بریلی میں بھی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے جنازہ کے علاوہ اتنا بڑا ازدحام نہیں دیکھا گیا، لوگوں کی کثرت کی وجہ سے جنازہ مسجد کے صحن میں رکھنا پڑا، مٹی دینے والوں کا سلسلہ گھنٹوں چلتا رہا، پھر آنے والوں کا جو سلسلہ شروع ہوا تو وہ تادم تحریر جاری ہے، لوگوں نے جس طرح اپنے تعلق اور محبت کا مظاہرہ کیا اس سے ان کی ایسی محبوبیت و مقبولیت سامنے آئی جو خاصان خدا کا خاصہ ہے اور یقیناً یہ ان کی امت کے لیے درد و فکر اور کڑھن کا نتیجہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائی تھی، جانے والا چلا گیا مگر اپنے پیچھے ایک مشن چھوڑ گیا، انہوں نے دعوت دین کا جو پورے ملک میں کام کیا اور اس کی بنیادیں جس طرح کھڑی کر دیں وہ سب کام کرنے والوں کو دعوت فکر و عمل دے رہی ہیں، یہ چنگاری ان کے اندر مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب سے منتقل ہوئی جن کو اس کام کا بڑا جذبہ تھا، اس کے لیے انہوں نے بعض افراد کو لگایا بھی تھا اور خود بھی غریبوں کی بستیوں میں تشریف لے جاتے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے اور ان کو قریب کرنے کی کوشش کرتے، اس زمانہ کے متعدد کلمہ پڑھنے والے ہیں جو بعد میں ترقی کر کے مختلف مناصب تک پہنچے۔

مولانا نے دو غمزدہ بھائیوں کے علاوہ ایک فرزند چھوڑا، بیماری ہی کے زمانہ میں انہوں نے بڑے اہتمام سے فرزند کے حفظ قرآن کی تکمیل پر اہل تعلق کو جمع کیا، خود وہ بستر سے اتر کر بیٹھے اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے ختم کی مناسبت سے دعا کرائی اور بھیا نے بڑی خوشی کا اظہار کیا، اللہ تعالیٰ عزیز از جان محمد میاں سلمہ کو اپنے اسلاف کا جانشین بنائے اور طویل عمر عطا فرمائے، ہدایت و سعادت کے لیے قبول فرمائے، اہلیہ صاحبہ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور فرزند کو ان کی اور تمام خاندان والوں کی آنکھوں کا نور بنائے۔

ایصال ثواب کا جو اہتمام کیا گیا وہ بھی شاید و باید ہی ہوتا ہے، بیسیوں عمروں کی اطلاع ملی، طواف بے شمار ہوئے، تلاوت قرآن مجید اور صدقات و خیرات کا اہتمام ہر جگہ کیا گیا، یقیناً یہ سب چیزیں ان کے لیے ذخیرہ حسنات ہیں اور سب سے بڑھ کر خود ان کا درد و سوز جو شاید اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ عزیز ہے، ان کی ترقی درجات کا ذریعہ ہوگا، متعدد مبشرات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور یقیناً جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ بھیا کے درجات کو بڑھاتا جائے اور ان کے شروع کیے ہوئے کاموں کو ان کے لیے صدقہ جاریہ فرمائے اور پوری دنیا خاص طور پر ہندوستان میں اس کو ہدایت و سعادت کا ذریعہ فرمائے اور اس کے لیے مخلصان کار عطا فرمائے۔

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

سراپا فیض وکمال

ڈاکٹر تابش مہدی (مدیر معاون ماہنامہ ''زندگی نو''، دہلی)

موت ایک ایسی حقیقت ہے جس کو ماننے یا منوانے کے لیے کسی دلیل یا برہان کی ضرورت نہیں، جو بھی اس دنیا میں آیا ہے، اسے اپنی مہلت عمر گزار کر ایک دن جانا ہی ہے، خواہ وہ کسی بھی مقام اور مرتبے کا کیوں نہ ہو، کسی بھی عام وخاص کی کوئی قید نہیں ہے، حتی کہ دنیا کی سب سے برگزیدہ ہستی انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی اس کی آغوش میں جانا پڑا، اسی لیے کسی نے کہا ہے۔

انسان کو چاہیے کہ خیال قضا رہے
ہم کیا رہیں گے جب نہ رسول خدا رہے

قرآن مجید میں بہت صاف اور واضح طور پر ارشاد ربانی ہے: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ (آل عمران:۱۸۵) (آخر کار ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے)۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (الرحمٰن:۲۶-۲۷) (ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل وکریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے)۔

ایک جگہ اللہ تعالی نے اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ﴾ ((اے نبی) تمھیں بھی مرنا ہے اور انھیں بھی مرنا ہے)۔

قرآن مجید میں اس طرح کی اور بھی متعدد آیات ایسی ہیں جن میں موت کی حقیقت وناگزیری بتائی گئی ہے، اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، لیکن انسان کی زندگی میں کبھی کبھی ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب وہ کوئی حقیقت سامنے آجانے کے باوجود کچھ دیر کے لیے اس پر یقین نہیں کر پاتا، بالکل ایسی صورت حال سے مجھے بھی اس وقت دوچار ہونا پڑا جب میرے ایک عزیز نے موبائل فون کے ذریعہ یہ اطلاع دی کہ مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی اب اسی دنیا میں نہیں رہے، میں حیرت واستعجاب کی وادی میں گم ہو گیا، سوچنے لگا کہ آخر لوگ اتنی بڑی خبر کیسے اور کس دل سے پھیلانے لگتے ہیں، اس لیے کہ میرے سامنے اس پر یقین کرنے کا کوئی قرینہ نہیں موجود تھا، لیکن چند ہی منٹ کے بعد اور کئی فون آئے اور سب نے اپنے اپنے انداز سے اس المناک سانحہ کے اطلاع دی، اب مجھے یقین کرنا ہی تھا، یقین کیا اور قرآن مجید کی یہ پاک آیت ﴿انا لله وانا اليه راجعون﴾ دہرائی اور اس کے مفہوم کو مستحضر کیا۔

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ سے میرا نہ استاذی وشاگردی کا رشتہ تھا، نہ مرشد اور مسترشد کا، اور نہ کوئی دوسرا، لیکن میں نے ہمیشہ انھیں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا ہے اور جہاں کہیں موقع ملا ہے ان کی صحبت میں بیٹھا ہوں، ان کی باتیں سنی ہیں اور ان سے گفت وشنید بھی کی ہے، اور جب بھی ان سے الگ ہوا ہوں مجھے ایسا محسوس ہوا ہے کہ مجھے کچھ ملا ہے، ان کے پاس سے میں خالی ہاتھ نہیں جا رہا ہوں، خصوصا ان کی نجی گفتگو یا عام تقریر مجھے اس وقت بہت بھاتی تھی اور دل پر بڑا دیرپا اثر چھوڑتی تھی، جب اس میں تھانوی حکمت وجمال کی مہک محسوس ہوتی تھی، ایسا لگتا تھا کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تعلیمات وملفوظات کو انہوں نے ہضم کر رکھا ہے، ان کی گفتگو سے ملت اسلامیہ کی تعلیمی و اخلاقی زبوں حالی اور فکری وروحانی بے شعوری پر حد درجہ تأسف بھی ملتا تھا اور عام انسانوں کے بگاڑ اور بے راہ روی پر دردمندانہ و ہمدردانہ اظہار کرب بھی۔

مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ کی بزرگی اور عظمت ورفعت کا ہمیشہ احساس رہتا تھا، وہ اپنے تقوی وطہارت اور استغناء وتوکل کی وجہ سے خوردوں و بزرگوں دونوں میں مقبول و

محبوب تھے، وہ اپنے کمال علم وفضل کے باوجود نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے، یہ تواضع اور منکسر المزاجی ان کی چال ڈھال اور اٹھنے بیٹھنے میں بھی ملتی تھی اور لباس اور بات چیت میں بھی، وہ ہر قسم کی ظاہری نمود نمائش سے گریزاں تھے، خاکساری، فروتنی اور سادگی کو ان کی زندگی میں بڑی اہمیت حاصل تھی، لیکن ان سب کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کی شخصیت میں غیر معمولی کشش اور محبوبیت رکھی تھی، ان کے پاس ملنے کے لیے علماء وفضلاء بھی آتے تھے، اور تلامذہ اور دور کے وابستگان بھی، اور غیر مسلم حضرات بھی، سب سے وہ نہایت سادگی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے تھے، اور ان کی باتیں سنتے تھے، غیر مسلموں سے انھیں خاص دلچسپی تھی، متعدد پنڈتوں اور آچاریوں سے بھی ان کے روابط تھے، وہ ان تک دعوت حق پہنچانے کے لیے بے چین اور مضطرب رہتے تھے، لیکن اس بے چینی اور اضطراب پر کبھی انھوں نے بے حکمتی اور بے تدبیری کو نہیں غالب آنے دیا، جو بات بھی کرتے تھے اس میں حسن تدبیر اور حکمت و دانائی کی جھلک ہوتی تھی، کبھی انھوں نے گفت وشنید میں ایسا انداز نہیں اختیار کیا جس سے معلوم ہو کہ وہ اپنی بات کو مخاطب پر تھوپنے یا اسے بہ اصرار منوانے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ اپنی نجی مجلسوں میں اس بات کا ضرور تذکرہ فرماتے تھے کہ ''غیر مسلم بھی اللہ کے بندے ہیں، انھیں بھی ہدایت ورہنمائی کی ضرورت ہے، اِن تک حق کا پیغام پہنچانا اور ان کے پیدا کرنے والے کی تعلیمات سے انھیں آگاہ کرنا ہم تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، ہم سب سے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سلسلہ میں سخت مؤاخذہ ہوگا، ہم اپنی غفلت اور بے توجہی کے لیے اس کے ہاں جواب دہ ہوں گے۔''

مولانا سید عبداللہ حسنیؒ خانوادۂ علم اللہی کے چشم وچراغ تھے، وہ سادات کے اس خوش نصیب خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس نے اپنے روشن اور تابناک کارناموں سے پوری دنیا کو متاثر کیا ہے، وہ اس خاندان کے فرزند تھے جس کی ہندوستان میں علمی وروحانی اور دعوت وجہاد کی تاریخ سو دو سو برس نہیں کم وبیش سات سو برس کو محیط ہے، وہ بڑے خاندان کے ایک بڑے باپ کے بیٹے تھے، اور خود بھی بڑے تھے اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے رجل عظیم اور خاندانی بزرگ سے خصوصی فیض یافتہ تھا، اور ان سب کے ساتھ ایشیا کی معتبر ترین اسلامی دانش گاہ ندوۃ العلماء کے معزز استاذ بھی تھے، ان سب مناسبتوں کا اظہار ان کے کردار سے بھی ہوتا تھا، اور حرکت وعمل سے بھی، اور ان سرگرمیوں سے بھی جو انھوں نے ملت اسلامیہ اور برادران وطن کے سلسلہ میں جاری کر رکھی تھیں، ان کو دیکھ کر اور ان سے مل کر واقعی یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ یہ ایک بڑے آدمی ہیں اور انھیں عظیم نسبتیں حاصل ہیں۔

مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی سے میری پہلی ملاقات مئی ۱۹۹۷ء میں ہوئی تھی، الہ آباد میں پون صدی سے زیادہ عرصہ سے اصلاح المسلمین کے نام سے ایک اصلاحی وتبلیغی انجمن سرگرم عمل ہے، اس کے تحت اسی زمانہ سے الہ آباد بہادر گنج کے علاقے میں مئی کے مہینے میں تین روز کا ایک جلسہ منعقد ہوتا ہے، اس میں اپنے عہد کے بڑے بڑے علماء، مشائخ اور خطباء شریک ہوتے رہے ہیں، بتایا جاتا ہے کہ اس کی بنا وہاں کے اس دور کے مخصوص حالات کے پیش نظر امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ نے ڈالی تھی، اس دور کے متعدد دوسرے علماء بھی اس میں شریک رہے، حضرت امام اہل سنتؒ کے بعد اس کی باگ ڈور حضرت مولانا ابوالوفا شاہجہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں آ گئی تھی، وہی جلسے کی صدارت بھی فرماتے تھے اور نظامت بھی، اور انھی کے مشورے سے مقررین کو بھی مدعو کیا جاتا تھا، ان کے بعد مختلف علماء کو یہ ذمہ داری تفویض ہوئی، لیکن کوئی اس کی پابندی نہ کر سکا، سب کے اپنے اپنے مسائل تھے اور اپنی اپنی مصروفیات تھیں، بعد میں انجمن کے ارکان نے اس کی پوری ذمہ داری الہ آباد کے مشہور مذہبی شاعر اور ملی و مذہبی سرگرمیوں کے کارکن جناب قاری انیس احمد انیسؔ پر خاصوی کو تفویض کر دی، انھوں نے علماء اور مشائخ کے مشورے سے اسے صحیح رخ دینے کی کوشش کی، چونکہ حضرت مولانا ابوالوفا شاہ جہانپوری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں بھی ایک نعت گو کی حیثیت سے اس میں حاضر ہوتا رہا ہوں، اس لیے کم وبیش ۲۳ برس کے وقفہ کے بعد ۱۹۹۷ء کے جلسے میں مجھے بھی یاد فرمایا، میں نے بہ سر وچشم آخر کے دو دنوں کے جلسوں کے لیے دعوت نامہ کو قبول کر لیا، اور تاریخ مقررہ پر

اسٹیشن سے اتر کر سیدھے محترم انیس صاحب کے اٹالہ کے شوکت علی روڈ والے مکان پر پہنچا، وہیں مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے میری پہلی ملاقات ہوئی، سلام و مصافحہ کے بعد انیس صاحب نے بتایا کہ یہ مولانا عبداللہ حسنی ندوی ہیں، حضرت مولانا علی میاں دامت برکاتہم کے پوتے، گرچہ ان میں نہ کوئی عالمانہ وجاہت تھی اور نہ صاحب زادگانہ کروفر، بس ایک عام سے انسان تھے، لیکن مجھے ایسا لگا کہ میں کسی معمولی نہیں غیر معمولی شخصیت سے مل رہا ہوں، اس وقت وہ لکھنؤ کے لیے روانہ ہو رہے تھے، اس لیے کہ رات پہلے دن کے جلسہ میں ان کا خطاب ہو چکا تھا، وہ کھڑے ہوئے پھر بیٹھ گئے، مجھے مخاطب کر کے فرمایا: آپ کا کلام تو آج کے جلسہ میں ہوگا، میں محروم رہ جاؤں گا، مجھے بھی کچھ اشعار سے نوازیں، میں بغیر کسی توقف و تردد کے سنانے کے لیے آمادہ ہو گیا، میں نے نعت کے بجائے چند اشعار غزل کے پیش کیے۔

بلا سے مرتبے اونچے نہ رکھنا
کسی دربار سے رشتے نہ رکھنا
پڑوسی کے مکاں میں چھت نہیں ہے
مکاں اپنے بہت اونچے نہ رکھنا
کبھی تم سائلوں سے تنگ آ کر
گھروں کے بند دروازے نہ رکھنا
نہیں ہے گھر میں مال و زر تو کیا غم
وراثت میں مگر قرضے نہ رکھنا
اگر پھولوں کی خواہش ہے تو سن لو
کسی کی راہ میں کانٹے نہ رکھنا
بہت بے رحم ہے تابشؔ یہ دنیا
تعلق اِس سے تم گہرے نہ رکھنا

مولانا نے یہ اشعار سنے اور باوقار داد و تحسین سے بھی سرفراز کیا اور فوراً کھڑے ہو گئے، مصافحہ و معانقہ کے بعد فرمایا: آپ سے جلد ملاقات ہونی چاہیے، میں نے عرض کیا: ان شاء اللہ ضرور ملاقات ہوگی، اور جلد ملاقات ہوگی، پھر اسی کے بعد مسلسل ملاقاتیں رہیں، جس زمانہ میں میرا بیٹا اجمل فاروق ندوی وہاں زیر تعلیم تھا میں برابر جاتا رہا اور ہر بار ان سے ملاقات کی کوشش کرتا تھا، جب سے سیدی و مخدومی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے ازراہ نوازش مجھے عالمی رابطہ ادب اسلامی کے سہ ماہی ترجمان ''کاروان ادب'' کے سلسلہ کی خدمت تفویض فرمادی، میں مسلسل وہاں جاتا رہتا ہوں، میں نے ہمیشہ ندوہ میں ان کو تلاش کیا اور ملاقات کی کوشش کی، بعض معاملات میں ان سے مشورہ بھی کیا، ایک دوبار انھوں نے غریب خانہ پر بھی قدم رنجائی فرمائی ہے، میرے داماد عزیز القدر سید اقتدار احمد ندوی بیٹی عزیزہ ڈاکٹر ثمینہ تابش اور فرزند عزیز شاہ اجمل فاروق ندوی ان سے خصوصی تعلق رکھتے تھے، ان کے ادارۂ جامعہ خیر النساء کے صدر بھی وہی تھے، رمضان المبارک کے آخری عشرے میں چند دنوں کے لیے میں تکیہ حاضر ہوا، وہ معتکف تھے، پھر بھی ان سے ملنے اور استفادے کے مواقع نصیب رہے، یہ ملاقات میری ان سے آخری تھی۔

میں نے مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو جلسوں کے اسٹیج پر بھی دیکھا ہے، نجی مجلسوں میں بھی، اور ذاتی ملاقاتوں میں بھی، ہمیشہ میں نے یہی محسوس کیا ہے کہ ملت اسلامیہ اور پوری انسانی برادری کے سلسلے میں ان کی کیا ذمہ داری ہے، اس کا انھیں ہمیشہ احساس رہتا تھا، انھوں نے ''پدرم سلطان بود'' کے نعرے تو کبھی نہیں لگائے اور نہ نعرے بازی یا اشتہار پسندی سے انہیں کوئی علاقہ تھا، لیکن ان کے خانوادے کی جو روشن و تابناک تاریخ رہی ہے، اور دین وملت کے سلسلے میں جو ان کے کارنامے رہے ہیں اس پر ان کی گہری نگاہ بھی تھی اور اس کا انھیں پاس ولحاظ بھی رہتا تھا، ان کی ساری سرگرمیاں ان کے اسی خاندانی پس منظر کے استحضار اور اس کے پاس ولحاظ کی مظہر تھیں۔

مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی نے نہ تو تصنیف و تالیف میں کوئی بڑی یادگار چھوڑی ہے اور نہ تقریر و خطابت میں انھوں نے کوئی شہرت حاصل کی ہے اور نہ کسی جماعت یا پارٹی کے ہی وہ قائد و رہنما تھے، وہ مزاجی طور پر محض ایک داعی اور مصلح تھے، ان کا یہ مزاج درس و تدریس میں بھی کارفرما رہتا تھا، اور جلسوں یا مذہبی مجلسوں میں اور عام ملاقاتوں میں بھی، وہ کسی بھی وقت اپنے فرض منصبی سے نہیں غافل ہوتے تھے، مجھے یاد ہے کہ گذشتہ برس جب وہ دہلی کے دوار کا

کے علاقے میں ایک بڑے جلسہ کو خطاب کرنے کے لے تشریف لائے تو اسی موقع پر یہاں کی وزیر اعلیٰ محترمہ شیلا دکشت بھی اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ آئیں، انھیں دیکھ کر تمام علماء اور دوسرے لوگ لپک پڑے اور کوشش کی، ان کے ساتھ یا کم از کم ان کے قریب ہی کی صف میں ان کی بھی تصویر کھنچ جائے، لیکن ہم جیسے فقیروں کے ساتھ جہاں بیٹھے تھے وہیں بیٹھے رہے، اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئے، جب جلسہ کے داعی جناب ایم اے حق محترمہ وزیر اعلیٰ کو ہمراہ لے کر مولانا کی طرف آئے تو مولانا ایک لمحے کے لیے اٹھے، حق صاحب نے مولانا کا تعارف کرایا اور محترمہ نے آداب بجالاتے ہوئے دعاؤں کی درخواست کی تو مولانا نے ان کے لیے سچائی اور سیدھے راستہ کی دعا فرمائی اور پھر سیدھے بیٹھ گئے، یہ وہ استغنا ہے جو کم ہی دیکھنے میں آتا ہے، مجھے یقین ہے کہ انھوں نے ''پیام انسانیت'' کی تحریک کے تحت جو عظیم خدمات انجام دی ہیں اور انسانی برادری کی ایک بڑی تعداد تک جو حق کی دعوت پہنچائی ہے اور اس کے لیے اپنے شاگردوں اور وابستگان کی جو ٹیم تیار کی ہے یہ سب چیزیں ان کے درجات کی بلندی کا سبب بنیں گی اور دین حق کی اشاعت وتبلیغ کی تاریخ میں انھیں تادیر فراموش نہ کیا جاسکے گا۔

معاملہ دل کا ہے

''پیغمبر دل کو مخاطب کرتے ہیں اور دل بدلتے ہیں، سوچ صحیح کرتے ہیں، کیونکہ اگر دل میں برائی ہے تو قانون اس کو نہیں روک سکتا ہے، اس لیے اندرونی تبدیلی کی ضرورت ہے، اور اندورنی تبدیلی کے لیے دنیا کی پوری تاریخ میں ''ایمان'' سے بڑھ کر کسی طاقت اور تربیت کا تجربہ نہیں ہوا، جب تک عوام میں خدا کا یقین اور اس کا خوف اور خدائی پوچھ گچھ کا کھٹکا پیدا نہ ہوگا، اخلاق اور آدمیت کا سراہاتھ نہ آئے گا۔''

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندویؒ

دل شکستہ

کس سے بتاؤں حال دل، کس سے لگاؤں ہائے دل
کوئی نہیں ترے سوا، میرے خدا، مرے خدا

ہم کو اکیلا چھوڑ کے، چل دیے سوئے خُلد وہ
ہم نے تو بس یہی کہا، میرے خدا، مرے خدا

کس کو دکھاؤں داغ دل، کس کو سناؤں سازِ دل
اب تو ہی تو مرا بچا، میرے خدا، مرے خدا

کوئی نہیں ہے دادرس، کوئی نہیں ہے مہرباں
کرلے قبول سب دعا، میرے خدا، مرے خدا

ان کی کتاب زیست میں، حب خدا وخلق تھی
سب کو گلے لگالیا، میرے خدا، مرے خدا

ان کے بزرگ وخورد کو، اہل وعیال وخویش کو
صبر و قرار کر عطا، میرے خدا، مرے خدا

زاہدؔ بے نوا کو اب اپنے کرم کی بھیک دے
پھر اپنے کام میں لگا، میرے خدا، مرے خدا

زاہد حسین جمشید پوری ندوی

ہر لمحہ تیری یاد کا تاباں درخشاں

مولانا علاء الدین ندوی
(دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

۱۹۷۶ء یا ۱۹۷۷ء کی کوئی تاریخ تھی، بارہ دری لکھنؤ میں ''انڈو فلسطائن'' کانفرنس منعقد ہو رہی تھی، یہ ہماری طالب علمی کا زمانہ تھا، مجھے مولانا عبد اللہ حسنی صاحب کے ساتھ جانا اور اس میں شرکت کرنا خوب یاد ہے، ہم ابھی جا کر جلسہ گاہ میں بیٹھے ہی تھے کہ صدر جلسہ نے اعلان کیا کہ چند دنوں قبل وہ سات فلسطینی مسلمان جو جارح اسرائیل کے ہاتھوں شہید ہوئے ہیں ان کے سوگ میں ایک منٹ کی مون کے لیے کھڑا ہونا ہے، سب لوگ کھڑے ہو گئے، میں بھی کھڑا ہوا ہی چاہتا تھا کہ دیکھا کہ مولانا اپنی جگہ بیٹھے ہیں تو میں بھی بیٹھ رہا۔

دوسرا واقعہ مولانا کے والد ماجد مولانا سید محمد الحسنی (محمد میاں صاحبؒ) کے سانحۂ ارتحال کا ہے، ان کی وفات ۱۹۷۸ء میں بلرامپور ہاسپٹل میں ہوئی تھی، بلرامپور سے لے کر تکیہ (رائے بریلی) تک غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے قافلے کا ہم سفر میں بھی تھا، سوگواری کے اس پورے ماحول میں خاص طور سے میں نے عبد اللہ صاحب کو دیکھا کہ باپ کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ چکا ہے، شیشۂ دل ریزہ ریزہ ہے مگر مولانا ہیں کہ صبر وتحمل کا کوہ ہمالہ بنے ہوئے ہیں، آنکھوں میں نالہ وشیون اور جزع وفزع کا ایک قطرہ نہیں، اگرچہ چہرہ سے حزن و ملال ہویدا ہے، یہ تھا مولانا کے ضبط نفس، قوت تحمل، رضا بالقضا اور صبر وشکیبائی کا کمال۔ ان دو واقعات کے عینی مشاہدے سے دو باتیں میرے دل میں رچ بس گئیں؛

اول: مولانا کی غیرت دینی، اتباع شریعت کی موروثی صفت اور راہ حق میں عزیمت کی خوگر طبیعت۔

دوم: مصائب وآزمائشوں کے گرداب میں کوہ گراں بن جانے کی خصوصیت۔

مولانا جس خاندان کے سپوت تھے، اس کی اصلاحی، دعوتی، تجدیدی اور علمی وادبی خدمات مہر تاباں بن کر تاریخ کے صفحات پر درخشاں ہیں، آپ اس محبوب خلائق ہستی کے پوتے تھے جو ہندوستان کی آزادی کے بعد اسلامیان ہند کی سب سے بلند قامت شخصیت تھی، آپ اس نیک طینت انسان کے لخت جگر تھے جو عربی زبان وقلم کا بادشاہ اور فکر اسلامی کا سرخیل تھا، آپ اس جہاں دیدہ ہستی کے عزیز و قریب اور نسبتی فرزند ارجمند (داماد) تھے جو ملت اسلامیہ ہندیہ کی موجودہ رواں دواں کارواں کا میر وپاسباں اور دریائے حکمت ودانائی کا شناور ہے، اس لیے یہ بات قرین قیاس ہے کہ مولانا عبد اللہ تحمل و بردباری، وفا کیشی ورواداری، غیرت دینی وحمیت اسلامی، دعوت و اصلاح، اتباع سنت وشریعت، سلوک وتصوف اور زہد واستغنا میں تیز گام وسبک خرام ہوں۔

اللہ کی سنت کے مطابق ۳۰ جنوری ۲۰۱۳ کو مولانا ہم سے بچھڑ گئے (۲۹ جنوری ۱۹۵۷ کو انہوں نے اس دنیائے فانی میں قدم رکھا تھا، میری تاریخ پیدائش ۱۲ مارچ ۱۹۵۷ ہے اس لحاظ سے وہ ہم سے دو ڈھائی مہینے بڑے تھے اور درجے میں ایک سال آگے) ہم نے ان کو نمناک آنکھوں، زخمی دلوں، لرزیدہ قدموں اور سسکتے جذبات کے ساتھ آغوش قبر کے حوالے کر دیا۔ مولانا بڑی خوبیوں کے مالک تھے اور قحط الرجال کے اس نازک دور میں جب کہ مخلصانہ دینی و دعوتی جد وجہد اور دینی تعلیم وتدریس کے ہر شعبہ میں موزوں اور با صلاحیت افراد کار کا فقدان ایک ملی مسئلہ بن چکا ہے، وہ کئی محاذ کو سنبھالے ہوئے تھے، وہ کردار کے آدمی تھے اور اپنی تعلیم وتربیت کے ذریعہ اس گوشے پر خصوصی توجہ مرکوز رکھتے تھے، ان کے کام کے ہمہ جہت پہلو تھے؛ وہ ایک مدرس، ایک مربی، ایک نکتہ آفریں اور شیریں بیان واعظ، مصلحانہ شان کے ایک کامیاب داعی اور حکیمانہ انداز کے مبلغ تھے، راہ سلوک اور بیعت وارشاد کے ذریعہ تزکیہ و احسان کی عظیم ذمہ داری اٹھائے ہوئے تھے، یہی وجہ ہے کہ کردار

سازی اور مردم گری پہ ان کی خصوصی توجہ تھی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انھوں نے اپنی صلاحیتوں کے آب حیات سے اپنے متوسلین کے اندر دینداری، ذوق عبادت، تعلق مع اللہ اور اصلاح و دعوت کے پودے کی آبیاری کر کے ایک گلستاں آباد کر دیا۔

اوائل عمر ہی میں بدر کامل بن جانے والی شخصیت (مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ) کی بابرکت اور فیض رساں صحبتوں کے آب زلال سے مولانا عبداللہ حسنی نے جی بھر کر سقائی کی تھی اور حضرت کے خم کدے سے اخلاص، اتباع سنت، زہد و استغناء ذوق عبادت، تزکیہ باطن، تعلق مع اللہ اور علم و عمل کا جام کچھ اس انداز سے پیا تھا اور حضرت کی صحبت خاص کا مزہ کچھ ایسا پایا تھا کہ ان کے مزاج اور حکیمانہ رنگ کا ان پر گہرا پرتو پڑ گیا، اس دعوی کی تصدیق ان کے ہمہ جہت مخلصانہ کاموں سے ہوتی ہے۔ ایک طرف وہ دارالعلوم میں مسند درس کو زینت بخشتے ہوئے تھے، تو دوسری طرف رمضان المبارک کی مبارک ساعتوں میں تکیہ کلاں کی مسجد میں درس حدیث کی خوشبو سے واردین وصادرین کے مشام جاں کو معطر کر رہے تھے، ایک طرف وہ بیعت، ارشاد اور تربیت واصلاح کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھے، تو دوسری طرف اپنے قلم کی طاقت سے حق و صداقت کے پرچم کو بلند کیے ہوئے تھے، ایک طرف وہ اصلاح معاشرہ کی خاطر اپنی صلاحیتیں کھپا رہے تھے، تو دوسری طرف پیام انسانیت کے ڈائس پر مفکر اسلام کی نیابت کرتے ہوئے مسلمانوں اور غیر مسلموں سے مخاطب تھے اور ان کی اور ملک وملت کی بہتری، امن وسلامتی اور بقائے باہمی کے لیے صحیح راہ عمل کا تعین کر رہے تھے۔ یقیناً ان کی زندگی کے ایک ایک پہلو پر روشنی ڈالی جائے گی اور ان کی گوناگوں خوبیوں کو آشکارا کیا جائے گا۔

پچھلی صدی میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے سینہ کو اللہ نے شریعت کی حکمت اور دین کے اسرار ورموز سے لبالب بھر دیا تھا اور زبان وقلم کو اس کا ترجمان بنا دیا تھا پھر اس حکمت ودانائی کا عکس جمیل حضرت قاری محمد طیبؒ کی تحریر وتقریر میں نمایاں رہا اور کچھ ایسا ہی رنگ (مجھ ناچیز کو) مولانا عبداللہ حسنی کے حکیمانہ وعظ وارشاد اور نکتہ آفرینیوں سے مملو درس وتدریس میں نظر آیا۔

انسان کی تشکیل وتعمیر اور اس کی ترقی واقبال مندی میں تین بنیادی عناصر کارفرما ہوتے ہیں ۱- خاندانی پس منظر، ۲- ماحول ۳- تعلیم، مولانا اس خاندان کے چشم وچراغ تھے جو بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ: ''اس خاندان کے آخری مورث شاہ سید علم اللہؒ جو عالمگیر کے زمانے میں تھے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مشہور خلیفہ اور جانشین حضرت آدم بنوریؒ کے فیض سے مستفیض اور مشرق کے دیار میں ان کے خلیفۂ خاص تھے اس خاندان کے ممتاز افراد مجدد دہلویؒ کے فیض درس اور فیض صحبت سے سیراب تھے، اس طرح اس خاندان میں حضرت مجدد سرہندیؒ اور مجدد دہلویؒ کی برکتیں اور سعادتیں جمع ہو گئیں''۔

(سیرت سید احمد شہید جلد اول ص ۳۹)

اس خاندان کا ماضی اور حال، اس کا نام اور کام، اس کی شہرت دوام اور اس کا فیض عام آفتاب کی طرح روشن رہا ہے۔ ماحول کے رنگ کا کیا پوچھنا! دینی ہی نہیں بلکہ یہاں کے خاندان کے نونہالوں کو دودھ کے قطروں کے ساتھ ہی ملت حنفی اور شریعت محمدی سے عشق و محبت اور دین کی حفاظت وسربلندی کی خاطر شوق شہادت کی روحانی غذا دی جاتی ہے۔ جہاں تک علم وتعلیم کی بات ہے تو اس خاندان سے اس کا رشتہ اتنا مضبوط اور پائیدار ہے گویا علم وادب اور خاندان علم اللہی لازم وملزوم ہوں۔ ماحول کی بات کریں تو شرافت ونجابت، دریا دلی اور سماحت قلبی، انسان دوستی اور غم گساری اور تواضع وانکساری اس خاندان کے افراد کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ مجدد الف ثانیؒ اور مجدد ولی اللہ دہلویؒ کے فیض سے اس خاندان کی شکل میں ایک سہ آتشہ تیار ہوا، حضرت شاہ علم اللہ کے خاندان ہی کے گل سرسبد تھے مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ، اپنے بڑے بزرگوں کی امیدوں کے مرکز اور خورد سالوں کے لیے عز وافتخار کا سبب لیکن حرص وآس کی اس دنیا میں جب مادیت، خودغرضی اور چڑھتے سورج کی پوجا دور حاضر کے انسان کی زندگی میں سر چڑھ کر بول رہی ہے، مولانا جیسے باکردار انسان کا اٹھ جانا ہر حق پسند اور دردمند آدمی کو دکھی کر جاتا ہے، خاص طور سے ان کے اعزہ واقرباء اور ان کے بزرگوں اور خوردوں کے لیے تو یہ غم پہاڑ بن کر ٹوٹا ہے اور بجلی بن کر گرا ہے۔

میں ان کے عزیزوں اور بڑے بزرگوں کے لیے تعزیتی الفاظ پیش کروں تو سورج کو چراغ دکھاؤں، تاہم قلم کی بے باکی ہے اور

زبان کی جرأت بے جا ہے کہ چند جملے لکھے بغیر نہ دل کو اطمینان ہوگا، نہ زبان وقلم کو قرار آئے گا۔

یقیناً غم واندوہ ایسا المناک ہے کہ دل کٹا جاتا ہے، آنکھوں سے اشکوں کا سیل امنڈ پڑتا ہے، سسکیاں تھمتی نہیں، غم غلط ہوتا نہیں لیکن سنت الٰہی یہی ہے، موت برحق ہے، اس کا ایک وقت معین ہے، نہ اسے روکا جاسکتا ہے، نہ ٹالا جاسکتا ہے، موت کے بہانے بھی مقدرات میں سے ہیں اور جو مقدر ہے اسے بہر حال ہو کر رہنا ہے، نہ اسے ہونے سے روکا جاسکتا ہے اور نہ جانے والے کو کسی صورت واپس لایا جاسکتا ہے، یقیناً یہ حادثہ بڑا جاں کاہ اور روح فرسا ہے، اس کا حق ہے کہ نالہ وشیون کیا جائے، مگر یہ حادثہ جس مبارک خانوادے کے چشم وچراغ کی وفات کا ہے، اس کی ریت وروایت بتاتی ہے کہ اس کے افراد کے صبر وضبط کا پیمانہ بھی تو بہت وسیع ہے، ان کے ظرف ہی کو دیکھ کر قسام ازل نے ان کو بادۂ غم واندوہ عطا کیا ہے۔ ع دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر..... اور سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ان عظم الجزاء من عظم البلاء، و ان اللہ اذا أحب قوما ابتلاهم، فمن رضی فله الرضا، ومن سخط فله السخط** (رواہ الترمذی)

بڑا انعام بڑی آزمائش سے ملتا ہے، اللہ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو انہیں آزماتا ہے، جو راضی رہا اس کے لیے خوشنودی ہے اور جو ناراض ہوا اس کے لیے ناراضگی ہے۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا: **أشد الناس بلاء الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل يبتلى الرجل على حسب دينه، فان كان في دينه صلبا اشتد بلاؤه، و ان كان في دينه رقة ابتلى على قدر دينه، فما يبرح البلاء بالعبد حتى يتركه يمشي على الأرض وما عليه خطيئة** (الترمذی)

(سب سے زیادہ آزمائش انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے، پھر ان کی جو ان سے قریب تر ہوتے ہیں، پھر ان کی جو ان سے قریب تر ہوتے ہیں، بقدر دین آدمی کی آزمائش ہوتی ہے، اگر وہ اپنے دین میں مضبوط ہوتا ہے تو اس کی سخت آزمائش ہوتی ہے اگر وہ اپنے دین میں کمزور ہوتا ہے تو بقدر دین اس کی آزمائش ہوتی ہے، پھر یہ آزمائش اس کو ایسا پاک صاف کر کے چھوڑتی ہے کہ وہ بے گناہ بن کر زمین میں چلتا پھرتا ہے۔)

مصائب کے مقابلہ میں صبر اور رضا بالقضا سے بڑھ کر کوئی ہتھیار نہیں۔ صبر ورضا بڑے دل والوں، یقین محکم اور ایمان کامل رکھنے والوں اور اللہ کے محبوب بندوں کو نصیب ہوتا ہے۔

مشہور عربی شاعر متنبّی اپنے مخاطب کو مشورہ دیتا ہے کہ جب تک جان میں جان ہے حوادث زمانہ کو خاطر میں نہ لاؤ، وہ کہتا ہے:

لا تلق دهرك الاّ غير مكترث
ما دام يصحب فيه روحك البدنُ

ایلیا ابو ماضی ایک قدم اور آگے بڑھ کر مصائب زمانہ کا مقابلہ خندہ لبی سے کرنے کی دعوت دیتا ہے، خواہ زمانہ کڑوا گھونٹ کیوں نہ پلاتا رہے، وہ کہتا ہے:

قال: الليالي جرّعتني علقما
قلت: ابتسم و لئن جرّعت العلقما

حضرت فضیل بن عیاض کا بیٹا فوت ہوگیا، تو فضیل ہنس پڑے، لوگوں نے کہا: کیا ماجرا ہے؟ فرمایا: میرا رب دیکھے کہ میں اس کے فیصلہ پر راضی برضا ہوں۔

رنج وغم میں مسکرانا، آفات ومصائب کا مقابلہ خندہ لبی سے کرنا ان مصائب پر غلبہ پانے کا اعلان، فتح ونصرت کی کنجی اور کامیابی کی دلیل ہے، حسرت ذات اور غم دوراں پہ قابو پانے کا اس سے بہتر طریقہ نہیں، کیا حسرت وافسوس اور غم واندوہ سے کھویا مال واپس مل جاتا ہے،؟ کیا لخت جگر اور نور نظر کے فوت ہوجانے پر گریہ وماتم کرنے سے وہ واپس آجاتا ہے؟ ہم کیوں ایک مصیبت کے مقابلے میں دوسری مصیبت کھڑی کردیتے ہیں؟ ہم کیوں نہیں کھٹے پھلوں سے لذیذ اور میٹھا شربت تیار کرتے ہیں؟ ہم کیوں نہیں حوادث زمانہ کے کریہہ اور بھیانک چہرہ کا مقابلہ اپنی دل آویز مسکراہٹ اور بشاشت قلبی سے کرتے؟ مصائب وآفات میں صبر وشکر کا وطیرہ اپنانے والے اللہ کے نیک بندو! حوادث زمانہ کے مقابلے میں مسکراہٹوں کے پھول بکھیرنے والے خدا کے دوستو! خاندان علم اللٰہی کی مبارک ہستیو! **سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار.**

(باقی صفحہ ۱۳۲ پر)

جامعہ تزکیۃ البنات

(لڑکیوں کی عربی تعلیم کا اقامتی ادارہ)

زیر نگرانی: صفہ ویلفیئر اکیڈمی بنگلور

اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ عورت معاشرہ کی معمار ہے، اور وہ خود جس قدر اعلیٰ تعلیم و تربیت سے بہرہ مند، حسن اخلاق اور حسن اعمال سے آراستہ اور فکر اسلامی کی پاسباں ہوگی اس کے ذریعہ وجود میں آنے والا معاشرہ بھی اسی طرح کا مثالی معاشرہ بنے گا، لیکن افسوس آج ہمارے معاشرہ کے عورتیں اپنے اس مقام و منصب نا آشنا ہیں، اور اپنی حیثیت سے ناواقف ہیں جس کی وجہ سے ہمارا معاشرہ زوال کا شکار ہو رہا ہے، اور ہم ایک مثالی و دینی خاندان سے بھی محروم ہیں۔ اس کی ایک بنیادی وجہ اسلامی نہج پر عورتوں تعلیم و تربیت کا فقدان اور ان کی حسن معاشرت سے محرومی ہے، اسی خلا کو پر کرنے کے لیے جامعہ تزکیۃ البنات سرگرم عمل ہے۔

الحمد للہ جامعہ کو ماہرین فن، ممتاز اساتذہ کرام، جید معلمات اور اصحاب فکر و دانش کی سرپرستی حاصل ہے۔

جامعہ میں طالبات کے قیام و طعام کے ساتھ پردہ کا سخت نظام ہے۔

اس ادارہ میں اپنی بچیوں کو داخل کیجیے اور ان کی دنیا و آخرت سنوارنے کی فکر کیجیے۔

نوٹ: شعبۂ حفظ اور عالمیت کے درجات میں داخلے جاری ہیں۔

تفصیلات کے لیے رابطہ کریں:

محمد یوسف بیگ ندوی قاسمی

(Mob.:09060786 234 / 09242213234)

(مہتمم جامعہ تزکیۃ البنات و مدرسہ اشرف البنات)

مولانا ظفر اللہ قاسمی (نائب مہتمم)(09535821229)

JAMIYA TAZKIYATUL BANAAT

Near Jamia Masjid, Dodda Basti, Mysore Road,
Kengeri Cross, Bangalore 560039

پیغام

''تم کو سب سے زیادہ فکر اس بات کی ہونی چاہیے کہ آخرت میں تم کو کامیابی وکامرانی ہو اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب آدمی اپنی روح کی فکر کرے، چنانچہ انبیاء کرام جب اس دنیا میں آئے تو انہوں نے پہلی فکر جو انسانوں کے اندر پیدا فرمائی وہ یہی تھی کہ آدمی اپنی روح کی پیاس بجھائے اور اپنی روح کو ترقی دینے کی کوشش کرے، اس لیے کہ اگر خدانخواستہ روح مرگئی تو جسم کی کوئی حیثیت نہیں، اس کے بعد جب جسم زمین میں گاڑ دیا جاتا ہے تو وہاں وہ سڑ گل جاتا ہے، زمین کھودی جاتی ہے تو ہڈیاں ملتی ہیں، ہڈیاں بھی بوسیدہ ہوجاتی ہیں یہاں تک کہ ہڈیاں اٹھائے تو بھرا بھرا جاتی ہیں، اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔''

حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ

ماھنامہ پیام عرفات

کے داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ نمبر

کا ہم تہہ دل سے استقبال کرتے ہیں۔

حاجی محمد الیاس (عرف منی)

چیئرمین، نگر پالیکا، رائے بریلی

مولانا عبیداللہ حسنی ندویؒ

ایک رہبر-ایک مصلح-ایک معلم

ڈاکٹر سید راشد نسیم ندوی (ای ایف ایل یونیورسٹی، حیدرآباد)

اللہ تعالیٰ نے ''إني جاعل في الأرض خليفة'' سے جس حقیقت کو نمایاں فرمایا: اس کا حاصل یہی ہے کہ منصۂ شہود سے ایک نسل کو جانا ہے اور اس کی جگہ دوسری نسل کو لینی ہے، پھر ''كل نفس ذائقة الموت'' سے اسی حقیقت کے دوسرے رُخ کو ظاہر فرمایا کہ موت سے کسی کو مفر نہیں اور اس سے کوئی بشر بے نیاز نہیں ہے، اس کو تقدیر کی زندانی کا نام دیا جائے یا مجبوری و بے چارگی سے تعبیر کیا جائے، بہر صورت یہ ایک اٹل حقیقت ہے جس سے ہر متنفس ہی کو نہیں؛ بلکہ ذرہ ذرہ کو دوچار ہونا ہے، لیکن دوسری جانب یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض قدوسیوں کی جدائی سے دل مثل طفل ناصبور بے دست و پا، صبح و مسا روتا رہ جاتا ہے۔

ایسی ہی کچھ کیفیت حضرت مولانا سید عبداللہ صاحب حسنیؒ کی جدائی پر ہوئی، جن کی شخصیت مثال شمع روشن، محفل انسانیت میں فروزاں تھی کہ اچانک یہ چراغ انجمن وقت سحر سے قبل ہی خاموش ہوگیا، مولانا ایک روشن ضمیر رہبر روحانی تھے، وہ امت کے سوختہ جاں بہی خواہ اور غم انسانیت سے معمور دل کے حامل مسیحا تھے، وہ نہ صرف ناصح تھے بلکہ غم گسار بھی تھے، چارہ ساز بھی تھے، جو آپ سے مشورے لینے آتا وہ سکون و راحت پاتا، ساری انسانیت کا درد مولانا کے دل میں تھا، وہ انسانیت کی ہدایت کا پیام لے کر بستی بستی، قریہ قریہ سفر کرتے اور اس اثناء آپ کو نہ راحت منزل کی فکر ہوتی اور نہ نشاطِ رحیل، مقصد کی دُھن، کام کی تکمیل کا جذبہ اور فکر انسانیت کا بوجھ شاید اسی نصب العین کی عکاسی کرتا تھا کہ ؎

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے

آئندہ سطور میں مولانا مرحوم کی تدریسی خدمات، اندازِ تفہیم واسلوب تعلیم پر کچھ باتیں ضبطِ تحریر میں لائی جائیں گی، اس سے پہلے کمال اختصار کے ساتھ ان خصائص کا تذکرہ از حد ضروری معلوم ہوتا ہے جن سے آپ کی شخصیت کو چار چاند لگ گئے تھے۔

مولانا مرحوم نے اپنے اسلاف سے سماحت کی صفت وراثت میں پائی تھی، اپنی نجی زندگی میں قناعت و سادگی اور احباب و متعلقین کی خبر گیری آپ کا شیوہ تھی، دنیا سے بے رغبتی اور مال و منال سے بے نیازی آپ کا جوہر تھی، اخلاص کامل نے آپ کو کاملین کی اس صف میں کھڑا کر دیا تھا کہ مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنا خلیفہ مجاز قرار دیا، یہ وہی اخلاص ہے جس سے مولانا مرحوم فتنوں کو بھانپ لیتے اور ان کی سرکوبی کی فکر کرتے، اسی حقیقت کو زبان نبوت نے یوں تعبیر فرمایا: ''طوبى للمخلصين أولئك مصابيح الدجى تتجلى عنهم كل فتنة ظلماء''.

(البيهقي في شعب الإيمان: ۵/۳۴۳)

اہل اخلاص کے لیے خوش خبری ہے کہ وہ تاریکی میں مانند چراغ ہوتے ہیں اور ان سے تاریکیوں کے فتنے چھٹ جاتے ہیں

یہی وہ اخلاص تھا جس کی وجہ سے ساری خدائی کی اصلاح و ہدایت کی فکر آپ کے دامن گیر رہتی، بنی نوع انسان کی ڈوبتی نیا کو منجدھار سے نکال کر ساحل تک پہنچانے کی جو فکر اورنگ و دو حضرت مولانا علی میاںؒ نے شروع نے فرمائی تھی اور جس تحریک پیام انسانیت کی داغ بیل ڈالی تھی اس کا لُبِ لباب خود مفکر اسلام نے متعدد مقام پر بیان فرمایا کہ کسی ملک یا قوم کے تحفظ و بقا کے لیے اور افراد کو خود غرضی، ظلم، بے ایمانی اور خیانت سے بچانے کے لیے

اصل طاقت تو خدا کا عقیدہ اور خوف ہے، جب کسی انسان کے دل و دماغ میں یہ عقیدہ جاگزیں ہوجائے کہ ایک بالاتر ہستی ہے جو اندھیرے اُجالے میں ہماری نگراں ہے اور مجھے اس کے سامنے جواب دہی کرنی ہے تو وہ کوئی غلط کام نہیں کرسکتا، اصلاح کے لیے اس سے بہتر کوئی نسخہ نہیں، یہ اصل طاقت ہے جو چوروں کو پاسبان بناتی ہے۔ (کاروان زندگی: ۲/ ۱۱۸)

مولانا عبداللہ حسنیؒ نے تحریک کے اس مقصد کو پالیا تھا اور اسی نسخہ کیمیا کے ساتھ وہ تحریک پیام انسانیت کے نمائندہ بن گئے تھے اور دنیا نے اس کے کامیاب نتائج کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

تحریک پیام انسانیت سے مولانا کی وابستگی فکری بھی تھی، خاندانی بھی تھی اور مولانا نے اس تحریک میں وہ روح پھونک دی جس سے مولانا اسحاق جلیس صاحب مرحوم اور خود مولانا کے والد ماجد مولانا محمد میاں صاحب مرحوم کی یادیں تازہ ہوگئیں، اس تحریک کے لیے سینکڑوں اسفار کیے اور اپنے وقت کا قیمتی ترین سرمایہ خرچ کیا، لیکن یہ مصروفیات مولانا کی تدریس وتعلیم کے لیے مانع نہ بنی، تدریس سے مولانا کو تعلق ۲۵ سال سے زیادہ دیرینہ ہے، آپ نے ندوۃ العلماء سے فراغت کے مابعد ہی تدریس شروع کردی تھی اور جلد ہی اپنے خلق حسن اور دلآویز انداز کی وجہ سے ہر دل عزیز استاد بن گئے تھے، دارالعلوم ندوۃ العلماء جیسی بین الاقوامی اسلامی درس گاہ میں مولانا مرحوم متعدد مضامین کو موضوع تدریس بنا کر پوری کامیابی کے ساتھ اپنی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہوتے رہے لیکن زیادہ لگاؤ حدیث نبوی سے ہی رہا، خوش قسمتی سے ہماری جماعت کے طلبہ نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کی مایہ ناز تصنیف "الفوز الکبیر" کا درس لیا، اور اسی اثناء آپ نے الفوز الکبیر کی شرح بھی تیار کی تھی، جو زیور طبع سے آراستہ ہوجائے تو اسلامی کتب خانے میں ایک قیمتی اضافہ ہوگا، اثناء تدریس مولانا مرحوم سے کتاب کا راست استفادہ ہوتا رہا؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ کے اسلوب تدریس کے پائندہ نقوش بھی دل و دماغ پر مرتسم ہوتے چلے گئے اور ان نقوش کو الفاظ کا جامہ دینے کا اصل مقصد یہی ہے کہ اساتذہ کی نوخیز نسل ان سے کما حقہٗ استفادہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو بافیض استاذ ثابت کرے، مولانا کی تدریس کی خصوصیات کا احاطہ بڑا طویل بھی ہے اور فرصت طلب بھی، چند اہم نکات ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱- مولانا مرحوم اپنی تدریس میں اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ کمزور سے کمزور طالب علم بھی بات سمجھ جائے، اس کے لیے مولانا موضوع پر ارتکاز کرتے اور زبان سہل وشگفتہ استعمال کرتے، اعادہ میں حرج محسوس نہیں کرتے، سوالات سے بے زار نہ ہوتے؛ بلکہ بسا اوقات ایسے لطیف جوابات عنایت فرماتے کہ مجلس قہقہہ زار ہوجاتی، مولانا کی یہ باغ و بہار طبیعت طلبہ کو مولانا سے قریب کرنے میں کلیدی رول ادا کرتی تھی، درس دینے سے پہلے سبق کے تمام پہلوؤں کا مطالعہ کرلیتے اور ان کی تحقیق بھی کرلیتے، بسا اوقات کتب بینی سے مسئلہ حل نہ ہوتا تو بڑے اساتذہ سے مذاکرہ کرنے میں کوئی باک محسوس نہ کرتے، طالب علم کو دعوتِ فکر دیتے اور اس کو تحقیق پر اُبھارتے تھے، جس کی وجہ سے طلبہ کے اندر خود اعتمادی بڑھتی، درجہ میں کبھی بھی موضوع سے ہٹ کر گفتگو نہ چھیڑتے جس سے وقت ضائع ہوجائے، ہمیشہ موضوع درس غالب رہتا جس کی وجہ سے طلبہ میں یکسوئی برقرار رہتی اور فکری وتعلیمی انتشار و انارکی جگہ نہ حاصل کرسکتی۔

۲- دوسرا اہم تدریسی ملکہ جس نے مولانا کی شخصیت کو نمایاں وممتاز کردیا تھا، وہ اپنے تلامذہ کی خبر گیری اور ان کا تفقد احوال اور نجی پریشانیوں میں ان کی رہنمائی بلکہ غم گساری وچارہ سازی تھا، مولانا کی شخصیت کے اس پہلو نے طلبہ کو مولانا سے اس قدر وابستہ کردیا تھا کہ وہ ہمیشہ طلبہ کی جھرمٹ میں نظر آتے اور چہرے کی بشاشت اور لبوں کی مسکراہٹ مولانا کے دل کی وسعتوں اور اعلیٰ ظرفی کی غماز ہوتی، یہی نہیں بلکہ دوسرے مقامات کے اسفار کے موقع پر بھی اپنے طلبہ کی خبر گیری فرماتے، جس کا تجربہ خود راقم کو ہوچکا ہے، وہ حیدرآباد تشریف لائے ہوئے تھے اور میں نے سوچا کہ جب مولانا اپنے مسترشدین کے جم غفیر سے فارغ ہوں گے تو حاضر خدمت ہوجاؤں گا، جس کی وجہ سے قدرے تاخیر ہوئی اور جب ملاقات ہوئی تو ایک وقار کے ساتھ فرمایا: "شکر ہے آپ نظر تو آئے"

میں اپنی کوتاہی پر نادم ہوتا ہوا اپنی پشیمانی کو چھپانے کی کوشش کرتا رہا، یہ تفقد احوال کی سیمابی صفت مولانا نے اسوۂ حسنہ سے حاصل کی تھی، جس کا تذکرہ حدیث میں ملتا ہے: "کان یتفقد أصحابه". (شمائل ترمذی، حدیث نمبر:۸)

۳-مولانا کی ایک تیسری اہم صفت جو اثنائے تدریس نظر آئی اس کو نہ بیان کرنا گویا خیانت کا ارتکاب کرنا ہے اور یہ صفت بھی دراصل اتباع سنت کا مظہر تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شخصی ونجی مفاد کے لیے کبھی ناراض نہ ہوتے؛ لیکن جب اجتماعی اور دینی مفاد کو نقصان پہنچتے ہوئے دیکھتے تو اس قدر ناراض ہوتے کہ ناراضگی کے آثار چہرۂ مبارک سے عیاں ہوجاتے:

"وما انتقم رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لنفسه في شيء"

(بخاری و مسلم)

یہی کیفیت مولانا مرحوم کی تھی، طبیعت کی نرمی، شفقت کی عادت، نرم خوئی ونرم جوئی، ہونٹوں پر مقدس مسکراہٹ اس وقت کافور ہوجاتی جب آپ کوئی فکری انحراف، دین پر بے اعتمادی کی کیفیت اور روح اسلام کو مجروح ہوتا دیکھتے، اس موقع پر چہرے پر جلال، لہجہ میں کرختگی اور کلام میں قدرے سختی پیدا ہوجاتی اور "لا یخافون فی اللہ لومة لائم" کی جھلک نظر آنے لگتی تھی، آج متعدد تعلیم وتعلم سے وابستہ حضرات ایسے ہیں جو دین اور دینی قدروں کو پامال ہوتا ہوا خندہ پیشانی سے گوارا کرلیتے ہیں؛ لیکن اگر ان کے انفرادی اور نجی مفاد پر ہلکی سی آنچ آجائے تو چراغ پا ہوجاتے ہیں، تحریکوں کو تقسیم کردیتے ہیں اور شعبوں کو اکھاڑا بنادیتے ہیں، ساتھیوں کی شخصیتوں کو مسخ کردیتے ہیں، جن کی وجہ سے ادارے ٹوٹ رہے ہیں، تحریکیں بکھر رہی ہیں، لوگ بٹ رہے ہیں، بقول شاعر

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی

لیکن مولانا مرحوم کا مزاج نبوی دیے سے روشن تھا، وہ ہمیشہ دینی قدروں کو اہمیت دیتے، اجتماعی مفاد کو مقدم رکھتے اور امت مرحوم کی آبرو بچاتے۔

مولانا مرحوم کے یہ وہ پائندہ وپاکیزہ نقوش ہیں جو ہمارے لیے مینارۂ نور اور ہدایت کے سنگ میل ہیں، جن سے استفادہ تعلیم و تعلم کے شعبہ کو مثالی وعالی بنا سکتا ہے۔

محبت کی تاثیر

"ایک حدیث میں آتا ہے کہ اگر کسی کو کسی سے محبت ہو تو اس کو بتا بھی دے، بتانے سے محبت میں اضافہ ہوجاتا ہے اور محبت سے توجہ ہوجاتی ہے، توجہ سے محبت کا فائدہ ہوتا ہے۔ جب محبت سے آدمی دیکھتا ہے تو محبت بھی عجیب چیز ہے، اس کے اثرات پڑ کر رہتے ہیں یہاں تک کہ بعض دفعہ چہرہ میں بھی مشابہت پیدا ہوجاتی ہے، جب آدمی کو زیادہ محبت ہوجاتی ہے کسی اللہ کے نیک بندہ سے تو اخیر میں اس کے چہرے پر بھی اثرات پڑنے لگتے ہیں۔ محبت کرتے کرتے، ساتھ رہتے رہتے بعض دفعہ لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں کہ وہی آرہا ہے۔ جب دو طرفہ محبت ہوتی ہے تو یہ چیز پیدا ہوجاتی ہے۔"

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندوی رحمہ اللہ

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندوی

کچھ یادیں - کچھ باتیں

مولانا محمد ناظم صاحب ندوی (رئیس المعہد الاسلامی مانک مئو سہارنپور)

ہمارے برادر عزیز مولوی محمد شفیع ندوی چنڈی گڑھی سلمہ نے ۳۰ر جنوری کی صبح ساڑھے دس بجے کے قریب فون کیا، ان کی بھرائی ہوئی آواز ہی سے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ کیا کہنے والے ہیں، اس سے قبل انہوں نے رات میں بھی فون کیا تھا، جس میں انہوں نے بتلایا تھا کہ حضرت مولانا سید عبد اللہ الحسنی ندوی کی طبیعت ناساز ہے، نقاہت بہت زیادہ ہے، گفتگو و ملاقات بھی نہیں ہورہی ہے، دور سے صرف زیارت ہورہی ہے، آپ سحر نرسنگ ہوم میں ہیں، مغرب کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی بھی تشریف لائے تھے، آپ کے چہرے پر بھی ہموم وغموم کے آثار ہویدا تھے۔ ان سب قرائن سے اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ قد آور شخصیت بھی موت وحیات کی کشمکش سے دوچار ہوکر ابدی راحت وسکون میں چلی گئی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا کئی ماہ سے بیمار چل رہے تھے، مختلف عوارض اور موذی امراض کا شکار تھے، عید الاضحیٰ کے بعد سے دار العلوم جانا اور پڑھنا اور پڑھانا بھی دشوار تھا، ابھی ہفتہ عشرہ پہلے آپ مع احباب کاندھلہ تشریف لائے تھے، لکھنؤ سے ہاپوڑ تھوڑی دیر کے لیے حضرت مولانا مفتی جمیل الرحمٰن قاسمی ناظم جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ کے یہاں قیام کیا، آپ سے اور آپ کے صاحبزادے مولانا خلیق الرحمٰن ندوی سے بہت مناسبت اور غایت درجہ تعلق رکھتے تھے، ان کے گھر پر ناشتہ کیا، کھانا پینا برائے نام رہ گیا تھا، معمولی سا کھایا، وہ بھی ہضم نہ ہوسکا، وہاں سے حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کے دولت کدہ پر قیام فرمایا۔ وہاں ملاقات کے لیے حاضری ہوئی تھی، آپ کی طبیعت بہت پریشان تھی، بہت نحیف ونزار ولاغر ہوگئے تھے، ملنا جلنا ترک کردیا تھا، مختصر سے وقفہ کے لیے گفتگو وملاقات ہوئی، اور چند ہی دنوں کے بعد اس بیماری سے نبرد آزما نہ ہوسکے، اور قادر مطلق نے اپنی حکمت ومصلحت کے تحت اپنے پاس بلالیا، "إن للہ ما أخذ ولہ ما أعطی، ولکل شیء عندہ اجل مسمی"۔

حضرت مولانا بڑی خاموشی، دانائی، بصیرت، حکمت عملی، اور مجاہدانہ عزم کے ساتھ انسانیت کی خدمت میں مصروف تھے، ان کی ہردلعزیزی ومقبولیت ہردروبام پر دستک دے رہی تھی، وہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاذ حدیث وتفسیر، حضرت مولانا علی میاں ندوی قدس سرہٗ کی تحریک پیام انسانیت کے جنرل سکریٹری، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے روح رواں، پندرہ روزہ جریدہ "الرائد" کے مدیر تحریر، تعمیر حیات کی مجلس ادارت کے رکن، ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے بہت سے مکاتب و مدارس، تحریکوں وتنظیموں، اسکولوں و کالجوں کے سرپرست، برادران وطن کو اسلامی تعلیمات پیش کرکے ان میں ایمان ویقین کی شمع فروزاں کرنے والے بے لوث ومخلص داعی، دردمند، رجال ساز ومردم گر، اور افراد واشخاص کی انوکھی تربیت کرنے والے معلم، زبان وقلم کے رمز آشنا، تفسیر وحدیث پر گلباری کرنے اور دین کی حکمتوں کو اشارات میں سمجھانے کا ہنر جاننے والے نکتہ سنج وقلندر صفت، عزم وحوصلہ کے پیکر، علم وعمل کے کوہ استقامت، ہندو بیرون ہند کے بہت سے مقامات پر آپ کی متنوع خدمات کے شجر سایہ دار سے نہ معلوم کتنے تھکے ہاروں کو تسکین ملی، اور آپ کی زبان وقلم کی بوقلمونیوں اور نفس گرم کی آمیزش نے کوہ شوالک کے دامن سے لے کر کنیا کماری تک، کشمیر کی برفیلی وادیوں سے لے کر مالابار کی سرزمین تک، لکھنؤ کی ادبی فضا سے لے کر بحر

ہند کے ساحلوں تک، راجستھان کے ریگزاروں سے لے کر گلابی شہروں تک، پنجاب کے بنکدوں سے لے کر ہمالیہ کی آغوش تک نہ معلوم کتنے قلوب کو جھنجھوڑا، تڑپایا اور ان کی سرد انگیٹھی کو گرم کیا ہے، ان خطوں کا ہر ذرہ خدا کے یہاں گواہی دے گا کہ اس مخلص بندہ و دانائے راز نے کتنے عرفان ومحبت کے دیئے روشن کیے، کتنے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا، کتنے دلوں میں عقیدۂ توحید کی تخم ریزی کی، بیمار امت کی مسیحائی وچارہ گری کی، اور کتنے افراد تیار کر کے انہیں کام کا میدان مہیا کیا، اور اپنی بے یکراں جدوجہد وشفقتوں سے ان کے قلوب کو مجلی کر کے ان میں تازگی وتوانائی پیدا کی، اور انہیں محو چمن آرائی ومصروف گل چینی کیا۔

مولانا مرحوم نے ابتدائی تعلیم اپنے خاندان میں اور پھر ندوۃ العلماء میں حاصل کی، اور فراغت کے بعد ہی دار العلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے، مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی تربیت ونگرانی میں آپ کی شخصیت نکھرتی گئی، حضرت مولانا کو بھی آپ پر اعتماد تھا، پڑھنے کے زمانہ ہی میں مولانا کی ایک کتاب کا ترجمہ آپ نے کیا اور حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کیا، اس وقت حضرت مولانا نے غالباً پچاس روپئے بطور ہدیہ وحوصلہ افزائی کے عطا فرمائے تھے، پھر حضرت مولانا کی نگاہ التفات وبصیرت نے آپ کی علمی تشنگی بجھائی، روحانی آبیاری کی، اور سلوک ومعرفت کے رموز سکھا کر اجازت وخلافت سے بھی نوازا، گرچہ مولانا عبد اللہ حسنیؒ اپنی فطری تواضع وانکساری کی وجہ سے اسے چھپاتے تھے۔

آپ کے بڑے بھی آپ پر اعتماد فرماتے، اور چھوٹوں کی محبت وعقیدت میں برابر اضافہ ہوتا رہتا تھا، المعہد الاسلامی مانک مئو میں پہلے اجلاس کے موقعہ پر ۹۳ء مولانا شمس الحق صاحب ندوی ایڈیٹر تعمیر حیات کو پروگرام میں شرکت کی دعوت دی، ان تاریخوں میں آپ کا بمبئی کا سفر تھا، آپ نے فرمایا کہ مولانا عبد اللہ حسنی کو لے جاؤ، وہ گرچہ عمر میں ہم سے چھوٹے ہیں، لیکن علم وعمل اور فضل وکمال میں ہم سے بڑے ہیں، ان کی باتیں دلوں کے تاروں کو چھوتی ہیں، اس کے بعد تقریباً ہر سال ہی حضرت مولانا کی تشریف آوری ادارہ میں ہوتی رہی، اور ان کی نگرانی، مخلصانہ مشوروں سے بفضلہ تعالی المعہد الاسلامی آگے بڑھتا گیا، مولانا نے بڑی فراخ دلی، وسعت ومحبت کا مظاہرہ کیا، اور اس ادارہ پر خاص توجہ مبذول فرمائی، بلکہ اس دوآبہ کے علاقہ کو اپنی فکر ومحبت کا حسین گلدستہ عطا کیا، سید احمد شہیدؒ کے عقیدہ وسلوک سے اس کو دوآتشہ بنایا، اپنے فکری اعتدال، ذہن رسا اور حکمت عملی سے کام کرنے والی تنظیموں و تحریکوں میں ربط واتصال اور توازن وہم آہنگی پیدا کی، اور تعمیری نقطۂ نظر کے پلیٹ فارم پر سب کو کھڑا کرنے کی کامیاب کوشش کی، یہاں بھی آپ کی بڑی محبوبیت ومقبولیت تھی، یہاں کے حضرات علماء ومفکرین، ودانشوران اور ملت کے نوجوان بھی آپ سے بے پناہ محبت کرنے لگے تھے۔

اس وقت آپ کے مجاہدات کا دور ختم اور فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا جارہا تھا، ہدایت اور راہ عمل کے بہت سے دروازے وا ہوتے جارہے تھے، کام عروج وشباب پر تھا، اچھے برگ وبار اور نتیجہ خیز نتائج کی توقعات کی جارہی تھیں، اور آپ کے تربیت کردہ افراد کا ایک جم غفیر آپ کے ایک اشارۂ ابرو پر کام کو وسعت دینے، دائرۂ کار کو بڑھانے میں خود کو نچھاور کرنے کے لیے تیار تھا، لیکن اللہ تعالی حکیم وقادر ہیں، ان کا کوئی فعل مصلحت سے خالی نہیں ہوتا، اللہ تعالی نے انہیں اپنے پاس بلالیا، ہم سب مشیت ایزدی پر راضی ہیں، اب وہ جس کام پر خلوص سے لگا گئے ہیں، اسے انجام دینے کی حتی المقدور کوشش کریں گے۔

آپ کی عمر بہت زیادہ نہیں ہوئی، عمر کی ستاون اٹھاون بہاریں دیکھ کر آپ رخصت ہوگئے، آپ کے والد محترم کی عمر مبارک اس سے بھی کم ہوئی، وہ چوالیس بہاریں دیکھ کر واصل الی اللہ ہوگئے تھے، لیکن ان کا غلغلہ بہت دور تک جا پہنچا تھا، ان کے قلم کی درخشانی وجلوہ ریزیاں، سعودیہ، خلیجی ممالک، عالم اسلام ومشرق وسطی کے در وبام تک پہنچ گئی تھی، اور ان کے قلم سے پاکستان ومصر کے ادباء ومصنفین بھی لذت حاصل کرتے تھے، اور وہ بہت سی تحریکیں جو صحیح منہاج واصول پر قائم نہیں تھیں ان کے قلم کی نوک نے ان میں چھید کر کے ان کی ہوا نکال دی تھی، آپ کی زندہ وشاداب تحریریں آج بھی زندہ وزندگی بخش ہیں، ان تحریروں میں دل کا سوز وکرب

اور قلب کا خلش واضطراب پڑھنے والوں کو بے چین اور آمادۂ عمل کرتا ہے، اوران کے فکر ونظر کے زاویے آج بھی عالم اسلام میں اتحادِ عمل کی دعوت دیتے ہیں۔

حق تعالی شانہ نے مولانا عبد اللہ صاحب کو بھی بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا، ان میں خاندانی عظمت وشرافت کے ساتھ والدین کے حسن کردار کی جھلکیاں نمایاں دکھائی دیتی ہیں، حیا، قناعت پسندی، خوداعتمادی، جرأت وحوصلہ، توکل واستغنا، خلوص و للّٰہیت، یہ آپ کو ورثہ میں ملی تھی۔ آپ والد محترم کے تقوی، دیانت اور امانت کا تذکرہ کرتے جس سے صحابہ کرام کے واقعات نگاہوں کے سامنے گھوم جاتے، والدۂ محترمہ کی پارسائی کے تذکرہ سے صحابیات کی زندگی کی یادیں تازہ ہوتیں، تذکرہ کرتے ہوئے آپ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے کبھی والدہ کو برہنہ سر نہیں دیکھا، ہمیشہ سر پر دوپٹہ رکھتی تھیں۔ خود مولانا مرحوم کی زندگی بھی امانت ودیانت، تقوی وطہارت، خدمت انسانیت اور تعلق مع اللہ سے عبارت تھی، ان میں بے باکی وخوداعتمادی کا جوہر نمایاں تھا، لیکن اسے حکمت کی چھلنی میں چھان کر پیش کرتے۔ نجی مجلس ہو یا پبلک لائف آپ توازن واعتماد کے ساتھ اپنی بات پیش کرتے، قرآن سے دانستہ سرمو بھی انحراف نہ کرتے، وہ معمولی جلسوں میں بھی سنجیدہ گفتگو کرتے اور بڑی بڑی کانفرنسوں میں بھی پیشہ ور مقرر کی طرح چیخ وپکار نہ کرتے، بلکہ معاشرہ میں ابھرتی وپنپتی برائیوں اور غلط تصویروں پر اتنے خوبصورت انداز میں قدغن لگاتے اور ایسا آپریشن کرتے کہ قلب وجگر مسوس ہوکر رہ جاتے، عقائد پر آپ کھل کر بولتے، اور دل نکال کر رکھ دیتے، آپ کا دلکش لہجہ اور بیان کی لذت وچاشنی سے سامعین محو ہوکر رہ جاتے، کبھی کبھی آپ کی شگفتہ وسنجیدہ گفتگو میں گھن گرج اور پاٹ دار لہجہ بھی شامل ہوجاتا، اور غلط افکار ونظریات کی سرجری کرتے وقت آپ کا جوار بھاٹا قابل دیدنی ہوتا۔ خطابت کی ساحری وپاکیزگی میں زندگی کی حقیقتوں کی عکاسی کرتے، وقت اور سماج کو آئینہ دکھاتے، خطابت کی رعنائی وبانکپن کے ساتھ حق تعالی شانہ نے مولانا مرحوم کو وہ ادراک وشعور اور وہ فراست ایمانی عطا کی تھی جس سے آپ محسوس کرلیتے کہ اس وقت اس مجلس کو کس عنوان کی ضرورت ہے، انہیں نبض شناسی پر بڑی مہارت ہے، سماج کے تقاضے اور وقت کی ضرورت کے مطابق تقریر فرماتے، گجرات ومہاراشٹر و یوپی اور خاص طور پر اپنے علاقہ میں بارہا آپ کے ساتھ رہنا ہوا اور بسا اوقات ایک ایک دن میں دسیوں جگہ آپ کو خطاب کی نوبت آئی، آپ نے ہر جگہ حالات وماحول کے تقاضے کے مطابق ماہر نفسیات کی طرح قرآن وسنت سے ان کا علاج کرنے کی کوشش کی، اور کبھی کبھی آپ کے خطاب میں مسائل کی سنگینی کے پیش نظر طوفانوں کی روانی، سمندروں کا تلاطم اور یم بہ یم موجوں کا سیلاب ٹھاٹھیں مارنے لگتا، اور بڑے کرب والتہاب کے ساتھ مسائل کے حل کی طرف اشارات فرماتے، آپ نے اپنے زور خطابت وسوز قلب سے بہت سی زندگیوں میں انقلاب پیدا کیا ہے۔

آپ کی دعوتی جدوجہد اور محبوبیت ومقبولیت نمایاں وصف ہیں، میدان دعوت جو ہر انسان کی ذمہ داری ہے، اور مذہب اسلام نے تمام انسانوں کو اس کا مکلّف بنایا ہے، لیکن کچھ حضرات اسے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیتے ہیں، اور اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی بھرپور سعی بلیغ کرتے ہیں، مولانا عبداللہ حسنی نے بھی اس دعوت کو اپنا نصب العین ومقصد زندگی بنالیا تھا، وہ ہر دم اس کے لیے کوشش کرتے، ان کا یہ مطمح نظر ان کی ہر تقریر میں ابل پڑتا، اور پورے جوش وجذبہ کے ساتھ دلوں میں اتارنے کی کوشش کرتے۔ المعہد الاسلامی کے حفظ کلام اللہ کی تقریب میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''مسلمان نرم ہوگئے ہیں، یا دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجیے، تھالی کا بیگن ہوگئے، ان سے کہیے کہ دعوت کی محنت کرکے فولاد بن جائیں، اور ہمارے غیر مسلموں کے دل پتھر ہیں، فولاد ہیں، ان پر محنت کیجیے کہ وہ نرم ہوجائیں۔ مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے برما میں یہی بات کہی تھی، ان دو کام کے علاوہ اس وقت کوئی کام نہیں، اندلس میں سب کچھ تھا، ان دو چیزوں سے وہاں کے لوگوں نے کنارہ کشی اختیار کی، اللہ تعالی نے کان پکڑ کر نکال دیا۔ میں آپ سے کہتا ہوں، آپ بھی ہوشیار رہیں، اگر آپ نے یہ کام نہیں کیے تو اللہ تعالی آپ کے بھی کان پکڑ کر یہاں سے نکال دے گا، آپ

کی دوکانوں پر تالے لگ جائیں گے، آپ کے کارخانے سیل کردیے جائیں گے، مزدور مزدوری پر دعوت کو مقدم کریں، تاجر تجارت پر، کاشتکار اپنی زراعت پر، ہر پیشہ والا اپنے پیشہ پر دعوت کو مقدم نہیں کرے گا، تو خطرہ سر پر بادلوں کی طرح منڈلاتا رہے گا''۔

مولانا نے بڑی سادگی، سچائی اور دل کے پاکیزہ جذبات کے ساتھ عوام وخواص سب کے دلوں پر دستک دی، اور بڑی دلسوزی کے ساتھ معاشرہ کی تلخ سچائیوں کو اجاگر کیا۔ اور آپ نے تجدد پسند طبقہ اور اہل ثروت پر زبردست ریمارک کرتے ہوئے فرمایا:

''اور ہماری عصری درسگاہوں کے یہ اہل ثروت تو بیچارے قابل رحم ہیں، ان کے پاس نہ تو عقیدہ وعمل ہے، نہ اخلاق وکردار، چند ٹکے ہیں، چند سکے ہیں، ان کو اچھال دیتے ہیں، اس وقت کے پیسے والے جب مصیبتیں آتی ہیں ڈبیہ ہلاتے ہیں، اس وقت ان پیسوں کو اچھالنے اور ڈبیہ ہلانے سے کچھ کام ہونے والا نہیں۔ میرے بھائیو! تمہیں میدان میں آنا پڑے گا، ورنہ تمہارے پیسوں سے تمہارے ان عہدوں اور منصبوں سے ایک رتی امت کا فائدہ ہونے والا نہیں، امت کا اگر فائدہ ہوگا تو دعوت کے کام سے ہوگا، قرآن سے تعلق قائم کرکے ہوگا، غیروں کے دلوں میں اسلام کی تخم ریزی کرکے ہوگا۔''

آپ نے بڑی جرأت وبے باکی کے ساتھ ہندوستان کے ہر خطہ میں اس پیغام کو پہنچایا، اور آپ کی تقریروں میں کہیں کوئی لہجہ معذرت خواہانہ نہیں ہے، کہیں احساس کمتری اور مرعوبیت نہیں، بلکہ بڑے استقلال اور فولادی صلابت کے ساتھ اپنی بات پیش کی ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ بہت سے مہاراج بھی حلقہ بگوش اسلام ہوگئے، اور شنکراچاریہ بھی آپ کے اس پیغام میں شانہ بہ شانہ نظر آنے لگے، بہت سے قلوب میں ایمان کی باد بہاری چلنے لگی، جس سے لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت واحترام کے جذبے مرتسم ہوگئے۔ یہ دعوت کا جذبہ آپ کو اپنے دادا ڈاکٹر عبدالعلی حسنیؒ سے وراثت میں ملا تھا، جنہوں نے اپنے چھوٹے بھائی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو بھی، جب کہ ان کی عمر بیس بائیس سال کی تھی، ڈاکٹر امبیڈکر جیسے شخص کو دعوت اسلامی پیش کرنے کے لیے بمبئی بھیجا تھا، حضرت مولانا نے کاروان زندگی میں بہت دلچسپ انداز میں اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔

پھر اللہ کی توفیق سے آپ نے جو متنوع کام کیے ہیں، ان سے ان کی محبوبیت ومقبولیت میں زبردست اضافہ ہوا، دارالعلوم ندوۃ العلماء جہاں عبقری ونابغۂ روزگار شخصیات اور مختلف میدانوں کے رجال کار کا ایک جم غفیر ہے، وہاں کے ہونہار طلبہ وباکمال اساتذہ میں آپ کی محبوبیت ومقبولیت یہ خود ایک کرامت اور آپ کے عبقری (Genius) ہونے کی علامت ہے، بلکہ وہاں آپ نے ایسے افراد کی ایک کھیپ تیار کردی ہے جو انشاء اللہ آپ کے کے مشن کو برابر آگے بڑھاتی رہے گی، اور اس سے قبر میں بھی آپ کی روح کو سکون ملتا رہے گا۔

حق تعالیٰ شانہ آپ کو کروٹ کروٹ چین وسکون نصیب فرمائے، اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

پیام انسانیت کیا ہے!

''پیام انسانیت اصلاً یہی ہے کہ جو احسان والے کام ہیں، جن سے احسان ہوتا ہے وہ کام کرنے والے بن جائیں، زبان سے بھی لوگوں کو دعوت دیں کہ انسان بنو، حیوان نہ بنو، یورپ نے تم کو حیوانیت سکھائی ہے، اسلام تم کو انسانیت سکھاتا ہے اور انسانیت ہمیشہ کی طرح اسلام کے پاس ہے، کسی کے پاس کچھ نہیں ہے، سب کی جھولی خالی ہے، باتیں بنالینا الگ چیز ہے لیکن اگر ان سے کہا جائے کہ دکھایئے تو نہیں دکھا پائیں گے، ہے ہی نہیں تو کہاں سے دکھائیں گے، سب کے سب دیوالیہ ہیں، کچھ بھی نہیں ہے، لوگ چمک دمک سے مرعوب ہو جاتے ہیں، ان کی چمک دمک سے ہمارے لوگ بھی فریب میں آجاتے ہیں۔''

حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ

دعوت وفکر کا سورج غروب ہوا

مولانا عبدالوہاب کریمی
(مدرسہ احیاء العلوم دبنی والا، سہارن پور)

رات میں کچھ فکر مند احباب جمع تھے، بزرگوں اور امت کے تئیں فکر مند علماء کرام کا ذکر خیر ہو رہا تھا، اسی درمیان حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندوی مرحوم کا ذکر خیر ہوا، اور طے پایا کہ انشاءاللہ جلد ہی پیام انسانیت کا پروگرام حضرت مولانا مرحوم سے تاریخ لے کر کرائیں گے، ماحول میں تبدیلی آئے گی، حضرت مولانا مرحوم کا بیان چشم کشا بصیرت افروز اور نافع ہوتا ہے، اور عوام وخواص برابر مستفیض ہوتے ہیں۔

مگر صبح ہی ایک عزیز نے روتے ہوئے رندھی آواز میں حضرت مولانا کے وصال کی خبر دی، دل لرز اٹھا، آنکھیں بہہ پڑیں، پاس بیٹھے حضرات بھی آب دیدہ ہو گئے، تمام منصوبے مٹی میں مل گئے، حضرت مولانا کی مبارک صحبت یاد آنے لگی، ان کے بیانات ذہن ودماغ میں گردش کرنے لگے، آہ! حضرت مولانا مدرسہ احیاء العلوم میں اس وقت تشریف لاتے تھے جب یہاں کوئی راحت کا انتظام نہ تھا، وہ یہاں رہتے، معمولی سی چارپائی پر آرام فرماتے، سادہ کھانا تناول فرماتے، حوصلہ افزائی فرماتے، دعائیں دیتے، مفید مشوروں سے نوازتے۔ شروع میں کئی کئی راتیں رہتے، پھر حضرت مولانا کا فیض قریہ قریہ، بستی بستی بادل بن کر برسا، ہر خطہ کو انہوں نے سیراب کیا، تب سے ہی برابر یہاں تشریف لاتے تھے، ان کے ساتھ علماء خصوصاً نوجوان علماء بھی ہوتے، نظماء بھی ہوتے، لکھنے والے بھی بولنے والے بھی، نئے نئے مسلمان بھی ہوتے، اور ہمیں ان کی ضیافت میں بڑا لطف آتا، یہاں عید ہو جاتی، یہاں بچوں کا قرآن پاک پورا ہوتا تو حضرت مولانا مرحوم اس تقریب میں بڑی محبت سے تشریف لاتے، ان کے نام پر ایک ہجوم جمع ہو جاتا، پھر ان کا بیان ہوتا جس میں مولانا رسوم ورواج کا پردہ چاک فرماتے، عقائد وایمانیات پر گفتگو کرتے، آنکھیں کھل جاتیں، دل روشن ہو جاتے، اور پھر تو اس حسنی چشم وچراغ کو مختلف حضرات اپنے ہاتھوں لے لیتے، سوالات بھی ہوتے، اعتراضات کے بھی حضرت مولاناؒ تشفی بخش جواب مرحمت فرماتے، زخموں پر مرہم رکھتے، کام کا بھاؤ دیتے، زندگیاں بدل جاتیں، وہ منبر پر مصلح ہوتے، سفر وحضر میں آپ اصلاحی دینی فکری لحاظ سے انتھک جدوجہد فرماتے، اسی کا رنگ آپ کی نجی مجالس پر بھی غالب رہتا، ہمارے آبائی وطن بوڑیہ تشریف لے جاتے، ہم بھی ساتھ چلتے، وہاں میرے بھائی پیر جی حافظ حسین احمد صاحب زید فضلہ ان کے میزبان ہوتے، ہم بھی میزبانی کرتے، پنجاب کے ارتداد پر اباجی (حضرت الحاج ملاجی محمد عبدالکریم صاحبؒ) کے تجدیدی کارناموں جو ہریانہ وپنجاب میں ہوئے اور عسر وتنگی میں محنتیں فرمائیں ان کا ذکر ہوتا، حضرت مولانا آبدیدہ ہو جاتے، ہماری ہمت افزائی فرماتے، پیام انسانیت کے پروگرام ہوتے، جس میں حضرت مولاناؒ کا بیان دلوں کو ہلا کر رکھ دیتا، وہ دیر رات کبھی پروگراموں سے مدرسہ احیاء العلوم تشریف لاتے، آخر رات میں اٹھنا ناغہ نہ ہوتا، قرآن پاک کی تلاوت، ذکر بالجہر وخفی اور پرسوز دعاؤں سے یہاں کا ماحول نورانی ہو جاتا، وہ امت مسلمہ اور پوری انسانیت کی بھلائی کے لیے دعا فرماتے، آہ وبکا کرتے اور کاوشیں فرماتے۔

حضرت مولانا ہمیشہ اہل خانہ کی خیریت معلوم فرماتے، حضرت کے انتقال سے سب کو ایسا محسوس ہوا کہ ہمارے گھر کا ایک کامیاب انسان، ہمارے خاندان کا ایک مضبوط فرد چلا گیا، لیکن تقدیر کے فیصلہ کو کوئی بدل نہیں سکتا، اب حجرت ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ان کا بتایا ہوا راستہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس راستہ پر چلاتا رہے۔

استاذ محترم حضرت مولانا عبداللہ حسنیؒ

چند یادیں اور کچھ باتیں

مفتی راشد حسین ندوی (مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی)

دنیا سرائے فانی ہے، یہاں کسی کو بقا حاصل نہیں، باری باری سب کو جانا ہے لیکن کسی کے جانے سے صرف خاندان متاثر ہوتا ہے، کسی کے جانے سے محلّہ اور بستی سنسان ہوتی ہے، اور کسی کی جدائی پوری ملت کو خون کے آنسو رلاتی ہے، ہمارے حضرت مولانا عبداللہ صاحب نور اللہ مرقدہ بلاشبہ ان قدسی صفات افراد میں سے تھے جن کی رحلت صرف ایک خاندان یا ایک بستی اور شہر کا خسارہ نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا خسارہ ہے، اور ان کی جدائی سے ملت کا درد رکھنے والا ہر فرد اشکبار ہے۔

مولاناؒ کے حالات زندگی پر تو خاندان کا کوئی واقف کار روشنی ڈالے گا، راقم تو صرف چند واقعات کا ذکر کرنا چاہتا ہے جن کا تعلق بلاواسطہ اس کی ذات سے تھا، اور حادثہ جانکاہ کے پیش آنے کے وقت سے لے کر وہ اب تک اس طرح دماغ پر چھائے ہوئے ہیں، گویا ان کی ریل چل رہی ہو۔

راقم نے ۱۹۸۱ء میں ندوۃ العلماء میں درجہ حفظ میں داخلہ لیا، اس وقت یہاں کے اساتذہ کبار میں سے کسی سے بھی واقفیت نہیں تھی، صرف اپنے حافظ صاحب سے واقفیت تھی، لیکن عربی درجات کے اساتذہ کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا کرتا تھا، دعا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان سے استفادہ کی توفیق دے، ندوہ کے طلباء اس وقت عصر بعد گیٹ کے باہر دریائے گومتی کے باندھ پر ٹہلا کرتے تھے، عام طور سے ٹہلتے ہوئے یونیورسٹی کی سمت واقع پل تک جاتے، اور وہاں سے واپس آجاتے، کبھی کبھار آتے جاتے باندھ کے نیچے والی سڑک پر دو نوجوان اساتذہ کرام، پُرنور چہروں والے، شیروانی میں ملبوس، نہایت وقار اور سنجیدہ انداز میں بغل میں پرس لیے پل کی طرف جاتے نظر آتے، اس وقت ان حضرات کے اسمائے گرامی سے واقفیت نہیں تھی، اس کے باوجود ان دونوں حضرات سے دل میں عقیدت واحترام کے جذبات پیدا ہوتے تھے، لیکن ان کا دل پر اتنا رعب تھا کہ صرف سلام پر اکتفا کرلیا کرتے تھے، اس کی ہمت جہاں تک یاد پڑتا ہے کبھی نہیں پڑی کہ مصافحہ کرتے یا کوئی بات چیت کرتے، بعد میں آہستہ آہستہ معلوم ہوا کہ ان دونوں حضرات کا تعلق حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کے خاندان سے ہے، ان میں سے ایک حضرت مولانا سلمان حسینی ندوی (دامت برکاتہم) ہیں، اور دوسرے حضرت مولانا عبداللہ صاحب (حسنی نور اللہ مرقدہ) ہیں۔

پھر اللہ نے فضل فرمایا، اگلے سال عربی تعلیم کی ابتدا ہوئی، درجہ حفظ کے فارغین کے لیے ندوۃ العلماء میں ایک درجہ اعدادیہ کے نام سے تھا، اس میں طلباء کو درجہ ثانویہ رابعہ کے لیے تیار کردیا جاتا تھا، اللہ نے اس درجہ میں کامیابی نصیب فرمائی، اور آئندہ سال درجہ ثانویہ رابعہ میں داخلہ ملا، اس درجہ میں الف، ب دو سیکشن تھے، میرا اندراج الف میں ہوا تھا، اس میں قصص النبیین خامس استاذ محترم مولانا ابوسحبان روح القدس ندوی حفظہ اللہ کے زیر تدریس تھی، جب کہ سیکشن (ب) میں یہ کتاب حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ کے ذمہ تھی، ہمارے سیکشن (ب) کے ساتھی مزے لے لے کر حضرت مولانا عبداللہ صاحب کے فصیح وبلیغ اردو ترجمہ کرنے کا ذکر کرتے تھے، اس وقت حضرت مولاناؒ کا سلیس اردو میں کیے جانے والا ترجمہ ہم ساتھیوں کے درمیان بحث کا موضوع رہا کرتا تھا، لیکن راقم کو کئی سال تک مولانا مرحوم سے براہ راست استفادہ کا موقع نہیں مل سکا، پھر جب مراحل طے کرتے ہوئے اللہ کے فضل وکرم سے ہمارا بیچ (Batch) عالیہ ثانیہ تک پہنچا تو اس درجہ میں

مشکوۃ اول فضائل قرآن کا حصہ مولانا مرحومؒ کے زیر تدریس تھا، اس سال براہ راست استفادہ کا موقع ملا، پھر آئندہ سال عالیہ ثالثہ میں "الفوز الکبیر" بھی آپ سے پڑھی، مولانا کا طرز تدریس تحقیقی تھا، طلباء کے سوالات کو بہت اہمیت دیتے تھے، اچھے سوالات سے خوش ہوتے تھے، کئی بار ایسا بھی ہوا کہ جس دن سوال کیا گیا، آپ نے صرف اجمالی جواب پر اکتفا کی، اور دوسرے دن پوری تحقیق سے مدلل جواب دیا، بعض اوقات الفوز الکبیر کی مشکلات کے حل کے لیے حجۃ اللہ سے شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ کے افکار کی وضاحت کرتے، اور حجۃ اللہ کی عبارتیں بھی وضاحت کے ساتھ سناتے، طلباء میں یہ بات بہت شہرت رکھتی تھی کہ مولانا مطالعہ بہت کثرت سے کرتے ہیں، یہ بات اساتذہ کرام کے درمیان بھی غالباً مشہور تھی، اس لیے کہ ایک دفعہ حضرت مولانا عارف صاحب سنبھلیؒ نے کسی بات کے درمیان درجہ میں فرمایا: "ندوۃ العلماء کی لائبریری سے سب سے زیادہ دو حضرات فائدہ اٹھاتے ہیں، ایک مولانا عتیق صاحب، دوسرے مولوی عبداللہ صاحب"۔

مولانا مرحومؒ کے برادر خورد رفیق گرامی قدر مولانا بلال حسنی صاحب ہمارے رفیق درس تھے، ندوہ سے فراغت کے بعد ان کی عنایات سے راقم کو حسنی خانوادہ کے وطن تکیہ سے متصل میدانپور میں واقع مدرسہ ضیاء العلوم مس تدریسی خدمات انجام دینے کا موقع ملا، مدرسہ میں دارالافتاء قائم ہوا، اور اس کی ذمہ داری بھی احقر پر ڈالی گئی، اس تعلق کی وجہ سے حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ سے بھی قرب بڑھا، ابتدا میں مولاناؒ کے رعب کی وجہ سے کوئی بات بھی کرنا مشکل ہوتا تھا، لیکن مولانا اتنی شفقت اور محبت کا برتاؤ کرتے اور اس طرح قریب کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ آہستہ آہستہ انس بڑھتا گیا، اور ہم لوگ بلا جھجک مولانا موصوف سے بات کرنے لگے، مولانا مرحومؒ ہم سب سے بات کرنے میں ہمارے موضوعات اور دلچسپیوں کا پورا خیال رکھتے تھے، رفیق گرامی قدر مولانا عبدالسبحان صاحب کا اصل موضوع چونکہ تفسیر قرآن ہے لہٰذا ان کی موجودگی میں آپ تفسیر کے اہم نکات کی طرف اشارہ کرتے، راقم کی زیادہ مصروفیات فقہ وفتاوی سے متعلق ہیں، اس لیے راقم کی موجودگی میں فقہ کی باریکیوں کا تذکرہ کرتے، اور بعض اوقات ہمت افزائی کے لیے کسی خاص موضوع پر تحقیق کا حکم دیتے، عام طور سے اساتذہ کرام سے ملاقات کے وقت دلی خواہش کے باوجود معانقہ کرنے کی ہمت نہیں ہو پاتی ہے، لیکن مولانا مرحوم ایک طرح سے خود آگے بڑھ کے لپٹا لیتے تھے، قبل اس کے کہ ہم آپ کی مزاج پرسی کرتے، مولانا خود حال پوچھنا شروع کر دیتے، مولاناؒ کا بار بار دہرایا جانے والا جملہ اس وقت بھی جیسے کان میں رس گھول رہا ہے: "کہیے مفتی صاحب! کیا حال ہے، خیریت سے ہیں"۔

مولانا مرحومؒ کے مزاج سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ ابتدا میں مولانا مرحومؒ کا مزاج نسبۃً سخت تھا، بعد میں آپ کا مزاج بالکل بدل گیا، نہایت درجہ نرمی پیدا ہوگئی، آپ کی مجلس میں مزہ آنے لگا، گفتگو میں نہایت درجہ شیرینی محسوس ہونے لگی، آپ کی لکھنؤ میں عوامی مجالس ہوا کرتی تھیں، اس سے بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوا کرتے تھے، ان مجلسوں میں شرکت کا اتفاق نہ ہو سکا، لیکن جب آپ تکیہ تشریف لاتے، بڑی تعداد میں اساتذہ اور طلباء آپ کی مجلسوں سے استفادہ کرتے، ان مجلسوں میں شرکت سے انقباض دور ہو جاتا، انشراح کی کیفیت پیدا ہو جاتی، مایوسیوں کے بادل چھٹ جاتے اور کچھ کرنے کی امنگ پیدا ہو جاتی، نہ معلوم آپ نے کتنے نوجوانوں کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کیا، مختلف کاموں پر لگایا، اور ان کو ملت کا قیمتی سرمایہ بنا دیا، کتنے حضرات ہیں جنہوں نے آپ کی رہنمائی میں مختلف میدانوں کو اختیار کیا، اور آفتاب و ماہتاب کی طرح چمکے، کئی مصنف و مقرر بنے، کئی داعی اور مصلح بنے، اور کئی ماہر فن استاذ بنے۔

آپ کی عوامی تقریریں بھی بہت پسند کی جاتی تھیں، آپ کی تقریروں میں نہ تو شعلہ بیانی تھی نہ بہت زیادہ زور خطابت، دھیما دھیما سادہ انداز تھا، لیکن دل سے نکلنے والی بات سیدھے قلوب کی طرف راہ بنا لیتی تھی اور لوگوں کو کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتی تھی، میرے گاؤں میں صرف دو بار آپ کا وعظ ہوا، لوگ آپ سے زیادہ واقف بھی نہیں تھے، لیکن کئی سال گزرنے کے بعد بھی آج تک لوگ آپ کی باتوں کو یاد کرتے ہیں۔

تحریک پیام انسانیت کی بنیاد حضرت مولانا علی میاں

صاحبؒ نے فرقہ وارانہ فسادات سے متاثر ہوکر ڈالی تھی، حضرت مولاناؒ کی زندگی میں ملک کے مختلف مقامات پر اس کے بہت سارے جلسے ہوئے تھے، ان جلسوں میں ہندو مسلم اتحاد پر خاص زور دیا جاتا تھا، اور دونوں کے اندر چھپے ہوئے انسان کو ابھارنے کی کوشش کی جاتی تھی، اس تحریک کی ذمہ داری جب حضرت مولانا عبد اللہؒ پر ڈالی گئی تو آپ کی کوششوں سے اس میں نئی جان پیدا ہوگئی، نہ معلوم کتنے اجلاس ہوئے، ان میں کلیدی خطبہ آپ ہی کا ہوا کرتا تھا، اور ہندو مسلم سب اس سے متاثر ہوتے تھے اور ایک خاص فکر لے کر اجلاس سے واپس ہوتے تھے۔

غیر مسلموں میں اسلامی دعوت کا کام بھی علماء کا فرض ہے، خاص اسباب سے اس فرض کے بارے میں ہم سے کافی کوتاہی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس میدان مین مولانا سے بڑا کام لیا، نہ معلوم کتنے بھٹکے ہوؤں کو آپ راہ ہدایت کی طرف لانے کا ذریعہ بنے، اللہ تعالیٰ نے اس میدان میں آپ کو بڑی صلاحیتوں سے نوازا تھا، غیر مسلم آپ کی باتوں سے بہت متاثر ہوتے تھے، اس مقصد سے آپ نے ہندی، انگریزی اور کئی زبانوں میں ایک سیٹ بھی تیار کروا رکھا تھا، اس کو پڑھ کر اسلام کی بنیادی معلومات حاصل ہوجاتی ہیں، اور بہت سے اعتراضات اور اشکالات جو اکثر غیر مسلم بھائیوں میں غلط فہمی کی وجہ سے پیدا ہوجاتے ہیں، خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ آپ درجنوں مدارس کے ناظم اور سرپرست تھے، بہت ہی بردباری اور تحمل سے ان کے مسائل کا تصفیہ کرتے، اور بہت ہی ہمدردی سے ان مدارس کے ذمہ داران مدرسین اور منتظمین کی مشکلات کا حل تجویز فرماتے۔

ابھی مولاناؒ کی عمر صرف ۵۶ رسال تھی، اس عمر ہی میں اللہ نے آپ کو بڑی عوامی مقبولیت سے نواز رکھا تھا، ہم سمجھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے ان میدانوں میں ابھی بہت کام لے گا، اور حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی طرح ملک کے گوشہ گوشہ میں آپ کا کام اور پیغام پھیل جائے گا، لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا، آپ کافی عرصہ سے شوگر کے مریض تھے، کچھ مہینوں سے بعض دوسرے امراض کا بھی شکار ہوگئے، دواؤں اور دعاؤں کا سلسلہ جاری تھا کہ اسی دوران آپ نے اپنی اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ فإنا للہ و إنا إلیہ راجعون۔

انتقال سے دو دن پہلے سحر نرسنگ ہوم عیادت کے لیے حاضر ہوا، اس دن آپ کی طبیعت کچھ ٹھیک تھی، بہت سی امیدیں لے کر واپس ہوا لیکن کیا معلوم تھا کہ مولاناؒ سے یہ آخری ملاقات ہے، اس کے دو دن بعد ہی انتقال کی خبر ملی، انتقال کی خبر سے اساتذہ مدرسۂ ضیاء العلوم پر سکتہ طاری ہوگیا، کئی کو بلک بلک کر روتے ہوئے دیکھا گیا، جنازہ کی ایک نماز ندوہ کی فیلڈ میں ہوئی، لوگوں کا کہنا ہے کہ پوری فیلڈ بھر گئی تھی، دوسری نماز جنازہ تکیہ میں ایک جم غفیر میں ہوئی، اللہ تعالیٰ مولانا مرحومؒ کو جنت الفردوس میں جگہ دے، متعلقین کو صبر کی توفیق دے، اور مولاناؒ کے شروع کیے ہوئے کاموں کو جاری رہنے کی سبیل پیدا فرمائے۔ آمین!

بقیہ : فکر ونظر کے چند گوشے

چنانچہ انہوں نے میرے ساتھ ہی لکھنؤ واپسی کا پروگرام بنالیا اور سفر کے لیے ایک کرایہ کی ٹیکسی کا انتظام کیا۔ لکھنؤ پہنچنے پر پہلے وہ مجھے اپنے ساتھ گھر لے گئے جہاں رات کا کھانا مجھے ساتھ کھلایا اور اس کے بعد میرے ندوہ پہنچانے کا انتظام کیا۔ بعد میں یہ بات مجھے معلوم ہوگئی کہ انہوں نے ٹیکسی کا انتظام مجھ غریب الوطن کے لیے ہی کیا تھا اور اپنی واپسی کے پروگرام میں بھی میری خاطر ہی تبدیلی کی تھی۔

ہم ان کی جدائی کا غم محسوس کرتے ہیں لیکن وہ جس رب کریم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں وہ اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ ان کے پس ماندگان بھی اسی رب کریم کی پناہ میں ہیں جو نہایت مہربان اور بڑی قدرت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کا معین ومددگار ہو اور خصوصاً ان کے صاحب زادے مثل آفتاب دنیا میں چمکیں اور آخرت میں خاصان خدا میں شامل ہوکر سرخرو ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے چھوڑے ہوئے کاموں کی تکمیل کا غیب سے بہترین سامان پیدا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ان سے بہت راضی وخوش ہو اور انہیں ان انعامات سے نوازے جن سے وہ اپنے محبوب بندوں کو نوازتا ہے۔ آمین۔

الوداع

مولانا عبیداللہ حسنی ندویؒ

مولانا عبدالسبحان ناخدا ندوی (مدرسہ ضیاء العلوم، تکیہ کلاں، رائے بریلی)

چھپن سال کی مختصر عمر پائی، بڑے بڑے کام انجام دیے، خاموش زندگی بسر فرمائی، ایک بڑی تعداد کو گرویدہ کیا، دین اسلام کی حقانیت اجاگر کرتے رہے، سنت رسول کے دیے روشن کیے، اپنی اداؤں سے زندگی کے آداب سکھائے، اپنی باتوں سے شریعت کے اسرار کھولے، اور اپنے چاہنے والوں کو اشکبار چھوڑ کر دنیا کو الوداع کہہ گئے، کیسی پاک وصاف زندگی بسر فرمائی، چہرہ پر معصومیت کی بے ساختگی، مزید نورانیت کی دلکشی، باتیں کانوں میں رس گھولتی ہوئیں گویا پھول جھڑ رہے ہوں، اس پر خاص قسم کا رعب و داب جو اللہ والوں کی شان ہوتی ہے جس سے انسان اور قریب ہو نہ کہ دور بھاگے، زندگی کے جو مزے بھلائے نہیں بھولیں گے ان میں جمعہ کے دن بعد نماز مولانا سے مصافحہ ومعانقہ بھی تھا، گرچہ مولانا اس کے قائل نہیں تھے، لیکن کوئی آگے بڑھتا تو روکتے بھی نہ تھے، ایک معانقہ سے یوں لگتا جیسے ہفتہ بھر کی گرد صاف ہوگئی، اور طبیعت میں گویا بشاشت کی لہر دوڑ گئی، زمانہ جس قدر آگے بڑھ رہا ہے نام ونمود اور دکھاوے کی مقدار بھی اسی قدر بڑھتی جارہی ہے، جد وجہد اور کاوشیں بھی ہورہی ہیں، لیکن نتائج کا معاملہ ایک حد سے اوپر نہیں اٹھ رہا ہے، حقیقتیں مظاہر پسندی میں دب گئی ہیں، کاموں کے شور میں لگتا ہے کہ اصل زور ٹوٹ رہا ہے، مولانا عبداللہ حسنی صاحبؒ (اللہ آپ پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے) کے پاس بیٹھ کر معلوم ہوتا تھا کہ زمانہ بانجھ نہیں ہوا ہے، کچھ اللہ کے بندے ایسے ضرور ہیں جن سے اہل علم کی آبرو قائم ہے، قندیلوں پر قندیلیں فروزاں ہورہی ہیں، شمع پر شمعیں روشن کی جارہی ہیں، لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہیں، دینی جد وجہد کی بھی ایک خاص تواضع ہوتی ہے، جس میں آدمی جہد مسلسل میں لگا رہتا ہے، اور پتہ تک چلنے نہیں دیتا، بالکل "رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ" کا دلکش منظر دینی جد وجہد کے باب میں نظر آتا ہے، قلوب کی بھی اصلاح ہورہی ہے، فکری زاویے بھی درست ہورہے ہیں، عملی تربیت بھی کی جارہی ہے، معاشرہ کو صحیح رخ بھی مل رہا ہے، اور اسلامی دعوت کا عظیم الشان مشن بھی جاری ہے، حقیقت ہی حقیقت، مغز ہی مغز، اصل ہی اصل، زوائد اور ظواہر کا نام ونشان تک نہیں، کچھ ایسی البیلی، نرالی اور انوکھی زندگی بسر فرمائی مولانا عبداللہ حسنی صاحب نے، انسانیت کو دیکھیں تو اعلیٰ درجہ کی اور انسانی خصائص پر نظر کریں تو اپنا خاموش اثر چھوڑنے والے کہ دیکھنے والا خود ان کو اپنا کر پیچھے پیچھے چلنا شروع کردے، کوئی زور زبردستی نہیں، لیکن صحبت اٹھانے والا پھر بھی مجبور ہوجائے، کتابوں میں مذکور شخصیات میں یہ نظارے خوب دیکھنے کو ملتے ہیں، لیکن زندہ شخصیات جن میں ان نظاروں کو چلتے پھرتے دیکھا ہے، ان میں ایک نمایاں نام مولانا عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے، جنہوں نے تعلیم، تربیت، تزکیہ اور دعوت کے چاروں میدانوں کو نہایت نرم روی کے ساتھ فتح کرلیا، جیسے خوشگوار بادنسیم چلے اور چمن کے ذرہ ذرہ پر بہار آجائے۔

مولانا کو اللہ رب العزت نے گوناگوں خوبیوں سے نوازا تھا، ہمیشہ حق سوچتے تھے، اور حق بولتے تھے، لیکن دل آزاری سے محفوظ تھے، صاف گو تھے، لیکن صاف گوئی کے نام پر نہ کسی کی غیبت فرمائی، اور نہ کسی پر طنز فرمایا، شخصیات کو نشانہ بنا کر گفتگو کرنے یا سننے کا مزاج نہ تھا، ہاں غلط افکار کو موضوع گفتگو بنا کر فکری وعملی علاج پر زور دیا کرتے تھے، بسا اوقات دینی خدمت کے نام پر کچھ منفی پہلو بھی در آتے ہیں، مولانا کو اللہ رب العزت نے یہ کمال عطا فرمایا تھا کہ ہمیشہ مثبت سوچ کے ساتھ مثبت طریقہ پر کام فرمایا، ہر معاملہ کے منفی

پہلوؤں سے دور رہ کر ہمیشہ مفید طریقہ کو سامنے رکھا، یہ درحقیقت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب تھا جو آپ کو فطری طور پر ودیعت کیا گیا تھا، بسا اوقات اظہار حق کے پردہ میں دل آزاری چھپی رہتی ہے، اسی طرح کبھی مصلحت کے نام پر مداہنت اور خاص قسم کی بزدلی دل میں گھر کیے رہتی ہے، کبھی بے جا رعایت زبانوں پر قفل چڑھا دیتی ہے، اسی طرح جوش وجذبہ حد سے بڑھ کر زیادتی کی طرف لے جاتا ہے، بہت سارے اچھے کام جو اچھی نیت سے کیے جاتے ہیں کچھ سلبی ومنفی پہلوؤں کے در آنے سے غیر مفید بلکہ بعض اوقات مضر بن جاتے ہیں، ناہمواریوں سے دور رہنے کے لیے جس متوازن فکر، معتدل طرز عمل، سچی خیر خواہی اور صحیح غیرت کی ضرورت ہوتی ہے، اللہ نے اپنے اس بندے کو ان کمالات سے مالا مال کر رکھا تھا جن کا نام بھی عبداللہ تھا اور جن کی حیات بھی عبدیت کا ایک نمونہ تھی۔

شخصی خصوصیات کا ذکر کیا جائے تو آپ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ لوگوں سے قریب رہتے تھے اور قریب کرتے تھے، اس کے ساتھ استغناء بھی اعلی درجہ کا تھا، استغناء و بے نیازی نے کبھی تعلّی اور بڑائی کی شکل نہیں اپنائی، نہ لوگوں سے میل جول ان کی احسان مندی کی طرف لے گیا، لوگوں سے خوب گھلے ملے لیکن محسن بن کر، لوگوں سے ہمیشہ مستغنی رہے لیکن لاتعلق کبھی نہ رہے، حالات پر غور کرتے تھے، بلکہ عمومی حالات دریافت فرماتے، پھر اس کا علاج بھی بتاتے، مسلمانوں پر ٹوٹ پڑنے والے مصائب کے اسباب وہ بیان فرماتے جن کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا ہے، بلکہ اصلاح احوال سے متعلق آپ کا نقطہ نظر ہی یہ تھا کہ ان عام کمزوریوں کو دور کیا جائے جن کو کمزوری سمجھا ہی نہیں جاتا، کسی برآمد ہونے والے غلط نتیجہ کی درستگی پر زور دینے کے مقابلہ میں ہمیشہ آپ کا اس پر اصرار رہا کہ ان اسباب کو درست کیا جائے جو غلط نتائج پیدا کرتے ہیں۔ ایک دفعہ فرمایا: ہم مسلمان اللہ تعالی کی رحمت سے اس لیے دور ہو گئے ہیں کہ ہم میں صفت احسان باقی نہ رہی ﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (الاعراف:٥٦).

اصلاح احوال سے متعلق آپ کی خوبی یہ تھی کہ کسی طبقہ میں پائی جانے والی خامی کو اسی طبقہ کے سامنے عیاں کرتے تاکہ اصلاح کا جذبہ ابھر آئے، اہل مدارس کی خامیوں اور کمزوریوں کو مدارس والوں ہی کے سامنے بیان فرماتے، ہم نے کبھی غیر متعلق لوگوں کے سامنے اہل مدارس کی خامیوں کا تذکرہ کرتے آپ کو نہیں دیکھا، دوسروں کے سامنے ہمیشہ مدارس کی خوبیاں اور ان کی اہمیت وقدر وقیمت کو بڑے جوش وجذبہ سے بیان فرماتے تاکہ لوگ اہل علم سے متعلق ناقدری کا شکار نہ ہوں۔

معاشرے کی فضول بلکہ بے ہودہ رسموں کے خلاف کھل کر بولتے، اور بات واضح فرماتے، ان کو بیان کرنے میں اشارے وکنایہ سے کام نہ لیتے تاکہ سننے والا پوری طرح سمجھ جائے اور لغویات سے دور رہے۔

اسی طرح بدعات وخرافات سے طبعی نفرت تھی، غلط کام کو غلط ٹھہراتے، لیکن افراد کی طرف منسوب کر کے نہیں بلکہ سیدھے سیدھے غلطیاں واضح کرتے، غلطی کون کر رہا ہے اس پر نظر رکھنے کے بجائے اس بات پر توجہ مرکوز فرماتے کہ غلطی کیا ہو رہی ہے، اور کہاں ہو رہی ہے، پھر مزید یہ بھی کہ غلطیاں کیوں ہو رہی ہیں۔

اللہ کی کتاب سے والہانہ تعلق تھا، جاہل پیشہ ور قسم کے لوگ اللہ کی کتاب میں جو الٹی سیدھی تاویلات کرتے ان سے سخت نفرت کرتے تھے، بلکہ اس معاملہ میں ہم نے آپ کو ہمیشہ غیرت مند اور متفکر ہی دیکھا، ایک دفعہ میں نے کسی بدعتی کی الٹی سیدھی تشریح پر کہتے ہوئے پیش کی کہ یہ لوگ قرآن کریم پر سرے سے غور ہی نہیں کرتے، آپ نے تفصیلات سنیں تو فرمایا کہ ایسی تشریح کو ہم آیات کی غلط تاویل ہی نہیں کہتے بلکہ اسے تو ہم کھلم کھلا قرآن کریم میں تحریف قرار دیتے ہیں ایسے لوگوں میں اسلام کہاں باقی رہا۔

قرآن کریم سے شغف رکھنے والے پڑھے لکھے طبقہ پر بھی آپ کی نظر تھی، مجھ سے خود آپ نے یہ بات فرمائی تھی کہ ایسے لوگوں کے لیے قرآن فہمی کا ایسا سادہ اور مؤثر کورس رکھنا چاہیے جس سے وہ کلام الٰہی کو بہت حد تک خود ہی سمجھ سکیں، اس بارے میں ایک سے زائد بار مجھے تاکید فرمائی ہے۔

حدیث پاک تو آپ کا خاص موضوع تھا، آپ دارالعلوم ندوۃ

العلماء میں استاذ حدیث تھے، اللہ تعالی نے نکتہ رس ذہن عطا فرمایا تھا، آپ کے شاگردوں کو اس ناحیہ سے بڑا فیض حاصل ہوا۔

فقہ اسلامی کے ان مسائل سے گہرا علم رکھتے تھے جن سے شب وروز لوگوں کا سابقہ پڑتا ہے، اس سلسلہ میں مزید تحقیق کرنے کی ترغیب دیتے تھے، تاکہ پوری وضاحت کے ساتھ لوگوں کے سامنے بات آجائے، خود مدرسہ ضیاء العلوم کے مفتی جناب راشد حسین صاحب سے بھی اس سلسلہ میں بسا اوقات گفتگو فرماتے، مخاطب چھوٹا ہو یا بڑا اس کی پرواہ نہ کرتے، ہر ایک کی بات غور سے سنتے اور قدر دانی کا معاملہ فرماتے۔

حکمت دین کے دروازے اللہ رب العزت نے آپ پر کھول دیے تھے، بسا اوقات عام سوال کا جواب بھی بڑا حکیمانہ ہوتا جس سے سائل کی تربیت بھی ہوتی، ایک دفعہ کسی نے پوچھا: مولانا علم وہبی اور علم کسبی میں کیا فرق ہے، اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کوئی کسبی نہیں سب وہبی ہیں، یعنی جو علم انسان اپنی محنت سے حاصل کرتا ہے وہ بھی حقیقت میں اللہ کا فضل ہے، لہٰذا انسان کسی بھی کمال کو اپنا ذاتی کمال قرار نہ دے، سب اللہ کے فضل سے ہوتا ہے، اس لحاظ سے کسبی علم بھی حقیقت میں اللہ کے فضل وانعام ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

دعوت دین کے تعلق سے ایک مرتبہ فرمایا: جو لوگ اندھی بہری مخالفت کرتے ہیں، ان کو سمجھانا آسان ہے، ایسے لوگوں کو توفیق ملتی ہے، کوئی ایک بات دل کو لگ جاتی ہے تو زندگی ہی بدل جاتی ہے، پھر یہی لوگ دین کی حمایت میں سب سے آگے رہتے ہیں، اس کے برعکس جو لوگ سوچ سمجھ کر مخالفت کرتے ہیں عام طور پر ایسے لوگوں کے لیے ہدایت کے دروازے نہیں کھلتے، کسی نے کہا مولانا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس کی مثالیں ملتی ہیں، ابوجہل کی مخالفت سوچی سمجھی تھی، جب کہ حضرت عمرؓ کی مخالفت اندھی بہری تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابوجہل یا حضرت عمرؓ دونوں میں سے کم از کم کسی ایک کی ہدایت کی دعا مانگی تو ہدایت کے دروازے حضرت عمرؓ پر کھلے، ابوجہل پر نہ کھل سکے، اس لیے کہ اس نے پہلے دن سے ہی طے کر لیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو کسی صورت قبول نہیں کرنا ہے، اس کی مخالفت سوچی سمجھی تھی، حضرت عمرؓ کی طرف سے مخالفت وقتی جوش کا نتیجہ تھی، اس لیے جیسے ہی حقیقت نظر آئی تو فوراً اسلام میں داخل ہو گئے، مولانا نے یہ مثال پسند فرمائی۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا بنیادی مقصد یہی ہوتا تھا کہ لوگوں کو ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلایا جائے، عام حالات میں دعوت کے ذریعہ لوگوں تک اللہ کا صحیح پیغام پہنچایا جائے، اور اللہ کی طرف سے اگر ظاہری اسباب بھی مہیا ہوں تو دعوت کے ساتھ ساتھ جہاد کے ذریعہ بھی اللہ کے کلمہ کو بلند کیا جائے، پھر جو لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں ان کی بھرپور تربیت کی جائے، تاکہ وہ اللہ والے بن کر زندگی بسر کریں، ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ (الأنبیاء: ۲۵) (آپ سے قبل ہم نے جس رسول کو بھیجا یہی پیغام دے کر بھیجا کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں بس میری ہی عبادت کرو)، اسلام میں داخل ہونے والوں کے لیے رسول کی ذمہ داری یہ بتائی گئی ہے: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (بے شک اللہ تعالی کا مؤمنین پر یہ احسان ہوا کہ اس نے مومنین میں خود ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا، جو اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ پڑھ کر سناتا ہے، ان کو پاک وصاف کرتا ہے، اور ان کو اللہ تعالی کی کتاب اور حکمت سے لبریز باتوں کی تعلیم دیتا ہے، یہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے)۔

انبیاء ورسل کی یہ جانشینی اللہ کے خاص خاص بندوں کو ہر دور میں حاصل ہوتی رہی ہے، جن سے اللہ رب العزت اسلامی دعوت وتربیت کا خاص کام لیتا ہے، اللہ کے فضل وکرم سے مولانا عبداللہ حسنی صاحبؒ کو بھی یہ دولت خوب نصیب فرمائی تھی، دعوت اسلامی کا ایسا غلبہ، غیر مسلموں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کی شدید بے قراری مولاناؒ میں جتنی پائی جاتی تھی کم ہی ایسے لوگ ہوں گے، خود آپ کے چھوٹے بھائی اور ہمارے محسن ومحترم دوست مولانا بلال حسنی صاحب نے مجھ سے متعدد بار یہ بات بیان کی ہے کہ مولاناؒ پر یہ فکر

اس قدر چھائی ہوئی تھی کہ گھر میں اٹھتے بیٹھتے یہی تذکرہ رہتا، گویا کسی اور کام سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

لوگوں سے نہایت خوش دلی سے ملتے، دل آویز تبسم کے ساتھ گفتگو فرماتے، لیکن دل میں انسانیت کے بے پناہ درد سموئے ہوئے حالات کی نزاکت کا احساس دلاتے ہوئے، اصل کام کی طرف خوب توجہ دلاتے، لیکن کبھی ہم نے یہ نہیں دیکھا کہ اپنی ذات یا اپنے کام کو نمایاں کیا جارہا ہو، جن حضرات کو آپ کے ذریعہ ہدایت نصیب ہوئی ان کی تعلیم وتربیت کا بھی خاص خیال رکھتے، اور اس کے لیے مفید طریقے اختیار فرماتے، آپ کی بھرپور کوشش یہی رہتی کہ بغیر کسی شور وہنگامہ کے اصل کام ہوتا رہے، اللہ تعالی نے آپ کو ایسے مردان کار بھی عطا فرمائے جن کے آپ محبوب بھی تھے اور مقتدا بھی، آپ کی ہر بات کو بخوشی قبول فرماتے، اور پورے جذبہ کے ساتھ اس کی تکمیل میں لگ جاتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ﴾ (الأنفال:٦٢) (وہی اللہ ہے جس نے آپ کو اپنی مدد اور اہل ایمان کے ذریعہ طاقت عطا فرمائی)، اس کی جھلکیاں مولانا کی زندگی میں بھی نظر آتی ہیں، جو بھی دینی غرض سے وابستہ ہوا پھر اسے کسی خارجی دباؤ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی آپ کی دلکش شخصیت اور آپ کی محبت ہی اس کے جذبہ عمل کو مہمیز کرنے کے لیے کافی ہوتی۔

اللہ رب العزت کی طرف سے بڑی برکت نظر آتی تھی کہ جہاں بھی کام شروع فرمایا بس وہ کام پھلنا پھولنا شروع ہوگیا، اور پھیلتا چلا گیا، آپ کے لیے اللہ تعالی نے جو عمر رکھی وہ آپ نے پوری فرمائی، اور اپنے رب کے دربار میں حاضر ہوگئے، امید یہی تھی اور آثار بھی یہی نظر آرہے تھے کہ مولانا بہت عرصہ تک زندہ رہیں گے، اور ہندوستان کے مختلف گوشوں میں ایک خاموش انقلاب برپا ہوگا، اور آپ کا یہ تجدیدی کام آہستہ آہستہ تکمیل کو پہنچے گا، لیکن ہوتا وہی ہے جو اللہ رب العزت چاہتا ہے، اور اللہ نے جو چاہا وہ پورا ہوکر رہا، ﴿وَمَا يُعَمَّرُ مِن مُّعَمَّرٍ وَلَا يُنقَصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ (فاطر:١١) (کسی عمر والے کو جو بھی عمر دی جاتی ہے یا جس کسی کی عمر کم رکھی جاتی ہے سب ایک کتاب میں درج ہے، یہ (یعنی عمر کا کم یا زیادہ رکھنا) اللہ پر بہت آسان ہے)، قرآن کریم کی شہادت یہ ہے کہ انسان جو عزم لے کر اٹھتا ہے اور اس کی تکمیل سے پہلے اس کی وفات ہوجاتی ہے تو اللہ تعالی کے نزدیک اس کا اجر ثابت ہوجاتا ہے، گویا اس کے لیے وہی ثواب لکھ دیا جاتا ہے جو اس کام کے مکمل کرنے پر اس کے حق میں مقدر کیا گیا تھا: ﴿وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ (جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی غرض سے نکلے پھر اس کو موت آجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ثابت ہوکر رہتا ہے، اللہ تعالی بہت مغفرت کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے)، اللہ کی ذات سے یہی امید ہے کہ مولانا جن عزائم کو لے کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے، اور جس کے لیے سالہا سال سے عملی جدوجہد بھی فرمارہے تھے اسی قرآنی اصول کے مطابق اللہ کی طرف سے آپ کو تکمیل عمل کا ثواب مل رہا ہوگا، اور اللہ کا فضل مزید اس پر مستزاد جس کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہا، بعد والوں کے لیے مولانا نے جو روشن وتابناک نقوش چھوڑے ہیں اللہ رب العزت ان کو اسی راستہ پر گامزن فرمائے، اور اس کی تکمیل کی توفیق نصیب فرمائے، مولانا کے اٹھ جانے سے جو بہت بڑا خلا پیدا ہوا ہے اللہ رب العزت اپنی شان کریمی سے اسے پُر فرمائے، یقین نہیں آتا کہ مولاناؒ ہم سے رخصت ہوچکے ہیں، لگتا ہے ابھی ہنستے مسکراتے مسجد یا گھر سے باہر تشریف لے آئیں گے، اللہ تعالی غریق رحمت فرمائے، اور درجات بہت بلند فرمائے، ﴿وَمَن يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ﴾ (طٰہٰ:٧٥).

عالم کو دے رہا تھا جو توحید کا پیغام
تھا دشمنان دیں کے لیے تیغ بے نیام
قائل تھے جس کے خلق کے دنیا میں خاص وعام
لکھا ہے جس کا حرف جلی سے افق پہ نام

چند حسرتیں - چند آنسو

مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی
(جنرل سکریٹری مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی، بھٹکل)

افراد سازی : ۲۰۰۹ء اپریل کے آس پاس کا زمانہ تھا، مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل کے ایک دعوتی دورہ پر ناظم جامعہ جناب محمد شفیع صاحب شاہ بندری، نائب صدر جامعہ مولانا محمد اقبال ملاؔ ندوی اور مہتمم جامعہ مولانا عبدالباری ندوی کی معیت میں ۸/۹ اساتذہ جامعہ کا ایک وفد آسام، میگھالیہ، بہار، راجستھان، اتر پردیش، راجستھان اور گجرات وغیرہ کے دعوتی سفر پر روانہ ہوا، سفر کے دوران ہم لوگ آسام کے ضلع نوگاؤں کے دیہات بیچامارى میں ایک سرکاری ڈاکٹر کے گھر میں رات کو ٹھہرنے کے لیے جب پہنچے تو اس دور افتادہ دیہات میں ایک جھونپڑی میں ایک مدرسہ چل رہا تھا، جب اپنی قیام گاہ میں کچھ دیر آرام کے بعد رات نو بجے کے قریب ہم لوگ اس مدرسے میں پہنچے اور بچوں کا جائزہ لینے کے بعد ہم نے ذمہ دار مدرسہ سے سوال کیا کہ آپ اس دور افتاد پسماندہ دیہات میں کیسے پہنچے؟ تو مہتمم مدرسہ نے بتایا کہ مولانا عبداللہ حسنی صاحب کے حکم سے انہوں نے یہ مدرسہ قائم کیا ہے اور انہی کے کہنے پر اتنی دور وہ یہاں قیام پذیر ہوئے ہیں، ایک سال کے بعد راجستھان میں جودھپور کے قریب ایک اور گاؤں پیپارسٹی جانا ہوا تو وہاں بھی اسی طرح ایک عالم دین جو دوسرے صوبہ کے تھے دعوتی و دینی اور تعلیمی سرگرمیوں میں مصروف عمل ملے، وہ بہت قلیل مشاہرہ پر وہاں کام کر رہے تھے میں نے ان سے پوچھا اس مختصر تنخواہ پر آپ کیسے گذر بسر کرتے ہیں؟ انہوں نے بڑے اعتماد سے کہا کہ میں یہاں مولانا عبداللہ حسنی صاحب کے حکم سے آیا ہوں اور جب تک مولانا کا حکم نہیں ہوگا میں نہیں جاؤں گا، اکیڈمی کے قیام کے بعد ادھر مسلسل ۱۳/ سال کے وقفہ میں ملک بھر کے جن جن صوبوں، شہروں اور دیہاتوں میں جانے کا موقع ملا وہاں مجھے اس طرح دس بیس نہیں درجنوں ایسے لوگ اور نوعمر علماء ملے جن کو ان علاقوں میں جانے اور دینی مدارس و مکاتب اور اسلامی اسکولوں و اداروں کے قیام کی تحریک و ترغیب مولانا مرحوم ہی سے ملی تھی، مجموعی طور پر دعوتی جذبات سے سرشار اور کچھ کر گزرنے کی تڑپ رکھنے والے ان نوجوان علماء میں جو بات قدر مشترک تھی وہ یہ کہ ان میں سے اکثر اپنے زمانہ طالب علمی میں اوسط درجہ سے بھی کم صلاحیت کے شمار جاتے تھے، مولانا عبداللہ حسنی صاحبؒ کے ناقابل فراموش کارناموں میں افراد سازی کو سب سے نمایاں وصف شمار کیا جائے گا لیکن اس وصف میں دوسرا جو اہم وصف جڑا ہوا تھا وہ یہ کہ ان کے ذریعہ اللہ رب العزت نے ان کمزور سمجھنے والوں اور کم صلاحیت کے حامل خیال کیے جانے والوں بلکہ بعض ایسے افراد واشخاص کو میدان عمل میں پہنچا دیا جن سے خود ان کے والدین واساتذہ بھی مختلف وجوہات سے ناامید ہو چکے تھے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے بعد ہندوستان میں حضرت مولانا کی فکر وسوچ کے مطابق جو بے شمار مدارس و مکاتب اور دینی ودعوتی ادارے ہمارے ملک میں وجود میں آئے ان کی ایک بڑی تعداد کے لیے سب سے زیادہ محرک اور واسطہ بننے کی سعادت اللہ تعالی نے مولانا مرحوم کو عطا فرمائی تھی۔

جامعیت : مسلمانوں میں اصلاح وارشاد، عصری میدان میں تعلیمی خدمات، دینی سرگرمیاں، غیر مسلموں میں تعارف اسلام کی جدوجہد، عامۃ المسلمین میں فلاحی ورفاہی مساعی یہ سب صفات بظاہر بیک وقت کسی ایک شخصیت کے لیے میل کھاتی نہیں سمجھی جاتی لیکن مولانا مرحوم بیک وقت ان سب کے جامع تھے اور جس میدان میں اترے ایسا لگتا تھا کہ وہ اسی کام کے لیے خاص کیے گئے ہیں، تحریکات کے بانیان کی قبولیت عنداللہ کی علامت یہ ہے کہ ان کے اٹھنے کے بعد بھی وہ کام نہ صرف باقی رہے بلکہ پہلے سے زیادہ

تیزی سے پھیلے، اس وقت عالم اسلام میں پھیلی اکثر دعوتی تحریکات کا یہی عالم ہے کہ ان کے بانیان کی وفات کے بعد ان کے دعوتی مشن کو اللہ تعالی نے نہ صرف باقی رکھا ہے بلکہ اس کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع ہو گیا ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی وفات کے بعد تحریک پیام انسانیت کے متعلق ہر جگہ تشویش تھی کہ خود مفکر اسلام کی وفات اور مولانا اسحاق جلیس ندوی اور مولانا عبدالکریم پاریکھ وغیرہم کے نہ ہونے کی وجہ سے اس میں تعطل پیدا ہوگا لیکن گذشتہ تیرہ سال میں اس تحریک کے پلیٹ فارم سے ملک کے گوشوں گوشوں میں مخدومی حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی مدظلہ العالی کی بصیرت افروز سرپرستی میں مولانا عبداللہ حسنی مرحوم کے ذریعے اللہ نے جو کام لیا وہ حیرت انگیز تھا، جس احتیاط واعتدال کے ساتھ مولانا نے اس پلیٹ فارم کے دائرہ کو وسیع کیا اور ملک میں اس تحریک کو جو افراد مہیا ہوئے وہ عنداللہ اس تحریک کی قبولیت کی واضح دلیل تھی۔

خواص کا رجوع : مولانا عبداللہ صاحب کے حلقہ ارادت میں اکثر تعلیم یافتہ وپڑھے لکھے لوگ اور خواص تھے، مولانا کی علمی ودعوتی شخصیت میں ان کے لیے بڑی کشش تھی، اسی سال رمضان المبارک کے اختتام پر شوال المکرم میں دہلی سے ملک کے مشہور ادیب جناب تابش مہدی صاحب نے مجھے فون کیا، کہنے لگے: مولانا! میں نے رمضان میں اس دفعہ حضرت مولانا رابع صاحب کی خانقاہ تکیہ رائے بریلی میں کچھ وقت گذارا، مولانا کی صحبت میں گذرے میری زندگی کے یہ بہترین لمحات تھے، میں مولانا عبداللہ صاحب کے درس ومجلس میں بھی شریک ہوتا تھا، اس دوران علم وحکمت، قرآنی لطائف اور اسرار ومعانی کے وہ نکات مجھے مولانا کی مجلس میں سننے کو ملے جو بالعموم حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی کی کتابوں ہی میں نظر آتے ہیں، انہوں نے کہا میرا ارادہ ہے کہ میں ہر سال انشاء اللہ حضرت مولانا رابع صاحب کی خانقاہ رائے بریلی میں رمضان کا کچھ وقت ضرور گذاروں گا اور مولانا عبداللہ صاحب کی مجالس سے بھی مستفید ہوں گا، کچھ یہی حال کیرالہ کے سابق ممبر پارلیمنٹ اور آل انڈیا مسلم لیگ کے سکریٹری جناب عبدالصمد صاحب صمدانی کا تھا، مولانا کا جب بھی کیرالہ کا سفر ہوتا تو وہ مولانا سے ملنے ان کی قیام گاہ ضرور تشریف لاتے اور کہتے کہ مجھے مولانا کی مجلس میں بڑا سکون ملتا ہے۔

جامعہ اور اکیڈمی سے مولانا کا تعلق : بھٹکل اور ہمارے جامعہ سے مولانا کا شروع ہی سے خصوصی تعلق رہا مفکر اسلام حضرت مولاناؒ کی زندگی میں مولانا عبداللہ صاحب کے دعوتی اسفار نہ ہونے کے برابر تھے، لیکن حضرت مولانا کی وفات کے بعد ۱۸/ سال کے وقفہ سے آپ جامعہ تشریف لائے تو یہ سلسلہ ہر سال نہ صرف جاری رہا بلکہ اکیڈمی کی برکت سے اکثر سال میں دو دفعہ کسی نہ کسی بہانے آپ کی حاضری ہو جاتی، جامعہ کے ذمہ داران، اساتذہ وطلباء بھی آپ سے بڑے مانوس تھے اور ہمیشہ ذمہ داران جامعہ اس بات کا تقاضہ کرتے رہے کہ یکسوئی کے ساتھ کچھ ہفتے جامعہ میں گزارنے کے لیے مولانا کو آمادہ کیا جائے، خود مولانا کی بھی یہ خواہش رہی، لیکن افسوس کہ یکسوئی کے ساتھ جامعہ میں طویل قیام کا مولانا کو موقع نہ مل سکا۔ و کان امر اللہ قدراً مقدوراً .

گذشتہ تیرہ سالوں میں مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل کے قیام کے بعد ملک گیر سطح پر اکیڈمی کے برادران وطن میں تعارف اسلام کے کاموں میں مجھے سب سے زیادہ مدد مولانا مرحوم ہی سے ملی، ان کے اس احسان کو میں زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتا، ۲۰۰۱ء میں الحمدللہ جب اکیڈمی کا قیام بھٹکل میں عمل میں آیا تو پہلے دن ہی سے اکیڈمی کے صدر مخدومی حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم کا جن کے حکم وسرپرستی اور تحریک ہی پر اس کا قیام عمل میں آیا تھا مجھ سے اصرار تھا کہ اکیڈمی کے لیے پہلے دن ہی سے میں دعوتی کاموں کی راہوں کی تعیین کروں، اس کی سمتوں کو متعین کروں اور اسی کے مطابق کام کروں، قیام کے پہلے ہی دن سے بنیادی طور پر نئی مسلم نسل کی ایمان کی حفاظت کے لیے ٹوٹی پھوٹی کوششوں کے ساتھ برادران انسانیت میں تعارف اسلام کا مشن بھی مدنظر رہا، تعارف اسلام کے کام کے آغاز اور اس سلسلہ میں کچھ نئے خاکوں میں رنگ بھرنے کے لیے ہم نے شہر کے چنیدہ علماء کی اکیڈمی میں میٹنگ بلائی، بھٹکل کے مخصوص حالات کے پس منظر میں اس کام کی نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے کئی طرح کے خدشات

سامنے آئے اور جلد ہی کسی حتمی نتیجہ پر پہنچ کر کام کے شروع ہونے کے بظاہر امکانات بھی نظر نہیں آئے، ان ہی دنوں میں مولانا عبداللہ صاحبؒ ۱۸/سال کے وقفہ کے بعد بھٹکل تشریف لائے اور یہی میرے اور ان کے درمیان قریبی تعلقات کا نقطۂ آغاز تھا، مولانا عبداللہ صاحبؒ سے جب میں نے ہمارے علماء کے ساتھ تعارف اسلام کے سلسلہ میں منعقد ہوئی میٹنگ اور اس میں پیش کیے گئے خدشات کا ذکر کیا تو مولانا نے اس وقت جو رہنمائی فرمائی اور بنیادی بات ارشاد فرمائی وہ میرے لیے مشعل راہ بن گئی اور ان کی یہی ہدایت میرے سامنے ہر نئے دعوتی منصوبہ کے موقع پر سامنے رہی اور یہی بات دعوت کے میدان میں ہر کام کرنے والے طالب علم ومبتدی کے سامنے بھی رہنی چاہیے، مولاناؒ نے فرمایا: مولوی صاحب! دعوت کے کام میں شیطان سب سے زیادہ وسوسے اور خدشات ذہن میں پیدا کرتا ہے تاکہ ہمتیں ٹوٹ جائیں اور جذبات سرد ہوں، کوئی بھی دعوتی منصوبہ ذہن میں آئے تو اللہ تعالیٰ سے رجوع کیجیے، استخارہ کیجیے اور زیادہ مشورہ مت کیجیے اور فوراً اس کو شروع کردیجیے، ورنہ بڑی منصوبہ بندی اور لمبی پلاننگ کے چکر میں کام بھی شروع نہیں ہوگا، مولاناؒ کے اس حکم کے بعد میں نے پھر مشورہ نہیں کیا اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسی وقت الحمدللہ کام کی ابتداء کردی، ہمارے کمزور ایمان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے جلد ہی اس کے حیرت انگیز ومسرت آمیز نتائج بھی ظاہر فرمادیئے، اس کے بعد میرا معمول ہوگیا کہ دعوتی کام کا جب بھی کوئی نیا منصوبہ ذہن میں آتا تو مخدومی حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی مدظلہ کی خدمت میں پیش کرتا، پھر جب مولانا اس کی اجازت دیتے تو مولانا عبداللہ صاحبؒ کو سناتا اور پھر اپنے ساتھیوں اور علماء کی میٹنگ بلا کر ان سے اس کی توثیق کرواتا، گذشتہ تیرہ سالوں میں اللہ تعالیٰ نے اکیڈمی کے حوالہ سے تعارف اسلام کے عنوان سے جو کچھ بھی ٹوٹا پھوٹا کام اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے لیا اس میں بلا مبالغہ میں کہہ سکتا ہوں کہ سب سے زیادہ حصہ مولانا عبداللہ صاحبؒ ہی کی رہنمائی وسرپرستی کا تھا، میں جب بھی مولانا کو فون کرتا تو محبت بھرے انداز میں پوچھتے بتایئے مولوی صاحب: اب کون سا نیا پروجیکٹ شروع کررہے ہیں، جب بھی ندوہ میں مجلس شوریٰ یا مجلس تحقیقات کی انتظامیہ میں شرکت کے لیے حاضر ہوتا تو مولانا شمالی ہند میں ہمارے کام کروانے والوں کو پیشگی اطلاع دے کر ندوہ بلاتے اور مجلس تحقیقات کے اوپری ہال میں مشورہ ہوتا، کام کا جائزہ لیا جاتا اور نئے منصوبے سامنے آتے۔

ہماری اکیڈمی کے لیے گذشتہ ۴/۵ سال میں تین بڑے حادثات رونما ہوئے، نئی نسل کو ایمان پر باقی رکھنے کی فکر کو لے کر عصری اسکولوں وکالجز کے لیے اسلامیات کے نصاب کی ملک گیر توسیع بلکہ اس کی تحریک میں سب سے زیادہ حصہ محترم حضرت مولانا ریاض الرحمٰن صاحب رشادی مرحوم سابق خطیب سٹی جامع مسجد بنگلور کا تھا، اس کے لیے مرحوم جس طرح فکرمند وکوشاں رہے، ساتھ دیا، سرپرستی فرمائی اور حوصلہ افزائی کی، ان کے اس احسان کو میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا، اسی طرح تعارف اسلام کے اکیڈمی کے تمام منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں مولانا عبداللہ صاحب کا سب سے زیادہ حصہ رہا، افسوس کہ ہمارے یہ دونوں محسن صرف ڈیڑھ سال کے وقفہ سے ہم سے جدا ہوگئے، تیسری شخصیت اکیڈمی کے سابق ٹرسٹی محتشم عبدالغنی صاحب مرحوم کی تھی جو روز اول ہی سے اکیڈمی کے لیے مقامی طور پر چٹان بن کر کھڑے رہے اور الحمدللہ آخری دم تک اپنی وابستگی کے تمام اداروں میں اسی کے لیے جان ومال کی سب سے زیادہ قربانی دی، ان کا بھی ۲۰۰۸ء میں انتقال ہوگیا، اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ ان تینوں بزرگوں کو ان کی خدمات وقربانیوں پر اپنی شایان شان صلہ عطا فرمائے گا۔

مولانا کے کاموں میں برکت کے اسباب

: مولانا کے دعوتی کاموں میں برکت کی سب سے اولین بڑی وجہ جو شاید اللہ کو پسند آئی وہ اپنے کاموں کی عدم تشہیر تھی، ان کے دعوتی کاموں کی وسعت کا اندازہ آپ صرف اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ گذشتہ سفر لکھنو میں مجھے معلوم ہوا کہ کام کی وسعت کا یہ عالم ہوگیا ہے کہ الحمدللہ کوئی دن ایسا نہیں گذرتا کہ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی اپنے بندہ کی ہدایت کا ذریعہ نہ بناتا ہو، مجھے بھی مولانا دعوتی کاموں کے خوش کن نتائج کے اخفاء کا حکم دیتے، حتیٰ کے اکیڈمی کے جو سیرت کے مقابلے مولاناؒ کی نگرانی میں کئی جگہوں پر ہوئے اور اس کے جو مسرت آمیز نتائج اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمائے اس کی بھی اطلاع خود مجھے دینے سے بعض اوقات وہ گریز کرتے،

۲۰۱۱ء میں مولاناؒ نے ایک شہر میں برادران وطن میں اکیڈمی کا سیرت مقابلہ کروایا اور اس میں الحمدللہ اللہ تعالی نے توقع وامید سے زیادہ خوش کن نتائج ظاہر فرمائے جو حیرت انگیز بھی تھے اور مسرت آمیز بھی، اس کی بھی اطلاع مولانا نے مجھے کئی مہینوں کے بعد وہ بھی ایک نجی مجلس میں دی، دعوتی کام میں اسی اخفاء وعدم تشہیر کی ہدایت مجھے مخدومی حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتھم نے دے رکھی تھی، اسی لیے ہم نے اکیڈمی کے خبرنامے اور ویب سائٹ وغیرہ بند کردیئے اور اپنا تعارف نامہ شائع کرنے سے بھی گریز کیا، حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب نے فرمایا کہ اس تشہیر سے تین نقصانات ہوں گے (۱) کام پر اثر پڑے گا، قانونی اعتبار سے مسائل بھی پیدا ہوسکتے ہیں (۲) اپنی کارگزاری کو سن نفس پھول جائے گا (۳) لوگوں میں حاسدین پیدا ہوں گے۔ ان دونوں اللہ والوں کی اس ہدایت کا ہمیشہ مجھے فائدہ نظر آیا۔

مولاناؒ کی کام میں برکت کا دوسرا سبب جہاں تک میری سمجھ میں آیا وہ یہ کہ مولانا نے ہمیشہ اپنے کو اپنے بزرگوں کے تابع رکھا، مفکر اسلام حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے بعد وہ کوئی بھی ذاتی یا دعوتی کام اپنے والد کا درجہ رکھنے والے اپنے چچا وخسر حضرت مولانا رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم کی اجازت یا مشورہ کے بغیر نہیں کرتے تھے، عمر کے اس مرحلہ میں پہنچنے کے بعد بھی جہاں عقل پختہ ہوجاتی ہے، تجربات انسان کو باشعور بنادیتے ہیں مولانا نے اپنے کو ہمیشہ بڑوں کے تابع ہی رکھا، اس کی ایک چھوٹی سی مثال یہ ہے کہ میں نے ایک دفعہ مولانا سے کہا: مولانا! میں جاپان اور قطر گیا تھا، وہاں کے لوگوں نے آپ کو یاد کیا ہے اور وہ آپ کو اپنے یہاں بلارہے ہیں، مولاناؒ نے جواب دیا کہ میں کسی کے بلانے پر کہیں نہیں جاتا جب تک حضرت مولانا رابع صاحب مجھے جانے کا حکم نہ دیں یا نہ بھیجیں میں خود سے کہیں نہیں جاؤنگا کوئی چھوٹا سفر بھی قریب کا ہوتا تو حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوکر اس کی اجازت لیتے یا کم از کم اطلاع ضرور دیتے، انسان چاہے کتنا بڑا کیوں نہ بن جائے کسی کی سرپرستی ورہنمائی سے کبھی بے نیاز نہیں ہوسکتا اور اسی سے کام میں اللہ تعالی برکت عطا فرماتے ہیں، ہمارے تمام اسلاف، بزرگوں اور علماء کی زندگی سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے۔

مولانا کی آخری زندگی کا مشن:

مولاناؒ کی زندگی کو جنہوں نے قریب سے دیکھا یا ان کی مجالس میں پابندی سے حاضری دی یا ان کے عوامی خطبات ومواعظ کو سنا، سب اس بات کی گواہی دیں گے کہ ادھر ۴/۳ سال سے مولاناؒ کی تقریر یا وعظ کا مرکزی محور شرک سے نفرت اور توحید خالص کی دعوت ہوتا تھا، مولاناؒ شرک کی قباحتوں کو جس طرح مثالوں اور واقعات کے ذریعہ عوام کو سمجھاتے وہ سننے سے تعلق رکھتا تھا، مولاناؒ کے ذہن پر اللہ تعالی نے یہی موضوع سوار کرادیا تھا، کچھ یہ حال مفکر اسلام حضرت مولاناؒ کا بھی آخری سالوں میں تھا، خلاصہ یہ ہے کہ مولانا کی زندگی صرف دو کاموں کے لیے وقف تھی، اللہ تعالی نے جن کو ایمان کی دولت سے نوازا ہے ان کو ایمان پر باقی رکھنے کی کوشش اور جو بندگان خدا اب تک ہدایت سے محروم ہیں ان تک دین کی دعوت پہنچانے کی فکر۔

مولانا آیۃ من آیات اللہ تھے: مولاناؒ زمانہ طالب علمی میں ایک اوسط درجہ کے طالب علم سے بھی کم شمار کیے جاتے تھے، علمی، ادبی وتعلیمی صلاحیت میں دوسرے طلباء ان کے درجہ میں ان سے ممتاز تھے، نہ خوش الحان قاری یا خطیب تھے اور نہ مصنف اور نہ اپنے والد کی طرح بلند پایہ ادیب وانشاء پرداز، لیکن مولانا کے سادہ وسلیس انداز خطابت اور دلنشین اسلوب نے جو عوام وخواص میں اپنا اثر دکھایا وہ اللہ تعالی کی قدرت کاملہ کا ایک حیرت انگیز نمونہ تھا، کم صلاحیت کے باوجود محض اپنے فضل اور ان کے سرپرستوں وبزرگوں کی دعاؤں کی برکت سے جو کام ۱۳/۱۲ سال میں مفکر اسلام حضرت مولاناؒ کی وفات کے بعد آپ سے اللہ تعالی نے لیا اس نے آپ کو آیۃ من آیات اللہ بنادیا اور اس نے ہمارے اس یقین میں اضافہ کردیا کہ صلاحیت/ ذہانت/ شہرت اور قبولیت ان میں سے کوئی بھی چیز انسان کو دعوتی میدان میں کارآمد بنانے اور عنداللہ قبولیت کا ذریعہ نہیں بن سکتی، اس کے لیے صرف فضل خداوندی وتوفیق ایزدی اور رحمت الٰہی کی ضرورت ہے، بے بسوں، بے سہاروں اور کم صلاحیت والوں سے بھی جب اللہ تعالی کام لینا چاہتے ہیں تو دنیا دیکھتے رہ جاتی ہے، اس کی واضح مثال حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی کی ذات گرامی تھی جو بقول مفکر اسلامؒ ٹھیک سے تقریر بھی نہیں کرسکتے تھے اور نہ علمی اعتبار سے کسی

امتیازی شان کے اپنے معاصرین میں حامل تھے لیکن صرف ان کی تڑپ وکڑھن سے اللہ تعالی نے عالمی سطح پر ان سے جو کام لیا اس کی مثال نہ صرف برصغیر بلکہ پورے عالم اسلام میں اس پوری صدی میں نہیں ملتی، امام حسن البناء الشہید بھی ایک پرائمری اسکول کے اوسط درجہ کے استاذ تھے لیکن ان کی فکری تحریک نے اس وقت عالم عرب و عالم اسلام میں جو فکری انقلاب برپا کردیا ہے وہ اظہر من الشمس ہے، اسی طویل فہرست میں ہمارے مولانا عبداللہ صاحب مرحوم بھی تھے، گذشتہ تیرہ سالوں میں اللہ نے ان سے وہ کام لیا کہ بڑے بڑے اداروں وتنظیموں سے نہیں ہوا، حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو موفق من اللہ (توفیق یافتہ) کہتے تھے، مولانا عمران خان صاحب ندوی مولانا محمد الحسنیؒ کو موہوب من اللہ لکھتے تھے، اپنے والد اور دادا کی طرح مولانا عبداللہ صاحب بھی اللہ تعالی کی طرف سے عطا کردہ انہی وہبی صلاحیتوں وخصوصیات کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھے۔

اللہ تعالی کی حکمت: اللہ تعالی نے اپنے اس نیک بندے کو اس وقت اپنے پاس بلالیا جب اس دعوتی کام کی فتوحات کو دیکھتے ہوئے سب کی نگاہیں مولانا پر اٹھی تھیں کہ اب دعوت اسلام کا کام مولانا کی سرپرستی میں اور وسیع ہوگا اور پہلے سے زیادہ بندگان خدا معرفت حق سے فیض یاب ہوں گے، لیکن بقول مخدومی حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی مدظلہ العالی اللہ تعالی کی ذات عالی بڑی غیور ہے، مولانا عبداللہ صاحب کو اپنے پاس بلاکر اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے اس خیال کو غلط ثابت کیا اور بتایا کہ کسی کے ہونے یا نہ ہونے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ کام تو صرف میری اجازت/توفیق/حکم اور فضل ہی سے ہوتا ہے، میرے بندے صرف واسطہ/ذریعہ یا بہانہ ہوتے ہیں، اصل کرنے والی ذات میری ہے لیکن اسی کے ساتھ اللہ تعالی اپنے ان محبوب بندوں کو اپنے پاس بلانے کے بعد ان کے دعوتی مشن کے آثار ومبشرات پہلے سے زیادہ دکھاتے ہیں جس سے بندوں کے اس ایمان ویقین میں اضافہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کی ذات عالی ہی تنہا ہادی ہے، ہمیں اللہ تعالی کی ذات سے امید ہے کہ انشاء اللہ مولانا عبداللہ صاحب کی وفات کے بعد وہ ان کے دعوتی مشن کو پہلے سے زیادہ وسعت دیں گے اور قیامت تک وہ ان کے لیے ذخیرۂ آخرت بنیں گے۔

قابل رشک موت: مولانا کی زندگی جس طرح قابل رشک تھی اسی طرح ان کے آخری لمحات بھی، مولاناؒ کی آخری ایام میں طبیعت اتنی مضمحل ہوگئی تھی کہ مولانا نہ بات کرسکتے تھے اور نہ اٹھ کر بیٹھ سکتے تھے، انتقال تک بستر علالت پر ہونے کے باوجود تمام نمازیں باجماعت ادا کیں، مولانا کے خادم خاص جو آخری وقت تک مولانا کی خدمت میں رہے مولوی رضوان ندوی بھٹکلی بتاتے ہیں کہ انتقال کی صبح بھی مولانا نے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی، اس کے بعد اپنے اذکار مکمل کیے، پھر اچانک مسکرا کر ہنسنے لگے اور اوپر نگاہ اٹھا کر کچھ دیکھنے لگے اور شہادت کی انگلی سے کچھ اشارہ بھی کرنے لگے غالبًا ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ کا وعدۂ خداوندی پورا ہو رہا تھا، پھر کہا کہ قرآن مجید کی کیسٹ لگاؤ، سورۃ بقرہ وسورۃ یٰس سنائی گئی، سورۂ جن کی دوسری آیت بھی آپ نے سنی، پھر جب مولانا کے چھوٹے بھائی مولانا بلال صاحب سورہ یٰس دوسری مرتبہ سنا رہے تھے تو آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، آخری دن بھی اپنی محبوب جس آیت کو سن کر آپ دنیا سے گئے وہ شرک سے برأت والی ہی آیت تھی۔ ﴿وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا﴾ کہ ہم اپنے رب کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، زندگی بھر دوسروں کو جس کی دعوت دیتے رہے الحمدللہ اسی شرک سے برأت کو سنتے ہوئے اور کہتے ہوئے اس دنیا سے اللہ پاک نے اپنے پاس بلالیا، انتقال کی خبر سن کر دنیا کے متعدد ممالک میں ان کی نماز غائبانہ ادا کی گئی، آپ کے وطن عزیز تکیہ رائے بریلی سے ہزاروں میل دور صرف بھٹکل جیسے دور افتادہ مغربی شہر میں کم از کم مختلف جامع مساجد میں پانچ ہزار سے زائد لوگوں نے آپ کی نماز غائبانہ ادا کی، آپ کے اس دنیا سے جاتے جاتے آپ کے سب چاہنے والوں نے بیک زبان گواہی دی کہ اے اللہ! تیرا یہ بندہ تیرے ہی دین کی اشاعت کے لیے زندگی بھر کوشاں اور فکرمند رہا اور اسی کے لیے ہی تڑپتا، کڑھتا رہا اور اسی کے لیے اس نے اپنی آخری سانس تک سعی کی، اے اللہ! تو اس کے سیئات کو درگزر فرما، اس کی مغفرت فرما اور اس کو اپنے شایان شان جزاء عطا فرما اور ملت اسلامیہ کو اس کا نعم البدل نصیب فرما ع

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

داعی اسلام نمبر کے لیے نیک خواہشات

Mohammad Anwaar Khan

NATIONAL REFRIGERATION

All types of Air Conditioners, Water Coolers, Defreezers & Stabilizers
Sales, Service & Contractor

Panasonic
HITACHI

Carrier®

GENERAL
BLUE STAR

Office
Amar Hotel / Complex
Kutchery Road, Raebareli

Service Centre
Chaman Market, Sabzi Mandi
Raebareli

Mobile: 9415177310

داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنیؒ کے اوصاف وکمالات سے متعلق پیام عرفات
کے خصوصی اشاعت کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں۔

محمد حسنین قریشی

SAFARI CARRIER DEALER

Indian Oil Corporation

N.H.24 B Saare Damu, Lucknow - Allahabad Highway

Mob.: 9415034160

داخلہ جاری ہے

ADMISSION GOING ON

جبریل انٹرنیشنل اسکول
READ IN THE NAME OF YOUR LORD
JIBREEL INTERNATIONAL SCHOOL

JIBREEL INTERNATIONAL SCHOOL

جدید اعلیٰ تعلیم کا مطلب اسلام سے دوری نہیں!

A Model Muslim English Medium School

جبریل انٹرنیشنل اسکول

مشرقی ہند میں اپنے طرز کا پہلا مثالی اسلامی انگریزی میڈیم اسکول

- ☆ پلے ہاؤس سے پانچویں کلاس تک داخلہ
- ☆ بارہویں کلاس تک ہر سال ایک کلاس کا اضافہ
- ☆ اعلیٰ تعلیمی معیار کے ساتھ ایک مکمل انگلش میڈیم اسکول
- ☆ کلاس VIII تک عربی زبان اور دینیات لازمی مضامین
- ☆ دلچسپی رکھنے والے طلبہ کیلئے حفظ قرآن کا اہتمام
- ☆ مختلف ذہنی اور جسمانی ورزش کا مکمل انتظام
- ☆ تمام جدید اور اعلیٰ سہولیات سے لیس تعلیمی کیمپس
- ☆ ہفتہ میں ایک مرتبہ اساتذہ کیلئے عصری و دینی ٹریننگ کا اہتمام
- ☆ طلبہ و طالبات کی ہمہ جہتی ترقی کیلئے ہر ممکن انتظام
- ☆ شہر کلکتہ کے قلب میں عصری و دینی تعلیم کا مثالی مرکز

BYE PASS UNIT	PARK CIRCUS UNIT	CENTRAL AVENUE UNIT
13/2/6, Mahendra Roy Lane Kolkata - 46 (Behind Jaipur Marble Maruti Bagan) Ph. : 033 64581766	11A, Shamsul Huda Road Kolkata - 17 Ph.: 033 65405422	27/1, Debendra Mullick Street Kolkata - 73 Ph.: 033 40659086
TRANSITION TO CLASS VII	PLAYHOUSE NURSERY & K.G.	PLAYHOUSE TO TRANSITION

Visit our website: www.jibreelinternationalschool.com *Contact : 9830262768*

مولانا عبیداللہ حسنی ندویؒ کی رحلت

ایک ناقابل تلافی نقصان

مولانا سید مشتاق علی ندوی (قاضی ریاست بھوپال)

برادرم مولوی بلال عبدالحی حسنی ندوی اور دیگر حضرات سے صبح وشام مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ کی خیریت معلوم کرتا تو تشویش وفکر مندی میں اضافہ ہوتا، دل ڈر جاتا اور ذہن ودماغ متاثر ہوتا۔ ۲۹/ جنوری ۲۰۱۳ء کو بھوپال سے روانہ ہوا۔ ۳۰/ جنوری ۲۰۱۳ء بروز بدھ صبح چھ بجے لکھنؤ پہنچا۔ ریلوے اسٹیشن سے سیدھا احباب کے ساتھ ''سحر نرسنگ ہوم'' حاضر ہوا، مولانا پر نظر پڑتے ہی دل ودماغ اور قلب ونظر پر جو کیفیت طاری ہوئی وہ بیان نہیں کی جاسکتی، مولانا مرحوم نے بڑی ہی محبت وشفقت بھری نگاہوں سے دیکھا، آنکھوں میں وہی چمک اور بصارت وبصیرت کی روشنی تھی، دیر تک میں بھی نظر جمائے دیکھتا رہا اور مولانا بھی بار بار نظر ڈالتے رہے، دعائیں کرتا رہا اور پڑھتا رہا، ڈاکٹر نسیم صاحب نے کہا کہ آپ ندوے چلے جایئے، حضرت مدظلہ العالی کو خیریت بھی بتا دیجیے اور یہ دوا بھی پہنچا دیجیے، مہمان خانے میں حضرت مولانا سید محمد واضح صاحب حسنی ندوی مدظلہ العالی دیر تک حالات بتاتے رہے، پھر حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی مدظلہ العالی کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت حضرت سورۂ حج کی یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے: ﴿ومن الناس من یعبد اللہ علی حرف..﴾ الآیۃ تلاوت ودعا سے فارغ ہوئے تو مصافحہ ومعانقہ کے بعد حضرت نے بھی کچھ مزید تفصیل بتائی اور اپنی فکر مندی کا اظہار کیا، مولوی جنید صاحب ندوی مجھے اور ان کے برادر نسبتی محمد ضمیر صاحب کو اپنے گھر ''کھدرا'' لے گئے، وہاں پہنچ کر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ عزیزم مولوی عبداللہ مخدومی ندوی (داماد حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء) کا فون آیا (ان کو معلوم نہیں تھا کہ میں لکھنؤ میں ہی ہوں) کہ مولانا عبداللہ حسنیؒ کا انتقال ہوگیا ہے۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، للہ ما أعطی ولہ ما أخذ وکل شیٔ عندہ بأجل مسمی، وما کان لنفس أن تموت إلا بإذن اللہ کتابا مؤجلا۔

جس کا ڈر تھا وہ واقع ہو چکا تھا، خاتون منزل حاضر ہوا، یہاں سوگ واروں کا جم غفیر جمع تھا، مولانا حمزہ حسنی ندوی، عمار حسنی ندوی، مولانا بلال حسنی ندوی وغیرہ حضرات سے تعزیت کی اور مولانا مرحوم کے کمرہ میں بیٹھا ماضی کی یادیں تازہ کرتا رہا، مولوی عمار صاحب اور مولوی بلال حسنی صاحب نے ازراہ کرم وتعلق مجھے بھی غسل میں شامل کرلیا، میں بہت ہی ممنون ومشکور ہوں کہ ان حضرات کی وجہ سے مجھے یہ آخری خدمت کی سعادت حاصل ہوگئی، مغرب کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہزاروں لوگوں کے ساتھ نماز جنازہ میں شرکت کی، پھر رائے بریلی تکیہ کلاں پہنچے، وہاں دوبارہ ہزاروں لوگوں کو حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی مدظلہ العالی نے نماز جنازہ پڑھائی، تقریباً بارہ بجے شب تدفین سے فارغ ہوئے، حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ العالی پر ایسا اثر تھا کہ دیکھ کر بات کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، بڑی ہمت کر کے مولانا سے ملاقات کی اور اجازت لی، حضرت نے فرمایا: واپسی کا پروگرام بنا کر ہی آئے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ ایک دو روز رکتے تو اچھا ہوتا۔

مولانا عبداللہ حسنیؒ سے باقاعدہ ملاقات کب اور کیسے ہوئی یہ تو یاد نہیں، اندازہ یہ ہے کہ ۷۸-۱۹۷۷ء میں جب دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ کی سعادت حاصل ہوئی اور حضرت مولانا معین اللہ ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی رہبری اور توجہ سے اسی سال تکیہ کلاں حاضری ہوئی تو اسی وقت سے مولانا عبداللہ حسنیؒ سے ملاقات وتعارف ہوا۔ ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم سے فراغت کے بعد سے ۲۰۰۴ء تک کسی نہ کسی درجہ میں ربط وتعلق رہا لیکن اس دوران

پہلے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے اور پھر حضرت مولانا محمد رابع صاحب حسنی ندوی مدظلہ العالی سے ہی قرب وتعلق رہا، رمضان المبارک میں تکیہ حاضری ہوتی تو عبداللہ حسنیؒ کے درس حدیث میں شرکت ضرور کرتا اور کبھی کبھی وہ ازراہ محبت وتعلق اپنے کمرے میں بلا کر ضیافت کا اہتمام کرتے تھے، ۲۰۰۴ء میں جب اللہ تعالیٰ نے بھوپال میں معہد الدراسات الاسلامیہ شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور اس کا پہلا سالانہ جلسہ منعقد ہوا تو سب سے پہلے عبداللہ حسنی صاحبؒ کو مدعو کیا، اس وقت بعض مخلص ندوی حضرات نے اشکال کیا کہ ''عبداللہ حسنی تو مقرر نہیں'' لیکن چونکہ میں مولانا کے درس میں شرکت کر چکا تھا، مولانا بھوپال تشریف لائے، ایک وسیع وعریض میدان میں جلسہ ہوا، حاضرین سے شامیانہ چھوٹا پڑ رہا تھا، مولانا عبداللہ حسنی صاحبؒ نے اپنے مخصوص انداز سے ایسا سماں باندھا کہ پورا مجمع دم بخود تھا، اور جب اذان پر مولانا نے بات ختم کردی تو ہر ایک کو شکوہ تھا کہ مولانا کو کم وقت ملا، مولانا کی بات مزید ہونا تھی۔ اس کے بعد تو پھر بھوپال واطراف میں مولانا کی آمد کا ایسا سلسلہ قائم ہوا کہ ایک موقع پر مولانا نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ گھر والے کہتے ہیں: تم بھوپال بہت جانے لگے ہو۔

مولانا کے انداز خطاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک بہت فاضل وقدیم ندوی صاحب نے فرمایا: ''مولانا عبداللہ حسنی ندوی کے یہاں شعلہ بیانی نہیں، شبنم افشانی ہوتی ہے''۔

بھوپال ہو یا ایم پی کا کوئی بھی سفر، میں کوشش کرتا کہ سفر میں مولانا کے ساتھ ہی رہوں، مولانا بھی بہت غیر معمولی محبت واعتماد کرتے تھے، میں بھی مولانا کے سامنے اپنے ہر مسئلہ کو رکھتا، مولانا سنتے اور مسکراتے ہوئے بہترین حل پیش کرتے، معہد و مدرسہ اور دیگر میدانوں میں کام کرنے کے سلسلہ میں کبھی کبھی کا حالات کا شکوہ کرتا تو فرماتے: ''خاموشی سے کام کرتے رہیے اور اپنی طرف سے اچھا سلوک پیش کیجئے''۔ ایک مرتبہ فرمایا: ''مولانا صاحب! قرآن مجید میں ہے: ﴿من بین فرثٍ ودمٍ لبناً خالصاً سائغاً للشاربین﴾ ''خون اور گوبر کے درمیان سے ہی خالص وشیریں دودھ نکلتا ہے''، حالات واعتراضات کے درمیان ہی تو کام ہوگا اور پھر وہی ان شاء اللہ خالص وسائغ ہوگا۔

۲۰۱۱ء میں جب دارالقضاء بھوپال میں عہدۂ قضا قبول کرنے کے سلسلہ میں مشورہ کیا تو فرمایا: دین کی خدمت کی نیت سے قبول کرلیجیے۔ اس کے بعد سے جب فون پر بات ہوتی تو خاص انداز سے فرماتے: ''کہیے قاضی صاحب!''

آہ کیا محبت ہوتی اس لہجہ میں! کتنا پیار ہوتا تھا اس آواز میں! اب کہاں سننے کو ملے گی وہ آواز!

نگہ بلند سخن دل نواز جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

مولانا عبداللہ حسنیؒ کو اللہ تعالیٰ نے عجب عزم وحوصلہ عطا فرمایا تھا، کیسے ہی سخت سے سخت حالات ہوں، مایوسی وقنوطیت کی کوئی جھلک تک نظر نہیں آتی تھی، ایک مرتبہ خاص موقع پر پرزور وپراعتماد لہجہ میں فرمایا: ''میرے پاس حالات کا شکوہ اور مشکل کا ذکر مت کیجئے، مشکل کیا ہوتی ہے؟'' مولانا کے سامنے ہمیشہ اپنا ہدف اور نشانہ رہتا اور پھر اس کے حصول کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے۔ مولانا ''نرم دم گفتگو گرم دم جستجو'' ''اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل'' کا سراپا تھے۔

رابطۂ ادب اسلامی کا ایک روزہ سیمینار بھوپال میں منعقد کیا گیا جس کی صدارت حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی کو کرنا تھی لیکن اچانک ناسازیٔ طبیعت کی وجہ سے سفر نہ ہوسکا، مولانا عبداللہ حسنی کو حضرت نے بھیج دیا۔ اردو اکیڈمی بھوپال کا وسیع ہال سامعین سے بھرا ہوا تھا، جب مولانا عبداللہ حسنی نے ''ادب اسلامی'' پر تقریر فرمائی تو پورا ہال عش عش کر اٹھا، ایک بہت ہی تنقیدی ذہن رکھنے والے قدیم ندوی نے فرمایا: ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ علی میاں کی روح بول رہی ہے، ہم آج عبداللہ حسنی کے قائل ہوگئے۔

دعوت دین واسلام کے تعارف کا ایسا جذبہ وحوصلہ بلکہ تڑپ ولگن اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمادی تھی جس کے مقابلہ میں کسی اور چیز کو ترجیح نہیں دیتے تھے، کسی مسجد کا افتتاح ہو، کسی جلسہ کی صدارت ہو، خطابت ہو لیکن اگر کسی ایسے شخص سے ملاقات کی بات ہو جو دعوت قبول کرسکتا ہے یا دعوت کے کام کو نفع ہوتا ہو تو پھر مولانا اس کو ترجیح دیتے تھے..... (باقی صفحہ ۱۶۷ پر)

وہ دکان اپنی سجا گئے

مولانا نیاز احمد ندوی (مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی)

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے جس کا انکار دنیا کا کوئی انسان پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ نہیں کرسکتا کہ مالک حقیقی نے جسے دنیا میں بھیجا ہے اس کو ایک نہ ایک دن اس رنگین و دلفریب دنیا کو چھوڑ کر مالک ارض وسماوات کے حضور میں پیش ہونا ہے اور اپنے کیے دھرے کا حساب دینا ہے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے: ﴿کل من علیها فان ویبقی وجه ربک ذوالجلال والاکرام﴾ کہ اس روئے زمین پر جو بھی چیزیں ہیں ایک دن اس کو فنا ہے اور باقی رہنے والی ذات خالق کائنات اور مالک ارض وسماوات کی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، وہی دنیا میں دین حنیف کی حفاظت کی خاطر ہر دور اور ہر زمانہ میں افراد بھیجتی رہی، بھیجتی رہے گی۔

عالم اسلام نے بہت سے ایسے داعیوں کو جنم دیا جنہوں نے اپنا اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا سب کا سب اسلام کی تبلیغ واشاعت میں صرف کردیا، دور حاضر میں یہ صفات اللہ رب العزت نے جن محبوب بندوں کو عنایت فرمائی تھیں انہیں میں سے خانوادۂ علم اللہی کے ایک چشم وچراغ، مبلغ اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تھے جو ہر وقت دین اسلام کی دعوت وتبلیغ اور برادران وطن کو اسلام سے روشناس کرانے میں سرگرم عمل ہوئے، انہوں نے اپنا سارا وقت اسی مبارک کام کے لیے وقف کردیا۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

دنیا میں بہت سے لوگ اپنے کام کو ظاہر کرکے لوگوں میں شہرت حاصل کرنے کا شوق رکھتے ہیں اور اس کے لیے وہ لباس کی زیب وزینت اور حواریین کی کثرت سے مدد حاصل کرتے ہیں، لیکن ہمارے مولانا عبداللہ صاحبؒ ان تمام چیزوں سے پرے، اللہ کی رضا اور اس کی جانب سے ملنے والے اجر پر نگاہ رکھتے تھے اور اسی کی اپنے مبلغین کو ہدایت بھی کیا کرتے تھے۔

عام طور پر دنیا میں جو لوگ دعوت وتبلیغ اور تزکیۂ نفوس کا کام کرتے ہیں وہ کام ان کی زندگی تک ہی محدود رہتا ہے، اس کی وجوہات بہت سی ہوسکتی ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، لیکن مولانا عبداللہ صاحبؒ اس چیز میں بھی دیگر لوگوں سے ممتاز نظر آتے ہیں، کیوں کہ آپ نے بذات خود دعوت کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ کام کرنے والوں کی ایک ایسی جماعت بھی تیار کردی جو آپ کی وفات کے بعد اس کو ان شاء اللہ بحسن وخوبی انجام دیتی رہے گی اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، اسی وجہ سے شاعر کے مصرعہ میں تبدیلی کرکے یہ عنون بنایا گیا ہے ع

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی سجا گئے

لوگ عام طور پر کام سے فراغت کے بعد دکان بڑھاتے ہیں، مگر مولانا مرحوم نے دکان بڑھائی نہیں بلکہ انہوں نے آگے کے لیے اور بھٹکے ہوئے لوگوں کی ہدایت کے لیے اپنی دکان مخلصین اور داعیوں کے ذریعہ سجادی تاکہ اس سجی ہوئی دکان سے لوگ اپنا مقصود زندگی اور رضائے الٰہی کا سودا حاصل کرکے کامیاب وبامراد دنیا سے رخصت ہوں۔

اس مبارک خانوادہ سے میرا خادمانہ تعلق تقریباً ۲۶ رسال سے ہے، اور میں نے اس خادمانہ زندگی میں مولانا مرحوم کی جن اہم صفات کا مشاہدہ کیا ان میں سب سے اہم چیز ان کا وہ اخلاص کامل تھا جو عام طور پر معاصرین میں دیکھنے کو نہیں ملتا، اس اخلاص کا نتیجہ تھا کہ مولانا بڑے بڑے معاملات آسانی سے حل فرمادیا کرتے تھے..... (باقی صفحہ ۱۵۲ پر)

خال معظم مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

حیات مستعار کے چند گوشے

مولانا محمود حسن حسنی ندوی (نائب مدیر تعمیر حیات، لکھنؤ)

داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا، اور جو کچھ اللہ کی رضا جوئی کے اعمال کیے تھے ان کا صلہ پانے اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے، انہوں نے بڑی پاکیزہ زندگی گزاری، اگر خاندانی پس منظر میں جایا جائے تو خاص طور پر ان کی شاخ حسنی شاخ ہے جسے طلائی زنجیر کہا جا سکتا ہے، ان کے دادا کے پردادا مولانا سید عبدالعلی حسنی نصیر آبادی امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہیدؒ کے مرید و مجاز تھے اور ان کے خلیفہ حضرت مولانا سید محمد ظاہر حسنیؒ کے داماد تھے، اس قدر پرہیزگار انسان تھے کہ ان کا گھوڑا بھی حرام چارے سے پرہیز کرتا تھا یہاں تک کہ اس کے سامنے وہ چارہ ڈال دیا جاتا جو مسلمان کے لیے حلال اور مناسب نہیں وہ اس سے پرہیز کرتا تھا، ان کے فرزند مولانا سید فخر الدین خیالی بڑے مؤرخ مصنف اور صاحب قلب و نظر عالم دین تھے، اور اپنے وقت کے بڑے صاحب نسبت بزرگ اور مصلح حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ کے خلیفہ تھے، ان کی شادی ہنسوہ فتح پور میں حسینی سادات کی ایک بزرگ شخصیت مولانا سید سراج الدین ہنسوی خلیفہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی صاحبزادی سے ہوئی جن سے مولانا سید عبدالحی حسنیؒ پیدا ہوئے، مولانا سید عبدالحی حسنیؒ کی شخصیت ندوۃ العلماء کی نظامت سے ملک میں معروف ہوئی اور پھر جب ان کی کتاب ''نزہۃ الخواطر'' ہندستان کے اعلام مسلمین کے حالات پر عربی میں شائع ہوئی تو بیرون ملک میں ان کا اچھا تعارف ہوا، ان کا اونچا علمی مقام تھا اور ان کی شخصیت علم و عرفان کی سنگم تھی، اپنے عہد کے ممتاز علماء و محدثین سے علم حاصل کیا، اور اعلیٰ نسبت کے حامل مشائخ سے سلوک طے کیا، اور اجازت و خلافت سے بھی سرفراز ہوئے، ان کے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہوئیں اور یہ سب ایک سے ایک بڑھ کر ہوئے، بڑے صاحبزادے مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ نے بھی زندگی ورع و تقوی اور اتباع سنت کے ساتھ گزاری، اور دینی علم امتیازی حیثیت سے ندوہ اور دیوبند میں حاصل کر کے جدید علوم میں بھی کمال پیدا کیا، اور امتیازی نمبرات کے ساتھ M.B.B.S. پاس کیا، لیکن ان کا اصل جوہر مردم سازی تھا، پہلے اپنے چھوٹے بھائی جو والد ماجد کے انتقال سے یتیم ہو گئے تھے کی تربیت کی اور ربانی عالم بنانے کے جو اس وقت کے مؤثر ذرائع تھے وہ اختیار کیے، پھر اپنے بھانجوں مولانا محمد ثانی حسنیؒ، مولانا محمد رابع حسنی، مولانا سید محمد واضح حسنی کی تعلیم و تربیت کا نظم اپنی نگرانی میں بنایا اور ایک ہی فرزند تھے، پانچ صاحبزادیوں کے بعد یہ فرزند مولانا سید محمد الحسنیؒ تھے، ان کی پوری تعلیم و تربیت کا نظم گھر میں قائم کیا، صحیحین سے استفادہ کے لیے مولانا شاہ حلیم عطا مرحوم کی خدمت میں ندوہ بھیجا اور شادی بھی جلدی کر دی صرف بیس سال عمر تھی، شادی کے ایک ڈیڑھ سال کے عرصہ میں فرزند تولد ہوئے، مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کو محمد اور عبداللہ نام بہت پیارے تھے، بیٹے کا نام محمد رکھ چکے تھے، پوتے کا عبداللہ رکھا جو عالم عربی میں عبداللہ محمد الحسنیؒ کے نام سے معروف ہوئے، مولانا سید عبداللہ حسنیؒ کو دادا کی بڑی ہی توجہ اور شفقت حاصل ہوئی اور پوتے کو دادا سے اس قدر انس ہو گیا کہ وہ سوتے تو دادا کے پاس آ کر سوتے، دادا انہیں قریب رکھتے اور سب سے زیادہ قریب رکھتے، صاحب فراست و بصیرت دادا کا یہ انس صرف اس لیے نہیں تھا کہ یہ ان کے دادا تھے، دادا کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ ان کا مستقبل بڑا تابناک ہونے والا ہے، دادا کو غیر مسلموں میں اسلام کے تعارف کا بڑا جذبہ اور فکر تھی، یہ جذبہ اور فکر پوتے میں ایسا منتقل ہوا کہ آگے بڑے ہو کر

انہوں نے اس فکر کو اپنے اوپر پورے طور سے طاری کرلیا، اور اسی میں جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو حصول تعلیم سے لے کر تدریس، دعوت، اصلاح وتربیت، ارشاد و توجیہ میں منقسم نظر آئے گی، محلّہ کے مکتب میں پہلے تعلیم حاصل کی، گھر میں ایک استاذ پڑھانے بھی آتے تھے، پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں معہد ثانویہ میں داخلہ لیا، ندوۃ العلماء کے موجودہ اساتذہ میں ابتدائی و ثانوی درجات میں مولانا شمس الحق ندوی اور مولانا نذر الحفیظ ندوی نے خصوصی توجہ سے پڑھایا، پھر عالی درجات میں مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی ومولانا واضح رشید حسنی ندوی سے، مولانا برہان الدین سنبھلی سے تفسیر، مولانا مفتی محمد ظہور ندوی سے فقہ، مولانا ضیاء الحسن اعظمی سے سنن ابو داؤد، مولانا عبدالستار اعظمی سے صحیح بخاری شریف پڑھی، اور بعد میں یہ سعادت بھی حاصل کی حضرت مولانا محمد احمد پرتاپگڑھیؒ نے بھی ایک موقع پر صحیح بخاری کی اجازت دی، اور گذشتہ سفر حج (۲۰۱۱) میں شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوری نے مسجد نبوی کے جوار میں مختصر مجلس میں اجازت حدیث دی، حدیث مسلسل بالاولیہ اور صحیح بخاری شریف کی پہلی حدیث خاص کیفیت سے پڑھ کر اس پر کچھ گفتگو فرمائی اور مولانا مرحوم سے اپنے خاص تعلق کا بھی اظہار فرمایا کہ ہم چاہتے تھے کہ تمہیں کچھ دیں، اور یہ شفقت بھی فرمائی کہ ان کے بھائی مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی کو اور مجھ ناچیز کو بھی اجازت میں شریک فرمایا، علامہ محدث شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے اپنے سفر ہند میں ندوۃ العلماء میں قیام فرمایا تھا اور اساتذۂ ندوۃ العلماء کو اجازت حدیث دی، ان اساتذہ میں مولانا مرحوم بھی تھے۔

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کو اہل اللہ کی شفقتیں شروع سے آخر تک خوب حاصل رہیں، پیدائش کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے ان پر نظر محبت ڈالی، لکھنؤ کے سفر میں حضرت مدنیؒ کا قیام ان کے دادا کے مکان پر رہا کرتا تھا، ان کی پیدائش ۲۹/جنوری ۱۹۵۷ء کو ہوئی، اور حضرت کا اسی سال کے آخر میں وصال ہوا، ۹ یا ۱۰ سال کی عمر رہی ہوگی کہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ جو آپ کے دادا اور مربی سرپرست تھے آپ کو اپنے ساتھ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہٗ کی خدمت میں لے گئے اور باوجود صغرسنی کے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ انہیں بیعت میں داخل فرمالیں، حضرت شیخ نے یہ خصوصیت برتی کہ حجرہ میں تنہائی میں ان کو بیعت کیا، اس عمر میں یہ بیعت بیعت تبرک کہی جاتی ہے، لیکن مولاناؒ نے اس کو یونہی نہیں لیا، ایک عہد و معاہدہ سمجھ کر اپنی زندگی کو اسی وقت سے سنت کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش شروع کردی، اور جب جب حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ سہارنپور حضرت شیخ کی خدمت میں جانے تو از راہ شفقت انہیں بھی ساتھ لے لیتے، انہیں حضرت کی اس طرح توجہات حاصل ہوتیں، اور اس وقت یہ توجہ زیادہ بڑھ گئی جب آپ نے اپنے شیخ کے شیخ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ پر اپنے چچا مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کی تالیف حیات خلیل کی تلخیص کرکے اس کی تعریب کی جو پہلے مجلّہ البعث الاسلامی میں شائع ہوئی اور پھر مستقل کتاب کی صورت میں شائع ہوئی۔

انہیں اپنے شیخ بیعت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے تعلق روز افزوں بڑھتا گیا، وہ چاہتے تھے شیخ سے دوسرے بھی تعلق پیدا کریں، حضرت شیخ کی آخر زندگی میں جب ہندوستان کے سفر پر تھے اور شیخ کا گھر میں خوب تذکرہ ہو رہا تھا وہ مولانا محمد ثانی حسنیؒ سے کہنے لگے کہ بلال اور محمود کو بھی حضرت شیخ کی زیارت کرادی جائے، ہم لوگوں کی عمریں کم تھیں اور یہ سفر نہ ہوسکا، حضرت شیخ کا سفر ہند پورا ہوا اور پھر چند مہینوں بعد مولانا محمد ثانی حسنیؒ کا سفر آخرت پیش آگیا اور پھر خود حضرت شیخ نے بھی دنیا کو الوداع کہا، حضرت شیخ کی وفات کا اثر سبھی خواص وعوام پر تھا، ان کی وفات سے یہ محسوس کیا گیا اور بعض اخبارات نے یہ سرخی بھی لگائی کہ علم ومعرفت کا آفتاب غروب ہوگیا، خال معظم مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ پر بھی اس حادثہ کا بڑا اثر پڑا، لیکن حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کے ظل عاطفت میں ہونے نے انہیں روحانی یتیمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے بعد انہیں اپنے عہد کے مشہور بزرگ عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد پرتاپگڑھیؒ کی خاص توجہ اور شفقتیں حاصل ہوئیں، اور یہ تعلق اس لیے بھی زیادہ بڑھا کہ ان کے والد مولانا سید محمد الحسنیؒ کا حضرت

پرتا پگڑھیؒ سے بڑا گہرا تعلق تھا اور حضرتؒ کے دیوان شعری کو ترتیب دینے اور عنوان قائم کرنے کے بعد شائع کرانے کا بھی انہوں نے اہتمام کیا تھا، حضرت پرتا پگڑھیؒ ان کا اور ان کے پھوپھی زاد بھائی مولانا سید سلمان حسینی ندوی کا بڑا خیال فرماتے، جب یہ لوگ پہنچ جاتے تو صابری منزل الہ آباد میں خاصی دیر دیر اور رات کا بڑا حصہ گزر جانے تک مجلس ہوتی، حضرتؒ خود اپنے اشعار سناتے، اور عرفان و محبت کے موتی بکھیرتے جسے چن چن کر یہ دونوں ہار بنادیتے، جب یہ دونوں حضرت سے رخصت ہونے لگتے تو حضرتؒ پر محبت کا پھر غلبہ ہوتا اور چاہتے کہ یہ دونوں اور رہیں، محبت کے نرالے انداز سے ان دونوں کو رخصت کرتے، لکھنؤ تشریف لاتے، تو مولانا محمد الحسنیؒ مرحوم کے مکان پر بھی تشریف لاتے اور ۱۹۷۷ء کا واقعہ ہے اس وقت کی اس مکان پر مجلس کے ملفوظات ان دونوں نے جمع کیے جو تعمیر حیات میں شائع ہوئے۔

تیسری بزرگ شخصیت محی السنہ حضرت مولانا ابرار الحق حقیؒ کی ہے، جن سے تعلق اسی زمانہ سے ہو گیا تھا، جب حضرت محی السنہؒ حضرت پرتا پگڑھیؒ کی خدمت میں الہ آباد تشریف لاتے، حضرت پرتا پگڑھیؒ آپ کو وعظ کے لیے کہتے، حضرت محی السنہؒ کی خدمت میں ہردوئی حاضر ہونے کا مولاناؒ نے معمول بنالیا اور جب بھی حضرت محی السنہؒ کی لکھنؤ تشریف آوری ہوتی، وہ اس تشریف آوری سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے، حضرت کے انتقال پر عربی جریدہ الرائد میں جن کے وہ مدیر تحریر تھے تاثراتی مضمون تحریر کیا جو توازن و جامعیت کا بہترین نمونہ ہے، حضرت کی وفات کے بعد وہ ان کے جانشین حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ اور حضرت کے دیرینہ رفیق و شریک کار حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ سے ملاقات کے لیے سفر کرتے۔

بقیۃ السلف حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ کی بھی مولاناؒ پر خاص توجہ و عنایت رہی، انہوں نے اپنے بعض سفروں میں انہیں ساتھ رکھا، ایک سفر جس کا وہ خود بڑا تذکرہ فرماتے اس میں حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور بھی تھے، حضرت کے مجاہدہ و مشقت اور دین و ملت کے لیے تڑپ کا ذکر فرماتے، اور دونوں بزرگوں کا کمال بیان کرتے کہ حضرت قاری صاحبؒ جو مشقت اٹھاتے ہیں، وہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں، ہر ایک ان کے ساتھ رہ بھی نہیں سکتا، اور مولانا کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے استفادہ کے خیال سے پوری خندہ پیشانی سے مزاج کے خلاف برداشت کیا، اور ان دونوں بزرگوں نے خال معظم کا بے حد خیال رکھا، اس پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔

جہاں تک ان کے دادا سرپرست اور شیخ صحبت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا تعلق ہے، تو حضرت کو آپ سے بڑی محبت تھی اور آپ پر بڑی عنایت و توجہ تھی، جوان کے بچپن سے جوانی تک ہر ہر موقع پر ظاہر ہوئی، اس طرح بھی ظاہر ہوئی کہ کوئی چیز خود کھائی اور پھر ان کو شریک فرمالیا، کوئی چیز لی اور پی کر ان کو پینے کو دے دی، ان کی طرف نظر عنایت فرمارہے ہوتے اور جب یہ حضرت کو دیکھنے لگتے تو حضرت اپنی مشغولیت دوسری طرف کر لیتے، ندوہ کے دارالعلوم میں استاذ ہوئے تو حضرت نے تنخواہ لینے سے منع فرمایا اور بعد میں ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے تنخواہ دیئے جانے کی بات مشورہ میں رکھی تو حضرت نے پھر منع نہ فرمایا، مگر خود انہیں یہ فکر طاری رہی کہ کوئی اور ذریعہ نکل آئے تو اس ذریعہ کو بند کردیں، قطر میں عالمی سیرت کانفرنس میں اور سعودی عرب حضرت انہیں اپنے ساتھ لیے گئے اور ہندوستان کے سفروں میں خوب ساتھ رکھا، اپنے متوسلین کو ان سے تعلق رکھنے کو فرمانے لگے، گویا مجاز صحبت بہت پہلے سے کردیا اور پھر انتقال سے دو ہفتہ قبل باقاعدہ بیعت کرنے کو کہا اور اجازت بیعت وارشاد دینے کے بعد مجھ سے فرمایا: عبداللہ کو ہم نے اجازت دی ہے، اور وہ اس کے اہل ہیں، بڑے انشراح اور بشاشت سے بات فرمائی، حضرت حسن بصریؒ نے مومن کے اخلاق وصفات بیان کرتے ہوئے کہا ہے: "إِنْ أَحْسَنَ إِسْتَبْشَرَ وَ إِنْ أَسَاءَ إِسْتَغْفَرَ" مومن کا حال یہ ہوتا ہے کہ عمل کرنے کے بعد دو کیفیت میں کوئی ایک کیفیت طاری ہوتی ہے، بشاشت کی یا انقباض کی، اچھے عمل کا اثر شکر کی حالت پیدا کرتا ہے اور انقباض کی کیفیت استغفار کا حال پیدا کرتی ہے، خال معظم مولانا سید عبداللہ حسنیؒ کو انشراح و بشاشت کی یہ کیفیت بتائی تو انہیں حد درجہ خوشی ہوئی لیکن یہ خوشی اس احساس کے ساتھ تھی کہ وہ خود اپنے کو ذرا بھی اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے بلکہ یہی نہیں ان کو اور جو تعلیمی، دعوتی، اور زبان و قلم

کی صلاحیتیں ودیعت ہوئی تھیں، ان کا بھی اپنے کو اہل نہیں سمجھتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ ایک دعا کا ہم نے ہمیشہ اہتمام کیا ہے کہ اے اللہ! ہمیں بلا استحقاق عطا فرمایا، یہ بس اللہ کا فضل ہے وہ اپنے فضل سے دے رہا ہے، جب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا سانحہ ارتحال پیش آگیا تو انہوں نے جمعہ میں اس کے چند لمحات کے بعد اپنے کو سنبھال کر جو خطاب کیا وہ ان کے ایمان، استقامت اور تعلق مع اللہ کا وہ روشن عمل تھا جس کی نظیر کم ملتی ہے، ان کا تعلق حضرت مولاناؒ سے عصبہ کا تھا اور یہ اور ان کے چھوٹے بھائی ان کے وارث ہوتے تھے، فوراً حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو اپنا اور اپنے تمام خاندان کا بڑا اور سرپرست مان کر ان سے نماز جنازہ پڑھانے کو کہا، اور پھر اپنی تمام زندگی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو اپنا سرپرست مان کر ان کے مشوروں سے کاموں کو آگے بڑھایا اور برابر ان کو اس کی فکر دامن گیر رہی کہ حضرت ان کو جو مشورہ دے رہے ہیں اس میں ان کا انشراح بھی ہونا چاہیے، ان کو انشراح کی بڑی فکر رہتی تھی، اور اسی طرح ان کو اپنے دوسرے چچا حضرت مولانا سید محمد واضح حسنی ندوی کا بھی خیال رہتا، اور ان کی بھی رہنمائی حاصل کرتے۔

خال معظم مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کو اور جن اصحاب قلوب اور ارباب علم ومعرفت کی توجہات حاصل ہوئیں ان میں پیشاور کے معروف بزرگ حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی بھی ہیں جنہوں نے اپنے سفر لکھنؤ میں ان کو دیکھ کر ایسے جملے ارشاد فرمائے تھے جس سے آگے چل کر بڑے کام انجام دینے کا اشارہ ملتا تھا، اور آپ پر انہوں نے بڑی توجہ وشفقت فرمائی تھی۔

گنگوہ میں حکیم عبدالرشید نھو میاں جو شیخ الشیوخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پوتے اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مجاز صحبت تھے نے آپ کے ساتھ بڑی تکریم واعزاز کا معاملہ فرمایا جب وہ اپنے سفر گنگوہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، اس موقع پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ تفسیر مولانا محمد عارف سنبھلی ندویؒ بھی ساتھ تھے، انہوں نے حضرت حکیم عبد الرشید نھو میاں سے ان کا تعارف کرایا، خال معظمؒ اس کو اپنے بزرگان خاندان حضرت سید احمد شہیدؒ، مولانا عبدالحی حسنیؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی نسبت کا اثر خیال فرماتے تھے۔

خال معظمؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم کو بزرگوں کی خدمت میں حاضری کا بڑا شوق شروع سے رہا، اور جس صاحب دل بزرگ کا پتہ چل جاتا اس کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا، اور یہی نہیں وہ جہاں کہیں جاتے بزرگوں کا حال معلوم کرتے اور پوچھتے یہاں کوئی ایسا شخص تو نہیں جس کا حال لوگوں سے مخفی ہو اور وہ اللہ والا ہو، چنانچہ سفر دیوبند میں ان کو ایک ایسے بزرگ کا پتہ چلا کہ وہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے لوگوں میں ہیں، ان کے خلیفہ ہیں، اور لوگوں سے اختلاط نہیں رکھتے، بس قرآن شریف کی تلاوت کرتے رہتے ہیں، وہ لوگوں سے ملتے جلتے نہیں ہیں لیکن حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کی نسبت سے ان کو بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے آپ کا بڑا خیال فرمایا۔

خانقاہ رائے پور کے مشائخ بھی آپ کا بڑا خیال فرماتے، جب تک حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوری حیات تھے ان کی زیارت کی اور پھر حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری، حضرت مولانا حکیم سید مکرم حسین صاحب سنسارپوری وغیرہ اسی طرح سہارنپور میں حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی، حضرت مولانا محمد یونس جونپوری، حضرت مولانا مفتی مظفر حسین ابرارڑوی سے بھی وہ اپنے سہارنپور اور اس کے اطراف کے سفر میں ہوتے تو ضرور نیاز حاصل کرتے اور دعائیں لیتے، اور آخر میں کاندھلہ کے تین اہم سفر کیے، یادگار اسلاف حضرت مولانا مفتی افتخار الحسن کاندھلوی دامت برکاتہم کی خدمت میں گئے اور کچھ دن رہ کر قیام کیا، اس موقع پر حضرت کی بڑی توجہ ان کو حاصل ہوئی اور حضرت سے محبت وعقیدت کا تعلق قائم ہوا، آخر میں جب وہ بہت بیمار ہو گئے تھے، حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اس بیماری میں مولانا نے تقرب الی اللہ کے بڑے مقامات طے کیے ہیں، اور تیمارداروں سے کہا کہ آپ ان کی خدمت کر کے یہ مقامات حاصل کیجیے۔

دہلی کے سفروں میں جب تک حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ حیات رہے، ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بعد میں بھی نظام الدین مرکز سے اپنے روابط قائم رکھے، لکھنؤ میں حضرت

مولانا محمد منظور نعمانیؒ سے استفادہ کے مواقع بہت ملے اور جب حضرت مولانا نعمانیؒ کے اعذار بڑھ گئے جس کی وجہ سے ان کا باہر آنا کم ہوتا، اور دینی پروگراموں میں بھی شرکت نہ ہو پاتی وہ حضرت مولانا نعمانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے، ایک بار راقم الحروف کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے، حضرت مولاناؒ پر ان کو دیکھتے ہی خاص کیفیت طاری ہوگئی، اور آواز بھرا گئی، خال معظم نے دعا کے لیے کہا حضرت مولانا نعمانیؒ نے فرمایا: اس دعا کو ہم نے اپنے معمول میں بنا لیا ہے: "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِکُلِّ مَنْ لَہٗ عَلَیَّ حَقٌّ" اس میں یہ اشارہ تھا کہ آپ کے لیے دعا کیوں نہیں کریں گے آپ کا تو ہم پر حق ہے، پھر حضرت نعمانیؒ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، اور گریہ طاری رہا، مشہور شیخ طریقت و ربانی عالم حضرت مولانا عبد الرحیم مجددی جے پوری کی عنایت بھی آپ پر بہت رہی اور ان کی آپ پر شفقت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ سفر و حضر میں آپ کو اپنے ساتھ رکھیں اور آپ کی ظاہری و باطنی صلاحیتوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچائیں، حضرت مولانا عبد الحلیم جون پوریؒ کی خدمت میں گورینی گئے، حضرت نے آپ پر شفقت فرمائی اور ندوہ سے اپنے تعلق کا اظہار کیا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو اللہ نے جو محبوبیت و مقبولیت عطا فرمائی اس میں وہ اپنی نفی کرتے ہوئے محض اللہ کا فضل قرار دیتے تھے، اور ظاہری اسباب میں والد کا اخلاص، بھائی صاحب کی تربیت اور والدہ کی دعاؤں اور مشائخ کی توجہات کا ذکر فرماتے، خال معظمؒ کو مشائخ کی توجہ اور دوسروں کی دعاؤں کی بڑی فکر رہتی، اس کا ایک بڑا فائدہ ہوتا ہے کہ آدمی عجب سے بچ جاتا ہے، تربیت ان کو اپنے والد کی خوب ملی اور پھر ان کے چچا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی اچھی طرح ملی، اور والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا موقع اللہ نے خوب دیا اور ان کی خوب دعائیں اس طرح حاصل کیں۔

ایک بار راقم الحروف نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے تنہائی میں یہ بات دریافت کی: ابا جان! روحانی ترقی کن باتوں سے زیادہ ہوتی ہے، تھوڑے توقف سے فرمایا: ذکر و عبادت اخلاص و استقامت کے ساتھ ہو، اور دعوتی کام ایمان و احتساب کے ساتھ ہو۔ خال معظمؒ نے ان دونوں اعمال کو پوری توجہ اور استقامت سے اختیار کیا اور اصلاح و تربیت کے کام کا جو میدان ملا اس میں انہوں نے اس طرح کام کیا کہ اللہ کے خاطر دوسروں کے لیے اپنے کو وقف کر دیا تھا، جو جب آجائے اس کے لیے در کھلا رہتا، دکھ درد سنتے اور دوا تجویز کرتے، ایک آتا اپنی بات کہہ کر جاتا دوسرا تیار رہتا، صبح سے سلسلہ شروع ہو جاتا، نماز سے فارغ ہوتے تو کوئی نہ کوئی اپنا حال لیے کھڑا رہتا، اور ساتھ ہو لیتا، ناشتہ اور کھانے میں بھی لوگوں کو شریک کر لیتے، ندوہ کے اوقات میں تعلیمی گھنٹوں میں درجات عالیہ و علیا میں تعلیم و تربیت کا کام اور گھنٹوں کے علاوہ دفتر میں دعوت اور اصلاح و تربیت کی غرض سے آنے والے اپنا کام لے کر حاضر ہو جاتے، الرائد کے مدیر التحریر اس لیے مضمون لکھنا، اور ہدایات دینا، مجلسی افادات کے ساتھ پروگراموں مین تقریر کے لیے جانا، اور عصر کے بعد گھر کے باہری حصہ میں خاتون منزل کا وہ کمرہ جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے لیے خاص تھا، مجلس ہوتی جس میں شہر کے لوگ اور ندوہ کے احباب طلبہ اور بعض اساتذہ آتے، کتاب پڑھی جاتی اور آپ کچھ ارشاد فرماتے، حاضرین مجلس بڑا نفع محسوس کرتے اور آپ سے اصلاحی تعلق قائم کر کے تعلق مع اللہ کی سوغات لیتے، ظہر بعد قیلولہ کا معمول اتنا ہی تھا جتنا سنت سے ثابت ہے، رات میں بھی اتنا ہی سوتے کہ رات کا آخری حصہ متاثر نہ ہو، یہ حصہ دعا و مناجات ذکر و نماز کا ہوتا، ذکر کے دوران اشعار بھی شوق پیدا کرنے والے اور اللہ سے محبت بڑھانے والے پڑھتے۔

غیر مسلموں میں دعوت کے کام کا جذبہ ساری فکروں پر غالب تھا اور عالمی سطح، اسلام کے تعارف کی فکر آپ کو بے چین کیے ہوئے تھی اور آپ نے چین، آسٹریلیا کے لیے افراد تیار کر کے بھیج دیے تھے، جنوبی افریقہ کے لیے بھی افراد تیار کر رہے تھے۔

جہاں تک تصنیفی ذوق اور تحریری سرمایہ کا تعلق ہے، یہ آپ کو موروثی طور پر ودیعت ہوا تھا، آپ کا خاندان مصنفین کا خاندان کہلاتا ہے، لیکن اس موروثی ذوق کے باوجود آپ کی باقاعدہ کوئی تصنیف سامنے نہ آسکی البتہ آپ کی سرپرستی میں خاصا تصنیفی کام انجام پایا، اس میں سرفہرست کام "قرآنی افادات" کا ہے جو آپ کی رہنمائی میں مولوی رسال الدین حقانی ندوی نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید

ابوالحسن علی ندویؒ کی کتابوں اور خطابات سے جمع کر کے مرتب کیا، دوسرا کام ''اسلام کا تعارف'' ہے یہ کام بھی آپ کی رہنمائی میں مولوی رسال الدین حقانی ندوی نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتابوں سے جمع کر کے مرتب کیا، اس کا انگریزی ترجمہ آپ نے ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط صاحب (نئی دہلی) سے کرایا جو "Islam-An Introduction" کے نام سے طبع ہو کر بڑی ہی مقبول ہوئی، ہندی میں ''اسلام ایک پریچے'' کے نام سے ہزاروں ہزار کی تعداد میں متعدد ایڈیشن شائع ہو کر عام ہوئے، اور غیر مسلموں پر اس کا غیر معمولی اثر پڑا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتابوں کو سامنے رکھ کر ''اسلام میں عورتوں کے حقوق و فرائض'' پر ایک کتاب مولوی عزیز اللہ ندوی سہارنپوری سے مرتب کرائی جو جامعۃ المؤمنات لکھنؤ نے شائع کی اور پھر پاکستان میں کراچی سے طبع ہوئی اور یہ کتاب بھی بہت مقبول ہوئی اور یہ تینوں ایسے تصنیفی کام تھے، جن کی بڑی ضرورت تھی، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو بڑی ہی مسرت ان کاموں کو دیکھ کر ہوئی اور انہوں نے اظہار مسرت کرتے ہوئے دعائیہ کلمات بھی تحریر فرمائے، اور بڑا اعتماد ظاہر فرمایا، اس سے خال معظمؒ کا حضرت مولاناؒ سے تصنیفی ذوق اور فکر دعوت میں مناسبت کا پتہ چلتا ہے۔

جہاں تک رسائل کا تعلق تو ان کا ایک رسالہ ''نیک صحبت کی ضرورت'' طبع ہو کر بڑا ہی مقبول ہوا اور ہزاروں ہزار کی تعداد میں طبع ہوا، دوسرا رسالہ ''مثالی اخلاق'' جو تین یا چار قسطوں میں تعمیر حیات میں شائع ہو چکا تھا، زیر طبع ہے، ان دونوں رسالوں کی ناشر سید احمد شہیدؒ اکیڈمی ہے۔

عربی میں عظیم مصلح و مربی حضرت مولانا خواجہ احمد نصیر آبادیؒ پر ان کے مضامین قسط وار الرائد میں شائع ہوئے تھے، جس کے وہ ایڈیٹر تھے، مگر کتابی شکل میں یہ مضامین منظر عام پر نہ آسکے، ان کے علاوہ بعض دوسری اہم مصلح شخصیات پر آپ نے عربی اور اردو میں مضامین لکھے، اردو میں عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڑھیؒ پر آپ کا تجزیاتی و مشاہداتی مضمون ایک قیمتی علمی سرمایہ ہے، جو استاذ محترم مولانا شمس الحق ندوی کی کتاب نمونۂ سلف مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڑھیؒ کا حصہ ہے، مولانا کے ملفوظات بھی مرتب فرمائے تھے جو تعمیر حیات اور نقوش اسلام رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ایما پر جو اصلاً حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کا ایماء تھا حیات خلیل مؤلفہ مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کی تلخیص و تعریب کی جو کتابی صورت میں منظر عام پر آئی اور اس کا ایڈیشن ختم ہو گیا۔

عربی رسائل میں بعض کے ترجمے بھی کیے، جن میں بعض شائع ہوئے اور بعض شائع نہ ہو سکے، نزہۃ الخواطر جو آپ کے پر دادا مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ کی معرکۂ آرا تصنیف ہے کے ایک حصہ کا اردو میں ترجمہ فرما رہے تھے مگر وہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

تحقیقات و تعلیمات کا جہاں تک تعلق ہے، تو حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتاب "الفوز الكبير في اصول التفسير" پر کچھ کام اس زمانہ میں کیا تھا جب وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اس کتاب کا درس دے رہے تھے، جسے منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے۔

اور حضرت مولانا حکیم عبدالحی حسنیؒ کی حدیث پر کتاب ''تہذیب الاخلاق'' پر کام کا ارادہ تھا لیکن یہ ارادہ عملی طور پر دروس کی شکل میں مکمل ہوا اور یہ مکمل دروس محفوظ کر لیے گئے ہیں، اور اس کے بعض حصے تعمیر حیات میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔

جہاں تک مقالات و مضامین کا تعلق ہے تو ان کا بڑا ذخیرہ جریدہ الرائد میں محفوظ ہے جس کا تیسرا افتتاحیہ انہی کے قلم سے نکلتا تھا، پہلا افتتاحیہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا ہوتا، دوسرا شمارے کا افتتاحیہ اس کے رئیس التحریر مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کے قلم سے ہوتا اور تیسرے شمارہ کا افتتاحیہ خال معظم مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کے قلم سے ہوتا اور یہ سب اپنا الگ رنگ لیے ہوتے، اور سارے مسائل کا حل اسلام میں ہی پیش کرنے کی دعوت دے رہے ہوتے، چونکہ آپ تعمیر حیات کے بھی مشاورتی بورڈ کے رکن تھے، اس لیے اس میں بھی مضامین شائع ہوئے، اور اپنے خاندانی رسالہ ماہانہ رضوان میں زمانۂ طالب علمی سے لکھتے آئے تھے، اس کے علاوہ ماہانہ بانگ درا اور بانگ حراء میں بھی مضامین

شائع ہو رہے تھے۔

چونکہ آپ کی دعوتی مشغولیت بڑھتی چلی گئی تھی اس لیے جو تصنیفی پلان آپ کے ذہن میں تھا اور اس کے لیے آپ خود اپنے کو فارغ نہیں کر پا رہے تھے اپنے خوردوں کو اس کی طرف متوجہ کیا، جیسے تاریخ اصلاح و تربیت کا کام تاکہ سلاسل تصوف کے تذکرہ و تاریخ میں جو بے سروپا باتیں آگئی ہیں ان کو الگ کر کے توحید خالص اور اتباع سنت کی باتوں کو سامنے لایا جائے، اور اس کی ایک مسلسل تاریخ پیش کی جائے تاکہ اس واہمہ کا تدارک کیا جاسکے، کہ ان میں انقطاع تو نہیں ہے اور ان کو بدعت کا نام دے کر تعلق مع اللہ کے حصول کے طریقوں کے اختیار کرنے سے دور تو نہیں کیا جارہا ہے اور ثابت کیا جاسکے کہ یہ الزام خود بدعت ہے، اس بڑے کام سے پہلے راقم نے سلاسل اربعہ کو تحقیقی طور پر ان کے مشائخ کے صحیح نام و نسبت کے ساتھ رسالہ مرتب کرایا، اور اس پر مقدمہ از خود لکھا یہ بھی مختلف زبانوں میں ہزاروں ہزار کی تعداد میں طبع ہوا۔

غیر مسلموں میں دعوت کے کام کو قوت بخشنے کے لیے نئے نئے طریقے آپ کے ذہن میں آتے اور تقریر و ملاقاتوں، پروگراموں، برادران وطن کی سرکردہ شخصیات کو سامنے لاکر اسلام کا پیام امن وانسانیت عام کرنے کے طریقے کے ساتھ تصنیفی طریقوں سے بھی کام لیتے، چنانچہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب قصص النبیین کا ہندی ترجمہ مولانا سید احمد علی حسنی ندویؒ نے کیا، تو اس کو طبع کرا کر ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں پورے ملک میں پھیلایا اور بعض دوسری زبانوں میں بھی نبیوں کے قصے کے نام وعنوان سے پیغام توحید رسالت عام کرایا اور شوق آخرت پیدا کرایا، یہ ایسا مصلحانہ کام ثابت ہوا کہ غیر مسلموں کی نظر میں یہ کتاب بڑی مفید ثابت ہوئی، انہوں نے ہاتھ میں لیا، اور یہ پیغام ان کے دلوں میں اتر گیا جو اسلام لانے کا محرک بھی بنا، اسی طرح اچھی تعداد میں لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے، جو اہل اسلام بدعات و خرافات میں مبتلا تھے انہوں نے ان سے اپنے دل و دماغ کو دھویا اور توحید وسنت کے وہ دلدادہ بنے۔

صحابہ کرام کی سیرت کا وہ پہلو جو ان کے اسلام لانے اور اس کی خاطر قربانیاں پیش کرنے کا ہے اس پر کام کرنے کے لیے آپ نے مولوی عبدالعلیم ندوی مقیم کلکتہ کو متوجہ کیا اور دو جلدوں میں انہوں نے یہ کام انجام دیا، افسوس کے آپ کی زندگی میں یہ طبع نہ ہوسکا۔

ایک کام صحابہ کی زندگی کا ان کے ذہن میں خوب آیا کہ ان کے اقوال و ملفوظات میں تربیتی پہلو کے حامل ملفوظات کو جمع کیا جائے، تاکہ توازن واعتدال امت میں جو کم ہوتا جارہا ہے اس کو صحیح رُخ پر لایا جائے، مثال کے طور پر حضرت ابوالدرداءؓ نے دمشق، شام سے حضرت سلمان فارسیؓ کو مکتوب بھیجا کہ یہاں تشریف لائیے، یہ مقدس جگہ ہے، حضرت سلمان فارسیؓ نے بڑا حکیمانہ جواب دیا کہ مقامات مقدس نہیں بناتے ہیں، اعمال مقدس بناتے ہیں، اس طرح اور حکیمانہ اقوال کو پیش نظر رکھتے ہوئے خال معظمؒ نے راقم الحروف کو متوجہ کیا کہ وہ ملفوظات صحابہ پر کام کرے، اور اسی نام وعنوان سے اس کو منظر عام پر لائے۔

مولوی مسعود عزیزی ندوی کو مختلف مشائخ و مصلحین کے حالات پر چھوٹے چھوٹے رسائل مرتب کرنے کی ترغیب دی کہ اب بڑی کتابوں سے زیادہ یہ مفید ثابت ہو رہے ہیں اور بعض پر انہوں نے کام کر کے پیش کیا اور اس میں انہوں نے مفید مشورے دیے۔

قرآن مجید سے متعلق اردو تراجم کا جائزہ پیش کرنے کا کام مولوی سمعان خلیفہ ندوی کے ذمہ کیا، تاکہ ترجموں میں جہاں اصل سے ہٹ کر ترجمانی کی گئی ہے تو اس کو واضح کر دیا جائے، اس لیے کہ یہ صحیح نہیں کہ اللہ کی بات اس کی مراد کے خلاف سمجھی اور سمجھائی جاتی رہے۔

مولوی سید سحبان ثاقب ندوی کو وقائع سید احمد شہیدؒ میں سے مؤثر واقعات وحکایات کو انتخاب کر کے مرتب کرنے کی ترغیب دی جو انسانی زندگی میں تساہلی اور غفلت کو دور کر کے عالی حوصلگی اور جذبۂ جہاد و تعلق مع اللہ کی دولت کے حصول کا شوق پیدا کریں۔

مولوی محمد نفیس خان ندوی کو بعض ترجمے کے کام حوالے کیے جن سے اسلام کی وہ تصویر صحیح طور پر سامنے لائی جاسکے جو بگاڑ دی گئی ہے، مولوی ارشد ولی اللہی کو حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کی خدمت میں بھیج کر تحقیقی و علمی ذوق پیدا کرنے کو کہا اور بعض موضوعات پر رسائل تیار کرنے کی ذمہ داری بھی دی۔

نمونہ کے طور پر یہ چند مثالیں پیش کی گئیں اس کے علاوہ غیر

مسلموں میں دعوتی کام کے سلسلہ میں جو منصوبے ان کے ذہن میں تھے ان کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک ٹیم انہوں نے تیار کرلی تھی جس سے وہ الگ الگ کام لے رہے تھے اور اس میں جس صرفہ کی ضرورت تھی اس میں فراخ دلی سے کام لیتے تاکہ کام کرنے والا پورے طور پر یکسو ہوجائے چنانچہ برادرم انجم فراز علی گڑھی کو بدھ مت پر تحقیقی کام پر لگایا اور انہوں نے اس سلسلہ میں بڑا جامع کام کرکے پیش کیا۔

معظم صاحب کو ویدوں کی تحقیق پر لگایا اور ان کی مدد کے لیے ڈاکٹر علاء الدین سیفی صاحب، ڈاکٹر مشاہد علی وغیرہ کو لگا کر ان کو دوسری ضروریات سے فارغ کیا، عیسائیت پر کام کے لیے مولوی منسوب ندوی کی صلاحیت سے فائدہ اٹھایا اور ان کو اس کے لیے تیار کیا۔

یہ سب تصنیفی و تحقیقی کام کے ان کے اس اعلیٰ تصنیفی ذوق کا پتہ دیتے ہیں جو ان کو موروثی طور پر عطا ہوا تھا۔

جہاں تک صفات و امتیازات کا تعلق ہے اس میں سب سے اہم چیز عقیدہ توحید میں مضبوطی اور پختگی تھی اگر کسی چیز میں شرک کی بو بھی محسوس کرتے تو ان کی یہ کیفیت ہوتی کہ جیسے قے ہوجائیگی اسباب وہ ضرور اختیار کرتے لیکن نگاہ ہمیشہ مسبب الاسباب پر رہتی۔

دوسری چیز نماز ہے اس کا اہتمام انہیں بچپن سے اس قدر رہا کہ ان کو یہ کہنے کی ضرورت نہ پڑی کہ نماز کو چلا جائے وہ اپنے دادا مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کے ساتھ چار سال کی عمر سے ہی مسجد جانے لگے تھے اور ان کو ان سے ایسی محبت تھی کہ وہ ان کی ہر ادا پر فریفتہ اور اس کی اتباع کی کوشش میں ہویدا تھے چونکہ وہ نماز کے عاشق اور سنتوں کے چھوٹی ہوں یا بڑی متبع عالم تھے، ان کی اتباع و تقلید نے آپ کو سنتوں کا شیدا بنادیا۔

اتباع سنت کا شوق و جذبہ اس حد تک غالب رہا کہ سنت کی محبت اولاد کی محبت پر غالب آجاتی، مرض وفات میں ان کے بیٹے داخل ہوئے، سلام کرکے نہیں آئے، فوراً تنبیہ کی کہ سلام کرکے اندر داخل کیوں نہ ہوئے، جاؤ سلام کرکے آؤ، اسی طرح پائجامہ پہنانے میں ابتدا ایک خادم دائیں کے بجائے بائیں سے کرنے لگے باوجود شدت تکلیف اور حد درجہ ضعف و نقاہت کے فرمایا پہلے بایاں پیر داخل کرتے ہو؟ دایاں پیر داخل کرو!

حب رسول اور اکرام رسالت اس قدر تھا کہ نعت پاک سنتے پورے باادب ہوکر اور طہارت کا خیال کرکے باوضو سننے کا اہتمام کرتے۔ قرآن مجید سے تعلق اس قدر تھا کہ ایک مظاہرہ قرآت کے لیے وہ گھنٹوں ایک ہی پہلو بیٹھے رہے اور بہ درجہ مجبوری جب دوسرا پہلو بدلا تو پھر اسی حال پر رہے اور ہمہ تن گوش ہوکر سماعت کرتے رہے۔

حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی کیفیت ان میں اس طرح جلوہ گر تھی کہ قریب سے قریب شخص سے دوری اختیار کرنے میں ان کو دیر نہیں لگتی محبوب شخص انہیں مبغوض ہوجاتا وہ دین میں مداہنت سے بہت دور اور تصنع و تکلفات سے متوحش اور نفاق سے بیزار تھے، حلقہ وسیع کرنے کی ان کو فکر نہیں تھی، بدعتی، کاذب، دھوکہ باز اور نماز چھوڑنے والے سے ذرا بھی علاقہ رکھنا ان کو گوارہ نہ تھا، حق گوئی بے باکی اور اللہ کی خاطر ملامت کرنے والے کی ملامت کی فکر نہ کرنا، یہ ان کا خاصہ تھا اور اللہ کی راہ اور دین کے کاموں میں وہ سعی بلیغ اور مجاہدہ و مشقت سے بکمال جہاد و قربانی کام لیتے لیتے دنیا سے گئے، ارتداد کا مقابلہ کیا اور ان کے ذریعہ اللہ نے غیر مسلموں اور مسلم امۃ میں سے داعی بلیغ تیار کیے جو اپنے مشن پر رواں دواں ہیں اور اس آیت کریمہ کا ان پر جلوہ گر ہوا کہ جس میں اہل ایمان کو خطاب ہے اور ان میں اصحاب ایمان و عزیمت اور مخلصین و صادقین و بشارت ہے کہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (المائدہ: ۵۴)

(اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگ پیدا کردے گا جن سے وہ محبت رکھے گا اور جسے وہ محبت رکھیں گے اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں گے اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں گے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور

جاننے والا ہے۔)

خال معظم رحمہ اللہ کے کاموں اور صفات وخصوصیات کو اس آیت کریمہ کی روشنی میں ایک تعزیتی مکتوب کی عبارت میں سمجھا جاسکتا ہے جو ان کے عظیم والد کے ہم درس مولانا سید احتشام احمد ندوی کا ان کے عم مکرم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے نام ہے وہ لکھتے ہیں:

''مولانا عبد اللہ حسنی ندوی قدس سرہ نے تصوف میں بڑا امتیاز حاصل کیا تھا ان کے مریدین کیرالا سے شمالی ہند تک پھیلے ہوئے ہیں یہاں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتخاب کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے مولانا عبد اللہ حسنی کو اپنا خلیفہ منتخب کیا تھا ان کے بعض مریدین علی گڈھ میں بھی ہیں تصوف وتبلیغ کا بڑا کام انہوں نے اس چھوٹی سی عمر میں انجام دیا ان کے ہاتھ پر بڑی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا یہ اللہ کی دین اور توفیق ہے جس سے چاہتا ہے کام لیتا ہے۔''

(مکتوب مورخہ ۲ فروری ۲۰۱۲ء)

خال معظم رحمۃ اللہ نے وہ عمر پائی جو تقریبا ان کے پردادا مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی ناظم ندوۃ العلماء کی تھی اور پیچھے جایئے تو احد السبطین سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی تھی یعنی اسلامی ہجری تقویم کے اعتبار سے ۵۷ سال ان کی ولادت باسعادت لکھنو میں اپنے مکان گوئن روڈ امین آباد میں ۱۳۷۶ھ ۲۹ جنوری ۱۹۵۷ء میں ہوئی اور وفات کا سانحہ مرض الوفات کے چھ ماہ کے عرصہ کے بعد ۱۷ ربیع الأول ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۰ جنوری ۲۰۱۳ کو بدھ سحر نرسنگ ہوم واقع سٹی اسٹیشن لکھنو میں ساڑھے دس بجے دن کو پیش آیا خود ان کی طبیعت ذکر وتلاوت کی طرف مائل اور وہاں کی فضا اور ماحول ذکر وتلاوت کے انوار وبرکات سے معمور تھا کلمہ کی تلقین سورہ یس کی تلاوت حاضرین کررہے تھے اور ان میں یہ راقم بھی شریک تھا یہاں تک کہ روح نے پرواز کیا اور علام ارواح میں قدسی جماعت نے استقبال کیا اور ندا آئی ﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي﴾.

ایک تازہ اور عظیم پیش کش

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کی ایک پسندیدہ کتاب

جس نے بڑی دینی ومصلح شخصیات کی تشکیل میں حصہ لیا، جسے پڑھ کر دلوں میں ایمان تازہ ہوجاتا ہے۔

وقائع احمدی

یعنی امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہیدؒ کے حالات وواقعات کا نادر مرقع

پہلی بار ابواب وعناوین کی تقسیم اور توضیحی حواشی کے ساتھ

تحقیق و تجدید: مولانا سید سحبان ثاقب ندوی

رابطہ کریں:

مکتبۃ الشباب العلمیۃ، ٹیگور مارگ، ندوہ روڈ، لکھنؤ

سید احمد شہید اکیڈمی، دار عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی

Phone:
09919331295

داعی اسلام نمبر کے لیے نیک خواہشات

حاجی محمد خالد اینڈ برادرس

STAR PLYWOOD INDUSTRIES

Manufacturers of: All Kinds of Plywood

Factory
Plot No. A-8, Industrial Area, Site II
Amawan Road, Raebareli (U.P.)

Head Office
Jagpal Tal, Raebareli (U.P.) 229001
Phone: 0535-3296333

کارواں سے کیسے کیسے لوگ رخصت ہوگئے
کچھ فرشتے چل رہے تھے جیسے انسانوں کے ساتھ

دعوت اسلامی کے قافلہ سالار داعیِ اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی حیات طیبہ پر

تاکہ امت کے لیے مشعل راہ ہو، خصوصی اشاعت پر ماہنامہ ''پیام عرفات'' کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہے آپ کا اپنا

بھٹکل ٹراول ہاؤس
BHATKAL TRAVEL HOUSE
Travel without boundaries

-سفریات کی دنیا میں ایک قابل اعتماد نام-
(سفر کیجیے بغیر حد بندیوں کے)
گزشتہ کئی سالوں سے آپ کا بھروسہ مند ساتھی

☆ دبئی اور امارات کی سیر و سیاحت کے لیے ٹورسٹ اور ویزٹ ویزہ بالکل خصوصی رعایت کے ساتھ
☆ ہوائی جہاز کا ٹکٹ (انٹرنیشنل اور ڈومیسٹک)
☆ عمرہ، فیملی اور امپلوئمنٹ ویزہ اسٹمپنگ / امیگریشن واٹیسٹیشن
☆ بس اور ٹرین کے تمام ٹکٹ ☆ ہوٹل ریزرویشن
☆ پیکیج ٹور (انٹرنیشنل و نیشنل)
☆ کار رینٹل ☆ حج و عمرہ۔

اس کے علاوہ آپ کے ذوق نفیس کی تسکین کے لیے

بھٹکل پرفیوم ہاؤس
BHATKAL PERFUME HOUSE
Smelling Good

میں بہترین امپورٹیڈ عطریات موجود ہیں
تشریف لائیں، خود مہکیں، جہاں کو مہکائیں، مشامِ جاں کو معطر کریں اور اپنی دنیا کو خوشبوؤں سے آباد کریں۔

With Best Compliments From:
BHATKAL TRAVEL HOUSE
FAISAL PESHIMAM (PROPRIETOR) Mob: 00971-559743865 (FOR U.A.E. ONLY)
SAFWAN KHALIFA (OFFICE MANAGER) Mob: 0091-9740838666, LL: 0091-8385 223933
ADDRESS: BHATKAL TRAVEL HOUSE, VEEKAY COMPLEX, NEAR KAMAKSHI PETROL PUMP NEXT TO DIAGNOMED, N.H. 17, BHATKAL (N.K.) KARNATAKA 581320
Email: travelhousebhatkal@yahoo.com/travelhousebhatkal@gmail.com
Visit us at: www.bhatkaltravelhouse.com

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

مولانا محمد قیصر حسین ندوی (دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

آج ۳۰ رجنوری ۲۰۱۳ء کو گیارہ بجے دن میں ٹیلیفون کے ذریعہ یہ جاں کاہ خبر بجلی بن کر گری کہ حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ نے اس جہان فانی کو الوداع کہا، یہ خبر وابستگان دامن حسنی وحسینی کے لیے ایسی ہوش ربا تھی کہ کچھ دیر تک تو سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کیا ہوگیا ہے مگر مشیت الٰہی پوری ہوکر رہی۔

بالآخر یقین کرنا پڑا کہ اس مسیحا نفس نے جان جان آفریں کے سپرد کردی جو عمر بھر اپنے عزم راسخ، اپنی ایمانی قوت، روحانیت، خداپرستی، انسان دوستی اور اپنے یگانہ خلوص سے اسلام وانسانیت کی خدمت میں ملت کی سرفرازی کے لیے تن من دھن سے لگا رہا۔

آپ نہایت صالح، خداترس، خدامست مرد مجاہد، صاحب فیض بزرگ، نہایت نفاست پسند ذہن کے مالک، دوراندیش، بلند حوصلہ، منکسر المزاج انسان تھے، زبان میں سادگی کا عنصر غالب تھا۔

متانت وسنجیدگی کے پیکر، عزم واستقلال کے پہاڑ اور دلوں کو مسخر کرنے والی ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے جو اپنی روحانی وایمانی کشش سے دور دراز کے بے شمار لوگوں کو اپنی جانب رجوع کرنے کی بھرپور طاقت اپنے اندر رکھتی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر غیر معمولی صلاحیت جمع کردی تھیں، اللہ کے دین کی حمیت ان کو وراثت میں ملی تھی، اسلام کی خدمت کا جذبہ اور غیرت حق ان کے رگ وریشے میں سرایت کیے ہوئے تھی، ان کا خمیر تعلق باللہ اور انابت الی اللہ سے تیار ہوا تھا، آپ کے یہاں صوفیوں والی وسیع المشربی اور باعمل سچے عالموں کی وسعت قلبی تھی، آپ نے کبھی دل توڑنے کا کام نہیں کیا بلکہ ہمیشہ دلوں کو جوڑنے کا ہی کام کیا، کسی کا دل دکھانا عظیم گناہ سمجھتے تھے اسی وجہ سے آپ اشخاص اور جماعتوں پر تنقید کرنے سے بہت زیادہ احتیاط برتتے تھے۔

قول وعمل میں اعتماد وہم آہنگی، فکر میں گہرائی وگیرائی، حقوق اللہ وحقوق العباد کی رعایت وحفاظت، امانت ودیانت کے معاملہ کی پاکیزگی اور تعلقات میں ترقی وسنجیدگی آپ کی بنیادی ونمایاں صفات تھیں، آپ کی طبیعت میں جرأت حق، خلوص نیت، عالی ظرفی، عزم وحوصلہ اور ثبات واستقامت کے جوہر نمایاں تھے، زندگی کے تقاضوں پر ہمیشہ مثبت وایمانی انداز سے غور وفکر کرتے، مایوسی وقنوطیت کا ان پر سایہ بھی نہیں پڑا تھا، آپ اپنی عاجزی وانکساری کی وجہ سے ہر دل میں جگہ رکھتے تھے، وہ رفقاء کے ساتھ اچھے رفیق، اساتذہ کے ساتھ سعادت مند شاگرد اور بزرگوں کے ساتھ باادب اور نیازمند تھے، اوران کی تعظیم وتوقیر کا ہمہ وقت خیال رکھتے، ہم نشینوں کی خوشنودی کی فکر کرتے، اجنبی آدمی سے بھی مسکراتے ہوئے ملتے، ان کے چہرے کی بشاشت اور خندہ جبینی ان کی لطافت طبع اور پاکیزگی قلب کی ترجمان تھی، وہ اپنے علمی، ادبی، دینی اور فکری کمالات کے ساتھ انسانی عظمت کے تمام پہلوؤں میں یکتائے روزگار تھے، اخلاق کی بلندی، کردار کی پاکیزگی، گفتار ورفتار کی سنجیدگی اور نرمی ان کا خاص وصف تھا، طبیعت کے نرم مگر اصولوں کے پکے، لوگوں سے بے نیاز مگر ہر ایک کے بہی خواہ، ہمدرد اور رنج وراحت کے شریک، دنیا سے بے تعلق مگر پوری دنیا کے مسلمانوں کے غم میں گھلنے والے، متعدد تنظیموں اور تحریکوں کے خصوصی مشیر اوران میں زندگی کی روح پھونکنے والے، خاموش طبع اور سنجیدہ مگر انتہائی ظریف اور خوش طبع۔

آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت ممتاز ترین متبع سنت حامی شریعت، صاحب علم وبصیرت مفکر اسلام علامہ سید ابوالحسن علی ندویؒ کے زیر سایہ ہوئی، پھر آپ نے صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ ایشیا کے معروف ومشہور تعلیمی وتربیتی ادارہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں دینی تعلیم وتربیت کی تکمیل کی، ایک طرف عظیم الشان مادر علمی ندوۃ العلماء نے فکر میں جودت وصلاحیت بخشی تو دوسری طرف ان کے عظیم المرتبت مربی وتاریخ ساز داعی حضرت علیہ الرحمہ کی مخلصانہ اور بصیرت افروز تربیت نے ان کے ذہن وقلب کو گوہر آبدار کی

صفت عطا کردی تھی، آپ مایہ ناز مفسر، عظیم محدث، بے مثال داعی اور مخلص وباکمال مربی اور صاحب طرز ادیب تھے، آپ نے راہ ہدایت سے دور اور نور حق سے محروم بے شمار لوگوں کو آغوش اسلام میں داخل کیا، آپ کے پاس غیر مسلموں میں دعوتی کام کرنے والوں کی ایک پوری ٹیم تھی اور آپ خود اس کے قائد ورہبر تھے، ان کے انتقال پُر ملال سے ملت اسلامیہ اپنے محبوب قائد ورہبر سے محروم ہوگئی، ان کی بے مثال خدمات کو ملت کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ مولانا اپنے ہزاروں چاہنے والوں کو روتا بلکتا، سسکتا چھوڑ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں جانے والا کبھی واپس نہیں آتا۔ مولانا اب نظر نہیں آتے ہیں لیکن یہ ہماری نظر کی کوتاہی اور نگاہ کی نارسی ہے، اگر مادیت کا حجاب حائل نہیں ہوتا تو ہم دیکھتے کہ وہ ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ کے عالم میں پہنچ کر ﴿فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ کے زمرہ میں شامل ہوگئے ہیں اور وہاں ﴿نُزُلًا مِنْ غَفُورٍ رَحِيمٍ﴾ کے مزے لے رہے ہیں اور پسماندگان کو خوف وحزن سے نجات کی بشارت سنا رہے ہیں ﴿ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾.

مولانا کی طبیعت آج سے چند سال قبل خراب ہوگئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پورے طور پر سنبھل گئی تھی لیکن چند ماہ قبل پھر ایسی بگڑی کہ سنبھل نہ سکی اور ساری کوششوں، تدبیروں اور علاج معالجوں کے باوجود صحت جواب دیتی گئی: ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

بالآخر ۳۰؍جنوری ۲۰۱۳ء کو گیارہ بجے دن میں اس مسیحا نفس نے جان جان آفریں کے سپرد کردی جو زندگی بھر اسلام کی خدمت میں ملت کی سرفرازی کے لیے تن من دھن سے لگا رہا۔

آہ! وہ لمحہ جب دلوں کو فتح کرنے والا، محفلوں پر چھا جانے والا مرد آہن اسپتال میں موت وزیست کی کشمکش کا شکار بنا ہوا تھا، کتنی صبر آزما تھی وہ گھڑی جس نے ایک متحرک سیماب صفت انسان کو علالت کی زنجیروں میں اس طرح جکڑ دیا تھا کہ ہلنا بھی مشکل ہوگیا تھا، شاید خدا کی طرف سے آزمائش کی وہی بھٹی تھی جس میں وہ اپنے مومن بندے کو ڈال کر اسے گناہوں کے میل کچیل سے پاک اور منزہ کردیتا ہے، ساتھ ہی اپنے بندے کے اس امتحان میں صبر وضبط وکامیابی پر ملأ اعلیٰ کے سامنے فخر کرتے ہوئے ﴿إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ کا قول یاد دلاتا ہے۔

بدھ کے دن مغرب کے بعد ندوہ میں اور دس بجے رات تکیہ کلاں رائے بریلی میں ہزاروں غم گساروں نے اس محبوب مقتدا کی نماز جنازہ ادا کی اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے جم غفیر نے سوگوار چہروں اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ مسجد کے پہلو میں سپرد خاک کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل اور ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین!

بقیہ: ہر لمحہ تیری یاد کا تاباں درخشاں

.....خلق خدا شہادت دے رہی ہے کہ مولانا اللہ کے نیک بندے تھے، نیک بندے خدا کی زمین پر گواہ بنائے گئے ہیں، ایسے ہی نیک بندے گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے بھرپور دعوتی زندگی گزاری اور بندگان خدا کی ہدایت کا سامان کیا، خدا آپ کو اپنے حفظ وامان میں رکھے اور آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے:

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ابوتمام کہتا ہے:

فتی کلما فاضت عیونُ قبیلةٍ
دماً ضحکت عنه الأحادیث و الذکرُ

اس نوجوان کی یاد میں جب بھی خاندان کے لوگ خون کے آنسو روتے ہیں تو اس کے کارناموں کے ذکر سے مجلس زعفران زار ہوجاتی ہے۔

کمال الدین ابن نبیہ کہتا ہے:

واللہ لا یدعوا الی دارہ
الا من استصلح من ذی العباد
والموت نقاد علی کفہ
جواہر یختار منہا الجیاد

(اللہ تعالیٰ اپنے گھر میں اسی کو بلاتا ہے جسے بندگان خدا میں سے بلانا مناسب سمجھتا ہے، موت بڑی عمدہ پرکھ رکھتی ہے، اپنے ہاتھ کے جواہرات میں سے اسی جوہر کا انتخاب کرتی ہے جو عمدہ اور قیمتی ہوتا ہے۔)

گلشن ندوہ کا گل سرسبد

مولانا محمد رضوان احمد ندوی
(سب ایڈیٹر ہفتہ وار نقیب امارت شرعیہ)

خانوادۂ شاہ علم اللہ کے روشن چراغ داعی الی اللہ حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ ۳۰/جنوری ۲۰۱۳ء کو اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔ بوقت وفات ان کی عمر تقریباً ۵۸/ سال تھی، حضرت مولانا جیسے ثقہ اور مخلص عالم دین روز بروز پیدا نہیں ہوتے، وہ ایک طرف علم وفضل کے کوہ گراں تھے، تو دوسری طرف نیکو کاری اور تقوی کا نور ان کے چہرے سے جھلکتا تھا، صورت کی طرح سیرت بھی حسین، ظاہر و باطن میں اتنی یک رنگی کم ہی دیکھنے میں آئی، بلاشبہ ان کی جدائی سے ہم سب ملول خاطر ہیں، کیا بتاؤں جب اس اندوہناک حادثے کی خبر ملی تو دل ودماغ غم میں بیٹھ گیا، آنکھوں میں حسرت ویاس کے آنسو تیرنے لگے، مگر صبر کے بغیر چارہ بھی نہیں، اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا اپنے اس فرمانبردار بندہ سے دعوت حق کا کام لیا، جب چاہا بلالیا۔ رضیا برضا اللہ۔

اب سے ۲۹/سال پہلے کی بات ہے جب میں نے ایک طالب علم کی حیثیت سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، تو اس عہد میں مجھے بہت سے مہربان اور مشفق اساتذہ کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، مولانا محمد شہباز ندویؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد ضیاء الحسنؒ، مولانا محمد ناصر علیؒ، مولانا شفیق الرحمٰنؒ، مولانا برجیس احمد ندویؒ ان سب کے بے شمار احسانات مجھ پر ہیں، جو اس وقت سب اللہ کے حضور پہنچ گئے، لیکن ندوہ کے تعلیمی سفر میں ہمارے لائق تعظیم استاذ حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ استاذ تو تھے ہی ایک شفیق مربی اور ایک مہربان باپ بھی تھے، انہیں اپنے طلباء سے لگاؤ ان کی اصلاح وتربیت کے لیے جہد مسلسل یہ استاذ محترم کی ایسی خصوصیت تھی جو روایتی اساتذہ میں ناپید ہیں۔ راقم سے جب بھی ملے بڑی محبت وشفقت اور انکساری وتواضع کا اظہار فرماتے۔ عالی ظرف کا یہ عالم کہ اپنے بارے میں کچھ نہیں کہتے، بس دوسروں کے غم میں گھلتے اور پگھلتے رہتے، ان کی سب سے بڑی خوبی افراد سازی کی تھی، انہیں اپنے شاگردوں کے بہتر مستقبل کی فکر دامن گیر رہتی تھی، اس وقت میرے ذہن کی اسکرین پر ان کی افراد سازی کے بے شمار واقعات چھن چھن کر آرہے ہیں، بس اس وقت صرف ایک واقعہ کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں، ایک مرتبہ ایک طالب علم گھبراتا ہوا مولانا کے پاس گیا، آپ اس وقت کسی کتاب کے مطالعہ میں مشغول تھے، چشمے کو آنکھ سے اتارا، فرمایا کہئے کیسے آنا ہوا؟ حضرت میں اکثر عجیب وغریب خواب دیکھتا ہوں، اچھا تو یہ بات ہے، روزانہ کتنے پارے قرآن مجید کے تلاوت کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ حضرت اس کا موقع کم ملتا ہے۔ فرمایا کہ جس طرح گھر ویران ہوتا ہے تو وہ شیطانوں کا بسیرا ہوتا ہے، اسی طرح جو دل کتاب الٰہی کی آیات سے خالی ہو وہ اندھیرا ہوتا ہے، جایئے فجر کے بعد تلاوت کا معمول بنالیجئے، پھر وہ طالب علم تلاوت کے ساتھ تفسیر کا بھی مطالعہ کرنے لگا آج وہ ماشاء اللہ تفسیر پر اچھی نظر رکھتا ہے۔ یہ تھا ان کی تربیت کا انداز!

حضرت الاستاذ کی زندگی کا نمایاں وصف برادران وطن کو اسلام کی دعوت دینا تھا، حکمت وموعظت کے ساتھ اسلام کی امتیازی خصوصیات اور اس کی ہمہ گیری کی طرف راغب کرتے تھے، اس کے لیے وہ شہروں اور قصبات کا دورہ کرتے اور دعوت اسلام پیش کرتے، اس راہ میں انہوں نے بڑی مشقتیں اور صعوبتیں برداشت کیں، اللہ تعالیٰ نے آپ ذریعہ بہت سے لوگوں کے قلوب کو نور ایمان سے منور کردیا، بلاشبہ انہوں نے وراثت نبوی کا حق ادا کیا۔ اسی طرح حضرت نے پیام انسانیت کے بینر تلے ملک کے متعدد اجتماعات کو بھی خطاب کیا اور ملک کو وحدت انسانی کا پیغام دیا، آپ نے خود مسلمانوں کے عقائد اور عبادات کی اصلاح پر بھی توجہ دی اور اس پہلو پر بھی بڑا کام کیا، ان کی قیام گاہ روحانی مطب تھا، جس طرح ڈاکٹروں سے جسمانی علاج کے لیے مریضوں کی بھیڑ ہوتی ہے آپ کے یہاں بھی لوگ اپنے مسائل ومعاملات لے کرتے اور آپ ان کی صحیح رہنمائی کرتے، بلاشبہ ان کی زندگی بہتے ہوئے چشموں کی مانند تھی جس سے لوگ فیضیاب ہوتے رہتے، اللہ تعالیٰ ان کی اس جہد مسلسل کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے۔

ایک ستودہ صفات شخصیت

مولانا سعید الزماں ندوی (مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی)

اللہ تعالیٰ کا نظام اس دنیا میں روز اول سے یہی رہا ہے کہ امت کی ہدایت واصلاح کے لیے اس نے ہمیشہ ایسے افراد پیدا کیے ہیں، جو لوگوں کو گمراہی سے نکال کر صراط مستقیم پر لگاتے رہے ہیں، جس زمانہ میں اور جس ماحول میں جن مخصوص صفات کی حامل شخصیات کی ضرورت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے ان صفات کے حامل ربانی علماء کو پیدا فرمایا، مولانا سید عبداللہ حسنیؒ بھی اسی زریں سلسلہ کی ایک کڑی ہیں، مولانا کو اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ عمل کی زبردست صلاحیت عطا فرمائی تھی، وہ علم وعمل کے ایسے جامع تھے جس کی مثال اس دور میں خال خال ہی نظر آتی ہے، ان کی زندگی کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس پُرفتن دور میں بھی ایک عالم کس طرح اپنے علم وعمل میں سو فیصد مطابقت پیدا کرسکتا ہے، اور اسوۂ نبوی ﷺ کی جیتی جاگتی مثال پیش کرسکتا ہے اور کس طرح ظاہر وباطن میں یکسانیت وہم آہنگی پیدا کرسکتا ہے۔

یوں تو مولاناؒ کے اندر بے شمار صفات تھیں لیکن جو صفت سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز تھی وہ ان کے اخلاق حسنہ وعالیہ ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرمایا ﴿انك لعلیٰ خلق عظیم﴾ مولاناؒ نے بھی اس صفت کو اپنے اندر بدرجۂ اتم طریقہ سے نہایت خوش اسلوبی وکامیابی کے ساتھ پیدا کر کے دکھایا، جس سے قرن اول کے علماء ربانیین کی یاد تازہ ہوجاتی ہے، اور وہ خوبیاں جو ہم اسلاف کے تذکرے میں پڑھتے ہیں اور سنتے ہیں، وہ ہمیں مولاناؒ کی زندگی میں کھلی آنکھوں نظر آتی ہیں۔ مولانا کے اندر محبت وکشش اتنی زیادہ تھی کہ ان کو دیکھ ایک خاص قسم کی لذت محسوس ہوتی تھی، اسی کشش ومحبت کی وجہ سے جو ان سے قریب ہوا وہ ان کا ہو کے رہ گیا، اور پھر کبھی ان سے الگ نہ ہوسکا، مولاناؒ ہر چھوٹے بڑے سے انتہائی نرمی ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے، جس کی وجہ سے قلوب ان کی طرف از خود کھنچتے تھے اور لوگ اپنے دلوں میں ایک کیف وسرور محسوس کرتے تھے، مولانا کی نرمی ومحبت اور ہمدردی کی صفت نبی کریم ﷺ کی اس صفت کا پرتو تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: ﴿فبما رحمة من الله لنت لهم﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو لوگوں کے لیے انتہائی نرم سہل بنا دیا تھا، جس کی وجہ سے لوگ آپ ﷺ سے قریب سے قریب تر ہوتے رہتے تھے، یقیناً یہ صفت دعوت واصلاح کا کام کرنے والوں کے لیے انتہائی ضروری ہے، مولاناؒ کے اندر یہ صفت بدرجہ کمال پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے مولاناؒ کو دعوت کے میدان میں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی، مولاناؒ کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو بھی یہی ہے جس نے مولاناؒ کو ایک عظیم داعی ومصلح بنا دیا اور ان کی زندگی دوسروں کے لیے ایک شاندار نمونہ بن گئی، اللہ تعالیٰ نے جس انسان کے ذریعہ جتنے لوگوں کی ہدایت لکھی ہے اس کے ذریعہ اسی تعداد میں لوگ ہدایت یاب ہوئے ہیں، بعض بڑے اونچے مقام کے حامل لوگ ہوتے ہیں، لیکن ان کے ذریعہ اتنی تعداد میں ہدایت یاب نہیں ہوپاتے، جتنی ان کے احوال وکیفیات دیکھ کر توقع کی جاتی ہے، اس لیے ایک مومن کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ کام پر نظر رکھتا ہے، اور اس کے فضل کا امیدوار رہتا ہے، نتیجہ پر نظر نہیں رکھتا، اسباب اختیار کرتا ہے، لیکن اسباب پر بھروسہ نہیں کرتا، بھروسہ مسبب الاسباب پر ہوتا ہے، حضرت مولانا سید عبداللہ حسنیؒ کا یہی حال تھا، وہ نتیجہ پر نظر نہیں رکھتے تھے، کام پر نظر رکھتے تھے، اور کام صحیح طریقہ اور نہج نبوت پر ہو اس کی فکر کرتے، ایسے ذرائع کو ہدایت عام کرنے کے لیے اختیار نہیں کرتے جو ذرائع دینی اعتبار سے درست نہیں۔

مولاناؒ کو انسانیت کی جو کڑھن اور درد وسوز ملا تھا اسی کا نتیجہ تھا

کہ مولاناؒ راستہ میں گذرتے ہوئے غیر مسلموں کو دیکھ کر بے چین ہو جاتے تھے کہ یہ اگر ہدایت نہیں پاتے ہیں تو آگ کا ایندھن بنیں گے اس لیے وہ چاہتے تھے کہ وہ ایک ایک کے پاس پہنچ کر پیغام حق پہنچادیں اور ہر ایک کو اسلام کا تعارف کرادیں لیکن انسان اتنا ہی کر سکتا ہے جو اس کے بس میں ہے "نیة المؤمن خیرٌ فی عملہ" مولانا اب ہمارے درمیان نہیں رہے لیکن ان کی تعلیمات اور ان کا وہ عظیم اسوہ جو گرچہ نایاب نہیں لیکن کم یاب ضرور ہے، ہمارے درمیان موجود ہے، ان کے چاہنے والوں اور عقیدت ومحبت رکھنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کی تعلیمات کو عام کریں اور خاص کر ان کے اخلاق کریمانہ کو اپنے اندر پیدا کریں، اللہ تعالیٰ مولاناؒ کو ان کے شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے، اور ان کے ذریعہ شروع کیے گئے کام کو خوب ترقی عطا فرمائے۔

مولانا کے جانے کا جو غم ہم سب کو ہے شاید اس کی ترجمانی حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ پرتاب گڑھی کا یہ شعر کر سکے۔

تیرا اٹھ کر چلا جانا قیامت ہے قیامت
غضب ہے روز روشن کا شب دیجور ہوجانا

نازش علم وعمل

نتیجۂ فکر:— مولانا رئیس الشاکری ندویؔ

وہ تبسم، وہ تکلم وہ کرم ارزانیاں
وہ محبت کیش آنکھیں اور نور افشانیاں

عام ہو جائیں دلوں میں طاعتوں کی خواہشیں
ختم ہوں اللہ کے بندوں کی نافرمانیاں

یاد کرتے ہیں اسے ندوہ کے سب دیوار ودر
گنگناتی ہیں اسے پروائیوں کی بانیاں

بو الحسنؔ کی جانشینی، رائے پوری کا مزاج
چہرے مہرے کا تقدس کعبۂ روحانیاں

کان میں رس گھولتی ہے اب بھی لہجے کی کھنک
گفتگو کے حسن کی آنکھوں میں ہیں تابانیاں

زندگی کا لمحہ لمحہ ملت بیضا کے نام
ہائے ری وہ معتبر جاں سوزیاں قربانیاں

لذتیں تقریر کی جھڑتے ہوں جیسے منہ سے پھول
سیدھے سادے لفظ اور بھرپور نکتہ دانیاں

مسئلے نوک زباں قرآن کی تفسیر کے
وہ بخاری اور مسلم کی ورق گردانیاں

ظلمتوں کی بارشیں اور دور بینی کے چراغ
بے یقینی کے زمانے میں یقیں سامانیاں

یعنی عبداللہ حسنیؔ نازش علم و عمل
رفعت سوئے خلد آں محمودیٔ عرفانیاں

۲۰۱۳ء

شب تاریک میں قندیل رہبانی

مولانا محمد حسن ندوی (مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی)

داعی اسلام استاذ محترم جناب حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ جو سیدی و مولائی قطب الاقطاب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی آغوش تربیت کے پروردہ اور استاذ الاساتذہ مخدومی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے معتمد خاص اور ان کے سچے ترجمان تھے، تقدیر الٰہی کے فیصلہ سے چند مہینوں کی علالت کے بعد اس دار فانی سے مورخہ ۳۰ر جنوری ۲۰۱۳ء بروز بدھ ساڑھے دس بجے دن میں دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے، اور حیات جاودانی کے جام شراب کو نوش فرمالیا، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ آپ کی بھی بھرپور مغفرت فرمائے اور آپ کے کیے ہوئے اعمال کو قبول فرما کر صدیقین و شہدائے صادقین و اولیائے کاملین کا مقام عطا فرمائے۔

آپ خاندان و چمنستان ابوالحسن کے وہ گل سرسبد ہیں جس کی مہک اس ملک کے چپے چپے کو معطر کر رہی ہے، آپ کو اللہ نے علم و عمل، فہم و فراست تحمل و بردباری اور صبر و استقامت کی ایسی بلندی پر پہنچایا جہاں تک پہنچنا ہر کس و ناکس کے لیے آسان نہیں ہے، آپ نے دعوت و فکر کے میدان میں ایسے تابندہ نقوش چھوڑے ہیں جن سے صدیاں مستفید ہوتی رہیں گی، اللہ نے آپ کو ظاہر و باطن کو ایسی دل آویز خصوصیات سے سجایا تھا جو خال ہی خال کسی ایسی شخصیت میں جمع ہوتی ہیں، آپ نے انتہائی خاموشی اور حکمت کے ساتھ اس ملک کے اسلام سے ناواقف لوگوں میں بطور خاص اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے ایک فکر شروع کی، جو ایک تحریک بن گئی، ایسی تحریک جس نے نہ جانے کتنے دلوں اور ذہنوں کی دنیا بدل ڈالی، اور توحید سے ناآشنا اس ملک کے باشندوں کے دلوں میں اسلام اور اہل اسلام کی محبت پیدا کردی، دعوت اسلامی کی یہ ایک ایسی بناء ہے جس سے پوری امید ہے کہ وہ اس پورے ملک کے انسانوں کے قلوب کو اسلام سے وابستہ کردے گی، اور اسلام کی عظمت رفتہ واپس ہوگی، یہ دعوت اسلامی کا ایک ایسا گوشہ تھا جس کی طرف صدیوں سے نامعلوم کن حالات کی وجہ سے کسی مرد آہن نے ہمت نہ کی ورنہ ملک کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا، اور آج اغیار کو اسلام کی جانب سے جو بے اطمینانی اور ایک خاص انداز کی نفرت ہے وہ نہ ہوتی۔

احقر کو مولانا مرحوم سے قرب و صحبت کا تعلق زمانہ طالب علمی سے تھا، اور لمبے اسفار میں بھی معیت کا شرف حاصل ہوا، چند اوصاف جو مولانا کی ذات میں بہت زیادہ محسوس کرتا تھا ان میں سے ایک سب سے اہم بات یہ تھی کہ اسلام کی دعوت کے تعلق سے ہم مسلمانوں سے اس ملک میں بڑی کوتاہی ہوئی ہے، اور اس ملک کے باشندوں کا ہم پر جو دینی حق تھا اسے بھی ہم ادا نہیں کرسکے، یہ فکر آپ کے دل و دماغ سے منتقل ہوکر آپ کے اعصاب پر طاری ہوگئی تھی جو ہمہ وقت بے چینی و اضطراب کی شکل میں ظاہر ہوتی تھی، اور "فلعلک باخع نفسک علی آثارھم إن لم یؤمنوا بھذا الحدیث أسفا" کا پرکشش منظر پیش کرتی تھی، یہی وہ درد و کرب تھا جس نے بظاہر ناممکن عمل کو ممکن بنادیا اور ایک قلیل مدت میں جانثاران دعوت اور فدایان اسلام کی ایک ایسی مضبوط جماعت تیار ہوگئی جس نے اس ملک کے دور دراز علاقوں تک اسلام کی دعوت کو پہنچادیا۔ آپ کے آخری دعوتی سفر کا اس ملک کے باتوفیق انسانوں نے زبردست استقبال کیا اور ایک بڑی تعداد نے آپ کے جلسوں میں شرکت کی، چنانچہ آپ کے درد و سوز نے بے چین روحوں کو تڑپادیا اور آپ کی محبت و شفقت، حکمت

و دل سوزی نے باصلاحیت نوجوانوں کی ایک تعداد کو اسلام کے امن واطمینان کے گہوارہ میں سانس لینے پر مجبور کردیا، آپ کے اس آخری دعوتی سفر کی سرگرمیوں کو تاریخ نقطۂ عروج سے یاد کرے گی، ان شاء اللہ مولانا کی دعائیں اور ان خوش بخت نوجوانوں کی دعوتی جدوجہد اس ملک کے باشندوں کو اسلام سے قریب کرنے اور انہیں اسلام کے سایہ تلے پناہ لینے پر مجبور کریں گی، اور شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا علی میاںؒ کی والدہ مرحومہ کی دعائیں ایک سچی تعبیر بن کر ابھریں گی، اور جوق در جوق اللہ کے باتوفیق بندے دین اسلام میں داخل ہوں گے اور تمام اہل اسلام کی زبانیں إذا جاء نصر اللّٰہ والفتح کے ورد میں رطب اللسان ہوں گی۔

آپ کا دوسرا وصف جس نے احقر کے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالا وہ یہ پیغام تھا کہ علماء اپنے فرض منصبی کو پہچانیں اور امت کی اصلاح کی فکر کریں، ان پر سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث کی صحیح تعلیمات سے امت کو آگاہ کریں اور عقیدۂ توحید کو اس کے دل ودماغ میں راسخ کریں، اور یہ بتائیں کہ انسان کی زندگی کا سب سے بڑا وصف اور سب سے بڑا کمال اتباع سنت اور شریعت حقہ کی پیروی ہے، قرآن وحدیث ہی صحیح اور غلط کو سمجھنے کے لیے اصلی میزان اور کسوٹی ہے، اتباع سنت روح ہے اللہ کا قرب اور معرفت حاصل ہونے کے لیے، اس کے بغیر اگر کسی انسان میں کوئی کمال نظر آتا ہے تو وہ صرف شعبدہ بازی اور مکر وفریب ہے، آپ کی اس دل سوزی کا ترجمان ماہ رمضان المبارک میں احادیث کے فصیح وبلیغ وحکیمانہ دروس ہوا کرتے تھے جو جوامع الکلم کی صورت میں آپ کی زبان مبارک سے نکل کر سامعین کے قلوب کو منور کرتے تھے، زبان آسان شستہ اور شگفتہ ہوتی تھی اور ''دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے'' کا مصداق بنتی تھی، کتاب کے الگ الگ عناوین ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بڑے مؤثر انداز میں مثالوں کے ذریعہ رہبرانہ روشنی ڈالتے تھے، اور عبادت اور تعلق مع اللہ کے پہلوؤں کی طرف مؤثر انداز میں توجہ ڈالتے تھے، جس سے سیکڑوں بندگان خدا اپنی روح کی تشنگی بجھاتے رہے اور جام توحید سے سیراب ہوتے رہے۔

تیسرا وصف خاص آپ کی تواضع وانکساری، محبت ومروت، اعلی ظرفی اور بلند اخلاق تھے، جس کا حسین پیکر آپ کو بنایا گیا تھا، ان ہی بلند صفات کی وجہ سے آپ کی زندگی میں جاذبیت اور کشش پیدا ہوگئی تھی، آپ ہر ایک سے ملتے اور توجہ سے بات سنتے، اور ہر ایک کے سوال کا تشفی بخش جواب عنایت فرماتے، قدم قدم پر دلجوئی کرتے، ہمت دلاتے، ہر ایک کی سہولت وہمت کو پیش نظر رکھتے، آنے والوں سے خوش دلی سے ملتے، علماء واساتذہ سے معانقہ کرتے اور جانے والے کو دعاؤں کے ساتھ رخصت کرتے، اس لیے ایک دو ملاقاتوں کے بعد آپ کے پاس آنے والا آپ سے مانوس ہوجاتا اور اپنے دینی معاملات میں آپ کی ذات سے وابستہ ہوجاتا، انہی اعلی صفات کی وجہ سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فضلاء کی ایک بڑی تعداد اپنے اصلاحی مشورے آپ سے کرتی تھی، جو مختلف دینی اداروں میں بڑے ہی اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔

چوتھا وصف خاص آپ کو مردم سازی وآدم گری کا ملا تھا، گرچہ مولانا مرحوم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تعلیم یافتہ تھے، اور سلوک وتربیت میں خاص الخاص نگاہ مربی کبیر حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کی حاصل تھی، لیکن اس کے باوجود مولانا مرحوم نے خاندانی بزرگوں کو جن اکابر امت سے محبت تھی، ان سے بھی سلوک و معرفت میں بھرپور استفادہ کی کوشش کی، بقیۃ السلف والخلف حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڑھیؒ کی خاص توجہ بھی آپ کو حاصل ہوئی، اور جب تک مولانا حیات رہے ان کی مجلس وصحبت کا فیض حاصل کرتے رہے، اسی طرح حضرت شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ کی خاص توجہ بھی آپ کو حاصل تھی، اور مزاج سے کافی مناسبت تھی، اور ان کی صحبتوں کا جام عرفت پینے کا بار بار موقع آپ کو میسر ہوا تھا، ان مؤمنین کاملین کی نگاہوں نے آپ کے اندر بھی آدم گری ومردم سازی کا ملکہ پیدا کردیا تھا جس کی وجہ سے قلیل مدت میں آپ کے عقیدت مندوں اور آپ سے وابستگی رکھنے والوں کی ایک بڑی جماعت تیار ہوگئی جس کا کچھ اندازہ آپ کے حادثۂ

وفات اور تدفین کے موقع پر ہوا کہ وہم وگمان سے بہت زیادہ تعلق رکھنے والوں نے آپ کی تدفین میں شرکت کی، اور ایک بڑی تعداد ہے جو آپ کے مشن کو آگے بڑھنے کا سرفروشانہ جذبہ رکھتی ہے۔

جو نہ تھے خود راہ پر اَوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کردیا

اللہ تعالی اس قافلہ کو اپنے امیر کی رہبری میں صحت و عافیت کے ساتھ اور زمانہ سے شرور وفتن سے محفوظ رکھتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچائے۔ آمین!

جہاں تک استاذ عالی کے علمی کمالات اور ان کے بے پناہ اخلاص وللّٰہیت کی بات ہے اس کی اہلیت رکھنے والے اس پر روشنی ڈالیں گے، یہ چند نقوش وتاثرات ہیں جو احقر نے قلم برداشتہ رقم کیے ہیں، وہ تاثرات ہیں جنھوں نے احقر کو اور بہت سے حق کے متلاشیوں کو اپنی زلفوں کا اسیر بنالیا تھا، اور اپنے دامن محبت ومروت سے وابستہ کرلیا تھا، احقر اگرچہ آپ کے خاص الخاص مشن میں اپنے ادارے کی مصروفیتوں کی وجہ سے اس طرح سرگرم نہ رہ سکا جو اس پر حق تھا، کیونکہ مرحوم ومغفور اس کے مربی ورہبر اور ذاتی معاملات کے راز دار تھے، لیکن پھر بھی اس کے سامنے جو کچھ روشنی ہے اس میں مولانا کی محبتوں اور شفقتوں کا بڑا فیض ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرما کر اعلی علیین میں جگہ نصیب فرمائے، اور آپ کے فرزند ارجمند کو آپ کا اور دادا ونانا کی روحانی میراث کا سچا جانشین بنائے، اور ان کی والدہ کی تمام تمناؤں وآرزوؤں کو ان سے پورا کرے اور اس دنیا میں یہ حسین منظر دکھا کر ان کے دل کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک بخشے اور اس گلشن کے ہر پھول کی حفاظت فرمائے۔

حقیقت میں مولانا کی زندگی آپ کی شاگردوں، عقیدت مندوں اور طالبان علوم نبوت کے لیے بیاں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی کا مصداق ہے، جسے اپنا نمونہ بنا کر اللہ کی رضا کے بہت سے کام اپنی استعداد وصلاحیت کے مطابق انجام دیے جاسکتے ہیں، یہ منتشر خیالات ہیں جنہیں اپنے فائدہ کے لیے قلمبند کیے ہیں، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ انہیں قبول فرما کر گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ بنادیں۔ آمین!

انسانیت کی فلاح

"انسانیت اپنی حقیقی فلاح وبہبود کو اسی وقت حاصل کرسکتی ہے جب کہ وہ اس کتاب کو مضبوطی سے تھام لے جو نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل کی گئی، درحقیقت انسانیت کی کامیابی وکامرانی اسی کتاب (قرآن) میں منحصر ہے کیونکہ باطل نہ تو اس کے سامنے سے حملہ آور ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس کے پیچھے کی جانب سے پر مار سکتا ہے، اس لیے کہ وہ تمام تعریفوں کے سزاوار خداوند حکیم کی جانب سے نازل ہوا ہے۔"

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

اللہ تبارک وتعالی پیام انسانیت کے علمبردار حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی قبر کو نور سے بھردے۔ آمین

خورشید عالم ندوی-ناصر احمد

کولکاتا

جامع کمالات شخصیت

مولانا عبدالغفار ندوی (مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی)

ان سطور کو لکھتے ہوئے قلم کانپ رہا ہے دل رنجیدہ وملول ہے ذہن ودماغ پر غم وافسوس کا عالم طاری ہے کہ استاد گرامی حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی بتاریخ ۳۰ جنوری ۲۰۱۳ء بروز بدھ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ مگر مقدرات وفیصلہ خداوندی کے آگے کسی کی کیا مجال اپنی مصلحتوں کو وہی جانے وہی اس کائنات کا خالق ومالک حاکم وفرمانروا ہے۔ ساری مخلوقات انس وجن سبھی اس کے بندے وامانت ہیں، وہ جب جس وقت جس گھڑی جس امانت کو چاہے لے سکتا ہے **فللّٰہ ما اعطی و للہ ما اخذ و کل شیء عندہ با جل مسمی۔**

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کا نسبی وخاندانی سلسلہ سبط اکبر امام حسن علیہ وعلی آباءہ السلام پر منتہی ہوتا ہے، اس سلسلۃ الذھب کی اہم کڑی جس نے ہندوستان کا رشتہ حبل اللہ کے ساتھ استوار کیا، شیخ الاسلام امیر قطب الدین محمد المدنیؒ کی ذات بابرکات تھی جو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بھانجے تھے آپ چھٹی صدی ہجری کی ابتدا میں اپنے ہزار ہا مریدین کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اور ہندوستان کے اس ظلمت کدہ کو نور اسلام سے منور فرمایا، جہاد بالسان اور جہاد بالسیف دونوں کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور الحمدللہ یہ خانوادہ آج بھی اسی مادہ پرستانہ دور ہوا ہوس میں ڈوبے زمانے میں بھی اپنی تمام تر خصوصیات پر قائم رہتے ہوئے زاہدانہ وقناعت پسندانہ دنیا وآلائش دنیا سے دور رہ کر زندگی بسر کر رہا ہے۔

اس خاندان کے مختلف تذکروں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا رشتہ شریعت وطریقت سے ہر دور میں مربوط رہا، اس میں ایک طرف علمائے ربانی پیدا ہوتے رہے تو دوسری طرف مشائخ روحانی بھی، اس خاندان میں کبھی دولت وثروت کی فراوانی نہیں رہی، زیادہ تر مجاہدہ وعسرت کا دور گزرا، زیادہ سے زیادہ بقدر کفاف اس خاندان کے لوگوں کو حاصل ہوا اور یہی اس کا طرہ امتیاز ہے۔

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنیؒ کی پیدائش ۲۹ جنوری ۱۹۵۷ء میں دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں میں ہوئی جو حضرت شاہ علم اللہ کا مسکن، تیرہویں صدی ہجری کے مجدد سید احمد شہیدؒ کا وطن مالوف اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنیؒ کی بستی ہے۔

آپ نے مکتب کی تعلیم قرآن مجید وغیرہ لکھنؤ میں والد بزرگوار حضرت مولانا محمد الحسنیؒ بانی وایڈیٹر البعث الاسلامی کی تربیت و نگرانی میں رہ کر مرکز والی مسجد میں حاصل کی، معہد سے لے کر عالمیت وفضیلت تک کے تمام تعلیمی مراحل دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی میں مکمل فرمایا چنانچہ عالمیت سے ۱۹۷۵ء فضیلت ۱۹۷۷ء میں سند فراغت حاصل کی، ایک فاضل باپ کی نگرانی کا ایک بلند پایہ مربی و مصلح مجدد عصر دادا کی تربیت کا اثر ایک ذکی وذہین اور ہونہار پوتے پر پڑنا ہر طرح قرین قیاس اور مطابق فطرت ہے، اور ان کے خصائل حمیدہ واوصاف حسنہ کا عکس دل ودماغ پر پڑنا عین ممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ آٹھ یا نو سال کی عمر میں حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کی معیت میں حضرت شیخ الحدیث زکریاؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی ایماء پر حضرت شیخ نے سلسلہ ادارت میں داخل فرمایا، ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات''۔

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی شخصیت پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنیؒ کی تربیت کے اثرات نمایاں طور پر ظاہر تھے چنانچہ ظاہر وباطن میں یکسانیت، علم وعمل، رفتار وگفتار، تقریر وتحریر میں اعتدال، اخلاق ومعاملات کا نبوی نمونہ، صبر وضبط کا پہاڑ، شکر واحسان وعفو درگزر، بڑوں کا احترام، خورد نوازی کے خوگر تھے کہ سخت تکلیف دہ موذی مرض کے باوجود نماز کیا قضا ہوتی جماعت بھی فوت نہ ہوئی اور اخیر دن جس دن وفات فرمائی ہے فجر کی نماز اپنے

چھوٹے بھائی بلال عبدالحی حسنی کی امامت میں سحر نرسنگ ہوم لکھنؤ میں باجماعت ادا فرمائی۔

آپ کی تقاریر و بیانات میں ایسا اعتدال تھا کہ حکمت سے بھری بات ہوتی، ہر طرح کے طعن و تشنیع سے پاک، دوسروں پر تنقید کے بجائے صحیح اور معتدل بات فرماتے، اکثر زمانے کی بے اعتدالی و بے دینی و بد دینی، بے غیرتی و بے حجابی پر شکوہ کرتے ہوئے اکثر فرماتے کہ اب جہالت پڑھ لکھ گئی ہے۔ اخلاق و ملنساری کا حال ایسا تھا کہ ہر ملنے والا یہ سمجھتا تھا کہ ہمیں کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں، شاید کہ حضرت کا ہمیں سے سب سے زیادہ تعلق ہے۔

صبر و شکر کا تو پوچھنا ہی کیا کہ اس موذی مرض میں کبھی کسی نے حرف شکایت سنا ہی نہیں، ہر عیادت کرنے والے سے یہی پوچھتے آپ ٹھیک ہیں، الحمدللہ ہم ٹھیک ہیں طبعت اچھی ہے۔

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنیؒ کی زندگی چونکہ حضرت مولانا علی میاںؒ کی زندگی کا پرتو تھی اور حضرت مولانا علی میاںؒ کیا کچھ نہیں تھے، آپ بلند و پایہ مفکر زبردست داعی الی اللہ شہرہ آفاق مصنف مؤرخ عصر ادیب انشاء پرداز سحر بیان مقرر و خطیب، ممتاز ترین مربی و عالم ربانی ذوق عبادت و شوق شہادت کا شاہ کار تھے، لیکن حضرت کی شخصیت کی شاہ کلید قرآن فہمی اور اس کا گہرا ادراک اور دعوت الی اللہ تھا، آپ کی زندگی کے یہ دو پہلو تمام دوسرے پہلوؤں پر حاوی و غالب تھے، یہی دونوں خصوصیات حضرت مولانا سید عبداللہ حسنیؒ کی زندگی میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے، تقریر فرماتے تو اس میں دعوتی و اصلاحی پہلو بہت نمایاں ہوا کرتا تھا، لکھنوی ادب کی پوری رعایت، جملے جملے میں ادب کی چاشنی اور دعوت کی تڑپ اصلاح کی لگن چھلکتی تھی چنانچہ تکیہ کلاں رائے بریلی کی مسجد میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنیؒ کی حیات ہی سے آپ کے دروس کا سلسلہ قائم تھا، آپ حدیث کی کتاب تہذیب الاخلاق کے منتخب ابواب کا درس بڑے اہتمام سے دیا کرتے تھے، سننے والے ہمہ تن گوش ہو کر آپ کا درس سنتے۔

مولانا عبداللہ حسنیؒ کی فکر بہت عالی، ذہن آفاقی، شخصیت مقناطیسی جاذب نظر و جاذب طبع تھی، مسلکی و مکتبی اختلافات و گروہی تعصبات سے آپ بہت دور تھے، اور بقول اقبال ''تو اے شرمندہ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا'' کی سچی تصویر اور قرآنی آیات ''ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ'' کے سچے ترجمان تھے، ''اینقص الدین وانا حی'' کے صدیقی پرچم کو ہمیشہ بلند کرنے کے لئے کوشاں رہے۔

انسانیت کا غم و درد اس کے عمل و عقیدہ کی اصلاح کی فکر جو آپ کو ورثہ میں ملی تھی ساری زندگی اس کے علمبردار رہے چنانچہ ملک کے اکثر شہروں میں پیام انسانیت کے پلیٹ فارم سے برادران وطن تک اسلام کی سچی تعلیم و صاف ستھری تصویر پیش کرنے کی سعی پیہم کرتے رہے، اور حکمت و موعظت حسنہ کا سہارا لے کر جو باتوفیق ہوئے انہیں حلقہ بگوش اسلام بھی کرتے رہے اور ان کی تعلیم و تربیت و معاش کے انتظام کی پوری فکر رکھی اور الحمدللہ العظیم ایک خاطر خواہ تعداد بھٹکے ہوئے آہو کی سوئے حرم پہونچ گئی اور نور ہدایت سے منور ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہے۔

مولانا محترم کی نگاہ ارجمند اسلام مخالف تحریکات سے بھی خوب واقف تھی، باطل کی رشتہ دوانیوں، ان کی جعلسازیوں اور اسلام اور قلعہ اسلام کو ڈھانے کی ان کی ناپاک سازشوں پر بھی گہری نظر تھی، وقتاً فوقتاً عوام و خواص سبھی کو اس کی طرف متوجہ کرنے اور باطل کو بیخ و بن سے اجاڑنے کی کوشش فرماتے تھے، یہ وصف و خصوصیت بھی آپ کو اپنے والد بزرگوار سے ملی تھی کہ انہوں نے اس زمانے میں جبکہ جمال عبدالناصر نے مصر میں اسلام مخالف ہوا چلا رکھی تھی، پورے عالم اسلام و جزیرۃ العرب کو قومیت کے دھارے میں بہالے جانا چاہتا تھا، اس کی تحریک کے پرانچے اڑا دیے اور ناصر کے اس سیل رواں کے سامنے سد سکندری بن گئے۔

مولانا محترم کا قلم اور آپ کی تحریر بڑی اثر انگیز ہے، جس میں دعوت الی اللہ اصلاح عقیدہ احیائے سنت امحائے بدعت و خرافات اعلائے کلمۃ الحق پوری طرح نمایاں ہے، الرائد کے اداریے، تعمیر حیات و پیام عرفات اور دیگر ماہانہ و سہ ماہی رسائل میں شائع ہونے والے مضامین شاہد عدل ہیں، یہ وہ چند خصوصیات ہیں جن کا تذکرہ ناچیز نے کیا اور ایسی نہ جانے اور کتنی خصوصیات کے آپ حامل تھے۔ جن کا احاطہ مجھ جیسے تہی دامن طالب علم کی بساط میں نہیں ہے۔

کاروان انسانیت کا حدی خواں

مولانا سعود الحسن ندوی (مدرسہ دینیہ، غازی پور)

خانوادۂ حسنی کے روشن چراغ حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ اپنے جد امجد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی بافیض صحبت وتربیت میں رہ کر روشن وتابناک خاندانی روایات کے امین بنے، موروثی صفات نے مزید جلا بخشی، اللہ سبحانہ تعالی نے متنوع اوصاف وکمالات سے نوازا، چنانچہ اپنے پیش رووں اور اسلاف کے اسوہ وطریق پر چلتے ہوئے حیات مستعار کا وافر حصہ دعوت اور اصلاح وتربیت میں صرف کیا۔ مروت ونرم مزاجی، تصنع سے پاک، بناوٹ سے دور زندگی، شرافت نفسی ودل نوازی، خندہ پیشانی وخوش روئی کے سبب آپ مقبول خاص وعام بنے، ہر دل عزیزی آپ کو حاصل ہوئی، یہی وجہ ہے کہ آپ کی وفات حسرت آیات کو ہر شخص نے اپنا ذاتی حادثہ تصور کیا۔

آپ نے جد بزرگوار حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی مثالی سیرت وکردار سے نہ صرف یہ کہ سبق حاصل کیا بلکہ ان کے راستے اور نہج کی بھی اتباع کی۔ ان کے انتہائی اہم، مفید اور ضروری کام 'تحریک پیام انسانیت' کو آپ نے اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا تھا، اور اس کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دیا تھا، کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مولاناؒ کے وصال کے بعد پوری توجہ وفکر مندی اور حکمت و دل سوزی کے ساتھ آپ نے اس فکر کو خود پر طاری کر لیا تھا، چنانچہ انسانیت کے پیام کو عام کرنے کی فکر ہر لمحہ دامن گیر رہتی تھی، گویا سوتے جاگتے آپ کا یہی مشغلہ تھا، دھن تھی تو صرف ایک، فکر تھی تو اسی کی، لگن تھی تو اسی بات کی جس کو تمام دیگر مشاغل پر ترجیح حاصل تھی۔ مقصد کے تئیں فکر اور لگن ہی تھی جس نے آپ کو مضطرب اور بے چین کر رکھا تھا، تحریک کے پیام کو عام کرنے کے لیے آرام و راحت کی بڑی سی بڑی قربانی گوارا تھی حتی کہ خرابی صحت بھی حارج نہ ہو پاتی تھی۔

اللہ تبارک وتعالی کا فیصلہ آپ کو جلد ہی اپنے جوار رحمت میں بلا لینے کا ہو چکا تھا شاید اسی لیے تیزی کیساتھ آپ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر رہے تھے اور تحریک کو ہر دل کی آواز بنا دینا چاہتے تھے، ہم خدام صاف محسوس کرتے تھے کہ کسی دوسرے سفر کے لیے اتنی آمادگی نہ ہوتی تھی جتنی ''جلسہ پیام انسانیت'' کے لیے ہوتی تھی، بارہا مشاہدہ ہوا کہ کسی ضرورت کا شدید تقاضہ ہے، عرض کیا گیا کہ تھوڑا ٹھہر کر چلیں، یا پروگرام مؤخر کر دیا جائے تو فرماتے: تاخیر نہیں کرنی چاہیے، جلدی چلیں ورنہ اچھا اثر نہ پڑے گا۔ گزشتہ سال صوبہ مہاراشٹر کے ایک طویل سفر سے واپسی کے بعد راقم نے علالت کے پیش نظر عرض کیا کہ اب اتنے طویل سفر نہ کیے جائیں، زیادہ سے زیادہ تین روز کے سفر ہوں اور پھر واپسی ہو جائے تو فرمایا: تم ٹھیک کہتے ہو مجھے بھی اس کا احساس ہوا، آئندہ لحاظ رکھا جائے گا مگر کیا کروں حالات کے تحت فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔

ایسا نہیں کہ آپ صرف جلسہ ہی ضروری سمجھتے تھے بلکہ روٹ لیول (Root level) پر اس کام کی افادیت کو بھی ضروری سمجھتے تھے، انفرادی طور پر تحریک کو عام کرنے کے حامی تھے، آپ کی خواہش تھی کہ نوجوان طبقہ کو اس کام سے جوڑا جائے اور خیال کرتے تھے کہ یہ طبقہ تحریک کے لیے زیادہ مفید اور مؤثر ثابت ہو سکتا ہے، اور الحمد للہ آپ نے اس طبقہ کی بڑی تعداد کو قریب کیا، اس سے کام لیا۔ ماشاء اللہ اس پیغام کو پھیلانے میں ان کی ایک تعداد ہمہ تن مشغول ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ کسی نوجوان کو دیکھتا ہوں تو دل مچل جاتا ہے کہ کس طرح اس کام سے اس کو جوڑ دوں، کبھی فرماتے کہ

کرنے کا تو اس وقت یہی کام ہے، فائدہ اسی سے ہوگا، حالات اسی سے بدلیں گے۔

یوں تو راقم کو متعدد اسفار میں رفاقت حاصل رہی، مگر اس کم سواد کی خوش نصیبی ہے کہ گزشتہ مارچ ۲۰۱۲ء میں جب مولانا محترم کا صوبہ مہاراشٹر کے طویل دورے کا پروگرام طے پایا تو ناچیز کو بھی شرف رفاقت حاصل ہوا۔ دل چاہتا ہے کہ اس سفر کی مختصر روداد پیش کی جائے (کاروان انسانیت کے نام سے اس دورہ کی مفصل رپورٹ انشاء اللہ جلد ہی پیش کی جائے گی۔ افسوس کہ مولاناؒ کی حیات میں اشاعت ممکن نہ ہوسکی، مگر خوشی ہے کہ ان کی نگاہ سے اس کا مسودہ گزر چکا ہے۔) کیونکہ مولاناؒ کا یہ آخری طویل تنظیمی دورہ تھا اور اس لحاظ سے اس کو تاریخی دورہ کہا جاسکتا ہے۔ یہ پروگرام ندوی فضلاء، ذمہ داران مدارس اور تحریک پیام انسانیت سے ہم آہنگی رکھنے والے اصحاب فکر کے مسلسل مطالبہ اور درخواست پر طے ہوا تھا۔

یہ دورہ جو موسوم تھا ''کاروان انسانیت'' سے ۳/ مارچ ۲۰۱۲ء بروز سنیچر لکھنؤ سے شروع ہوکر ۱۳/ مارچ ۲۰۱۲ء تک ریاست مہاراشٹر کے تقریباً دس مقامات پر خیمہ زن ہوا اور تقریباً ساڑھے چار ہزار کلومیٹر کی مسافت طے کرتا ہوا چھوٹے بڑے ۲۲/ اجتماعات میں شرکت کرتا ہوا آندھرا پردیش کے تاریخی شہر حیدرآباد میں اختتام کو پہنچا تھا۔ میر کارواں تھے حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ جنرل سکریٹری آل انڈیا پیام انسانیت فورم اور شرکاء کارواں میں سر فہرست تھے ہندو مسلم ایکتا منچ کے صدر سوامی لکشمی جی، تحریک پیام انسانیت کے صدر دفتر سے وابستہ ڈاکٹر سنجے پانڈے، عزیزی محمد عبداللہ اور راقم سطور، بنیادی شرکاء تو یہ تھے مگر متعدد دیگر حضرات بھی شریک کارواں رہے جن کی مجموعی تعداد تقریباً ۲۵/ تھی۔

یہ ''کاروان انسانیت'' جو مولاناؒ کے آخری طویل دورہ کی شکل میں تھا اس میں لوگوں کا ذوق وشوق اور اژدہام دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، ان کا جذبہ اور حوصلہ وامنگ دیکھ کر دل پر ایک اثر ہوتا تھا اور بے اختیار یہ دعا نکلتی تھی کہ حضرت مفکر اسلامؒ نے جس فکر مندی اور درد وسوز کے ساتھ یہ صدا لگائی تھی اللہ کرے وہ تمام دلوں کی صدا بن جائے۔ جگہ جگہ والہانہ استقبال، عوام کا جم غفیر، اکثر اجتماعات میں تاحد نگاہ انسانوں کا سیلاب، انسانی اقدار کی بلندی اور انسانیت کے لیے فکر مندی کے احساسات کے ساتھ موجود رہتا تھا، اسٹیج پر مختلف مذاہب کے پیشواؤں اور اعلیٰ افسران کی موجودگی بھی قابل توجہ ہوتی تھی، اور وہ سب ہی بہ یک زبان انسانی اقدار کی بلندی کی باتیں کرتے نظر آتے تھے، ان کا خیال تھا کہ آپسی محبت و بھائی چارہ کے فروغ کے لیے مذہب کی سطح سے اوپر اٹھ کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کی زبانوں سے یہ الفاظ سننے کو ملے کہ:

''انسانیت کے لیے بے لوث محبت رکھیے، آج انسانیت مر رہی ہے، انسانیت بہت دکھی ہے، اس کے لیے دردمندی پیدا کیجیے، اس کے تئیں احترام کا جذبہ رکھیے۔ اپنے دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں مگر یاد رکھیں کہ کسی کا اپمان (بے عزتی) نہ ہو، ظلم مت کیجیے، ظالم مت بنئے، اوپر والا ظلم کو بالکل پسند نہیں کرتا ہے۔ زمین میں قتل وغارت گری کرنا، فساد برپا کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ مذہب اچھائی کا راستہ دکھاتا ہے، اچھائی اور نیکی کے راستے کو اپنایئے، ملک اور ماحول از خود سدھرے گا۔ انسانیت کی بقا اور ترقی کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہیے، ایک دوسرے کا احترام کیجیے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مذہب کے سبب جھگڑے ہوتے ہیں، بالکل نہیں! مذاہب تو اچھائی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، اگر ہندو ایک دوسرے کی عبادت گاہ توڑتے ہیں اور مسلمان آپس میں اختلافات رکھتے ہیں تو یہ دین نہیں سکھاتا، ان برے اعمال کی وجہ سے دین کو برا نہیں کہا جاسکتا''۔

غور کیجیے! کس قدر قابل قدر ہیں یہ باتیں، اظہار حقیقت کے اس سے اچھے اور عمدہ الفاظ اور کیا ہوسکتے ہیں۔ یہ وہ مشاہدات ہیں جو دوران سفر جا بجا دیکھنے کو ملے، بلاشبہ یہ سب ثمرہ تھے تحریک پیام انسانیت کے اور کاروان انسانیت کے امیر حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی جہد مسلسل، جاں فشانی اور جگر کاوی کے، آپ نے لوگوں کے ضمیر کو بیدار کیا، دلوں پر دستک دی، مختلف الخیال افراد کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا جس سے یقیناً ذہنوں کی صفائی کا کام ہوا۔ مولاناؒ نے نفرت وعداوت کے مہیب اندھیروں اور طوفانوں کے خلاف محبت والفت کی شمع روشن کی۔ بلاشبہ مولاناؒ کے یہ کارنامے

جلی حروف سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔

مولاناؒ کی بیماری نے اسی سفر میں شدت اختیار کی مگر اس کے باوجود ان کا جذبہ وانہماک اور تحریک کا پیغام پہنچانے کی فکر اور تڑپ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ عوام وخواص اور سربرآوردہ غیر مسلم حضرات اور بڑے بڑے سنتوں مذہبی پیشواؤں کی دلچسپی اور تحریک پیام انسانیت کے تئیں ان کا اعتراف وقبول، سامعین کی کثیر تعداد دیکھ کر مولاناؒ کا دل باغ باغ ہو جاتا تھا، چہرہ خوشی کے جذبات سے کھل اٹھتا تھا، یہ منظر قابل دید ہوتا تھا۔ اور جب مولاناؒ ڈائس پر تشریف لاتے اور انسانوں کا جم غفیر دیکھ کر جو انسانیت کے لیے فکر مندی، اس ملک میں بھائی چارہ، آپسی میل جول اور امن وآشتی قائم رکھنے کے جذبہ کے ساتھ سامنے موجود ہوتا تو خوشی ومسرت کی ملی جلی کیفیات کے ساتھ فرماتے:

انسانیت کا احترام کیجئے

بھائیو! آپ سب اپنا وقت فارغ کر کے آئے اور بیٹھے، دلچسپی سے پروگرام میں شریک ہوئے، پیام انسانیت کے پروگرام کے لیے آپ کی دلچسپی اور فکر مندی بتاتی ہے کہ انسانیت ابھی باقی ہے، اس کی فکر کرنے والے موجود ہیں، انسانیت کا احترام باقی ہے، اس سے محبت اور پریم کرنے والے باقی ہیں، انسانیت کے تئیں محبت ختم نہیں ہوئی ہے، ہاں کم ضرور ہوگئی ہے، ضرورت ہے اسی جذبہ کو فروغ دینے کی، اسی چراغ محبت کی لو کو تیز کرنے کی، اگر اس جذبہ کو، انسانیت کے احترام کو بڑھایا نہ گیا اور یہ کم ہوتے ہوتے ختم ہو گیا تو وہ دن بہت برا دن ہوگا۔ آج صورت حال یہ ہے کہ انسان غرض کا بندہ ہو کر رہ گیا ہے، مفاد پرستی میں مبتلا ہے، ہر شخص کا ذہن کاروباری ہوتا جا رہا ہے، کوئی کسی سے ملتا ہے تو غرض کے ماتحت، بے غرض ملنے والے، ایک دوسرے سے ملنے والے کم ہو رہے ہیں۔ آج ہم نے غرض کا دامن تھام رکھا ہے تو قدم قدم پر ہم کو بھی ٹھوکریں کھانی پڑ رہی ہیں۔ آپ اللہ کے مخلص بندوں کے حالات دیکھیں، جنھوں نے بے غرض ہو کر انسانیت کی خدمت کی، انسانیت کے لیے ان کے دل میں تڑپ اور بے چینی تھی، وہ انسانیت کے لیے فکر مند رہتے تھے تو اوپر والے نے بھی انسانوں کے دل میں ان کی محبت ایسی رکھ دی کہ ہر ایک ان کو ٹوٹ کر چاہنے والا بن گیا، ہر دل میں اوپر والے نے ان کا مقام واحترام پیدا کر دیا، اور لوگ آج بھی ان کی یاد دلوں میں بسائے ہوئے ہیں، بس آپ اپنے سماج اور ماحول کی فکر کریں، جذبہ انسانیت اور اس کے تئیں احترام کو ختم نہ ہونے دیں بلکہ اس کو بڑھانے کی فکر کریں اگر آپ ایسا کر سکے تو ہمارا یہ سماج جو آج بہت بیمار ہے اور تکلیف سے کراہ رہا ہے، مبتلائے درد وغم ہے، یہ بھی چین اور امن و سکون کا گہوارہ بن جائے گا اور آج اس کی سخت ضرورت ہے۔

درد مندی پیدا کیجئے

بھائیو! آپ سب مذہب اور زبان کی قید کے بغیر یہاں اکٹھا ہیں، اتنی بڑی تعداد میں انسانوں کا ہجوم میرے سامنے ہے، آپ سب کا یہاں ایک ساتھ مل کر بیٹھنا بے حد خوش آیند ہے، آپسی میل جول، بھائی چارہ، جو اس ملک کی پہچان ہے، امید پیدا ہوتی ہے کہ وہ آئندہ بھی قائم رہے گا، بس ضرورت ہے جاگتے اور جگاتے رہنے کی۔ یہ کاروانِ انسانیت انہی مقاصد کے تحت مختلف مقامات کے دورے کرتا ہوا آپ کے درمیان پہنچا ہے۔

آج وطن عزیز کو نقصان پہنچایا جا رہا ہے، اس کو کھوکھلا کیا جا رہا ہے، ملک ہر اعتبار سے زوال کی طرف جا رہا ہے، ہم سب ایک ہی جہاز پر سوار ہیں جس میں ہر طرف سوراخ کیا جا رہا ہے، ہر جگہ ایسے لوگ بیٹھ گئے ہیں جو اس کو نقصان پہنچا رہے ہیں، کوئی چھوٹا سوراخ کر رہا ہے تو کوئی بڑا سوراخ کر رہا ہے، جس کو جس قدر موقع مل رہا ہے وہ سوراخ کرنے سے چوک نہیں رہا ہے اور اگر کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ کچھ لوگ تو سوراخ نہیں بلکہ پورا کا پورا پیندا ہی غائب کر دینے میں لگے ہیں، ایسا کیوں ہے؟ یہ سب ذاتی مفاد کے تحت ہو رہا ہے، ضرورت ہے اس فکر کو بدلنے کی۔

درد دل پیدا کیجئے

آپ دوسروں کا درد بانٹیے، دوسروں کے دکھ درد میں شریک رہیے، درد دل پیدا کیجئے، دوسروں کے کام آیئے، آج مزاج یہ ہوتا جا رہا ہے کہ جو گر رہا ہے اس کو ایک دھکا اور دے دو، نبی پاک ﷺ گرتوں کو سنبھالا دیتے تھے، ہم بھی گرنے والوں کو پکڑیں، پریشانیوں

سے نجات دلائیں، انسان خود کردہ مصیبتوں سے پریشان ہے، آپ اس کے حق میں نجات دہندہ بن جائیں، آج دنیا پھر سے تباہی کے غار میں گر رہی ہے، آپ اس کے حق میں چارہ ساز بنیں، کوشش ضرور کریں خواہ جس درجہ میں ہو، کیونکہ بیج ڈالنا ہمارا کام ہے پھل لانا اللہ کے اختیار میں ہے۔

یورپ کی اندھی تقلید

آج ہمارا سماج یورپ کی اندھی تقلید میں لگا ہوا ہے، وہ یورپ سے آنے والی ہر چیز پر آنکھ بند کر کے عمل کر رہا ہے۔ ایک مثال لے لیجیے، آج یورپ نے عورتوں کو بالکل عریاں کر دیا ہے اور ہم بھی ان کی نقالی میں لگے ہوئے ہیں۔ وہاں کا مرد خود تو گردن سے لے کر پاؤں کے انگوٹھے تک پیک ہے مگر عورت جس کو چھپا کر رکھنا تھا، اس کی حیا اور شرم کا گلا گھونٹ کر سر عام رسوا کر رہا ہے اور ہم بھی اس کی نقل کر رہے ہیں، ہماری مائیں اور بہنیں بھی یہاں موجود ہیں، میں ان سے کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی حیا عفت وعصمت کی حفاظت کے لیے اٹھ کھڑی ہوں، ہر چمکتی ہوئی چیز کو سونا نہ سمجھیں، اپنی وراثت کی حفاظت کریں، یورپ کی اندھی تقلید ہمارے معاشرے کو تباہ کر ڈالے گی، معیار زندگی اور رہنے سہنے کے طریقے ہم نے اس قدر تبدیل کر لیے کہ وہ ہمارے لیے دشواریاں پیدا کر رہے ہیں، بے حیائی حد سے زیادہ بڑھ رہی ہے، خودکشی کا گراف بڑھتا جا رہا ہے، ہمارے دیش میں جہیز کی چتا پر جلا دی جانے والی بے قصور اور مظلوم عورتوں کی تعداد ہر دن بڑھ رہی ہے۔

لوگوں سے مل کے دیکھو

پیام انسانیت فورم کے زیر اہتمام ۳ر مارچ سے جس پروگرام کا آغاز ہوا تھا، آپ کے شہر میں اس کی آخری کڑی ختم ہو رہی ہے، یہ پروگرام یہاں اختتام کو پہنچ رہا ہے، الحمد للہ جس شہر اور جس قصبہ میں بھی یہ پروگرام منعقد ہوئے، بے حد کامیاب ہوئے، لوگوں نے شوق ودلچسپی کا ثبوت دیا، اسی سفر میں متعدد مقامات کے لوگوں نے اس کی افادیت اور ضرورت کے تحت اپنے اپنے مقامات پر پیام انسانیت کے جلسے کرنے کی خواہش ظاہر کی، یہ سب اللہ کا فضل ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بڑے طبقہ کا ذہن صاف ہے، تھوڑے لوگ ہیں جو ماحول اور سماج کو خراب کر رہے ہیں تو ان بڑے طبقہ والوں کو ساتھ لے کر ان (شر پسند عناصر) کی اصلاح کی جا سکتی ہے، ان کو انسانیت کے نام پر جوڑا جا سکتا ہے۔ ہر جگہ برادران وطن کی بڑی تعداد بھی شریک ہوئی، مگر افسوس کہ یہاں تعداد بہت کم ہے، میری خواہش تھی کہ یہاں بھی جلسہ ہوتا، ماشاء اللہ آپ حضرات بڑی تعداد میں غالباً یہ سمجھنے کے لیے جمع ہیں کہ پیام انسانیت کیا ہے، اس کے جلسوں کا مقصد کیا ہے، اس کا طریق کار کیا ہے اور وہ کس طرح کا ماحول پیدا کرنا چاہتا ہے، اس سلسلے کی باتیں آپ کے سامنے آ چکی ہیں۔ اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس پیام کو عام کریں۔

آپ سے چند باتیں کہے دیتا ہوں، ابھی سوامی جی نے کہا کہ صحیح اسلام کو سمجھئے تو صحیح اسلام سے کیا مراد ہے، ہم نے اسلام کی تعریف وتشریح اپنی مرضی اور ضرورت کے مطابق کر رکھی ہے، اسلام مکمل ہو چکا اب نہ اُس میں کمی کی گنجائش ہے نہ زیادتی کی، قرآن مجید جس اسلام کی تائید کرتا ہے سنت رسول اللہ سے جو ثابت ہے، صحابہ کرام نے جس پر عمل کیا ہے وہی اسلام اصل ہے اور اسی اسلام میں مکمل داخلہ کا مطالبہ ہے اسی کی تعلیمات کے مطابق مکمل سپر اندازی کا مطالبہ ہے، سر تسلیم اسی کے سامنے خم کرنا ہے Surrender اسی کے سامنے ہونا ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾ (البقرۃ:۲۰۸) اطاعت اور سپردگی کا مطالبہ ہے، اسلام مکمل اسی وقت کہا جائے گا جب اس کے تمام گوشوں پر عمل ہوگا، آج ہماری عبادات تو بہت اچھی ہیں، نمازیں اچھی پڑھی جا رہی ہیں، روزے بھی اہتمام سے ادا ہو رہے ہیں۔ ماشاء اللہ خوش حالی ہے، حج بھی کیے جا رہے ہیں، مگر معاملات کے باب میں ہم بہت پیچھے ہیں، کمزور طبقات کے ساتھ حسن سلوک نہیں ہو رہا ہے، ان کی حق تلفی ہو رہی ہے، سماج کا وہ طبقہ جو عورتوں، ضعفاء، کمزوروں اور مزدوروں پر مشتمل ہے، بے حد پریشان ہے، مغربی اقوام نے عورتوں کو ترقی کے نام پر تو کسی کام کا نہ چھوڑا، اُن کو بازار کی سب سے ارزاں شے بنا ڈالا اور اب ہم بھی ان کے ساتھ یہی سلوک کر رہے ہیں، چونکہ ہم مسلمانوں نے

عہد کر رکھا ہے کہ من وعن ان کی تقلید کرنی ہے، لہذا اس باب کو بھی کیوں تشنہ چھوڑیں، اُس کی حیا اور شرم کا گلا گھونٹ کر سر بازار نیلام کیا جارہا ہے۔ سماج کا وہ طبقہ جو ہمارے حسن سلوک کا مروت و ہمدردی کا رعایت وتوجہ کا مستحق تھا اس کے ساتھ بالکل توجہ نہیں کی جا رہی ہے، حسن سلوک کی جو شکلیں ہیں ان کو اگر مسلمانوں نے اپنایا ہوتا اس ملک کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، یہ وہ کام ہے جس کے ذریعہ دلوں پر آپ کی حکومت ہوسکتی تھی تو میرے بھائیو! اپنے گرد وپیش کا جائزہ لیجیے۔ ایسے لوگوں کو تلاش کیجئے، دست تعاون دراز کیجئے، حسن سلوک اور اخلاق کے نمونے پیش کیجئے، لوگوں کے کام آیئے، درد مندی پیدا کیجئے، خود کو محدود مت کیجئے، قدم بڑھایئے، لوگوں سے ملیے، دکھ درد بانٹیے اور بقول شاعر اپنی زندگی کا معمول بنایئے۔

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

مولاناؒ نے تقریباً ہر مقام پر متعدد دینی اداروں میں علماء وطلبہ سے بھی خطاب فرمایا، بعض مقامات پر صرف علماء وائمہ کرام سے خالص علمی خطابات بھی ہوئے۔ پیش ہیں پر مغز خطابات کے دو نمونے۔

کمالات علمیہ

یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ علمی کمالات کا اقتصادیات سے کوئی تعلق نہیں ہے، علمی کمالات تک اسی وقت تک پہنچنا ممکن ہوگا جب پوری رضا ورغبت کے ساتھ اس میدان میں قدم رکھیں گے، محنت و جفاکشی اور آبلہ پائی کے لیے خود کو آمادہ وتیار کر کے آئیں گے تب جا کر سرخ روئی حاصل ہوگی اور درجہ کمال تک رسائی شاید ممکن ہوجائے اور اگر علمی راہ کا انتخاب بدرجہ مجبوری ہوگا تو علم بھی مجبوری والا حاصل ہوگا، علمی کمالات کے درجہ کو ہرگز پہنچنا ممکن نہ ہوگا۔ ایک ہی کتاب کو دس سال سے پڑھا رہے ہیں اور ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ علمی کمالات کے درجہ کو پہنچ گئے، یہ علمی کمال بالکل نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ جس کا تعلق قرآن مجید سے ہوگا اس کا علمی سفر ہمیشہ جاری رہے گا، آج قرآن مجید سے تعلق کمزور ہوتا جارہا ہے، بطور خاص نئے فضلاء تو اس میدان میں بہت پیچھے ہیں، آج علمی انحطاط عام ہے، صلاحیتیں کمزور ہیں، پختگی کی فکر قطعاً نہیں ہورہی ہے۔ "من رضی بالدنیا رضی بالدون"، علمی پختگی پیدا کریں ورنہ اگر کم علمی پر راضی رہے تو بے حیثیت ہو کر رہ جائیں گے، کم علمی کا شکار ہوں گے تو سمجھ لیں کہ کم علمی کا نتیجہ احساس کم تری ہے اور احساس کمتری کا نتیجہ غصہ اور دوسروں کو برا بھلا کہنا ہے، آج صورت حال یہ ہے کہ مدارس کا کردار مجروح ہورہا ہے اور آج وہ علماء نہیں ہیں جو کمالات علمیہ سے سرفراز ہوں، وہ علماء ختم ہوتے جارہے ہیں جن سے علم کے چشمے پھوٹتے تھے، جو چلتا پھرتا کتب خانہ ہوا کرتے تھے، جو اپنی ذات میں ایک انجمن ہوتے تھے، کہا گیا ہے کہ ایک شخص اس وقت کامیاب مدرس نہیں ہوسکتا، جب تک حلیم نہ ہو، آج ہمارے فضلاء مسند تدریس تو سنبھال رہے ہیں مگر اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت نہیں پیدا کر رہے ہیں، صحبت وتربیت کے بغیر ذمہ داریاں انجام دے رہے ہیں، جس کا نتیجہ سامنے ہے، اساتذہ کرام سے کہوں گا اور جو کل اساتذہ بننے والے ہیں ان سے بھی کہوں گا کہ "اجملوا في الطلب وتوكلوا عليه" کا نمونہ بنیں، دوسروں پر نگاہ مت رکھیے، خودداری اپنایئے، توکل اختیار کیجئے، محنت وجانفشانی سے کام لیجیے اور اللہ رب العزت پر بھروسہ رکھیے وہ کارساز ہے، وہ آپ کو ضائع نہیں کرے گا، بشرطیکہ آپ خود کو ضائع ہونے سے بچائیں، میں یہ نہیں کہتا کہ ضروریات نہیں ہیں، مسائل ہیں، مگر آپ کا معاش کے لیے اس طرح پریشان ہوجانا حالات کے سامنے سپر انداز ہوجانا آپ کی شان کے خلاف ہے، بس آپ سے یہی کہنا ہے کہ اجملوا في الطلب کو پیش نظر رکھیے۔

آپ کا مطالعہ وسیع ہونا چاہئے، آپ کے اندر گہرائی وگیرائی ہونی چاہئے، آپ کے پاس جو آئے وہ سیر ہو کر واپس ہو تشنگی کا احساس بھی اس میں نہ رہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے اندر رسوخ فی العلم ہو، علماء کو الراسخون فی العلم کا نمونہ ہونا چاہئے، علماء کا مقام یہ ہے کہ بڑے سے بڑا طوفان ہو مگر وہ ان کو ٹس سے مس نہ کر پائے وہ پہاڑ کی طرح ثابت قدم ہوں، یہ ارادوں کا تزلزل درست نہیں، نیتوں کا قبلہ درست ہونا چاہئے، ہمتوں کی بلندی کے ساتھ وسعت فکر ونظر کی بھی ضرورت ہے۔

حاملین علم اپنا مقام نہ بھولیں

آپ حضرات علم سے وابستہ ہیں، تعلیم وتعلم جیسے عظیم کام سے جڑے ہوئے ہیں، جو علم سے وابستہ ہوتا ہے وہ یقین سے وابستہ ہوتا ہے، وہ خشیت وتقوی کے مقام پر کسی نہ کسی درجہ میں فائز ہوتا ہے، معلومات کا پیکر ہوتا ہے، روشنی بکھیرنے والا، نورافشانی کرنے والا ہوتا ہے، لہذا آپ کی حیثیت چراغ کی ہے اور چراغ کو چراغ دکھایا جائے تو یہ بہت مناسب بات نہیں، بظاہر فائدہ بھی نہیں، لیکن بطور تذکیر چند امور کی طرف اشارہ کرتا ہوں، کہ بہر حال تذکیر بھی ضروری ہے کیونکہ انسان کے ساتھ نسیان وابستہ ہے اسی بنا پر کہا گیا "الانسان مرکب من الخطاء والنسیان"۔

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿علم آدم الاسماء کلھا﴾ معلوم ہوا کہ معلم حقیقی اللہ علیم وخبیر ہے، وہی اسباب اور علم کی صلاحیت پیدا فرماتا ہے۔ رب زدنی علماً فرمایا گیا رب زدنی سلوکا نہیں فرمایا گیا۔ آپ ﷺ نے دودھ کی تعبیر علم سے فرمائی ہے، دودھ کا جوڑ علم سے ہے، اللہ سبحانہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے ﴿نُسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِينَ﴾ (نحل: ٦٦) اللہ تبارک وتعالی خون ورفث کے درمیان سے لبن خالص نکال رہا ہے، دیگر مشروبات تو اٹکتے ہیں مگر دودھ کو سائغا فرمایا یہ اٹکتا نہیں لیکن غور کیجئے کتنے مراحل کے بعد اللہ تعالی لبن خالص عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ علماء نے اشارہ فرمایا ہے کہ جب تم علم کا دودھ پی رہے ہو تو تم کو بھی بہت سے مراحل سے گزرنا ہوگا، مسائل ومشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا، مگر وہ تمہارے لیے سدراہ نہ بنیں، اب جس عالم کو الجھنیں اور پریشانیاں ہوں تو وہ حامل علم تو ہے مگر ابھی علم چشیدہ نہیں ہے۔ ایک امر اور قابل توجہ ہے کہ دودھ کے لیے برتن ضروری ہے اور برتن بھی صاف ستھرا ہونا شرط ہے ورنہ دودھ ذرا دیر بھی اپنی حالت پر قائم نہ رہ سکے گا، گندہ اور خراب ہوجائے گا، ناقابل استعمال ہوجائے گا، لہذا علم کو لینے کے لیے بھی برتن کا صاف ہونا ضروری ہے، اسی لیے تزکیہ کی بات کہی جاتی ہے، تزکیہ کے ساتھ جو علم آئے گا وہ پرنور ہوگا، کیونکہ علم کا تعلق کتاب سے ہے اور نور کا صاحب کتاب سے۔ علم صحیح جب کسی کو حاصل ہوتا ہے تو انہیں کو الراسخون کہتے ہیں وہ قطب نما ہوتے ہیں، وہ مینارۂ نور بن جاتے ہیں، تو عالم وہی ہے جو تھپیڑوں پر تھپیڑے کھائے مگر قبلہ بتاتا رہے۔

افسوس کہ مولاناؒ کو دوبارہ اتنا ہمہ گیر اور اتنا طویل سفر کرنے کا موقع نہیں ملا اور اب تو وہ اللہ کے حضور حاضر ہوچکے ہیں، اب ہمارا فرض ہے کہ اس الہامی تحریک کو آگے لے جائیں، جس کی بنیاد رکھی ملک وملت کے سچے بہی خواہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے، جن کی خواہش اور تمنا تھی کہ یہ ملک امن وآشتی کا گہوارہ بنا رہے، یہاں کا ماحول معتدل رہے کہ ہر شخص پرسکون ماحول میں اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے سکے۔ انھیں مقاصد کی خاطر حضرت مفکر اسلامؒ پوری زندگی کوشاں رہے اور ان کے بعد خون جگر سے اس تحریک کی آبیاری کی حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ نے، لہذا خصوصیت کے ساتھ مولاناؒ سے وابستگی رکھنے والے تمام افراد کی ذمہ داری ہے کہ اس بار کو بطور امانت قبول کریں، مولاناؒ کے چھوڑے ہوئے کام کو آگے اور بہت آگے لے جانے کے لیے حتی الامکان کوششیں کریں، اس کا پیام گھر گھر پہنچائیں، انسانیت سے عاری انسانوں کو انسانیت کا پیغام سنائیں، محبت کا فانوس جو بجھتا نظر آرہا ہے، اس کو روشن کرنے کی فکر کریں، مولاناؒ کی روح کا ہم سے یہ مطالبہ ہے کہ اس کے فروغ واستحکام کے لیے ہماری فکری وعملی کاوشیں صرف ہوں۔ مولاناؒ کو ہم سب کی طرف سے یہی بہترین خراج عقیدت ومحبت ہوگا۔

مولاناؒ نے اس سفر کے آخری خطاب میں فرمایا تھا، ایسا لگتا ہے کہ یہ الہامی خطاب تھا، اور اس کا آخری جملہ ہمیشہ احساس ذمہ داری دلاتا رہے گا۔

"ماشاء اللہ آپ حضرات بڑی تعداد میں غالباً یہ سمجھنے کے لیے جمع ہیں کہ پیام انسانیت کیا ہے، اس کے جلسوں کا مقصد کیا ہے، اس کا طریق کار کیا ہے اور وہ کس طرح کا ماحول پیدا کرنا چاہتا ہے، اس سلسلے کی باتیں آپ کے سامنے آچکی ہیں۔ اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس پیام کو عام کریں"۔

مدرسہ احیاء العلوم

خانقاہ امیریہ، دبنی والا، انبالہ روڈ، سہارنپور

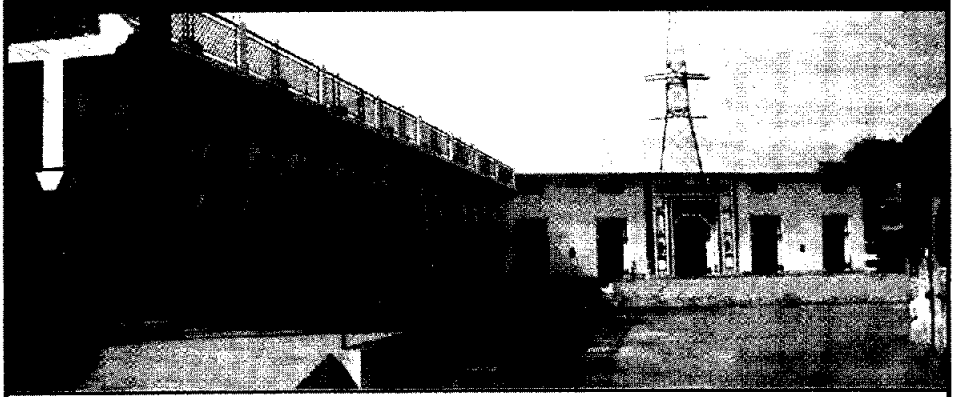

قائم فرمودہ

حضرت الحاج ملاّ جی محمد عبدالکریم صاحب قادری مجددی بوڑیوی نوراللہ مرقدہٗ

تعارف

بیادگار : حضرت الحاج مولانا محمد امیر باز خاںؒ صاحب قاسمی (صدرالمدرسین مظاہر علوم، سہارنپور)

زیر سرپرستی : رہبر ملت حضرت الحاج پیر جی حافظ حسین احمد صاحب قادری مجددی مدظلہ العالی خانقاہ بوڑیہ

ناظم و مہتمم : (حافظ) عبدالوہاب صاحب • سن قیام — ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء

نشأۃ ثانیہ : محرم الحرام ۱۳۹۲ھ مطابق مارچ ۱۹۷۲ء

تعلیم : ناظرہ و حفظ قرآن مجید مع مختصر تجوید-اردو، ہندی، انگلش، دینیات درجہ (۵)

شعبہ جات : ۹ • تعداد طلبہ و طالبات (امدادی) — ۲۵۰ • مدرسین حضرات و دیگر ملازمین — ۱۶

المشتہر

زبیر احمد کریمی قادری مجددی
نائب ناظم مدرسہ احیاء العلوم
خانقاہ امیریہ، دبنی والا، انبالہ روڈ، سہارنپور
(سکریٹری الکریم چیری ٹیبل اینڈ ایجوکیشن ٹرسٹ)

Zubair Ahmad Karimi
Madarsa Ehya Ul Uloom
Khanqa Ameeriya, Dabni Wala
Ambala Road, Saharanpur-247001 (U.P.)
Mob. : 9412232314
(Secretary Al-Karim Charitable and Education Trust)

حسنی فارمیسی کی

بے حد مفید اور مجرب دوائیں نئی اور دلکش پیک میں دستیاب ہیں

بطینا

قبض اور گیس کی کامیاب دوا

کف زال

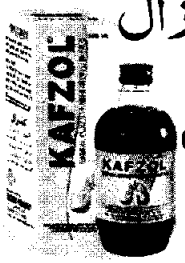

ہر قسم کی کھانسی، نزلہ، زکام میں بے حد مفید

زوزامین

فسادِ خون اور جلدی امراض کا سیرپ

برنیسال

تین اہم فوائد

۱- سوزش اور جلن میں فوراً ٹھنڈک پہنچائے
۲- زخم کو جلدی ٹھیک کرے، نشان نہ پڑنے دے
۳- ہر طرح کے مضر اثرات سے پاک ہے

کبدون

جگر اور پتہ کی خرابیوں کو دور کرنے والا بے نظیر سیرپ

اِندامول

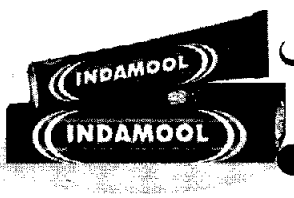

گہرے زخم، پھوڑوں کا لاجواب مرہم

صبا کا آملہ

بالوں کا بہترین محافظ

صبا کا ہیر آئل

دماغ اور بالوں کا انمول ہیئر ٹانک

ڈسٹری بیوٹر اور ایجنسی کے لیے رابطہ کریں

حسنی فارمیسی

HASANI PHARMACY

177/41, GWYNNE ROAD, LUCKNOW-226 018 (U.P.)

PH: (O) 0522-2202677 - Mobile: 9415105047, 9415028675

e-mail: info@hasanipharmacy.com / hasanipharmacy@yahoo.com

Fax: 0522-4063060 - www.hasanipharmacy.com

تجھ سا کہوں جسے

مولانا سید ولی حسن قادری ندوی

ادھر کچھ دنوں سے یہ خبر مل رہی تھی کہ استاذ گرامی جناب مولانا عبد اللہ حسنی ندوی کی طبیعت ناساز ہے، مگر جو خبر میرے بڑے ابو (جناب سید حسن عسکری طارق صاحب) نے مدینہ منورہ سے فون پر سنائی اس کے لیے دل و دماغ بالکل تیار نہیں تھا، اس اندوہناک خبر کو سن کر اندازہ ہوا کہ کسی خبر کے ''بجلی بن کر گرنے'' کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانائے محترم سے میرے تعلق کی ابتدا میرے بچپنے سے ہی ہوگئی تھی، اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ جیسے جیسے میں بڑا ہوتا گیا ویسے ویسے مولانائے محترم سے میرے تعلقات نہ صرف بڑھتے گئے بلکہ مزید گہرے اور مضبوط ہوتے گئے، ظاہر ہے اس کی وجہ صرف ان کا میرے ساتھ مشفقانہ رویہ تھا، بچپن تو خیر بچپن تھا اس وقت کی شرارتوں اور غلطیوں کو تو نظر انداز کیا ہی، بڑے ہونے کے بعد بھی اپنی منکسر المزاجی اور رحم دلی کی بنا پر میری بہت سی گستاخیوں سے صرف نظر کرتے رہے۔

اس اندوہناک سانحہ کی خبر سنتے ہی ان سے متعلق کئی واقعات میری نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے، بہت ممکن ہے یہ واقعات ایک لحاظ سے بہت نجی قسم کے معلوم ہوں (کہ یہ سوال اٹھنے لگے کہ آخر ان کا ذکر ہی کیوں ہو) مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے ذریعہ مولانائے عالی مقام کی شخصیت کے کئی پہلو سامنے آئیں گے جن سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور یہی ان کو یاد کرنے اور رکھنے کا بہترین طریقہ ہے۔

حضرت مولانا (علی میاں) قدس اللہ سرہ ونور مضجعہ سے خاندانی تعلقات و مراسم کی وجہ سے بہت ہی بچپنے سے میرا بھی تکیہ آنا جانا شروع ہوگیا تھا، اس لیے بہت ذہن پر زور دینے کے بعد بھی مولانائے محترم سے اپنی پہلی ملاقات اور اور اس کے تاثرات یاد نہیں آرہے ہیں، جبکہ حضرت مولاناؒ سے پہلی ملاقات کے بعد میرے بچکانہ ذہن نے کیا کیا سوچا تھا وہ مجھے یاد بھی ہے اور کسی جگہ ڈائری میں محفوظ بھی، شاید اس کی وجہ یہی تھی کہ اس وقت دل و دماغ کو چاند کی اہمیت کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں تھی تو ستاروں کے مقام کو کیا سمجھتا۔ مولانائے محترم سے متعلق سب سے پہلی بات جو یاد ہے وہ کرکٹ کھیلتے ہوئے میرے زور سے چیخنے پر پیچھے سے چپت لگانا۔ پھر جب میں حفظ ختم کرنے کے بعد حاجی صاحب مدظلہ کی تحریک اور حضرت مولاناؒ کی خواہش پر (جو کہ میرے لیے حکم کا درجہ رکھتی تھی) رمضان میں تہجد کے وقت نوافل میں قرآن ختم کرتا تھا تو مولانائے عالی مقام کو دعا کے لیے اہتمام سے بلاتا تھا اور یہ ان کا بڑپن تھا کہ وہ بھی ایک ایسے لڑکے کی بات کو بالکل نہیں ٹالتے تھے جس کی کسی بھی قسم کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ مولانا کی دعا کا وہ روح پرور منظر آج بھی دل کی ویران بستی کو سرسبز و شاداب کر جاتا ہے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے تعلیمی دور کی بات ہے کہ مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ حضرت مولانا کی کتابیں جو مجلس تحقیقات و نشریات سے چھپتی ہیں ان کی قیمتیں زیادہ ہونے کی وجہ سے مجلس کو بھی زیادہ فائدہ نہیں ہو پاتا اور حضرت مولانا کی کتابیں زیادہ پھیل بھی نہیں پاتیں، استاذ گرامی مولانائے محترم سے جب اس سلسلے میں گفتگو ہوئی تو آپ نے عادت کے مطابق بہت محبت سے مسکرا کر کہا: ''اپنی بات ثابت کرو''، میں نے اپنے ایک دوست کی مدد سے مختلف قسم کے ناشروں کی کتابیں جو کسی نہ کسی حلقے یا جماعت سے جڑے ہوئے تھے جمع کیں، ساری کتابیں صفحات اور سنِ اشاعت کے اعتبار سے مجلس کی کتابوں کی طرح یکساں تھیں مگر قیمتوں میں ٹھیک ٹھاک فرق تھا، مجلس کی بعض کتابوں کی قیمتیں

توان کتابوں سے بھی زیادہ تھیں جو خالص تجارتی نقطہ نظر سے چھاپی گئی تھیں، مولانائے محترم استاذ گرامی نے میری بات اپنے بڑوں اور ذمہ داروں کو پہنچائی مگر اس کا نتیجہ میری خواہش کے مطابق نہیں نکلا، مجھے بہت برا لگا، وجہ صرف یہ تھی کہ میں اس وقت اپنی عمر کے اس دور سے گزر رہا تھا جس کے بارے میں عالی مقام استاذ گرامی جناب ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس ندوی صاحبؒ کا کہنا تھا: یہی وہ زمانہ ہوتا ہے جس میں ہر انسان اپنی لیاقت کے مطابق یہی سمجھتا ہے کہ میں دنیا کی تصویر کو کانٹ چھانٹ کے سہی اپنے مزاج کے مطابق خوشنما بنالوں گا۔ مولانائے محترم نے بہت ہی پیار سے مجھے سمجھایا اور کہا کہ اس بات کی عادت ڈالو کہ کوئی بھی کام کرنے کے بعد اس کی توقع نہ رکھو کہ نتیجہ تمہارے مزاج کے مطابق ہی نکلے گا، اس بات کا خاص طور سے اس وقت تو بہت زیادہ خیال رکھو جب تم کوئی مشورہ اپنے بڑے کو دے رہے ہو۔ اس وقت یہ باتیں تو کیا سمجھ میں آتیں لیکن اپنے گھرانے اور انہی بزرگوں کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ لاکھ اختلاف رکھنے کے باوجود کبھی اپنے بزرگوں سے بحث نہیں کی اور دل کو ان کے خلاف نہیں ہونے دیا۔ اس کا فائدہ یہ رہتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نہ صرف باتیں سمجھ میں آتی ہیں بلکہ اپنی بے وقوفی بھی روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے، یہ نصیحت میرے اتنا زیادہ کام آئی کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس طرح کے معاملات میں مَیں اپنے دوسرے ساتھیوں کے مقابلے زیادہ مطمئن رہتا ہوں، اور لوگوں کو اپنے ''بڑوں'' سے اختلاف کی وجہ سے جو خواہ مخواہ کی بے اعتمادی پیدا ہوجاتی ہے اس سے بھی الحمدللہ نجات ملی رہتی ہے۔

مولانائے محترم کے غیر مسلموں میں کام کا چرچہ ادھر چند سالوں سے لوگوں میں زیادہ ہونے لگا تھا، مگر برسوں (کم از کم سترہ سال) پہلے کا ایک واقعہ میں بھول نہیں پاتا ہوں، رمضان کے دنوں میں میں تکیہ پر بنگلے (مہمان خانے) کے پاس کھڑا تھا کہ ایک سادھو (میری نظر میں) گیروے کپڑے میں ملبوس، بڑی داڑھی کے ساتھ بڑی مونچھیں، تکیہ کی جانب چلا آرہا تھا، ڈاکخانے سے ذرا پہلے موڑ پر اس نے اپنی دھوتی کو پیچھے سے کھول کر لنگی کی شکل دی اور مسجد کی طرف بڑھ گیا، مجھے تجسس ہوا میں اس کے پیچھے ہولیا، وہ استاذ گرامی سے ملا، دونوں کچھ دیر گفتگو کرتے رہے، پھر عصر کی جماعت کا وقت ہوگیا، لوگ مسجد کے اندرونی حصے میں جماعت ادا کرنے چلے گئے اور وہ مسجد کے اگلے حصے (قبلے کی جانب مسجد کے احاطے میں بیرونی دیوار اور مسجد کے درمیان جو گلی سی ہوجاتی ہے) میں چلا گیا، جماعت کے فوراً بعد مولانائے محترم مسجد سے باہر آئے اور اس سے دوبارہ آہستہ آہستہ گفتگو کرنے لگے، سارے لوگ معمول کے مطابق اپنے ذکر واذکار اور تلاوت میں مشغول تھے، میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس کو اسی جانب جاکر جلدی جلدی دو رکعت نماز پڑھتے دیکھا، پھر وہ چل دیا، میں بھی مسجد سے باہر نکل کر اس کے پیچھے ہولیا اور موقعہ ملتے سوال کیا کہ آپ کون ہیں؟ کیا آپ مسلمان ہیں؟ ان صاحب نے پہلا سوال گول کرتے ہوئے جواب دیا کہ میں الحمدللہ مسلمان ہوں اور مولانا (عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ) کا بتایا ہوا کچھ کام کرتا ہوں، پھر وہ (میری عمر کے لحاظ سے) سوال کرتے رہے اور میرے سوالوں کا جواب نہ کے برابر دیا، ڈاکخانے کے پاس موڑ پر پہنچ کر انہوں نے پھر اپنی لنگی کو دھوتی کی شکل دی اور چلتے رہے، ان کے انداز سے صاف ظاہر ہورہا تھا میرا ساتھ ان کو ناگوار گذر رہا ہے، اس لیے میں ان کو سلام کرکے واپس آگیا، استفساراً جب یہ ساری باتیں استاذ محترم مولانائے گرامی کو بتائیں تو انہوں نے ایک خاص جگہ کا نام لے کر بتایا کہ اللہ تعالی ان سے وہاں دین کا کافی کام لے رہا ہے، ایک بہت اہم کام کے لیے مشورہ کرنا تھا اس لیے اس حلیے میں یہاں آگئے ورنہ میں نے منع کر رکھا ہے، پھر اپنے مخصوص انداز اور لہجے میں فرمایا: ''چونکا نہ کرو، یہ (اس طرح کے لوگ) اکیلے نہیں ہیں ان کے جیسے اور بھی ہیں جو مجھ سے تعلق رکھتے ہیں''۔

ندوہ میں ہی تعلیم کے دوران مجھے یہ بھی محسوس ہوا کہ بہت سے طالب علم جو انتظامیہ اور اساتذہ کے درمیان اچھے نہیں شمار کیے جاتے ہیں اس کی ایک بڑی وجہ کنفیوژن اور غلط فہمی ہے، اگر یہ لڑکے کسی اچھے استاذ سے جو ان کی بھی سنیں اور ان کی حماقتوں اور بے وقوفانہ باتوں کو (جو اس وقت ان کی نظروں میں سقراط و بقراط کے نظریے کی ہم پلہ نہیں تو ان سے کم بھی نہیں ہوتیں) برداشت کرے،

میں نے اس طرح کے لڑکوں کو مولانا سے کچھ بتائے بغیر قریب کرنا شروع کر دیا۔ مولانا نے اپنی فراست سے اس مقصد کو مجھ سے پوچھے بغیر اچھی طرح سمجھا اس طرح ان لڑکوں کا دینی اور دنیاوی فائدہ ہوا، اور یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ مولانائے محترم کی وجہ سے بہت سے دوسرے اساتذہ کی بھی قدر و قیمت بھی بڑھ گئی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بچوں کی تربیت کے جو زریں اصول بتائے ہیں اس میں ساتویں سال سے چودھویں سال تک ادب (اپنے وسیع مفہوم میں) سکھانا اور پندرہ سے اکیس سال تک دوست بنا کر رکھنا ہے، مدارس (اپنے وسیع مفہوم میں) اور اس کے ہوسٹلوں میں سچی بات یہی ہے اسی دور کے بچوں کا گزر بسر ہوتا ہے، ان کی تعلیم و تربیت کتنی محنت اور قربانی چاہتی ہے استاذ محترم اس سے اچھی طرح واقف تھے اور اس کے لیے ان سے جو کچھ بن پاتا تھا کرتے تھے، یہ لکھنے میں کوئی تکلف نہیں کہ یہ کام صرف اور صرف کوئی اللہ والے، بے لوث و بے نفس دین کے خدمت گذار کے ہی بس کی بات تھی، بظاہر لوگوں کی نظروں میں بہت چھوٹی بات ہوگی مگر جو بھی مدارس کی عمومی فضا اور ماحول سے واقف ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ کس قدر دل گردے اور مجاہدے کا کام ہے، یہ وہی کر سکتا ہے جس کے اندر وسعت قلبی، خدا ترسی، اور بے نفسی کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔

استاذ گرامی ہر طالب علم سے الگ الگ انداز میں، اس کی لیاقت و صلاحیت کے مطابق گفتگو فرماتے، اس کو مناسب مشورہ دیتے اور کبھی کبھی اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیتے تو بے ساختہ وہ حدیث یاد آجاتی: "اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله" (مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے)۔ یہاں یہ تذکرہ بھی بے محل نہیں ہوگا کہ میرے خاندانی پس منظر اور مجھ سے (غلط ہی سہی) حسنِ ظن رکھنے کی وجہ سے میرے بہت سے ہم عمر اور بعض بڑے بھی مشورہ مانگتے کہ میں فلاں جگہ دین کے تعلق سے کام کرنا چاہتا ہوں، بیعت کرنا چاہتا ہوں وغیرہ تو میں بلا تکلف ان کو مولانائے گرامی کی خدمت میں بھیج دیتا اور تاکید کرتا کہ وہاں جا کر صرف مشورہ مانگیں، کئی لوگوں کا تقاضہ بھی ہوتا کہ فون کر دو یا کوئی رقعہ لکھ کر دے دو مگر صرف اس لیے کہ مولانا کی طبیعت پر بار نہ ہو میں یہی کہتا کہ آپ مجھ پر بھروسہ کر رہے ہیں اس لیے یقین کیجیے کہ آپ کو بالکل صحیح جگہ بھیج رہا ہوں، بعد میں ان سب نے یہی کہا واقعی بہت صحیح جگہ بھیجا، ان میں کچھ تو اور صاف گو نکلے اور کہا کہ وہاں تمہارے نام وام کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے وہاں واقعی سب کو ایک ہی نظر سے دیکھا جاتا ہے، میں نے تفریحاً اس بات کا ذکر مولانائے محترم سے کیا تو بہت محظوظ ہوئے اور اپنے خاص انداز میں فرمایا: "بہت خوب"۔ شاید ساتھ میں یہ ذکر نہ کرنا بھی ناانصافی ہوگی کہ تقریباً ہر ملاقات میں مختلف اسلوب اور پیرایے میں مجھ سے یہ بھی کہتے: اکھاڑے میں صرف پہلوان ہی بھیجتے رہو گے کہ کسی دن خود بھی اترو گے۔

مجھے حج بیت اللہ کے باسعادت موقعہ پر خلوت و جلوت میں مولانائے گرامی کی طویل رفاقت کا موقعہ ملا، وہاں بھی عشقِ الٰہی اور محبت رسول کا وہ جذبہ دیکھا جو صرف کتابوں ہی میں پڑھنے کو ملتا ہے، چھوٹی سی چھوٹی سنت ادا ہو جائے اس کے لیے بڑی سی بڑی مشقت اٹھاتے ہوئے دیکھا، صرف اسی جذبے کے تحت طویل مسافتیں پیدل طے کرتے اور کھلے آسمان کے نیچے چٹائی پر سوتے دیکھا، یہ ساری باتیں اس وقت تھیں کہ اچھے سے اچھے خیمے میں قیام کی سہولت اور لگژری کار پر سفر مہیا کرانے کے لیے لوگ دست بستہ کھڑے تھے۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران شوق و جذبہ اور ولولہ کی وہ تصویر دیکھنے کو ملی جس کو بیان کرنا بہت مشکل ہے۔

علم کے ساتھ ساتھ وہ عمل کے بلند مقام پر بھی فائز تھے، زندگی کی یہی سادگی، منکسر المزاجی، خدا ترسی، رحم دلی اور دوسروں کو اپنی ذات سے نفع پہنچانے کا یہی جذبہ لوگوں کو ان کا گرویدہ بنا دیتا، دیکھنے میں یہی چھوٹی چھوٹی ادائیں اتنی بڑی تھیں کہ واقعی مشرق و مغرب کے میخانے ان سے خالی نظر آتے ہیں، اور یہی وہ مقام بھی ہے جہاں پہنچ کر اچھے اچھے میخواروں کے قدم بھی لڑکھڑا جاتے ہیں مگر مولانائے محترم نے اپنے قدموں کو مضبوطی سے جمائے رکھا، اسی لیے آج میری طرح سینکڑوں گواہ ہیں کہ کتنے لوگوں نے مختلف آستانوں کے چکر کاٹے مگر ان کی جبینِ سعادت نے شرفِ نیاز اسی دربار سے حاصل کیا، ادھر کافی تیزی سے مولانائے محترم کے ذریعہ آفتابِ رشد و ہدایت کی شعاعیں "اپنوں" سے آگے نکل کر "غیروں"

کے دلوں کو بھی روشن کر رہی تھیں، یہیں سے اس بات کا بھی خدشہ تھا کہ حاسدوں کی نظریں اس کی چمک سے خیرہ نہ ہونے لگیں اور وہ دلی ظلمات کی وجہ سے اس روشنی کو ''گل'' کرنے کے درپے نہ ہو جائیں، قدرت الٰہی کو یہی منظور تھا کہ مولانائے محترم اب مزید ہم میں نہ رہیں اس لیے ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو، انا للہ وانا الیہ راجعون.

اخیر میں، میں یہ لکھنے سے اپنے آپ کو نہیں روک پا رہا ہوں کہ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کوئی ''بڑا'' اپنی جگہ خالی کرتا ہے تو اس کی جگہ آنے والے کو کئی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے جن میں سب سے بڑی آزمائش یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس کا موازنہ اس ''بڑے'' سے کرنے لگتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اس کے اندر وہ ساری صفات پہلے سے ہوتیں تو وہی اس ''بڑے'' کی جگہ پہلے ہی نہ لے لیتا، دوسری بات تھوڑی اور باریک بینی سے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ بہت ممکن ہے کہ اِس جانشیں میں بہت ساری اُس ''بڑے'' کی صفات پہلے سے موجود ہوں مگر ان کا اظہار صرف اس لیے نہیں ہوا تھا کہ اِس کو موقعہ نہیں ملا تھا، اس لیے ہم سب کو چاہیے کہ مولانائے گرامی کے کام کو آگے بڑھانے کی ہر طرح سے کوشش کریں، یہی ان سے محبت کا اور خراجِ عقیدت پیش کرنے کا صحیح طریقہ ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ بلال بھائی کی اس طرح مدد کی جائے جس سے وہ سکون اور دل جمعی کے ساتھ اس بار امانت کو اٹھا سکیں جو کہ مولانائے محترم کے کئی جہتی پروگرام کو دیکھتے ہوئے آسان نہیں معلوم ہوتا۔

بقیہ: وہ دکان اپنی سجا گئے

اس طرح مخلوق سے محبت اور چھوٹوں پر شفقت اور اپنے متعلقین سے حد درجہ الفت کا عنصر آپ کے اندر تھا، وہ مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ کا فیض اور ان کی صحبت کا نتیجہ تھا، یہی وجہ تھی کہ مولانا کو حضرت کے اشعار کو سننے کا بڑا شوق تھا، اپنی مجلسوں میں اکثر ان کے اشعار پڑھتے اور مترنموں سے سنتے، اس حقیر کو بھی یہ سعادت بارہا نصیب ہوئی۔

یہ وہ چند چیزیں تھیں جو میں نے تکیہ میں ان حضرات کی خدمت کے دوران دیکھیں اور محسوس کیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا مرحوم کی بال بال مغفرت فرما کر آپ کو کروٹ کروٹ سکون عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں مقام خاص عطا فرمائے اور مجھے مرتے دم تک ان بزرگوں کی خدمت کے لیے قبول فرمائے آمین یا رب العالمین۔

کہاں ان کو پائے گا احمد زمانہ
یہ دنیا تو آٹھوں پہر ڈھونڈتی ہے

انسانیت کی فکر کیجیے

''انسانیت کے لیے بے لوث محبت رکھیے، آج انسانیت مر رہی ہے، انسانیت بہت دکھی ہے، اس کے لیے درد مندی پیدا کیجیے، اس کے تئیں احترام کا جذبہ رکھیے۔ اپنے دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں مگر یاد رکھیں کہ کسی کا ایمان (بے عزتی) نہ ہو، ظلم مت کیجیے، ظالم مت بنئے، اوپر والا ظلم کو بالکل پسند نہیں کرتا ہے۔ زمین میں قتل و غارت گری کرنا، فساد برپا کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ مذہب اچھائی کا راستہ دکھاتا ہے، اچھائی اور نیکی کے راستے کو اپنائیے، ملک اور ماحول از خود سدھرے گا۔ انسانیت کی بقا اور ترقی کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہیے، ایک دوسرے کا احترام کیجیے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مذہب کے سبب جھگڑے ہوتے ہیں، بالکل نہیں! مذاہب تو اچھائی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، اگر ہندو ایک دوسرے کی عبادت گاہ توڑتے ہیں اور مسلمان آپس میں اختلافات رکھتے ہیں تو یہ دین نہیں سکھاتا، ان برے اعمال کی وجہ سے دین کو برا نہیں کہا جا سکتا''۔

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندویؒ

زمانہ کہتا رہا تجھ کو آفریں پیارے

عبدالمغنی اکرمی ندوی بھٹکلی

زمین ہند کا تجھ کو سلام اے وطنی
اے دیں کے مردِ مجاہد، اے راہ حق کے دھنی
تجھے ہے نسبتِ خیر الانام اے حسنی
ہمیں امید ہے بخشے گا تجھ کو ربِّ غنی
تو بن کے تارہ فلک پر چمک حسیں پیارے
کرے سلام تجھے حشر تک زمیں پیارے

تو ایک داعی، ادیب اور صاحبِ نسبت
تو اک مفسر، محدث وماحیِ بدعت
تو اک مربی ، معلم، تو لائقِ صحبت
کئی نفوس کی کرتے تھے آپ تربیت
علوم شرع میں تھا معتبر، امیں پیارے
بہت سی خوبیاں واللہ تجھ میں تھیں پیارے

برائے دعوت اسلام تم نکلتے تھے
اسی کی فکر میں تو روز وشب پگھلتے تھے
طبیعت ایسی کہ سنجیدہ ہوکے چلتے تھے
ہراک سے ملتے تھے اور خوش دلی سے ملتے تھے
تمھارے سینے میں حکمت تھی جاگزیں پیارے
زمانہ کہتا رہا تجھ کو آفریں پیارے

خموش ایسے کہ قرباں ہو جس پہ کم سخنی
کلام وہ کہ نہ ہو کچھ کسی کی دل شکنی
خطاب ایسا کہ حرف حرف خلوص پر مبنی
نہ جانے کتنا ہے بھاری صحیفۂ حسنی
عمل ہے پیہم تو محکم ترا یقیں پیارے
وگرنہ دنیا یونہی مانتی نہیں پیارے

زمین ہند ترستی ہے روشنی کے لیے
جبین کفر تڑپتی ہے بندگی کے لیے
ابھی تو خلق سسکتی ہے زندگی کے لیے
تری حیات غنیمت تھی ہاں سبھی کے لیے
ترے فراق پہ کتنے ہیں خشمگیں پیارے
ترے وصال پہ ہے ہر بشر حزیں پیارے

مگر یقیں ہے کہ جو کچھ ہوا وہ خیر ہوا
خدا کا حکم ہوا جلد ہوا نہ دیر ہوا
جہانِ فانی کی جب نعمتوں سے سیر ہوا
خدا کا شکر ہوا خاتمہ بخیر ہوا
وہیں پہ خوش رہو دنیا میں کچھ نہیں پیارے
گو ہم سبھوں کی تھی خواہش کہ رہ یہیں پیارے

یہ اشک کس کا ، زمیں کا یا آسماں کا ہے
یہ لمحہ کیسا محبت کے امتحاں کا ہے
یہ وقت رنج وغم وحسرت وفغاں کا ہے
اے اکرمی یہ خسارہ تو کل جہاں کا ہے
ترے فراق میں گھائل ہمیں نہیں پیارے
تمھارے چاہنے والے کہاں نہیں پیارے

یادوں کے دریچے سے

شیخ ابرار ندوی (دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

حضرت مولانا عبداللہ حسنیؒ کی زندگی ہم سبھی کے لیے خاص طور سے ندوی برادران کی لیے ایک کھلی کتاب کی طرح ہے، مولانا ایک عملی اور مثالی شخصیت کے حامل تھے، اسی وجہ سے مولانا میں ایسی جاذبیت تھی کہ ہر فرد اپنے آپ کو مولانا سے انتہائی قریب سمجھتا تھا اور حقیقت یہی ہے کہ مولانا سبھی کو اپنے سے قریب رکھتے اور پوری محبت وشفقت دیتے تھے، شناسا اور اہل تعلق کی بات نہیں، نئے اور اجنبی لوگ بھی پہلی ملاقات کے بعد مولانا سے مانوس اور متاثر ہوجاتے تھے۔

مولانا کی ایک بڑی خوبی لوگوں کو نفع پہنچانے کا جذبہ تھی، اس میں مولانا (خیر الناس من ینفع الناس) کی عملی تصویر تھے یہ جذبہ بڑا ہمہ گیر تھا، تمام معاملات میں چاہے تعلیم کا ہو یا تربیت کا، مالی تعاون کا ہو یا اخلاقی رہنمائی کا، شناسا لوگوں کے ساتھ ہو یا اجنبی لوگوں کے ساتھ یکساں جھلکتا تھا، اس جذبہ صادق سے مولانا اتنے سرشار تھے کہ اس راہ کی دشواریوں کو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت فرماتے تھے، بلکہ اس سلسلہ میں خطرات سے بھی نہیں گھبراتے تھے،

مولانا مسلمانوں اور خاص طور سے دیندار کہے جانے والوں کی بے دینی کے حالات سنکر آہ بھرتے تھے، اور فرماتے تھے: ''بھائیو! مسلمان تو اب بوڑھے ہوگئے ہیں، اس امت کو نئے خون کی ضرورت ہے'' بس اسی جذبہ اور امید میں مولانا نومسلم بھائیوں کی بڑی فکر فرمایا کرتے تھے اور ان کو ایک شفیق باپ کا پیار دیتے تھے اور ان کی ہر طرح کی ضروریات کی تکمیل مولانا کی پہلی ترجیح ہوتی تھی، بعض نومسلم بھائیوں کے ساتھ تو ہم نے ایسا محسوس کیا کہ مولانا باپ کی شفقت کے ساتھ ماں کے پیار کی بھی تلافی کرنا چاہتے ہیں۔

ابھی اخیر سالوں میں نومسلم بھائیوں کی آمد ماشاء اللہ اچھی خاصی بڑھ گئی تھی، بے چارے آداب زندگی اور مولانا کے معمولات سے کیسے واقف ہوسکتے تھے، بسا اوقات بعض نوجوان رات دو بجے تین بجے ہی فون کردیا کرتے تھے، کوئی حالات سناتا، کوئی خواب سناتا، کوئی مسئلہ دریافت کرنے لگتا، مولانا ان سب باتوں کو برداشت فرماتے، اور کبھی فرماتے یہ باتیں ہر بار تو ہوتی ہیں، لیکن کیا کریں، کام ہی ایسا ہے، جب تک ان کے مسائل کو اپنے مسائل نہیں بنائیں گے اس وقت تک کام بھی نہیں ہوگا۔

مولانا کی ایک بڑی خوبی مردم سازی تھی، اس میں مولانا کا طرز عمل یہ تھا کہ جس میں جو صلاحیت ہوتی اس سے وہی کام لیتے اور اسی کام کا مشورہ دیتے، تاکہ ہر شخص اپنی صلاحیت میں نکھر سکے، بسا اوقات فرماتے: ہر ایک کا کام الگ الگ ہے، جس کا جو کام ہے اس سے وہی کام لینا چاہیے''۔

اسی وجہ سے مولانا سے ہر طبقے کے لوگ فیض یاب ہورہے تھے اور جو وابستہ ہوجاتے پھر کبھی ساتھ نہ چھوڑتے تھے، اسی طرز عمل کی برکت سے مولانا کا فیض صرف دعوتی میدان میں منحصر نہیں تھا، بلکہ ہمہ جہت تھا، آپ کے افراد دعوتی میدان میں، مدارس میں، اسکول وکالجز میں رفاہی کاموں میں اور سیاسی میدان میں بھی تیار ہورہے تھے۔

مولانا کو مدارس کے طلبہ کی بڑی فکر دامن گیر رہتی تھی، اور جب لوگ مدارس کی کثرت اور مطلوبہ نتائج سے محرومی کا شکوہ کرتے تو آپ فرمایا کرتے تھے جب تربیت ہی الٹی ہے تو مطلوبہ نتائج کہاں سے حاصل ہوسکتے ہیں، ترتیب درست کرلیجیے ان شاء اللہ بہتر نتائج سامنے آئیں گے، پھر فرماتے طلبہ کے چار درجے ہیں: (۱) جو تعلیم میں اول درجہ کے ہوں ان کو مدارس میں لگ جانا چاہیے؛ (۲) جو ان سے کم دوم درجہ کے ہوں ان کو خلیجی ممالک اور بیرون بھیجا جاسکتا ہے؛ (۳) اور سوم درجہ کے طلبہ کو یونیورسٹی اور عصری تعلیم میں لگایا جاسکتا ہے؛ اور (۴) اور چہارم درجہ کے طلبہ کو تجارت وکاروبار میں لگ سکتے ہیں۔

اس طرح مولانا کی دسیوں خصوصیات تھیں جو مستقل ایک موضوع ہے۔

بہاریں تم سے تھیں

مولانا خلیق الرحمٰن ندوی (مدرسۃ الایمان ٹوکرہ، گجرولہ)

آہ! میرے مشفق ومربی محسن اور رہنما کا سانحۂ ارتحال ملت اسلامیہ اور بنی نوع انساں کے لئے وہ تلخ لمحہ ہے جس نے تاریخی اوراق کو رہتی دنیا تک کسیلا کردیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ خانوادۂ حسنی کا روشن ستارہ آسمان ہستی سے اچانک کوچ کر کے اہل زمیں کو رنجور کر گیا ہم کف افسوس ملتے ہوئے اشکبار آنکھوں سے اس مرد مومن کو یہ کہتے ہوئے خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

آپ نے مہرو وفا کے پھول مہکائے صدا
ہر طرف اس گلستاں میں تھی بہاریں آپ سے

خانوادۂ حسنی کا روشن ستارہ آسمان ہستی سے اچانک کوچ کر کے اہل زمیں کو رنجور کر گیا ہم کف افسوس ملتے ہوئے اشکبار آنکھوں سے اس مرد مومن کو یہ کہتے ہوئے خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

آپ نے مہرو وفا کے پھول مہکائے صدا
ہر طرف اس گلستاں میں تھی بہاریں آپ سے

داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی قدس سرہٗ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں یہ علم وشرافت اور مہر و وفا کی جیتی جاگتی تصویر، خلوص وللّٰہیت اور جدوجہد کا روشن مینارہ ہے جس کے زیر سایہ ہزاروں نونہالان ملت نے زانوئے تلمذ طے کیا اور آج بھی آپ کے تربیت یافتہ اشخاص تاریک زمانہ کی گمنام گلیوں میں ایمانی چراغ لیے ہوئے بھٹکتی انسانیت کو راہ حق دکھانے کے لیے کوشاں ہیں۔

داعی اسلامؒ کی بیش بہا تصانیف تقاریر درس قرآن وحدیث اور سینکڑوں اداروں کی نظامت اور ذمہ داری کسی تعریف کی محتاج نہیں بلکہ روز روشن کی طرح ظاہر باہر ہے ان تمام مصروفیات اور انہماک کے باوجود آپؒ کی پیام انسانیت کے تئیں تڑپ اور کڑھن بنی نوع انساں کے لئے انبیاء علیہم السلام کا نمونہ پیش کرتی ہے چونکہ انبیاء اور رسل علیہم السلام کی آمد کے انقطاع کے بعد العلماء ورثۃ الانبیاء کی روشنی میں علماء ہی امت کی باگ ڈور کے حامل اور کنتم خیر امۃ کے راہ رو ہیں اس کی آنکھوں دیکھی نظیر نمونۂ اسلاف حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی ذات ہے۔

حضرتؒ سے میری پہلی ملاقات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے تعلیمی زمانہ میں ہوئی، ایک ہی ملاقات میں طبیعت حضرتؒ سے مانوس ہوگئی، وقتاً فوقتاً مجلس میں حاضری کا شرف حاصل ہوتا رہا۔

حضرتؒ کی مجلس زندگی کے مختلف تربیتی گوشوں کو شامل ہوتی ہر نشست اخلاص، خوف خدا اور قرب الٰہی کا جذبہ پیدا کرتی چونکہ آپؒ نے اکابر امت اور اولیاء اللہ کی صحبت پائی تھی اس لئے انداز تربیت مؤثر اور جداگانہ تھا، کلمات حکمت ورموز معرفت سے حاضرین مجلس محظوظ ہوتے، آپ تربیت کی کسی بات پر اصرار نہ فرماتے، اکثر خدام چہرۂ مبارک سے ہی مراد جان لیتے، اکثر کبیدگی کا اظہار اشارۃً یا کنایۃً ہوتا۔ آپ کی خدمت میں اخلاص، ایثار تقوی، خوش خلقی اور ثبات قدمی نصیب ہوتی، خاص کر اس مادی دور میں دنیا سے بے دلی، بے رغبتی کا احساس پیدا ہوتا، ایمان میں تازگی آتی اور علم وفکر کے نئے باب کھل جاتے۔ آپ حق کے مقابل چاپلوسی اور مصلحت پسندی کے قائل نہ تھے۔

مجھے کئی بار حضرتؒ کے رفیق سفر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی آپ ایک مثالی رفیق، مخلص راہرو اور مشفق دوست ثابت ہوئے، آپ خلوص ووفا کے پیکر تھے۔ رفقاء اور احباب کے مستقل آرام کے مشورے کے باوجود آپ آٹھوں پہر امت کی بقا اور انسانی فلاح کے لئے متفکر نظر آتے، جب بھی میں آپ کو دیکھتا یقین ہوتا کہ آپؒ انبیاء علیہم السلام کے سچے جانشین ہیں۔ مشیت الٰہی کہ آپ کی عمر نے وفا نہ کی اور سلسلۃ الذھب کی ایک مضبوط کڑی ہم سے جاتی رہی، یہ وقت پوری ملت کے لئے نازک وقت ہے، خاص طور پر حضرتؒ کے مریدین اور متعلقین کے لئے صبر آزما گھڑی اور ہوشمندی کا مقام ہے، میر کارواں کے جانے سے رفقاء کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے کہ وہ سفر کو جاری رکھیں اور منزل کی طرف رواں دواں رہیں۔ یہی میرے مرشدؒ کا پیغام ہے اور یہی پیام انسانیت۔

عالم میں تجھ سا لاکھ سہی تو مگر کہاں؟

عبدالسلام خطیب بھٹکلی ندوی (دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنو)

۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۰ رجنوری ۲۰۱۳ء کی صبح تقریباً ۱۱ بجے ہمارے مخدوم ومربی مشفق ومحسن داعی وبزرگ عالی نسب وبلند مقام عالم دین دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ حدیث وتفسیر تحریک پیام انسانیت کے جنرل سکریٹری، مشہور عربی رسالہ الرائد کے مدیر التحریر جناب مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا سید عبداللہ حسنی صاحب صحیح النسب حسنی سادات سے تعلق رکھتے تھے، جن کا ایک سلسلہ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے ہوتے ہوئے سئی ندی کے کنارے تکیہ کلاں دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی آکر بس گیا تھا، مولانا کے والد جواں مرگ عالم وادیب فخر خاندان وفخر ہندوستان جناب مولانا سید محمد الحسنی صاحب تھے، جو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بڑے بھائی ومربی وسابق ناظم ندوۃ العلماء ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ کے اکلوتے فرزند تھے اور ڈاکٹر صاحبؒ مؤرخ ہند حکیم سید عبدالحی حسنی رائے بریلویؒ کے بڑے صاحبزادے، مولانا عبداللہ صاحب کی پیدائش جمادی الثانی ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۹ رجنوری ۱۹۵۷ء کو لکھنو میں ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر کے بزرگوں کی نگرانی میں ہوئی، پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء داخل کیے گئے، مولانا شروع ہی سے خاموش طبع، شریف النفس، ہمدرد وغمگسار، متواضع وخاکسار اور حسن اخلاق کا پیکر جمیل تھے، ابتدائے طالب علمی ہی سے اپنے گھر میں عالم اسلام کی ایک عبقری شخصیت عربی واردو کے صاحب طرز ادیب وانشاء پرداز اور بلند پایہ مصنف ومحقق مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو موجود پایا، جو مولانا مرحوم کے چھوٹے دادا اور سرپرست ومرشد تھے، پورا گھرانہ علمی ودینی رنگ ہوئے جس طرف نظر ڈالتے اپنے بڑوں کو علم دین کی خوشبو بکھیرتے پاتے، ایک طرف اپنے والد محمد الحسنی صاحبؒ کو دیکھتے تو دوسری طرف ایک مؤرخ وبزرگ مولانا محمد ثانی پر نظر پڑتی، پھر نگاہ کو ذرا دوسری طرف دوڑاتے تو عربی کے مشہور ادیب وناقد اور تاریخ وجغرافیہ اور فن تعلیم کے ماہر بلند پایہ مصنف ومؤلف حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب نظر آتے، تو گھر کے ایک گوشہ میں ان کے چھوٹے بھائی ادب عربی کے ماہر کامل مشہور صحافی وانشاء پرداز اور عالم اسلام کی صورتحال پر گہری نظر رکھنے والے مولانا سید واضح رشید ندوی مطالعہ میں مستغرق نظر آتے، غرض یہ کہ بچپن بڑے ہی اچھے ماحول اور سوسائٹی میں گذارا، تعلیم ندوے جیسے مشہور ادارے میں حاصل کی جہاں اپنے اپنے فن کے ماہرین موجود تھے۔

ندوے کی طالبعلمی ہی کے زمانے میں مدرسہ فرقانیہ لکھنو سے قرات کی مشق کی، مولانا اپنے درجہ کے سب سے کم عمر طالب علم تھے، اور وہ دور ندوہ کا عہد زرین کہلانے کا مستحق تھا کہ جس میں مفکر اسلام حضرت مولاناؒ کے زیر سرپرستی علماء وفضلاء کی ایک بڑی ٹیم مصروف درس وتدریس تھی، مولانا عبداللہ صاحب نے ۱۹۷۵ء میں عالمیت مکمل کی، اور ۱۹۷۷ء میں حدیث میں تخصص کے ساتھ فضیلت کیا، اور اس کے بعد اپنے مرشد ومربی حضرت مولاناؒ کے حکم سے دارالعلوم میں تدریسی خدمت انجام دینی شروع کی، مولانا نے شروع میں ابتدائی عربی زبان وادب کی کتابیں پڑھائیں، پھر حدیث کی اہم کتابوں کو پڑھانا شروع کردیا اور اخیر میں تفسیر کے بعض اسباق بھی آپ کے سپرد کیے گئے، ندوہ میں تدریس کے دوران ہی ۱۹۷۹ء میں آپ کو اپنے والد کی وفات کے بعد پندرہ روزہ مشہور عربی پرچہ الرائد کا مدیر التحریر مقرر کیا گیا، جس میں آپ اکثر ادبی اسلوب میں بڑے داعیانہ اداریئے تحریر فرماتے تھے، اور بسا اوقات ان اداریوں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا جاتا تھا، مولانا مرحوم

کے بارے میں حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی دامت برکاتھم نے تحریر فرمایا تھا کہ ان کے علمی وادبی ذوق میں ان کے والد کے اثرات ہیں۔

مولانا کے والد اور عربی کے بلند پایہ ادیب وداعی جناب مولانا سید محمد الحسنی صاحبؒ کا انتقال چوالیس سال کی عمر میں ۱۴ رجون ۱۹۷۹ء کو ہوا، جن کے انتقال پر ان کے آئیڈیل مربی اور عظیم چچا حضرت مولاناؒ نے تحریر فرمایا تھا کہ میری تمام فکری علمی اور دعوتی زندگی کام کے منصوبوں اور مستقبل کے خوابوں کو زیروزبر کر کے رکھ دیا

مولانا کی والدہ محترمہ کا انتقال ۱۷ راپریل ۱۹۹۳ء میں ہوا، مولانا عبداللہ حسنی صاحبؒ نے اپنے والد کے انتقال کے چند ہی ماہ بعد ۲۰ رنومبر ۱۹۷۹ء کو اپنے چھوٹے دادا اور عالم اسلام کی اس وقت کی بہت ہی ممتاز ومحترم اور مقبول ومشہور شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ساتھ حرمین شریفین کا پہلا سفر کیا، لیکن وہاں پہونچتے ہی دوسرے دن ۲۱ رنومبر یکم محرم الحرام ۱۴۰۰ھ کو حرم کا ناشدنی واقعہ پیش آجانے اور زائرین کو عمرہ کی اجازت نہ مل سکنے کی وجہ سے آپؒ اس سفر میں عمرہ نہ کر سکے، اس کے بعد مولانا عبد اللہ حسنیؒ صاحب نے کئی حج اور عمرے کیے، ابھی گذشتہ سال بھی اپنے اہل خانہ کے ساتھ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔

ندوہ میں تدریسی خدمات

مولانا عبداللہ حسنی صاحب ۱۹۷۷ء میں فضیلت سے فراغت کے بعد ہی سے ندوہ کے تدریسی شعبہ سے وابستہ ہوگئے تھے، شروع سے محنت سے پڑھاتے رہے، ہمیشہ وقت کی پابندی کی، طلبہ کو کتاب پڑھانے اور سمجھانے کے ساتھ ساتھ ان کی اصلاح وتربیت کی فکر کرتے، انہیں دعوتی جذبہ بیدار کرانے اور دعوت کی روح سے واقف کرانے کی کوشش کرتے مولانا کے آخری سال کے ایک شاگرد مولوی سید فرقان بھٹکلی کے بقول مولانا کے درس کا انداز نرالا تھا، دوران درس آپ اپنے علمی حقائق ودقائق اور احکام کے اسرار ورموز اس طرح بیان کرتے، گویا خدا کی طرف سے آپ کو الہام ہورہا ہے، مولانا کم بولتے، لیکن اس میں معانی ومفاہیم کا ایک جہاں آباد ہوتا، مولانا دوران درس اپنے مرشد ومربی حضرت مولاناؒ کے اقوال وافادات بھی بیان کرتے رہتے، مولانا گویا کہ حضرت مولاناؒ کی اصلاحی وتربیتی روح کے متکلم وترجمان، اور حضرت مولاناؒ کے باقاعدہ خلیفہ ومجاز بیعت تھے، طلبہ مولانا سے درس کے علاوہ بھی اصلاحی تعلق رکھتے تھے، عصر بعد کی ان کی مجالس میں ''خاتون منزل'' حاضر ہوتے اور مولانا کے قیمتی ملفوظات ونصائح سے استفادہ کرتے، یہ مجلس پرانے بزرگوں کی خانقاہوں اور ان کے انداز اصلاح وتربیت کی یاد تازہ کرتی تھی، اس طرح کی اصلاحی وتربیتی مجالس سے طلبۂ ندوہ اور شہر واطراف کے بہت سے حضرات نے کافی فائدہ اٹھایا، مولاناؒ کو اللہ نے تعبیر الرؤیا کا بھی اچھا ذوق عطا فرمایا تھا، بہت سے حضرات اس موضوع پر بھی آپ سے استفادہ کرتے تھے، اپنے مریدین وخوردوں کی اصلاح کے سلسلہ میں سنت نبوی کی اتباع پر زیادہ زور دیتے اور احوال ومنامات کے پیچھے بھاگنے سے منع کرتے کہ اصل کامیابی قرآن وسنت کی اتباع میں ہے، ندوہ میں تدریس کے ساتھ ساتھ تعلیمی سال کے شروع میں یا دوران سال آپ کے علمی وتربیتی مواعظ اور محاضرات بھی ہوتے، جس میں ندوہ کے تمام طلبہ اور اساتذہ کی ایک بڑی تعداد بڑے شوق ورغبت سے شرکت کرتی تھی، اس میں مولانا صحیح رہنمائی میں مطالعہ کرنے اور اپنے دل ودماغ کے قبلہ کو درست کرنے پر زیادہ زور دیتے، اور فکری انحراف سے بچنے کا تاکید سے حکم دیتے۔

پیام انسانیت کے اسٹیج پر

تحریک پیام انسانیت کے بارے میں اس کے بانی ومؤسس مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ''یہ اخلاقی سدھار کی مہم اور پیام انسانیت کی تحریک ملک کے تمام دینی تعلیمی علمی کوششوں اور تحریکوں کے لیے ایک حصار کی حیثیت رکھتی ہے، جس کے اندر رہ کر ہر کوشش کامیاب ہوسکتی ہے، اور اس کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے پرسکون ومعتدل فضا مہیا ہوگی، اس لیے اس تحریک کو میں ہر تحریک کا خادم اور معاون بلکہ پاسباں ومحافظ سمجھتا ہوں'' اس تحریک کی باقاعدہ مرتب ومنظم انداز میں ابتداء ۱۹۷۴ء سے ہوئی، حضرت مولاناؒ نے اپنی زندگی میں اس کے بہت سے اجتماعات کیے اور اس کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کا زبردست انداز میں اپنے ہم وطن بھائیوں میں تعارف کرایا اور اس کے دعوت اسلام کے اعتبار سے بڑے اچھے اثرات ہندوستانی معاشرے پر

پڑے، حضرت مولاناؒ کے انتقال کے بعد مولانا عبداللہ صاحب نے حضرت مولاناؒ کے خلیفہ وجانشین اور خود مولانا مرحوم کے استاذ ومربی پھوپھا وخسر حضرت مولاناؒ کے بعد ان کے مرشد وسرپرست حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم کے زیر سرپرستی اس کی کمان سنبھالی اور ملک کے مختلف شہر وقصبات میں اس کے پروگرام کرکے اسلام کی دعوت کو برادران وطن تک پہنچانے کی بڑی زبردست کوشش کی اور اس کے اسٹیج سے ان کو اللہ تعالی نے بہت سے افراد تک حق اور راستی کا پیغام پہنچانے کی توفیق عطا فرمائی ۔وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

مولانا تحریک پیام انسانیت کے جنرل سکریٹری بھی تھے اور اس کے دفتر اور پورے نظام کے مکمل کنٹرولر اور ذمہ دار ۔ پیام انسانیت کے اسٹیج سے مولانا کی تقریریں پوری انسانیت خصوصا ملکِ ہندوستان کے باشندوں کی اصلاح ودرستگی اور ملک کی ترقی کے اعتبار سے بڑی ہمدردانہ وناصحانہ ہوتیں تھیں۔

دعوتِ اسلام

اسی کے ساتھ مولانا کی ایک خاص فکر وتڑپ اور اس کے لیے اپنے آپ کو لگادینے کا جذبہ اور دھن غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت کو پہنچانے کا جذبہ تھا، جو ان کو ان کے حقیقی دادا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب حسنیؒ سے ورثہ میں ملا تھا، مولانا نے اپنے آپ کو ایک طرح سے اس کام کے لیے وقف کردیا تھا، مولانا کے پاس اس کام کو کرنے والوں کی ایک جماعت تھی ، جو ہندوستان کے مختلف صوبوں اور علاقوں بلکہ ہندوستان کے باہر بھی بعض ملکوں میں آپ کی نگرانی میں یہ کام کررہی تھی ،مولانا دعوت اسلام کا کام کرنے والے افراد کی نگرانی کے ساتھ ساتھ ان کی پوری فکر بھی کرتے ،ان کے مسائل کو حل کرتے اور نئے آنے والوں کے لیے شفیق باپ اور سرپرست بن جاتے تھے ،اور اس کام میں مولانا کو اپنے بزرگ وسرپرست حضرت مولانا محمد رابع حسنی صاحب دامت برکاتہم کی پوری سرپرستی وتائید کے ساتھ پورے خاندان وگھر والوں کا مکمل تعاون بھی حاصل تھا ، اس طرح کے مہمان کسی بھی وقت گھر پہنچ جاتے تو مولانا کے خانوادے کا ہر فرد ان کا استقبال کرتا ، ان کے حالات معلوم کرتا اور ان کی ہر طرح کی خبر گیری کرتا تھا۔

نئے آنے والے مہمانوں میں اگر خواتین ہوتیں تو گھر کی عورتیں ،مولانا کی اہلیہ اور بھتیجیاں وغیرہ ان کا خیر مقدم کرتیں اور مہمان خواتین مولانا کی اھلیہ کو اپنی والدہ کی طرح سمجھتی تھیں ،خود مولاناؒ کو اپنی اہلیہ اور گھر کے دوسرے افراد کے تعاون اور ان کے کام میں ساتھ دینے کا بڑا اعتراف رہا ، اور گاہ بگاہ اپنے قریبی دوستوں میں ذکر بھی فرمایا کرتے تھے ،ابھی اخیر میں ان حضرات کی تربیت اور دعوت اسلام کے کام کو مرتب انداز میں کرنے کے لیے ''العافیہ'' کے نام سے ایک آفس اور مرکز بھی کھول دیا تھا تاکہ نئے آنے والے مہمانوں کی دینی تربیت کی جاسکے ،ان کا استقبال اور صحیح استعمال بھی ہوسکے۔

مدارس ومکاتب کا قیام

مولانا عبداللہ حسنی صاحبؒ ندوہ میں درس وتدریس دعوتی کام اور اس کے لیے مختلف اسفار کے ساتھ مدارس ومکاتب کے قیام کے تعلق سے بھی بڑے فکرمند رہتے تھے ،آپ نے اپنے شاگردوں اور ندوی فضلاء کے ذریعہ سے ہندوستان خاص کر یوپی ، بہار اور بنگال کے بہت سے علاقوں میں مدارس قائم فرمائے جس کے آپ ناظم وسرپرست وذمہ دار تھے ،ان مدارس ومکاتب کی آپ نگرانی کرتے ،اس کی ترقی کی فکر کرتے ،اس کے تعاون کی تدابیر سوچتے ،اس کے لیے خطوط لکھتے اہل مدرسہ کو تصدیق نامے عنایت فرماتے ،ان مدارس کے سالانہ جلسوں اور پروگراموں میں شرکت کرتے اور کام کرنے والوں کی رہنمائی کرتے رہتے تھے، ان مدارس کے دورہ پر جب بھی جانا ہوتا تو اکثر اپنے اور اپنے رفقائے سفر کے کھانے پینے کے مصارف خود برداشت کرتے اور مدرسہ سے نکلتے وقت ذمہ دار کے ہاتھ میں چپکے سے خاصی رقم دے دیتے ،مولانا سفر میں نماز اور اپنے ذکر واذکار وغیرہ معمولات کے بڑے پابند تھے، رات میں تقریر ونصیحت کے بعد چاہے جتنی دیر سے آرام کریں لیکن آہ سحر گاہی کا پورا اہتمام ہوتا اور رات کی خاموش وتاریک فضا میں اپنے رب کا نام لے لے کر اس خاموشی کا پردہ چاک کرتے تھے۔

مولانا نے مدارس کے ساتھ عصری تعلیم گاہوں کے ذریعہ سے دینی تعلیم کو عام کرنے کی پوری کوشش کی اور اس میدان میں بھی

اپنے شاگردوں کی ایک ٹیم تیار کی ہے، جن کے ذمہ اسکولوں کا اسلامی نصاب تیار کرنا اور تعلیم وتربیت کے منہج کو اسلامی بنانا ہے، یہ افراد بھی مختلف علاقوں میں مولانا کی نگرانی میں یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔

توحید وسنت کی اشاعت

مولانا عبداللہ حسنی صاحبؒ کا تعلق جس خاندان سے تھا اس کا مسلک ومشرب ہمیشہ "ألا لله الدين الخالص" رہا، توحید کے نشے میں یہ حضرات ہمیشہ سے سرشار رہے اور ہر جگہ اس کا اعلان کرتے رہے، ہندوستان میں توحید خالص اور اتباع سنت کو عام کرنے میں اس سلسلے کے علماء ومشائخ کا بڑا حصہ رہا ہے، ہمارے مخدوم ومربی جناب مولانا سید عبداللہ حسنی صاحب اس بارے میں اپنے بزرگوں کے مکمل نقش قدم پر تھے، جہاں جاتے توحید خالص کی صدا ضرور لگاتے، آپکی تقریریں آپ کے دروس آپ کے مواعظ وملفوظات اس عنوان کی باتوں سے بھرے پڑے ہیں، آپ اپنی تقریر میں توحید واتباع سنت اور قرآن مجید سے اپنا براہ راست تعلق قائم کرنے پر بہت زور دیتے اور قرآن سے براہ راست استفادے سے انسان کے اندر کیسا اللہ سے تعلق پیدا ہوتا ہے، اور کیسی خشیت الٰہی طاری ہوتی ہے، اس کو مختلف مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کرتے، اسی طرح ایک ایک سنت پر عمل کرنے کا جذبہ تھا اور اس کی دعوت دیتے رہتے تھے، نماز بھی اگر کبھی پڑھاتے تو اس میں بھی یہ نیت ہوتی کہ یہ اللہ کے محبوب ﷺ کی مستقل سنت رہی ہے، مولانا اپنی باتوں کو مثالوں کے ذریعہ بڑے اچھے انداز میں دلنشین کرتے تھے۔

جلیس کی رعایت

اللہ کے رسول ﷺ کی ایک خاص ادا اپنے رفقاء اور ساتھ والوں کی رعایت ان کی دلجوئی اور ان کے حقوق کو ادا کرنا تھی، حضرت تھانویؒ نے جب علامہ سید سلیمان ندویؒ کو اپنی خانقاہ میں حاضری اور ملاقات پر جوان کے صفات کو دیکھ کر اپنے گہرے تاثر کا اظہار فرمایا تھا، ان میں ایک اہم بات جلیس کی رعایت کی بھی فرمائی، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا بھی ایک اہم وصف اپنے ہم نشینوں کی رعایت اور ان کی خبر گیری تھی۔

ہمارے مخدوم ومربی جناب مولانا سید عبداللہ حسنی صاحب ندویؒ میں بھی یہ بات بدرجہ اتم پائی جاتی تھی، مولانا کے ساتھ اس مبتدی طالب علم کو ۱۹۹۷ء سے مولانا کی اس بڑی بیماری سے پہلے تک بارہا ہم سفری کا شرف حاصل رہا، کار، ٹرین، بس اور ہوائی جہاز تک میں ساتھ رہنا ہوا، ہمیشہ رعایت اور خبر گیری کرتے ہوئے پایا، چھوٹے تو بڑوں کے ساتھ اس لیے سفر کرتے ہیں تاکہ بڑوں سے استفادہ کریں، ان کی خدمت کریں اور ان کو راحت پہنچائیں، مولانا سے استفادے کا تو الحمد للہ بقدر ظرف اللہ نے موقع عطا فرمایا، باقی راحت کی فکر تو وہ ہماری کیا کرتے تھے، ہم لوگوں کے معمولات خصوصاً کھانا، چائے، آرام وغیرہ سے متعلق معلوم کرتے رہتے اور اس کی فکر رکھتے، اپنے بارے میں تو میزبان کو کبھی کوئی حکم یا کسی طرح کی فرمائش نہیں کرتے، کھانے پینے میں بھی کسی بھی طرح کی خواہش یا فرمائش نہیں ہوتی تھی، بس ادھر جب سے شوگر کا مرض زیادہ بڑھ گیا تھا تو بغیر شکر کی چائے کی فرمائش کرتے، ورنہ جو بھی چیز دسترخوان پر رکھ دی جاتی، اسی کو تناول فرماتے، اپنے چھوٹوں سے تقریریں بھی کراتے، ان کی ہمت افزائی کرتے، بلکہ کئی مرتبہ تو یہ دیکھا گیا کہ باقاعدہ اپنی تقریر میں جو کہ پروگرام کی اصل اور جان ہوتی، اس میں اپنے خوردوں کی تقریر اور باتوں کا حوالہ دیا، اسی طرح تعارف بھی ہمیشہ اپنے دوست اور رفیق کی حیثیت سے کراتے، مولانا کے ساتھ جن کو سفر کرنے کا موقع ملتا، ان کی خواہش ہوتی کہ آئندہ بھی ساتھ لے جائیں، اور اس طرح کے مواقع بار بار ملتے رہیں، دوران سفر جو بھی خرچ کرنا ہوتا تو اس کو اپنے حساب میں رکھتے اور اپنے رفقاء پر کسی طرح کا بار نہیں ڈالتے۔

اوصاف وخصوصیات

اس خاندان کے افراد کے صفات کا کیا تذکرہ کیا جائے، یہ حضرات تو اپنے جد امجد ﷺ کے اخلاق کا پرتو آپ ﷺ کی دعاؤں کا مظہر اور سیدا شباب أهل الجنة کی صورت وسیرت کا پیکر جمیل ہوتے ہیں، ان حضرات کے مکارم اخلاق ومحاسن کردار کا ذکر اموی دور کے مشہور شاعر "فرزدق" نے اس خانوادہ کی یگانہ روزگار شخصیت علی زین العابدین بن حسین بن علیؓ کا ہشام بن عبدالملک الاموی کے سامنے تعارف کراتے ہوئے اپنے مشہور قصیدے ھذا

الذی تعرف البطحاء و طأته الخ، میں بحسن وخوبی کیا ہے۔

منجملہ دیگر خصوصیات کے توحید خالص رسوخ فی العلم دعوتی روح واسپرٹ، خودداری واستغناء، تواضع وسادگی، حسن اخلاق ومہمان نوازی، سخاوت وفیاضی، ہمدردی وغمگساری اور ہر ایک سے اپنائیت ومحبت سے ملنا اس خانوادے کی امتیازی خصوصیات ہیں، تفصیلی گفتگو کے لیے وقت درکار ہے، ع

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لیے

علالت وسفر آخرت

مولانا عبد اللہ صاحب حسنیؒ کے بارے میں ان کے بعض قریب العمر دوستوں اور اساتذہ کا کہنا یہ ہے کہ شروع میں بالکل دبلے پتلے تھے، صحت اپنے ہم عمروں کے مقابلے میں کچھ کم تھی، لیکن دھن کے پکے اور مستقل محنت کرنے والے تھے، ہم لوگوں نے ۱۹۹۴ء کے اواخر میں پہلی مرتبہ ندوہ حاضری کے بعد سے دیکھا تو ماشاء اللہ صحت منداور بڑے چاق وچوبند لگے، البتہ حضرت مولاناؒ کے انتقال کے چند سال بعد طبیعت سخت خراب ہوگئی تھی، کئی ماہ تک مسلسل علیل اور درس وتدریس کی ذمہ داریوں سے علیحدہ رہے، پھر اللہ تعالی نے سلامتی کا معاملہ فرمایا "ولکن اللہ سلم" ادھر چند ماہ سے پھر طبیعت بڑی ناساز چل رہی تھی، معدہ میں کوئی چیز پہنچ نہیں پاتی تھی، عید الاضحیٰ سے پہلے پہلے تک تو کسی طرح اپنے اوپر تحمل کرکے پڑھاتے رہے، پھر علاج ومعالجہ چلتا رہا، انتقال سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے لکھنو کے سحر نرسنگ ہوم میں ایڈمٹ تھے، گھر کے افراد اور بعض دوسرے چاہنے والوں نے حتی المقدور خدمت کی، دعاؤں کا ہر طرف سے کافی اہتمام رہا، لیکن عمر اتنی ہی لکھا کر آئے تھے، آسمانی فیصلہ کے سامنے دوا ودعا کہاں اپنا اثر دکھا سکتے ہیں، بہر حال خدمت کرنے والوں اور دعا کرنے والوں کو مالک الملک کی طرف سے ثواب ضرور ملے گا اور یہ بیماری کے ایام جانے والے کے لیے کفارۂ سیئات اور رفع درجات کا سبب بنیں گے۔

انتقال کی خبر فوراً مولانا کے متعلقین وشاگردوں تک پہنچ گئی، ندوہ میں مقیم افراد اور مولانا کے اقرباء سے فون کے ذریعہ دور دور سے خبر کی تصدیق کرانے کا سلسلہ اتنی تیزی سے شروع ہوا کہ عقل حیراں ہے، بہر حال جو ہونا تھا ہوگیا، نماز مغرب کے بعد ندوہ کے میدان میں ایک جم غفیر نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور نماز جنازہ پڑھانے کا فریضہ مولانا مرحوم کے محبوب استاد اور مولانا کے والد مولانا محمد الحسنی صاحبؒ کے عزیز از جان دوست اور مختلف علمی کاموں میں ان کے رفیق دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم ڈاکٹر مولانا سعید الرحمٰن الأعظمی صاحب ندوی مدظلہ العالی نے انجام دیا، پھر جنازہ مولانا مرحوم کے وطن تکیہ کلاں رائے بریلی لے جایا گیا، جہاں دور سے جنازے میں شرکت کے لیے آئے ہوئے حضرات میت کے دیدار اور نماز جنازہ کے منتظر تھے، یہاں تقریباً رات دس بجے کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کے قائد ورہنما ندوہ کے ناظم اعلیٰ مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر حسنی خاندان کے سربراہ اور خود مولانا عبد اللہ حسنی ندویؒ کے استاذ ومربی خسر وپھوپا رشتہ کے عزیز چچا وسرپرست مخدومنا حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی دامت برکاتہم نے مکمل صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے "فسبقتنی وأبوك فی مضمار" کو زبانِ حال سے دوہراتے ہوئے نماز جنازہ پڑھائی، اس وقت حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب دامت برکاتہم کی تقریباً وہی کیفیت رہی ہوگی، جو کہ حضرت مولاناؒ کی مولانا محمد الحسنیؒ اور اس کے بعد مولانا محمد ثانیؒ کے انتقال پر ہوئی تھی، کہ جو کام ان کو کرنا چاہئے تھا، تقدیر کا فیصلہ کہ وہ کام مجھے کرنا پڑ رہا ہے، "وکان أمر اللہ قدراً مقدورا".

مولانا مرحوم نے اپنے پسماندگان میں اپنے دونوں بزرگوں کے علاوہ ایک نوعمر بیٹا حافظ محمد میاں سلمہ اللہ تعالی اور صبر وتحمل سے کام لینے اور ان کے دعوتی کاموں میں مکمل تعاون کرنے والی بیوہ، دو بھائیوں جناب مولانا سید عمار صاحب حسنی ندوی (مہتمم مدرسہ مظہر الاسلام، بلو چپورہ، لکھنو) اور چھوٹے بھائی اور اس وقت مولاناؒ کے تمام کاموں کے ذمہ دار ونگراں، جوان عالم دین مقرر، مصنف اور مدرسہ ضیاء العلوم کے نائب ناظم جناب مولانا سید بلال صاحب حسنی ندوی اپنے اقرباء ورشتہ دار اور تلامذہ ومحبین کی ایک بڑی تعداد چھوڑی، جو انشاء اللہ آپ کے لیے دعا کرتی رہے گی، اور آپ کے چھوڑے ہوئے کاموں کو آگے بڑھانے کی فکر کریں گی۔

مولانا مرحوم اپنے حصے کا کام کر کے روانہ ہوئے!

ڈاکٹر صباح اسماعیل ندوی

جب ہمارے پیارے نبی حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن مکمل ہوگیا اور اپنے رحیم وکریم رب کے پاس ان کی واپسی کا وقت قریب آگیا تو انہوں نے مجمع عام میں اپنے پیروکاروں کو مخاطب کر کے ایک اہم ترین خطبہ دیا۔ خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے وہ تاریخی خطاب ریکارڈ میں موجود ہے۔ خطبہ کے اختتام پر آپؐ نے حاضرین سے سوال کیا: اے لوگو! میرے بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ اس وقت لوگوں نے جواب دیا: ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ نے امانت پہنچادی، آپ نے حق رسالت ادا کردیا اور آپ نے امت کی خیر خواہی میں کوئی کمی نہیں فرمائی۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خانوادے سے تعلق رکھنے والے، ان کی نسبت کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ سمجھنے والے اور انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عرب وعجم کے ہر گورے کالے انسان کی ہدایت ورہنمائی کے لیے اپنا خون جلانے والے ہمارے مشفق ومحبوب استاد مولانا عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہمارا یہ گمان حق بجانب ہے کہ اگر اپنے رب کے پاس واپسی سے قبل ان کو اس بات کا موقع ملتا کہ ان کے پاس وہ سارے لوگ جمع ہوتے جن کی ہدایت ورہنمائی کی فکر میں وہ کوشاں وسرگرداں رہتے تھے، جن کو تعلیم وتربیت کے زیور سے آراستہ وپیراستہ کر کے انہوں نے تبلیغ اسلام، دعوت دین اور اشاعت پیام انسانیت کے لیے ملک وبیرون ملک کے بے شمار حصوں میں سرگرم رکھا تھا اور جن لوگوں کو کفر وبدعات کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں سے نکال کر انہوں نے اپنی دعاؤں اور کوششوں سے نور ہدایت سے فیضیاب کردیا تھا، اگر ان تمام لوگوں کو جمع کر کے وہ پوچھتے کہ ذرا بتاؤ تو سہی کہ کل اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں میرے بارے میں کیا کہو گے تو وہ سب بیک زبان یہی کہتے کہ آپ نے اپنے نانا کے نواسے ہونے کا حق ادا کردیا، آپ نے اس امانت کو ہم تک پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جو امانت آپ کے نبیؐ نے انسانوں تک پہنچائی تھی، آپ نے ہماری خیر خواہی میں اپنے آپ کو ایسا گھلایا کہ دوسروں کے غم میں گھل گھل کر ختم ہوجانے والوں میں آپ بہتوں سے آگے نکل گئے۔

اے محمد الحسنی، عبدالعلی حسنی اور ابوالحسن علی حسنی کی آنکھوں کے نور، اے خانوادۂ علم اللہ کے روشن ستارے، اے نواسۂ رسول حضرت حسنؓ کے خاندان کے گل سرسبد، آپ نے اپنے خاندان کا نام مزید روشن کردیا۔ آپ نبی اکرمؐ کے سچے پیروکار اور نبیوں کی میراث کے بہترین علم بردار تھے۔ بحیثیت عالم دین آپ پر جو ذمہ داریاں تھیں آپ نے ان کی ادائیگی میں ہرگز کسی کوتاہی سے کام نہیں لیا۔ آپ 'رهبان بالليل وفرسان بالنهار' کی خوبصورت تصویر تھے۔ بھٹکے ہوئے لوگوں کو سوئے حرم لے جانے کے لیے آپ نے دن ورات جو محنت کی اس پر چاک گریباں عشاق بھی حیرت زدہ ہیں۔ شرک والحاد کی دلدل میں دھنسے ہوئے نادان انسانوں کو شیاطین وطواغیت کی غلامی سے نکال کر خدائے رحمان ورحیم کی بندگی وعبادت اور جنت وراحت کی طرف لانے کے لیے آپ نے جس قدر اپنی داڑھی اور مصلے کو تر کیا اور اللہ جل شانہ کے آگے گریہ وزاری کی اس پر نرگس بھی انگشت بدنداں ہے کہ اسے کیا کہیے۔ آپ اپنے شاگردوں اور ارادتمندوں کے لیے ایک ایسا نمونہ بن گئے جس کی موجودگی میں وہ خود بھی ایک عظیم انسان اور مثالی مسلمان بن کر دنیا کو امن وشانتی کا پیغام دیتے رہیں گے اور اللہ کی زمین پر اللہ کی حکمرانی کے قیام کے لیے انتھک جدوجہد کرتے رہیں گے۔

مولانا مرحوم کا انتقال پر ملال ملت اسلامیہ کا عظیم سانحہ اور ایک ایسا خسارہ ہے جس کی تلافی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے مگر ایسا

سوچنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ لاکھوں کروڑوں انسانوں کے محبوب اور بے شمار کمزور و بیمار انسانوں کے مسیحا مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ کا انتقال قبل از وقت ہوگیا، ابھی ان کو اس دنیا میں بہت سارے کام انجام دینے تھے اور انہوں نے جس مشن کو اپنا نصب العین بنایا تھا وہ اس کو ادھورا چھوڑ کر اس دنیا سے چلے گئے۔ میرا ایمان مجھے ان باتوں پر ایمان لانے سے منع کرتا ہے۔ موت کا وقت معین ہے اس لیے کوئی قبل از وقت اس دنیا سے رخصت نہیں ہوتا۔ اور مولانا مرحوم نے اپنی ۵۵ سالہ زندگی میں جتنے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں ان کی انجام دہی کے لیے بسا اوقات ۹۰۰ سال کی عمر بھی کم پڑ جاتی ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس دنیا میں کرنے کے لیے بہت سارے کام ہیں اور یہ سارے کام کسی ایک ہی آدمی کے ذمہ داری نہیں ہے، ہر آدمی اپنے حصے کا کام کرتا ہے اور اس سے بس اسی کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اور جہاں تک بات مشن کو ادھورا چھوڑ کر جانے کی ہے تو نور توحید کا اتمام کسی فرد واحد کا کام نہیں ہے۔ دعوت الی اللہ کا مشن آدمؑ سے شروع ہو کر قیامت کے دن ختم ہونے والا ہے۔ اس مشن کو آگے بڑھانے کے لیے لگاتار انبیائے کرام دنیا میں آتے رہے اور خاتم الانبیاء حضرت محمدؐ کے بعد یہ ذمہ داری دین اسلام کے علماء و صلحاء پر عائد ہوئی اور یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا۔ جب تک قیامت واقع نہیں ہو جاتی یہ کام چلتا رہے گا، اس مشن کی تکمیل کبھی کسی کی ذمہ داری نہیں تھی۔ جب اس دنیائے آب و گل سے واپسی کا پروانہ نبیوں کے لیے بھی آتا رہا ہے تو یہ علماء و صلحاء کے لیے بھی آتا رہے گا۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنی مختصر زندگی میں بڑا بڑا کام کر گئے۔

مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ کا ہمارے ادارے مدرسہ باب العلوم سے بہت پرانا رشتہ تھا۔ وہ متعدد بار اس کے پروگراموں میں شریک ہوئے تھے۔ ادھر جب ہم نے جبریل انٹرنیشنل اسکول قائم کیا اور انگریزی اخبار 'دی ایسٹرن پوسٹ' کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ ان کاموں سے بہت خوش ہوئے۔ وہ لگاتار ہمارے کاموں پہ نظر اور اس کی خبر رکھتے تھے اور اکثر و بیشتر اپنے مفید اور انمول مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔ والد محترم قاری محمد اسماعیل ظفر صاحب سے ان کا بہت قریبی تعلق تھا۔ وہ مجھ سے ہر بار ان کی خیریت معلوم کرتے اور ان کی خدمت کا حق ادا کرنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔

جبریل انٹرنیشنل اسکول شہر کلکتہ بلکہ مشرقی ہند کا پہلا ایسا انگریزی میڈیم اسکول ہے جہاں طلبہ و طالبات کو مکمل اسلامی ماحول میں اطمینان بخش حد تک معیاری دینی تعلیم دی جاتی ہے۔ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، دامت برکاتہم کی دعاؤں اور نصیحتوں کے ساتھ اپنے سفر کا آغاز کرنے والے اس اسکول نے نہایت قلیل مدت میں ترقی و کامیابی کے منازل طے کیے اور یہ شہر و اطراف کے مسلمانوں کا محبوب ترین اور مقبول ترین اسکول بن گیا۔ اس اسکول کے تعلق سے ہمیں مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ ہمیشہ اپنے گرانقدر مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ملک بھر میں ایسے اسکولوں کو عام کر دینا چاہئے۔ ان کو اس بات کا شدید قلق تھا کہ ہمارے اپنے بچے اعلیٰ معیاری و عصری تعلیم کے حصول کے لیے ایسے اسکولوں میں پڑھنے پر مجبور ہیں جہاں ان کے دن کی شروعات شرکیہ اور کفریہ کلمات سے ہوتی ہے۔ ہمارے نونہالوں کے دل و دماغ میں شرک کی گندگی داخل کی جا رہی ہے اور انہیں اسلام اور شعائر اسلام سے بے زار و متنفر بنایا جا رہا ہے اور ہم ان کی حفاظت کا انتظام نہیں کر پا رہے ہیں۔ مولاناؒ کی خواہش تھی کہ مدارس جو اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں وہ اپنا کام تو بحسن و خوبی کرتے جائیں مگر مسلمانوں کے وہ بچے اور بچیاں جو مدرسوں تک کسی بھی وجہ سے نہیں آسکتیں، ان کے لیے دینی تعلیم کا اور ان کے دین کی حفاظت کا انتظام ہم کو ضرور کرنا چاہئے۔ اسی لیے وہ جبریل انٹرنیشنل جیسے اسکولوں کو عصر حاضر کی ضرورت سمجھتے تھے اور ان کے لیے وہ خصوصی دعاؤں کا اہتمام کرتے تھے۔

عظیم داعی دین اور مبلغ اسلام مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ عام طور پر اپنی اصلاحی و دعوتی کوششوں کے حوالے سے یہ بات ناپسند کرتے تھے کہ میڈیا کے ذریعہ ان کی تشہیر کی جائے۔ وہ خاموشی سے لگاتار کام کیے جانے کو زیادہ پسند فرماتے تھے مگر اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ فی نفسہ میڈیا اور اس سے متعلق کاموں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ خود بھی مصنف و ادیب تھے بلکہ باقاعدہ مدیر التحریر (ایڈیٹر) تھے۔ 'الرائد' کے صفحات گواہ ہیں کہ وہ نہ صرف ایک صاحب طرز ادیب تھے بلکہ انسانوں اور انسانیت کے بڑے ہمدرد و بہی خواہ بھی تھے..... (باقی صفحہ ۱۷۴ پر)

کتابوں کی دنیا بہت وسیع ہے، ہمارے یہاں دہلی، دیوبند، لکھنؤ، سہارنپور، وغیرہ جگہوں کی مطبوعات مناسب نرخ پر دستیاب ہیں، اور ہمارے مکتبہ کا امتیاز یہ ہے کہ ہندوستانی ناشرین کتب کے ساتھ بیرونی ممالک کی عربی مطبوعات بھی نہایت مناسب قیمت پر دستیاب ہیں اور مطلوبہ آڈر پر منگوانے کی سہولت بھی حاصل ہے۔ اسی کے ساتھ درسی کتب بھی مخصوص رعایتی قیمت پر مل سکتی ہیں۔

بیرونی عربی کتابوں کا تیسرا کتاب میلہ

زیر اہتمام **مکتبۃ الشباب** لکھنؤ

یکم تا سات (7-1) اپریل ۲۰۱۳ء - بمقام معین اللہ ہال، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مکتبۃ الشباب العلمیہ

شباب مارکیٹ، ٹیگور مارگ، ندوہ روڈ، لکھنؤ-۲۰

SHABAB ILMIA BOOK HOUSE

Shabab Market, Tagore Marg,
Nadwa Road, Lucknow-20

Phone
0522-3253912,
0091-9696437283,
9198621671

مکتبہ علی العلمیۃ

امین الدین روڈ، مدینہ کالونی، بھٹکل

MAKTABA ALI ILMIA

Ameenuddin Road, Madeena colony,
Bhatkal, Karnataka

Phone
9916664597

پیام عرفات کے خصوصی شمارہ بیاد مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ پر مبارکباد پیش کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ صدیق اکبر ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر فاؤنڈیشن رائے بریلی کو اللہ تعالیٰ ترقیات سے نوازے اور اس ادارہ کو جو خلیفہ اول اور خلیفہ برحق حضرت صدیق اکبر کے نام پر ہے قبولیت اور ترقی عطا فرمائے، کہ یہ زمانہ بھی "ردۃ ولا ابا بکر لھا" کا ہے۔

ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء (۱۷/اکتوبر ۱۹۹۹ء)

مدرسہ فاطمۃ الزہراء الاسلامیہ للبنات

علی نگر، موہن گنج، ضلع امیٹھی

رائے بریلی سے شمال فیض آباد روڈ پر تیس کلو میٹر کے فاصلہ پر قصبہ موہن گنج ہے جس کے چاروں طرف دو دور تک مسلمانوں کی کثیر آبادیاں ہیں، یہ علاقہ دینی تعلیم سے بہت دور تھا، کوئی مدرسہ ایسا نہیں تھا جس میں بچوں اور بچیوں کی تعلیم کا معقول انتظام ہو، اس وجہ سے پورے علاقہ میں غلط عقائد پھیلے ہوئے ہیں، اور مسلمانوں کے دین و ایمان کو خطرہ لاحق ہے، اسی ضرورت اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (علی میاں) مرحوم کی فکروں نے صدیق اکبر ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر فاؤنڈیشن کے ذمہ داروں کو موہن گنج میں بچیوں کے لئے ایک مدرسہ قائم کرنے کا فیصلہ لینے پر آمادہ کیا، مدرسہ کا نام لختِ جگرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر رکھا گیا اور ۵/صفر المظفر ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۰/جون ۱۹۹۷ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دامت برکاتہم کے دست مبارک سے اس کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

تعلیم:۔ اطفال تا پنجم مکتب (پرائمری) اور عربی اول تا عالمیت

مجموعی تعداد طالبات۔ غیر مقیم طالبات ۸۰ مقیم طالبات ۲۹۰

مجموعی تعداد طالبات ۳۷۰

مولانا ابوالحسن علی ندوی رفاہی اسپتال

موہن گنج ضلع امیٹھی

میں تصدیق کرتا ہوں کہ حضرت مولانا سید ابوالحسنی علی ندوی کے نام سے موسوم قصبہ موہن گنج ضلع امیٹھی (سابق ضلع رائے بریلی) اتر پردیش میں ایک رفاہی اسپتال قائم ہوا ہے، جو کہ بلا تفریق مذہب وملت مریضوں کا علاج کرتا ہے اس کے ڈائریکٹر چودھری مولانا امتیاز احمد ندوی ہیں۔ دیہی علاقہ ہونے کی وجہ سے جدید آلات ومشینوں واعلیٰ درجہ کی سہولیات سے محروم ہے۔

ضرورت ہے کہ اہل خیر حضرات جدید آلات ومشینوں کی خریداری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں تاکہ یہ ملی خدمت مزید عمدہ طریقہ پر انجام دی جاسکے۔ اللہ تعالیٰ تمام اہل خیر حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی
(مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

امتیاز احمد ندوی (صدر)

صدیق اکبر ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ)

۴۵۷ علی نگر، رائے بریلی (اتر پردیش) موبائل: 9453147545

مولانا عبیداللہ حسنی ندوی رحمہ اللہ

ایک عظیم داعی

جمال احمد ندوی (جامعہ مصباح العلوم کوپاگنج، مئو)

۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۰ جنوری ۲۰۱۳ء بروز چہارشنبہ بوقت چاشت مشہور عالم دین، ملت اسلامیہ کے بے لوث خادم، عظیم داعی اسلام اور ہندوستان کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی جید استاذ تفسیر وحدیث ہمارے استاذ ومربی اور مشہور ومعروف اخبار "الرائد" کے ایڈیٹر حضرت مولانا سید عبداللہ محمد الحسنی ندوی علیہ الرحمۃ لکھنؤ کے ایک پرائیویٹ ''سحر' نرسنگ ہوم' میں زیر علاج تھے کہ وقت موعود آپہنچا۔ اور کل نفس ذائقۃ الموت کے الٰہی قانون کے تحت جوار رحمت کے دائمی مکین ہوگئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا کی رحلت کی خبر ملک کے طول وعرض میں بجلی کی طرح پھیل گئی اور مدارس و مکاتب کے وابستگان کو خصوصا اور مسلمانان ہند کو عموما غم واندوہ اور حسرت وحرماں سے دوچار ہونا پڑا، کیونکہ حضرت مولانا دعوت ودین، تعلیم وتربیت، صلاح وفلاح اور پیام انسانیت کے پرزور داعی اور علمبردار تھے، آپ کے سانحہ ارتحال سے غمنا کی، افسردگی اور مایوسی چھا گئی۔ یقیناً یہ ایک الم انگیز ناگہانی حادثہ ہے، جس میں داعوتی، اصلاحی، تربیتی اور تعلیمی حلقوں کو سخت اضطرابی کیفیت سے دوچار کردیا ہے۔

خاندانی پس منظر

استاذ ومربی حضرت مولانا سید عبداللہ محمد الحسنی علیہ الرحمۃ نے جس خانوادۂ علم ومعرفت میں آنکھیں کھولیں، وہ دعوت ودین، تحریک جہاد اسلامی اور برصغیر کی علمی ادبی، فکری، اصلاحی اور جہادی کارواں کا عظیم مرکز رہا ہے۔ اسی خانوادہ کے ایک فرد کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ: آپ کے اسلاف کرام نے جو کچھ پایا ہے ہمت عالیہ سے پایا ہے، فقیر کا اعتقاد ہے کہ حضرت شاہ علم اللہ کی اولاد میں ہمت عالی اس وقت تک موجود ہے، شاہ علم اللہ حسنی اسی خانوادہ کے جد امجد ہیں جن کی داستان عزیمت نے روح جہاد اور تبلیغی فریضہ کا ایک روشن باب قائم کیا ہے، اسی سلسلۂ زریں کے گوہر آبدار اور گل سرسبد امیر المومنین سید احمد ابن عرفان الشہید کے معرکۂ بالاکوٹ نے نونہالان اسلام کو متحدہ ہندوستان میں روح جہاد اور احیاء اسلام کے لیے سربکفن بنادیا تھا، انہیں نفوس قدسیہ کے پاکیزہ خون نے عزیمت کی تاریخ رقم کی ہے۔ حکیم مولانا سید عبدالحی حسنی اور ان کے لائق و فائق اور قابل رشک فرزندان حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء اور مفکر اسلام حضرت سید ابوالحسن علی ندوی مشہور ادیب اور فکر اسلامی کے نقیب حضرت مولانا سید محمد الحسنی علیہم الرحمۃ جیسی پاک طینت و پاک باز شخصیات کے آپ علمی اور عملی جانشین تھے۔

مولانا مرحوم کی چند خوبیاں

خدائے بزرگ و برتر نے حضرت مولانا مرحوم کو غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا، آپ کی بے نفسی، تواضع، فنائیت، صبر وشکر، سادگی اور بے نیازی، خلق خدا کی رہنمائی، شب بیداری اور دعاؤں کا اہتمام، معمولات کی پابندی، شاگردوں پر شفقت وعنایت، متوسلین کی نگرانی وخبر گیری اور انکی اصلاحی فکرمندی آپ کی زندگی کا امتیازی وصف رہا ہے۔ نیز دسترخوان اسلام پر نووارد مہمانوں کی تعلیمی، تربیتی، ثقافتی، معاشی اور مادی رہنمائی بھی کیا کرتے تھے۔ فی الحقیقت یہ کام بہت ہی جگر کاوی اور دماغ سوزی کا طالب ہے، حضرت مولانا بہت ہی مستعد اور چست شخصیت کے مالک تھے، وہ اپنے دعوتی مشن کو گہربار اور ثمر آور بنانے کے لیے مستعد رہا کرتے تھے۔ مختلف خطوں

اور علاقوں کا مسلسل دعوتی واصلاحی دورہ کرتے، امراض ونقاہت کی پرواہ کیے بغیر اپنے دعوتی واصلاحی مشن میں آگے رہنا مولانا کی زندگی کا ایک محبوب اور پسندیدہ مشغلہ بن چکا تھا۔ جہاں کہیں بھی دعوتی و اصلاحی سفر کرتے وہ دعوتی مشن کو فروغ دینے میں اپنی پوری توانائی صرف کردیتے۔ اور برادران وطن میں انسانیت نوازی باہمی ہم آہنگی اور برادرانہ ماحول کی فضا پیدا کرنے کے لیے پیام انسانیت فورم کے توسط سے دورے کرتے تھے۔ دوران سفر بھی دعوتی ذہن اور معمولات کی پابندی پوری طرح جلوہ گر رہا کرتی تھی۔ راقم الحروف نے اعظم گڈھ، غازیپور، بھنیشور اور برہم پور (اڑیسہ) اور اپنے غریب خانہ پر شب بیداری اور معمولات کی پابندی کا روح پرور اور رشک آور منظر کا بذات خود مشاہدہ کیا ہے۔

تعلیمی و تدریسی زندگی

۲۹ رجنوری ۱۹۵۷ء میں خانوادہ شاہ علم اللہ حسنی میں آنکھیں کھولیں اور خاندانی بزرگوں کی کیمیا اثر نگاہوں اور دعوتی وعلمی ماحول میں ابتدائی تعلیم شروع کی، اس علم پرور اور رشک آور ماحول سے ''جس میں حجازی جلال و جمال اور دینی باغ و بہار کی آمیزش تھی'' پوری طرح سے مستفید ہوتے رہے، پھر چند سال بعد قدیم صالح اور جدید نافع کے دوآبہ، فکر اسلامی کے علمبردار اور شریعت اسلامیہ کے پاسبان مشہور ادارہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوکر ۱۹۷۵ء میں عالمیت اور سن ۱۹۷۷ء میں حدیث شریف سے فضیلت کی تکمیل کی، دوران تعلیم آپ کی صالحیت و نافعیت کو ارباب ندوہ کی دوررس نگاہوں نے بھانپ لیا تھا، فراغت کے بعد آپ کو ندوہ میں شرعیہ کا استاذ مقرر کرلیا، جہاں تفسیر و حدیث کی متداول کتابیں آپ سے متعلق تھیں۔ طالبان علوم نبوت کی علمی تشنگی کی سیرابی میں آپ مصروف ہوگئے۔ علم وعمل، زہد وتقویٰ، دعوت وعزیمت، درس و تدریس اور واعظ وخطابت کا یہ ماہ منیر پینتیس سالوں تک اپنے علمی، دعوتی اور روحانی فیوض و برکات سے طلبۂ ندوہ کو خصوصا اور عامۃ المسلمین کو عموما بہرہ ور کرتا رہا، ساتھ ہی پندرہ روزہ عربی اخبار ''الرائد'' کے آپ مدیر بھی تھے جس کا افتتاحیہ اور دیگر اصلاحی وفکری مقالات سپرد قلم کیا کرتے تھے، اسلامی تہذیب وثقافت کے ارتقاء اور مغربی تہذیب کی خوشنمائی اور اس کے فاسدانہ افکار وخیالات کی علمی اسلوب میں تردید کرتے تھے۔ نیز مسلم معاشرہ کی علمی، ادبی، فکری اور اخلاقی پسماندگی کو ختم کرنے کے لیے ملک کے طول وعرض میں طویل دعوتی اور اصلاحی اسفار بھی کرتے تھے جو صبر آزما ثابت ہوا کرتے تھے۔

شخصیت کے تشکیلی عناصر

جن اساتذہ کرام اور بزرگوں کے سامنے زانوئے تلمذ کیا تھا وہ سب کے سب فکر ونظر، علم وعمل، زہد وتقویٰ اور قرطاس وقلم کے تاجور فکر وتحقیق کے شناور تھے انہیں برگزیدہ شخصیات میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی معتمد تعلیمات ندوۃ العلماء اور حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن ندوی الاعظمی مہتمم ندوۃ العلماء اور حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی شیخ التفسیر ندوۃ العلماء وغیرہ نیز عالم اسلام کی مشہور علمی شخصیت محدث دوراں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ حلبی اور مشہور فقیہ ڈاکٹر علامہ یوسف قرضاوی اور ریحانۃ الہند شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا علیہم الرحمۃ وغیرہ سے خصوصی استفادہ کیا۔

راقم سے مولانا کا تعلق

ابتدائی تعلیم کے عبد علمی تشنگی کی سیرابی کے لیے شوق سفر کشاں کشاں ندوۃ العلماء لکھنؤ لے گیا ۱۹۸۷ء میں ثانویہ خامسہ میں داخل ہوا، وہاں کی علمی فضا میں پروان چڑھنے کا موقع ملا، اسی دوران مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی مقناطیسی شخصیت نے بے انتہا متاثر کیا، انکی اثر انگیزی اور شفقت وعنایت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بندہ انکا دست گرفتہ بن گیا، عشاء کے بعد کی مجلس میں گاہے گاہے باریابی کا شرف بھی ملتا رہا، جہاں مختلف شخصیات سے تعارف و شناسائی ہوئی، انہیں میں استاذ گرامی قدر حضرت مولانا عبداللہ محمد الحسنی ندوی کی خاموش انقلابی شخصیت نے اپنا اسیر بنالیا، رفتہ رفتہ تعلقات میں استحکام ہوتا گیا۔ ۱۹۹۱ء-۱۹۹۲ء میں مشکوٰۃ شریف پڑھنے کا زریں موقع ملا، دورانِ درس حدیث اور علم حدیث میں مہارت وحذاقت کا جلوہ دیکھنے کو ملتا رہا، طالبان علوم نبوت کو حدیث اور منشأ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے آگاہ کرتے اور انکے مقام ومرتبہ کا احساس دلا کر داعیانہ مزاج پیدا کرنے اور ان میں دعوتی اور اصلاحی روح بیدار کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے، جب کوئی بات

کرتا یا کوئی سوال کرتا تو پوری طرح ہمہ تن متوجہ ہوتے اور بڑی خندہ روئی اور بشاشت کے ساتھ برادرانہ ماحول میں بات کرتے۔

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی

مولانا کی جامعیت

مولانا مرحوم کی تحریک پیام انسانیت اور برادران وطن میں دعوتی سرگرمیوں کے تعلق سے جو ملک گیر مقبولیت ہوئی وہ بہت ہی قابل رشک ہے، خاکسار کو بھی چند دعوتی، اصلاحی اور تربیتی اسفار میں خدمت و رفاقت کی توفیق ملی۔ جہاں حضرت کو قریب سے دیکھنے اور برتنے کے مواقع ملے، شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ شب بیداری، معمولات کی پابندی اور دعا والحاح وزاری کے روح پرور اور رشک آور مناظر دیکھنے کو ملے، کبھی آنکھ کھلی تو یہ خیال دامن گیر ہوا کہ وضو کے لیے پانی کی خدمت انجام دوں۔ تو آپ کو دعا و ذکر میں مشغول پایا۔

کیا دل ہے کہ اک سانس بھی آرام نہ لے ہے
جلوت میں بجھے ہے تو خلوت میں جلے ہے

مولانا مرحوم خاکسار کی دعوت پر کئی بار غریب خانہ کو قدوم میمنت سے سرفراز فرمایا اور دعوتی و اصلاحی بیانات بھی ہوئے، جس کا پورے علاقے میں بہت ہی دیرپا اثر قائم ہوا، اور لوگوں کے دلوں میں آج بھی اس کا اثر قائم ہے۔ عقیدۂ توحید کی صیانت وحفاظت اور شرک خفی کی خرابی وسنگینی کو بڑی خود اعتمادی اور بے باکی کے ساتھ بیان فرماتے تھے۔ آخری بار ۲/اکتوبر بروز دوشنبہ ۲۰۱۲ء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی معتمد تعلیمات ندوۃ العلماء اور پیر طریقت مولانا قمر الزماں الہ آبادی مدظلہم کی رفاقت ومعیت میں تشریف لائے تو پورا غریب خانہ بقعہ نور ہوگیا۔ میں اپنی خوبی قسمت پہ نازاں وفرحاں کہ کلاہ دہقاں بآفتاب رسید کا حقیقی مصداق تھا۔ خالص توحید کی افادیت پر آیۃ کریمہ ﴿الا للہ الدین الخالص﴾ پر بڑے شرح وبسط کے ساتھ وعظ فرمایا تھا

آخری بات

جب بھی اخیر عشرے میں حضرت الاستاذ مرشدی و مربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی زیارت وملاقات کے لیے ''دائرہ شاہ علم اللہ'' میں نیاز مندانہ حاضری ہوتی تو حضرت مولانا عبداللہ کی خدمت میں ضرور حاضری دیتا۔ آپ کی دعاؤں، ڈھیر ساری شفقتوں اور مفید مشوروں کی حسین سوغات کے ساتھ واپس آتا۔ اللہ نے مولانا کو مختلف خصوصیات سے نوازا تھا۔ وہ ان عطا کردہ خوبیوں سے دین الٰہی کی سرفرازی اور سنت نبوی کی سربلندی کا کام لیتے تھے، وہ بڑی دانشمندی اور حکمت عملی سے دعوتی فریضہ کی انجام دہی میں مصروف عمل رہا کرتے تھے، اور سطحی جذباتیت سے اپنے دامن کو آلودہ ہونے بچائے رکھا۔ نام ونمود، وقتی جوش وخروش اور پیرو پیگنڈے سے کنارہ کش رہتے ہوئے خالص دعوتی روح اور جذبۂ صادق کے ساتھ اپنے مشن کو کامرانی کی راہ پر گامزن رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ برگزیدہ بندہ دعوتی واصلاحی قیادت کرتے ہوئے اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔ (رہے نام اللہ کا) مرحوم کو رب کریم اپنی شایان شان اجر سے نوازے۔ آمین!

بقیہ: ناقابل تلافی نقصان

..... بھوپال میں کئی دفعہ اس کا تجربہ ہوا، مختلف حضرات اہل مدارس، تنظیموں کے ذمہ دار اپنے لیے وقت کے متمنی ہیں لیکن جیسے ہی مولانا کے سامنے بات آتی کہ فلاں شخص سے چل کر آپ ملاقات کرلیں تو انشاء اللہ نفع کی امید ہے، تو مولانا سب کچھ چھوڑ کر اس کام کے لیے روانہ ہوجاتے، مجھے کبھی کبھی اس موقع پر دیگر حضرات واحباب کی ناراضگی وخفگی کا نشانہ بننا پڑتا، مولانا اس سلسلہ میں فرماتے بوڑھے شخص کی کتنی ہی خدمت کیجئے وہ رہے گا بوڑھا ہی، اور اگر آپ ایک بچہ کی صحیح طریقہ پر پرورش وتربیت کریں تو اپنا مستقبل تو تعمیر کریگا ہی وہ بوڑھے کی بھی خدمت کریگا۔

مولانا عبداللہ حسنی کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات جو تقریباً تیس سال کے عرصہ میں پھیلے ہوئے ہیں یاد آتے رہیں گے اور دل میں کسک پیدا کرتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ مولانا عبداللہ حسنی ندوی صاحبؒ کی حسنات کو قبول فرمائے اور بشری تقاضہ سے جو سیئات ہوگئی ہوں ان کو بھی حسنات میں تبدیل فرمائے اور مولانا نے جو مشن وعمل چھوڑا ہے ہم سب کو اس میں لگنے اور اس کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ایسے تھے ہمارے بھائی صاحبؒ

مولانا عمیر حسینی ندوی
(مدرسہ مظہر الاسلام، بلوچ پورہ، لکھنؤ)

خدائے بزرگ و برتر، مالک مطلق و حقیقی کے احکام و اوامر، اس کی حکمتیں اور اس کے فیصلے- بسا اوقات انسان کی محدود عقل کے دائرہ سے بلند اور اس کے فہم ناقص سے برتر نظر آتے ہیں، اور کل یوم ھو فی شان کے مظاہر و مناظر پر وہ ششدر رہ جاتا ہے، اہل معاصی کی مسلسل معصیتوں کے باجود ان کی طویل العمری اور اصحاب دعوت و عزیمت کی جواں مرگی- برائیوں کا بول بالا اور نیکیوں کی کسمپرسی- اہل دنیا کی ترقی و عروج اور دین داروں اور تقوی شعاروں کا انحطاط و تنزل- دروغ کا فروغ، اور سچائی کی پسماندگی- باطل کی عزت و اقبال اور حق کی ذلت و زوال- اس طرح کی نہ جانے کتنی چیزیں ہیں عام ذہن جن کی توجیہ و تاویل نہیں کر پاتے۔ اور عقل انسانی امتحان و آزمائش میں مبتلا ہو جاتی ہے، اور نہ جانے کیا کچھ گمان ہونے لگتا ہے مگر جو قلب سلیم کی دولت سے مالا مال اور ذہن مسلم سے نہال ہوتے ہیں وہ اس ابتلا اور آزمائش سے دوچار ہونے کے بجائے خدائے پاک کے فیصلوں پر راضی بہ رضا رہتے ہیں اور فیصلہ آسمانی اور قضائے الٰہی پر ہر طرح سے مطمئن نظر آتے ہیں اور یہ سمجھ جاتے ہیں ان کا مالک امتحان لے رہا ہے.....ادھر جو حادثہ پیش آیا وہ بھی امتحان و ابتلا اسی کے قبیل سے نظر آتا ہے جس کی سنگینی اور المناکی میں مولانا عبداللہ حسنیؒ کے حادثہ ارتحال نے اور اضافہ کر دیا اور حلقہ ندوہ ہی نہیں تمام علمی و دینی حلقے سوگوار اور اشکبار نظر آرہے ہیں۔

مولانا مرحوم ایک ایسے نامور خاندان کے چشم و چراغ تھے جس نے اسلامی تاریخ کے ہر دور میں دین کے لیے بے مثال قربانیاں دی ہیں اور جسے ہر دور میں مختلف آزمائشوں سے بھی گذرنا پڑا ہے، اس خاندان کو اللہ تعالی نے دین کی جن بیش بہا انعامات سے نوازا ہے ان میں توحید و سنت کی دعوت کے ساتھ جہاد کی علمبرداری اور سرفروشی کی دولت ہے جس کی مثال مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہیدؒ کی دعوت و تحریک جہاد ہے، اسی کے ساتھ اللہ تعالی کا دوسرا بڑا انعام یہ ہے کہ اس خاندان کے ذریعہ برصغیر ہند و پاک ہی نہیں اسلامی تاریخ کے ہر دور میں پیدا ہونے والے مجددین امت کے تجدیدی کارناموں کو زندہ و تابندہ کر دیا ہے۔

مولانا عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ جنھیں ہم بھائی صاحب کہتے تھے، چونکہ ہمارے والد صاحب بغرض ملازمت بیرون ملک میں مقیم تھے اس وجہ سے ہم لوگ ننہال یعنی تکیہ کلاں ہی میں رہتے تھے، والد صاحب کی عدم موجودگی کی بنا پر والدہ صاحبہ نے ہماری تعلیم و تربیت کی ذمہ داری بھائی صاحبؒ کے سپرد کر دی تھی، اس وجہ سے ہم خوردوں پر بھائی صاحبؒ خاص نظر رکھتے تھے، بھائی صاحبؒ کو خاندان کے سبھی بچوں کی تعلیم و تربیت کی بڑی فکر رہتی تھی، کوئی بھی غلط بات دیکھتے تو فوراً ٹوکتے، اور کسی طرح کی چشم پوشی سے کام نہ لیتے۔

بھائی صاحبؒ دوستی کے بڑے خلاف تھے، ان کا کہنا تھا کہ دوستی کی وجہ سے تعلیم میں سب سے زیادہ حرج ہوتا ہے، اکثر و بیشتر اس کے مضرات سے ہم لوگوں کو آگاہ بھی کرتے رہتے۔ ۱۹۸۵ء کی بات ہے، میں اور برادرم محمود حسنی مدرسہ ضیاء العلوم سے ندوہ امتحان دینے آئے، ہم بہت خوش تھے کہ اب ہمیں ہاسٹل میں رہنے کا موقع ملے گا، لیکن بھائی صاحبؒ نے حکم دیا کہ تم دونوں گھر پر ہی رہو گیا اور یہیں سے ندوہ جایا کرو گے، یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں، یہ ابا جان (حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ) نے فرمایا ہے۔ اس پر ہم لوگوں نے کہا کہ ہم آج ہی ابا جان سے مل کر آئے ہیں، انہوں نے پوچھا بھی تھا کہ تم لوگ کہاں ٹھہرے ہو؟ ہم لوگوں نے بتایا کہ ہم ندوہ میں ٹھہرے ہیں، اس پر ابا جان نے فرمایا کہ اچھا تم لوگ ندوہ کے مہمان ہو۔ اس پر بھائی صاحب نے کہا کہ ابا جان نے یہ تم لوگوں کی دلجوئی کی وجہ سے کہا ہوگا۔ اس وقت سے ہم لوگ خاتون منزل سے روزانہ ندوہ پیدل یا کبھی کوئی انتظام ہو گیا تو کسی سواری سے ندوہ آتے جاتے، برادرم بلال صاحب اور برادرم محمود اکثر ساتھ ہوتے اور چھٹی کے فوراً بعد ہم سیدھے گھر واپس آتے، بھائی صاحب کے رعب کی وجہ سے ہم دوستی سے کوسوں دور بھاگتے تھے، لیکن اس رعب میں ان کی شفقت اور فکر مندی بھی ہوتی تھی، تعلیم کے پورے پانچ سال تک بھائی صاحبؒ اسی طرح ہماری تربیت فرماتے رہے، ان پانچ سالوں میں ان کی ایسی خصوصی توجہات، ان کی شفقتیں

اور ان کی ایسی سرپرستی حاصل رہی کہ انھیں ایک بڑے بھائی کے بجائے باپ کا درجہ دیا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا۔

بھائی صاحب نے جس صبر وسکون اور ثبات واستقامت کے ساتھ اپنے آخری ایام گذارے اور دینی لحاظ سے انہیں جس طرح کارآمد بنایا وہ ہم سب کے لئے اسوہ ومثال ہے، اپنے مرض الموت میں شاید ہی کبھی گھبراہٹ اور جزع فزع کا اظہار کیا ہو، بلکہ ان کی باتوں سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس جہان فانی سے ترک تعلق کر چکے ہیں، اور دار بقا اور رفیق اعلی کی طلب اور اس کا ذوق وشوق ان پر غالب آچکا ہے۔

بھائی صاحبؒ نے ایک سرگرم عمل زندگی گذاری وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو دین وملت کے حق میں مفید تر بنانے کی کوشش کرتے رہے، دعوت دین سے انہیں خاص مناسبت تھی، ان پر اللہ تعالی کا فضل خاص یہ بھی تھا کہ انہیں دولت باطن بھی عطا کی گئی، اور وہ تزکیہ نفس اور اصلاح قلب وروح کی طرف بھی متوجہ رہے، وہ دنیا میں باہمہ بے ہمہ بن کر رہے، ترک لایعنی کا خاص اہتمام کرتے تھے اور کبھی بے فکری اور غفلت کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے، غلو مبالغہ اور حدود شریعت کی پامالی سے بچتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی ذات کا صحیح عرفان ان کی زندگی میں نمایاں نظر آتا ہے۔

بھائی صاحب کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ جماعت کے سختی پابند تھے، اس بیماری میں آخر آخر تک ایک وقت کی جماعت نہیں چھوٹی، جبکہ تکلیف کا یہ عالم تھا کہ نہ بیٹھے چین نہ لیٹے چین۔

بھائی صاحبؒ کو اس چیز کی بڑی فکر رہتی تھی کہ دین کا کام بغیر معاوضہ کے کیا جائے، ایک مرتبہ میں بھائی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو کہنے لگے کہ کہ تم لوگ حسنی فارمیسی کو جلدی ترقی دو، وہاں سے کم از کم اتنا نظم ہو جائے کہ ہم ندوہ سے تنخواہ لینا چھوڑ دیں۔

بھائی صاحبؒ اپنی خالہ جان کے پاس برابر آتے رہتے تھے، کبھی سفر پہ جانے سے پہلے اور کبھی مزاج پرسی کے لیے، ایک مرتبہ دوران گفتگو خالہ جان اپنی طبیعت کی خرابی کی شکایت کرنے لگیں تو بھائی صاحب نے کہا کہ ابھی آپ کو معلوم نہیں کہ لوگ کتنے بیمار ہیں، اگر میں آپ کو بتاؤں تو آپ اپنی صحت سے متعلق اللہ کا شکر ادا کریں گی، پھر اس سلسلہ میں دو تین واقعات سنائے، اس کے بعد کہا کہ اللہ تعالی کا شکر ہے کہ ہم اتنے بیمار نہیں ہیں!

اپنی طویل علالت کے درمیان بھائی صاحب نے نہ کبھی کوئی گلہ شکوہ کیا اور نہ کبھی کسی طرح کی مایوسی ظاہر کی، ہم لوگ جب بھی طبیعت کے بارے میں پوچھتے تو ہتے اللہ کا شکر ہے، ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے، ہماری بیماری کی وجہ سے گھر والے پریشان نہ ہوں اور ہماری بیماری وکمزوری کا احساس بڑوں کو نہ ہو۔ جب بھی کوئی خاندان کا بڑا عیادت کے لئے آتا تو فوراً آپ بیٹھ جاتے اور اگر نہ بیٹھ پاتے تو تیمارداروں سے کہتے جلدی بیٹھاؤ عمو جان (حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ العالی) آرہے ہیں۔ جب میری والدہ عیادت کے لیے جاتیں تو اسی طرح کہتے، اور طبیعت پوچھنے پر کہتے اللہ کا شکر ہے، ان شاء اللہ جلدی ٹھیک ہو جائیں گے۔

بھائی صاحبؒ کو ندوہ کے طلباء سے گہرا ربط تھا یہی وجہ تھی کہ اکثر وبیشتر آپ کی عصر بعد کی مجلس میں ندوہ سے دیوانہ وار طلباء آتے تھے، ان سے بھائی صاحب کا بہت شفقت ومحبت کا تعلق تھا، کتنے طلباء نے اپنے آپ کو مولانا کے مشورہ پر گامزن کیا اور ان کو اپنا رہبر ومشیر بنایا۔ سخاوت آپ کا شعار بن چکی تھی، مہمانوں کی آمد سے اتنا خوش ہوتے کہ آپ کے چہرے سے عیاں ہو جاتا اور مہمانوں کی ضیافت کی گھر والوں کو بہت تاکید کرتے تھے۔ سفر میں اپنے ساتھیوں کا بڑا خیال رکھتے ان کا کرایہ آپ ہی دیتے، یہ میں نے سن رکھا تھا، اس کا ایک دفعہ مجھے بھی تجربہ ہوا، بھائی صاحب کے ساتھ بذریعہ بس رائے بریلی سے لکھنو کے لئے سفر پہ تھا مجھے بلایا پیسے دیے اور کہا سب کے لئے ٹکٹ لے لو۔ بھائی صاحب کو اللہ تعالی نے خوابوں کی تعبیر میں خاص ملکہ بھی عطا کیا تھا خود بھی اچھے خواب دیکھتے تھے اور مکاشفات بھی ان کو ہوا کرتے تھے۔

نحیف وکمزور جسم، متوسط قد، بھرے بھرے پروقار چہرے پر نورانی داڑھی جس کے اکثر بال سفید، روشن آنکھیں اور ان پر نگاہ والا چشمہ، سادہ لباس، نرم مزاج، تہذیب وتمدن کے سانچے میں ڈھلی پاکیزہ سیرت، چچا تلا شیریں انداز گفتگو، کم سخنی میں وقار، نیک نفس، عبادت گذار، دین وملت کے خاموش خادم، اکثر وبیشتر کرتا پائجامہ اور صدری میں ملبوس یہ عالم باعمل خادم دین وملت! ایسے تھے ہمارے بھائی صاحب ع ایسا کہاں سے لاؤں تجھ سا کہوں جسے!!

اللہ تعالی ان کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور ان کی اس محبت کے طفیل جو ان کی مجھ پر تھی مغفرت ونجات کا ذریعہ بنائے۔

حضرت مولانا عبیداللہ حسنی ندویؒ

چند مشاہدات وتأثرات

محمد شعیب ندوی (مدرسہ سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، پرتاپ گڑھ)

دنیا میں جو بھی آیا ہے وہ جانے ہی کے لیے آیا ہے لیکن ان جانے والوں میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی یادیں اور باتیں کبھی بھلائی نہیں جا سکتی ہیں، وہ صرف اپنے اہل وعیال، اعزہ وقارب ہی کو نہیں بلکہ ایک عالم کو سوگوار واشکبار چھوڑ کر جاتے ہیں، کیوں کہ ان کے اخلاص وللہیت، تقوی وطہارت، علم وفضل، زہد وورع، حلم وعفو، اخلاق وکردار کی خوشبو صرف در و دیوار اور صرف ماہ وسال ہی کو نہیں بلکہ صدیوں کو معطر کرتی رہتی ہے اور ان کا حال اس شعر کا مصداق ہوتا ہے کہ ؎

سر سبز سبزہ ہو جو تیرا پائمال ہو
بیٹھے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی پیاری وہر دل عزیز شخصیت بھی انہیں اوصاف وخصائل کی حامل تھی کہ آپ کی وفات ایک عالم کی نہیں بلکہ ایک عالم کی موت تھی۔

حضرت مولانا کی شخصیت کے بے شمار پہلو ہیں لیکن مولانا کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو اتباع سنت تھا، جس سے آپ کی زندگی آراستہ تھی ان کی پوری زندگی اسوۂ نبوی ﷺ کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی تھی اور آپ کا یہ وصف آپ کے گفتار وکردار، نشست وبرخاست، سفر وحضر، لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے میں بخوبی نظر آتا تھا، اس لیے ہر ملنے والا پہلی ہی ملاقات میں آپ کا گرویدہ ہو جاتا، ہر آنے والے کے ساتھ اکرام کا معاملہ، بالکل "اکرموا الناس علی قدر منازلھم" کی روشنی میں ہوتا، راہ چلتے چلتے بھی اگر کوئی ملتا تو اس سے پوری توجہ کے ساتھ ملتے، اس کی خیریت معلوم کیے بغیر آگے نہ بڑھتے، اور فوراً دریافت فرماتے کہ کیسے آنا ہوا؟ اگر کوئی تفصیلی گفتگو یا کسی معاملہ میں مشورہ کا طالب ہوتا تو اسے ملاقات کا وقت بتا دیتے اور اپنی تمام تر مشغولیات کے باوجود اس کی پوری بات سنتے اور اس کے مسائل کو حل کرنے کی پوری کوشش فرماتے، چوں کہ مولانا بہت سے مدرسوں کے ناظم وسرپرست بھی تھے اور باکمال اور صاحب نسبت پیر وشیخ بھی اور ایک عظیم داعی اسلام بھی تھے، اس لیے آنے جانے والوں اور ملاقات کرنے والوں کا ایک سلسلہ رہتا تھا، اور ان کے اہم اور بعض پیچیدہ مسائل بھی ہوتے، لیکن یہ مولانا کا بلند اخلاق اور ان کی عالی ظرفی ہی تھی کہ نہ کسی کو جھڑکتے، نہ اسے نظر انداز کرتے بلکہ پوری خندہ پیشانی سے اس کے مسائل کو سن کر صحیح اور مناسب حال حل پیش فرماتے بلکہ مولانا کے کام کی ہمہ جہتی وتنوع کی وجہ سے مسائل ومعاملات کا ایک ہجوم ہوتا تھا، لیکن قربان جایئے مولانا کے اخلاق پر کہ وہ مجسم پیکر حلم وکرم تھے!

ع ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

اور کیوں نہ ہو کہ آپ کا تعلق جس خانوادۂ عالی سے تھا اور جس عظیم شخصیت (حضرت مولانا علی میاںؒ) کے سایہ عاطفت میں نشو ونما پائی تھی اس کی شان ہی یہی ہونی چاہیے۔

دوسرا نمایاں وصف مولانا کا تواضع اور خاکساری تھی جو اس خانوادۂ حسنی کا نمایاں وصف وامتیاز رہا ہے، مولانا علم وفضل، مشیخت وبزرگی کے اتنے بلند مقام ومرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود تواضع ان کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہوتی تھی، بڑوں کا ادب واحترام تو ان کا مایہ امتیاز تھا ہی، اپنے ہم عصروں اور اپنے سے چھوٹوں کے ساتھ بھی رہتے یا بیٹھتے تو اپنے کو نمایاں کرنے کے بجائے سب کے برابر رہنے ہی کو پسند فرماتے چنانچہ مجلس میں اگر آپ کے لیے چائے پہلے آجاتی تو اس وقت تک نوش نہ فرماتے جب تک مجلس میں بیٹھنے والے سب لوگوں کو نہ پہنچ جاتی اور ہٹو بچو سے مولانا کو وحشت ہوتی تھی، فرماتے تھے کہ میرے پیچھے لوگ چلتے ہیں تو مجھے الجھن ہوتی ہے، مولانا کا معمول تھا کہ عصر کے بعد ان کی مجلس ہوتی

جس میں ندوہ کے طلباء اور شہر لکھنؤ کے بعض احباب اور آنے والے مہمان بڑے شوق اور دلچسپی سے شریک ہوتے، اس میں کوئی کتاب پڑھی جاتی اور حسب ضرورت مولانا درمیاں میں کچھ تشریحی کلمات بھی ارشاد فرما دیتے، کئی بار میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ آج مجلس ہوگی؟ تو میں اس بات یعنی لفظ مجلس سے پانی پانی ہو جاتا ہوں، میں کیا اور میری مجلس کیا؟ یہ تو میں اپنے فائدہ کے لیے کوئی کتاب سنتا ہوں اور لوگ آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ مولانا کا تواضع وانکساری اور اخفائے حال کا جذبہ ہی تھا کہ غیر مسلموں میں دعوت وتبلیغ کا جو عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جس سے نہ معلوم کتنوں کو ہدایت کی دولت بے بہا نصیب ہوئی اور بے شمار لوگ ان کے ذریعہ سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے بلکہ مولانا کا اصل مشن ہی یہی تھا لیکن نہ کبھی اپنی زبان سے اس کا اظہار واعلان فرمایا اور نہ اس کی تشہیر کو پسند فرمایا بلکہ ایک زبردست خاموش تحریک تھی جس کا سلسلہ پورے ملک میں پھیلا ہوا تھا اور نہ معلوم، کتنے ایسے افراد ہی نہیں بلکہ خاندان تھے جن کی کفالت کا بار بھی اٹھاتے تھے، اس کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے اجل خلفاء میں تھے لیکن شہرت وجاہ طلبی، عجب وخود پسندی سے کوسوں دور، بس جو کچھ تھا صرف اور صرف رضائے الٰہی کے لیے تھا۔

مولانا کے مواعظ بہت ہی موثر اور دل پزیر ہوتے تھے، ان کی شیریں بیانی اور شگفتہ کلامی سے پورا مجمع مسحور ہو جاتا، اپنی تقریروں میں علم وحکمت کے موتی بکھیرتے اور روزمرہ کے حالات وواقعات سے بڑے بڑے نتائج اخذ فرماتے، گفتگو فرماتے تو ایسا لگتا کہ منھ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔

الغرض وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، ان کے کارنامے اس قدر متنوع وہمہ جہت ہیں کہ اس مختصر مضمون میں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں، وہ ایک طرف کامیاب وہر دلعزیز مدرس واستاد تھے تو دوسری طرف نسل نو بالخصوص نوجوان طلباء وعلماء کے مربی ومعمار کہ ایک بڑی تعداد ان کی ایمانی وعرفانی صحبت وتربیت میں رہ کر میدان عمل میں عظیم کارنامے انجام دے رہی ہے، ایک طرف دعوت اسلامی کے علم بردار تو دوسری طرف تحریک پیام انسانیت کے روح رواں وقافلہ سالار، ''الرائد'' ان کے قلم کی نگارشات سے جلوہ افروز ہوتا تو تعمیر حیات کی زینت وافادیت ان کی تحریروں سے دو بالا ہو جاتی، کہیں تصوف کے نکتے بیان فرما رہے ہیں تو کہیں قرآن و حدیث کے اسرار ورموز منکشف فرما رہے ہیں، اصلاح وتزکیہ کا کام بھی جاری ہے اور دعوت وتبلیغ کا مشن بھی شباب پر ہے، اس کو آگے بڑھانے کی فکر ہی نہیں بلکہ اس کی دھن سوار ہے ان کی کیا کیا خوبیاں وکمالات بیان کیے جائیں اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور ان کے کاموں کو ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔

ع آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

دنیا کی ہر زبان ہماری ہے

''دنیا کی ہر زبان ہماری ہے، ہم اللہ کے ہیں، اللہ کی حمد وثنا اور اس کے خاتم الانبیاء رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وتوصیف اگر عربی زبان میں ہے اور فارسی اور اردو کو اس پر ناز ہے تو دیگر زبانوں کو بھی اس کا پورا پورا حق ہے کہ وہ بھی حمد خداوندی کی خوشبو سے اور مدح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عطر سے اپنے کو مہکائیں، اس لیے دیگر زبانوں میں بھی حمد و ثنائے وحدہ لا شریک اور مدح و توصیف رحمۃ للعالمین ہونی چاہیے، تاکہ معرفت الٰہی کا نور اور سنت نبوی کی برکت ان کو بھی حاصل ہو، تاکہ قیامت میں عربی زبان نہ سہی، اردو اور فارسی کے جلو میں کھڑے ہونے کے لائق ہو سکیں۔''

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندویؒ

موت العالِم موت العالَم

احرار الہدیٰ شمس ندوی (روزنامہ راشٹریہ سہارا، لکھنو)

خانوادۂ شاہ علم اللہ کا وہ چراغ بجھ گیا جو نہ صرف ایشیا بلکہ عالم اسلام میں بھی روشنی پھیلا رہا تھا، وہ شخصیت تھی مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کی۔ وہ نامور ادیب ومایہ ناز صحافی مولانا محمد احسنی کے صاحبزادے تھے۔ ان کی تربیت خانوادۂ شاہ علم اللہ میں ہوئی، جن کی سرپرستی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ جیسے مؤرخ و ادیب نے کی۔ مولانا عبداللہ حسنی نے 29 رجنوری 1957 کو آنکھیں کھولیں اور گھریلو تربیت کے بعد ندوۃ العلماء سے 1977 میں فراغت حاصل کی۔ 1978ء میں آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مقرر ہوئے۔ مولانا کو شروع سے ہی اپنے جد امجد مفکر اسلام علی میاںؒ کی سرپرستی حاصل رہی، اکثر اسفار میں آپ حضرت کے ساتھ رہتے، بیرونی اسفار مثلاً سعودی عرب، ملیشیا، قطر وغیرہ میں بھی آپ ساتھ رہے، اس طرح سفر وحضر دونوں میں آپ کو حضرت مولاناؒ سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔

مولانا ایک عظیم استاذ تھے، جن سے ہزاروں افراد فیضیاب ہوئے۔ افراد سازی پر ان کی خصوصی توجہ تھی، وہ ایک سحر انگیز خطیب بھی تھے، عربی زبان میں زبردست مہارت حاصل تھی، یہی وجہ تھی کہ مولانا کو درس وتدریس کے ساتھ ساتھ الرائد جیسے اہم عربی رسالہ کی ادارت کی ذمہ داری سونپی گئی، جس کو بحسن وخوبی تاحیات انجام دیتے رہے۔ ندوۃ العلماء کے ترجمان اردو پندرہ روزہ رسالہ 'تعمیر حیات' کی مجلس ادارت میں بھی شامل تھے۔

مولانا کا اہم موضوع فکر اسلامی تھا، جس پر سیکڑوں لیکچر دیے۔ حدیث کے فن سے خاص دلچسپی تھی، آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں متعدد برسوں سے صحیح بخاری کا بھی درس دیتے تھے، اس طرح آپ مختلف الجہات شخصیت کے مالک تھے۔

مفکر اسلام مولانا علی میاںؒ کی وفات کے بعد تحریک پیام انسانیت کے فروغ کے لیے ایک ایسے عالم باعمل کی کھوج تھی، جو نہ صرف مولانا کے خوابوں کی تکمیل کر سکے بلکہ پیام انسانیت جیسے اہم موضوع کو عوام تک پہنچانے کے لیے خود کو وقف کر دے۔ اس کے لیے تحریک پیام انسانیت کے صدر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی نظر مولانا علی میاںؒ کے پوتے مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی پر پڑی۔ مولانا کو جنرل سکریٹری جیسی اہم ذمہ داری سونپی گئی۔ مولانا کی وفات جہاں ملت اسلامیہ کے لیے ایک عظیم خسارہ ہے اسی طرح ندوۃ العلماء، تحریک پیام انسانیت اور سیکڑوں دینی وملی تنظیموں، مدارس ومکاتب کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ مولانا کی شخصیت گوناگوں صفات حمیدہ کی حامل تھی۔ مولانا ایک مخلص ومربی استاذ، ماہر تعلیم وتدریس تھے۔ معاملہ فہمی، حزم واحتیاط، دوراندیشی، نرم گفتاری، خوش اخلاقی اور ملنساری مولانا کا طرۂ امتیاز تھا۔ تحریک پیام انسانیت کے تحت برادرانِ وطن کو اسلام سے متعارف کرانے کا کام مولانا کو اپنے دادا سے ورثہ میں ملا تھا۔ اس کے علاوہ مولانا کے ذریعہ ہزاروں افراد کو ہدایت ملی اور یہ کام بغیر کسی بینر، ادارہ اور تنظیم کے خاموشی سے انجام دیا۔

مولانا نے تحریک پیام انسانیت کی سرگرمیوں کو آگے بڑھانے کے لیے 'العافیہ' نامی ایک ٹرسٹ قائم کیا، جس کے ذریعہ وہ نوجوان طبقہ جنہوں نے اسلامی گھروں میں آنکھیں کھولیں لیکن اسلام کیا ہے ان کو نہیں معلوم، ایسے لوگوں تک اسلام کی تعلیمات پہنچانے کے لیے اس ٹرسٹ کو ذریعہ بنایا جس میں مولانا کو بہت کامیابی ملی۔ مولانا کی اسی تحریک کا نتیجہ ہے کہ ہمارے غیر مسلم بھائی جو اسلام اور مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں ان تک پہنچنے میں کافی مدد

ملی۔العافیہ کے ایک سینئر ذمہ دار ڈاکٹر ریاض احمد کے مطابق مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کا مقصد تھا کہ ہمارے ملک میں غیر مسلم حضرات جو مسلمانوں کے مسائل، حالات وتعلیمات سے ناواقف ہیں، جس کی وجہ سے اکثر وبیشتر چھوٹی چھوٹی باتوں پر دست وگریباں ہوجاتے ہیں، اس دوری کو پیام انسانیت تحریک سے دور کرنا تھا، ایک دوسرے میں محبت پیدا کرنا تھا، مولانا نے اس کام کو ایک طرح سے اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ڈاکٹر ریاض کے مطابق مولانا کے متحرک رہنے اور جدوجہد کرنے کا ہی نتیجہ ہے کہ آج بھی غیر مسلم بھائیوں نے اسلام کو سمجھنے کی کوشش کی اور قرآن شریف، حدیث شریف کے علاوہ دیگر کتابوں کا مطالعہ کیا۔

مولانا کی اس دعوتی تحریک سے بہت سے لوگوں کو اللہ نے ایمان کی توفیق دی، بڑی تعداد میں لوگوں کی غلط فہمی دور ہوئی۔ مولانا کے ساتھ جو لوگ کام کررہے تھے ان میں بڑی تعداد غیر مسلموں کی بھی تھی، غیر مسلم بھائیوں میں ایک نام کانپور کے سوامی لکشمی شنکراچاریہ جی کا ہے جنہوں نے اسلام کو غلط اور دہشت گرد سمجھا تھا، وہ وشو ہندو پریشد کے سرگرم رکن بھی تھے، انہوں نے مسلمانوں کے خلاف 'اسلامی آتنک واد کا اتہاس' نام سے ایک کتاب تحریر کی تھی جس کا اجراء بال ٹھاکرے جیسے کٹر ہندو لیڈر کے ہاتھوں کرایا تھا۔اس کتاب کے آنے کے بعد مولانا نے سوامی جی سے ملاقات کی اور ان کے سامنے اسلام کا تعارف پیش کیا، اسلام کیا ہے اور وہ کس چیز کا درس دیتا ہے، انہیں بتایا، اسلام سے متعلق ان کے جو بھی اشکالات تھے اس کو دور کرنے کے لیے کتابیں مہیا کرائیں تاکہ وہ اسلام کا صحیح طریقہ سے مطالعہ کرسکیں۔ بعد میں انھیں سوامی جی نے اپنی ہی کتاب کی رد میں 'اسلام آدرش یا آتنک' جیسی کتاب تحریر کی جس میں انہوں نے اسلام کے خلاف جو پروپیگنڈے ہیں اس کا بھرپور جواب دیا ہے۔اسی طرح مہاراج دکاشانند برہمچاری (بنگال) اور ڈاکٹر سنجے پانڈے بھی مولانا کی تحریک سے متاثر ہوئے اور ہندو مسلم یکجہتی کے لیے بڑھ چڑھ کر سرگرم عمل ہیں۔مولانا مرحوم کی تحریک کا نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان کے مختلف حلقوں میں زوروشور سے پیام انسانیت کا کام چل رہا ہے۔مولانا کے دست راست مولانا خالد بیگ بنگلوری (جو خود کرناٹک میں کئی ادارے کے ذمہ دار ہیں) کے مطابق مولانا کا کام پوری طرح منظم تھا۔مولانا نے تحریک پیام انسانیت کے ذریعہ ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی قائم کرتے ہوئے کدورتوں کو مٹانے کی کوشش کی، شکوک وشبہات کو دور کیا، دلوں میں محبت عزت پیدا کی تاکہ عوام اپنی صلاحیتیں ملک کی تعمیر میں لگاسکیں۔

مولانا حسنیؒ اکثر کہا کرتے تھے کہ دعوت کا کام تنظیم اور میڈیا کے پروپیگنڈہ سے بلند ہوکر کرنا چاہئے، اس سے کام کو فروغ ملتا ہے اور رکاوٹوں سے حفاظت ہوتی ہے۔مولانا کی ایک نمایاں صفت فکری اعتدال ہے، مولانا کا دعوتی انداز بڑا مؤثر تھا کہ ہدایت پانے والوں کی تعلیم وتربیت اور ان کی استقامت کا بھرپور انتظام کرتے تھے۔مولانا اسلامی نہج پر عصری درسگاہوں کے قیام کے پرزور حامی تھے۔یہی وجہ ہے کہ مولانا درجنوں مدارس ومکاتب واسکول کے سرپرست تھے۔

ان کی وفات (30/جنوری 2013) کے بعد تحریک پیام انسانیت سے وابستہ افراد جو پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں ان میں بے چینی ہوئی کہ اب اس اہم ذمہ داری کو کون نبھائے اس کے لیے سبھی کی نگاہیں صدر محترم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی طرف تھیں، مولانا کی غیر موجودگی میں تکیہ کلاں میں ایک میٹنگ ہوئی، جس میں اتفاق رائے سے فیصلہ ہوا کہ اس کے لیے مولانا کے برادر خورد معروف عالم دین مولانا سید بلال حسنی ندوی کو یہ ذمہ داری دی جائے کہ وہی اس کام کے لیے موزوں ہیں۔چنانچہ مولانا خالد بیگ ندوی کی قیادت میں مولانا رابع حسنی ندوی کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی، جس کو مولانا رابع حسنی ندوی نے بھی پسند کیا اور پھر آپ نے مولانا بلال حسنی ندوی کی جانشینی کا اعلان کیا۔

مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کی وفات کے بعد ان کے سرپرست ومربی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے ہندوستان بلکہ عالم اسلام کی اہم شخصیات نے تعزیت کی، دینی اداروں میں مرحوم کے ایصال ثواب کے لیے جلسے ہوئے۔

امام حرمین شریفین شیخ خالد بن علی الغامدی، مسجد نبویؐ مدینہ منورہ

کے امام شیخ فلاح البدیر نے ٹیلی فون پر تعزیت پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو اللہ کا حکم ہے، سبھی کو جانا ہے، اللہ اپنی حکمت کو خوب جانتا ہے، وہی بدل دینے والا ہے، مرحوم نے اتنی کم عمری میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ انشاء اللہ تادیر قائم رہیں گے۔ ان کے علاوہ جمعیۃ علماء ہند کے قومی صدر مولانا سید ارشد مدنی، دبئی سے مولانا تقی الدین مظاہری ندوی، سعودی عرب سے مولانا علی احمد ندوی (فیصل ایوارڈ یافتہ)، قطر سے شیخ عادل یمنی، جنوبی افریقہ سے مولانا سعید، مولانا سعد (امیر تبلیغی جماعت)، مولانا سید نظام الدین صاحب امیر امارت شرعیہ پٹنہ واڑیسہ، خانقاہ رحمانی مونگیر کے سجادہ نشین مولانا سید ولی رحمانی، مولانا خالد سیف اللہ حیدرآباد، عبدالرحیم قریشی، مولانا عبداللہ کاپودروی (گجرات)، مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی، مولانا زبیر (نئی دہلی) مولانا کبیرالدین فاران مظاہری (ہماچل پردیش) جیسی اہم شخصیات نے بھی اظہار تعزیت کیا اور کہا کہ مولانا عبداللہ حسنی بلاشبہ اللہ کے ولی تھے۔ ان کے علاوہ کویت، دبئی، لندن، پاکستان، بنگلہ دیش سے بھی اہم شخصیات نے اظہار تعزیت کیا اور مولانا سے اپنے تعلق کا اظہار کیا۔ ملک کے مختلف مدارس میں تعزیتی جلسے ہوئے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کی صدارت میں دارالعلوم کی مسجد میں ایک تعزیتی جلسہ ہوا، جس میں آپ نے مرحوم سے اپنے دیرینہ تعلقات کا ذکر کیا، تعزیتی جلسوں اور خطوط کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

سیاسی شخصیات میں ملائم سنگھ یادو، ریاستی وزراء شیوپال سنگھ یادو، احمد حسن، ابھیشیک سنگھ فوراً ندوہ آئے تھے اور مولانا سید حمزہ حسنی سے اظہار تعزیت کیا۔ اسی طرح کانگریس صدر سونیا گاندھی، ریاستی وزیر ڈاکٹر وقار احمد شاہ، اروند سنگھ گوپ، ریاستی اقلیتی کمیشن کے سابق چیئرمین غیاث الدین قدوائی نے بھی تعزیت کی، نائب صدر جمہوریہ جناب حامد انصاری صاحب اور محترمہ سونیا گاندھی صاحبہ نے تعزیتی مکتوب کے ذریعہ رابطہ قائم کیا۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

بقیہ: مولانا مرحوم اپنے حصے کا کام کر کے روانہ ہوئے!

انسانی سماج کی اصلاح کے لیے میڈیا کے ذریعہ جو کام انجام دیے جاسکتے ہیں ان کا انہیں بخوبی انداز تھا اسی لیے وہ ہم سے ہر بار ہمارے انگریزی اخبار (دی ایسٹرن پوسٹ) کے بارے میں بھی سوال کرتے رہتے تھے۔ لگ بھگ دو سال قبل جب شہر لکھنؤ میں پیام انسانیت کا ایک اہم جلسہ ہوا تھا اس موقع پر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ میں انہوں نے مجھے اور میرے برادر عزیز عبدالباسط اسماعیل (ایڈیٹر، دی ایسٹرن پوسٹ) کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ میڈیا ایک انتہائی اہم اور طاقتور شعبہ ہے مگر بدقسمتی سے مسلمان اس میدان میں بہت پیچھے ہیں۔ عصر حاضر میں مسلمانوں کی محرومی وناکامی کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس میدان میں مسلمان خاطر خواہ کام انجام نہیں دے رہے ہیں۔ اغیار اس راستے سے لگاتار حق پسندوں پر حملے کر رہے ہیں اور حق کی آواز دبائی جارہی ہے۔ انہوں نے ہم سے کہا کہ آپ حضرات ہر سود وزیاں سے بلند تر ہو کر اس کام کو انجام دیجیے اور ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ کیے بغیر حق کی آواز کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچانے کی کوشش کرتے رہیے، اللہ آپ کا حامی وناصر ہے۔

بلاشبہ ان کی ذات بابرکات بے شمار انسانوں کے لیے ہدایت ورہنمائی کا باعث تھی۔ وہ اگر کچھ دن اور ہمارے درمیان رہتے تو ہمارے لیے مزید تقویت وبرکت کا سبب بنتے مگر قدرت کی بخشی ہوئی مدت میں انہوں نے جو کچھ کام کر ڈالے ہیں وہ خود بے شمار و بے حساب ہیں۔ وہ اپنے حصے کا کام بحسن وخوبی ادا کر کے اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں۔ کس قدر خوش نصیب ہے وہ نفس مطمئنہ جو اپنے رب کے پاس راضیہ مرضیہ لوٹی ہے اور جس کی ضیافت ومیزبانی کے لیے اس کا رب خود اسے بندگان خدا کی صف میں شامل ہونے اور جنت میں داخل ہونے کا مژدہ سنا رہا ہے۔ ہم سب کے مولانا عبداللہ حسنی صاحب اگرچہ اب ہمارے درمیان نہیں رہے مگر ان کے ماننے والوں کے دلوں میں ان کا نورانی چہرہ محفوظ ہے۔ اک ذرا گردن جھکائی دیکھ لی۔

وہ رشک صد بہار گلستاں چلا گیا

مولانا جمال عارف ندوی
(مولانا علی میاں ندویؒ فاؤنڈیشن، مالیگاؤں)

۳۰/جنوری ۲۰۱۳ء کی صبح اچانک وہ سانحہ پیش آیا جس کے تصور ہی سے بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں، جس کو دل و دماغ قبول کرنے کے لیے کبھی تیار نہ تھے۔ حالانکہ اس سانحہ کو کبھی نہ کبھی تو پیش آنا ہی تھا لیکن دل آخر دل ہے، محبت اس کی متاع گراں ہے، وہ اپنی محبوب شخصیت کا اپنے سے تھوڑی دیر کے لیے بھی جدا ہونا گوارہ نہیں کرتا چے جائیکہ یہ جدائی و فرقت دائمی ہو۔ لیکن آج دل ناداں کو یہ ماننا ہی پڑے گا کہ قضا و قدر کا فیصلہ نافذ ہو چکا، مشیت الٰہی ہر تمنا پر غالب آ گئی، جس کو ہم اپنا محبوب سمجھتے تھے وہ تو رب العلمین کا بھی محبوب تھا، اور جب اُس محبّ وقدرداں نے اسے پکارا تو وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر ہنستا مسکراتا اپنے رب کی پکار پر لبیک کہتا ہوا اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

یہ عظیم سانحہ عالم ربانی، مصلح روحانی، داعی الی اللہ حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی برّد اللہ مضجعہ کی وفات حسرت آیات کا ہے۔ اس سانحہ کے باعث امت مسلمہ ایک ایسے شخص سے محروم ہو گئی جس نے دنیوی زندگی پر آخرت کی زندگی کو ترجیح دی تھی، جس نے ﴿ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی لله رب العلمین﴾ کا نارۂ مستانہ لگایا تھا، جس نے اعلائے کلمۃ اللہ اور دعوت الی اللہ کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا تھا، جس نے انتہائی سادہ و جفاکش زندگی اختیار کر کے اپنی تمام تر صلاحیتوں اور طاقتوں کو دین کی نصرت اور علم کی اشاعت کے لیے جھونک دیا تھا، جس نے اس کفرستان میں کفر و شرک کی غلاظتوں میں مبتلاء برادرانِ وطن کی ہدایت کے لیے اپنے رب سے اپنی جان کا سودا کر لیا تھا اور جب دعوت الی اللہ کی تحریک کا ڈھانچہ کھڑا ہو گیا جس پر ﴿یدخلون فی دین الله افواجاً﴾ کی عمارت تعمیر ہونی تھی تو وہ بندۂ خدا انتہائی خاموشی سے ﴿رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه فمنهم من قضیٰ نحبه﴾ کی تصویر بن گیا۔

یہ حادثہ کیا پیش آیا کہ عالم اسلام پر ایک بجلی گری۔ تحریک پیام انسانیت اپنے دور اندیش و بصیرت افروز قائد و ترجمان سے محروم ہو گئی، دعوت الی اللہ کی تحریک ایک مجدّدانہ صفت کے حامل قوی التأثیر داعی سے محروم ہو گئی۔ ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے سیکڑوں ادارے اور تنظیمیں اپنے ایک مخلص سرپرست کو کھو بیٹھیں۔ ندوہ اپنے ایک باکمال و عدیم المثال فرزند سے محروم ہو گیا۔ سیکڑوں نہیں ہزاروں تلامذہ باپ کی طرح شفقت و محبت کرنے والے ایک استاذ و مربی سے محروم ہو گئے۔

حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ کی ولادت ۲۹/جنوری ۱۹۵۷ء کو دائرہ شاہ علم اللہ، تکیہ کلاں رائے بریلی میں سادات حسنی کے اس خانوادہ میں ہوئی جس کے گل سرسبد مجدد اعظم، شہید بالاکوٹ حضرت سید احمد شہیدؒ اور سید العرب والعجم مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تھے۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے اپنے والد ماجد، عبقریٔ زمانہ حضرت مولانا محمد الحسنیؒ سے اپنے گھر ہی میں حاصل کی۔ بعد ازاں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل کیے گئے اور اپنے نامور دادا، سابق ناظم ندوۃ العلماء مولانا ڈاکٹر عبدالعلی حسنیؒ اور عظیم مربی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی زیر نگرانی انھوں نے حصول علم کا اپنا سفر جاری رکھا۔ مفکر اسلامؒ کی خصوصی توجہ اور نظر عنایت کا مرکز بنے۔ نیز حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی، مولانا واضح رشید ندوی، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی،

مفتی محمد ظہور ندوی جیسے ماہر فن اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ محدث جلیل شیخ عبد الفتاح ابو غدہ، شیخ نور الدین عتر، علامہ یوسف القرضاوی جیسے عباقرۂ زمانہ سے خصوصی استفادہ کیا۔ ۱۹۷۷ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے درجہ فضیلت سے فراغت حاصل کی اور دار العلوم ندوۃ العلماء ہی میں مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دینا شروع کیا۔ درس و تدریس کے میدان میں وہ برابر ترقی کرتے رہے یہاں تک کہ جلد ہی عُلیا کے درجات تک پہنچ گئے اور ابواب بخاری شریف، حجۃ اللہ البالغہ جیسی کتابیں بھی آپ سے متعلق کردی گئیں۔ آپ ایک باکمال وکامیاب مدرس ثابت ہوئے۔

مولانا مرحوم ندوۃ العلماء سے نکلنے والے عربی رسالہ ''الرائد'' کے مدیر التحریر بھی تھے۔ عربی زبان میں آپ کا قلم سیل رواں کے مانند چلتا تھا۔ آپ کے قلم سے نکلے ہوئے افتتاحیے اور مضامین الرائد کی زینت ہوا کرتے تھے۔ ساتھ ہی آپ ندوۃ العلماء کے پندرہ روزہ اردو ترجمان ''تعمیر حیات'' کی مجلس مشاورت کے رکن تھے۔ تعمیر حیات کے صفحات پر شائع ہونے والے آپ کے وقیع مضامین وافادات واقعتاً تعمیر حیات کا کام انجام دے رہے تھے۔ حضرت مولانا علی میاںؒ کے بعض خطبات و مقالات کا آپ نے اردو سے عربی اور عربی سے اردو میں ترجمہ کیا نیز حضرت علیہ الرحمۃ کے متفرق مضامین، تقاریر اور کتابوں سے مواد اکٹھا کر کے ''افادات قرآنی''، ''تعارف اسلام''، ''اسلام کے تین بنیادی عقائد'' جیسی کتابیں آپ نے تیار کراوئیں۔

درس و تدریس، اصلاح و تربیت اور صحافت کے علاوہ مولانا مرحوم کی مساعی جمیلہ کا خاص میدان تحریک پیام انسانیت اور دعوت الی اللہ کا کام تھا۔ بہت جلد ہی ایسا معلوم ہونے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا مرحوم کو برادرانِ وطن میں دعوت الی اللہ کے کام ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔ انتہائی دلسوزی، ایثار و قربانی، صدق و اخلاص اور حکمت و بصیرت کے ساتھ آپ اس کام میں اتنا آگے بڑھے، اتنا آگے بڑھے کہ دور دور تک اس معاملہ میں طبقۂ علماء میں آپ کا کوئی ہمسر نظر نہ آتا۔ دعوت الی اللہ کے جذبہ سے سرشار ہو کر مولانا مرحوم نے بعض ایسے جرأت مندانہ اقدام بھی کیے کہ بڑے بڑے لوگ انگشت بدنداں رہ گئے۔ نہ جانے کتنے ہی افراد اور خاندانوں کو آپ کے ذریعہ ہدایت ملی۔ نومسلموں کی تعلیم و تربیت کے لیے آپ نے ۲۰۰۵ء میں شہر لکھنؤ میں ''دارالعافیہ'' کے نام سے باقاعدہ ایک سینٹر قائم کیا جو دراصل حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے خوابوں کی تعبیر تھی۔ ملک کے مختلف صوبائی زبانوں میں آپ نے اپنی خصوصی نگرانی میں پیام انسانیت اور تعارف اسلام کے لٹریچر ترجمہ کروا کر شائع کرائے۔ ہندومت، سکھ مت، عیسائیت وغیرہ پر آپ نے بڑے قیمتی و تحقیقی کام کروائے اور سب سے بڑی بات یہ کہ پیام انسانیت اور دعوت اسلام کے لیے قیمتی افراد کی ایک لمبی چوڑی ٹیم تیار کردی اور مختلف علاقوں میں انھیں پھیلا دیا۔

مولانا مرحوم مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا عکس جمیل تھے۔ آپ کے خلیفہ و مجاز بھی تھے، تصوف و سلوک کا رنگ آپ پر غالب تھا۔ حضرت مولانا کے علاوہ آپ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ، مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ، مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ (ہردوئی) سے بھی خصوصی استفادہ کیا تھا۔ صاحب تاثیر اور قوی النسبت بزرگوں مین یقیناً آپ کا شمار ہے۔ عوام و خواص کا اس قدر آپ کی طرف رجوع تھا کہ دائرہ شاہ علم اللہ کی خانقاہ اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہونے لگی تھی۔ ملک کے طول و عرض میں آپ کے مسترشدین کی ایک بڑی تعداد ہوئی اور اکثر صوبوں میں آپ کے تلامذہ نے مختلف دینی و دعوتی کاموں کا بیڑا اٹھا رکھا تھا جن سب کی مولانا بیک وقت تاحیات سربراہی فرماتے رہے۔

مولانا مرحوم کی دینی و دعوتی خدمات بہت وسیع اور متنوع ہیں لیکن جذبہ اخلاص آپ کے اندر اس قدر کوٹ کوٹ کر بھرا تھا کہ ہر جگہ ''اخفاء'' کا بڑا اہتمام رہا جس کی وجہ سے اکثر لوگوں نے قدرے دیر سے جانا کہ مولانا کیا تھے۔ مزاج میں بلا کی سادگی و جفاکشی تھی، نہ عمدہ کھانوں کی رغبت، نہ عمدہ لباس کی رغبت، نہ زیب و زینت کا اہتمام، چہرہ پرنور، دل مجلیٰ و مصفیٰ، بغض و حسد اور معاصرانہ چشمک سے یکسر پاک، تواضع و انکساری کا پیکر، ہر ایک کو اپنائیت و محبت کی نگاہ سے دیکھتے، اپنی مجلس میں نہ کسی کی غیبت ہونے دیتے، نہ برائی کے ساتھ کسی کا تذکرہ کرتے۔ آپ کی مجلس میں بیٹھنے والے اپنے قلب میں ایمانی حرارت و حلاوت محسوس کرتے۔ ان ہی اوصاف کے باعث آپ نوجوانوں کی نئی نسل کے قائد بن کر ابھر رہے تھے۔

گذشتہ چند برسوں میں مولانا کی عوامی مقبولیت ومحبوبیت میں بے حد اضافہ ہوا۔ پیام انسانیت کے عنوان سے بڑے عظیم الشان اجتماعات منعقد ہوئے جن میں برادرانِ وطن کی ایک بہت بڑی تعداد شریک ہوتی۔ مولانا مرحوم نے بھی اپنی تمام راحتوں کو قربان کر کے بڑے طویل المسافت اور کثیر المشاغل اسفار کیے۔ گذشتہ سال مارچ ۲۰۱۲ء میں صوبۂ مہاراشٹر، کرناٹک اور گجرات کا تقریباً ایک ماہ کا آپ کا دورہ، آپ کے پروگراموں کا نقطۂ عروج تھا۔ اس دورہ میں کئی علاقوں میں کاتب سطور بھی ساتھ تھا۔ طبیعت کی ناسازی اور ضعف و اضمحلال کے باوجود آپ پر کام کی ایسی لگن طاری تھی کہ اپنی طاقت سے زیادہ کام کرتے رہے۔ دن بھر پروگراموں کی محنت ومشقت، دیر رات تک ملاقاتیں اور رات کے آخری پہر میں اٹھ کر تہجد وذکر اللہ کا معمول رہا۔ دورانِ سفر بعض مرتبہ آپ کو سخت عارضہ پیش آیا لیکن پروگرام کی کامیابی اور مثبت نتائج کی خوشیوں میں ساری کلفتیں کافور ہو جاتیں۔ اس تھکا دینے والے سفر کے بعد طویل آرام آپ کے لیے ناگذیر تھا۔ لیکن اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا کے مصداق ہر کچھ دن کے بعد آپ کے اسفار جاری رہے۔ یہاں تک کہ رمضان المبارک کی آمد آمد سے اسفار کا سلسلہ تھما اور آپ دائرۂ شاہ علم اللہ میں فروکش ہوئے۔ یہاں بھی خلقت امڈ پڑی۔ طالبین ومسترشدین اور نومسلموں کی آمد کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ناسازیٔ طبع کے باوجود تربیت وافادہ کا کام جاری رہا۔ رمضان المبارک کسی طرح گذر گیا لیکن عید کے بعد سے آپ کی طبیعت میں ناہمواری رہی۔ کبھی علالت کا سلسلہ بڑھ جاتا کبھی کچھ افاقہ ہو جاتا۔ گردے اور لیور کی تکلیف نے آپ کو بے چین کر دیا یہاں تک کہ بقرعید بعد تو یہ کیفیت ہوگئی کہ عام غذا بند ہوگئی، صرف مشروبات پر گذارا ہوتا، جس سے جسم میں ضعف ونقاہت کا اثر نمایاں ہونے لگا۔ علاج ومعالجہ کے وسائل، اسباب کے درجہ میں اختیار کرتے رہے لیکن اس میں بھی اصل سرمایہ ایمان ویقین اور توکل کا رہا۔ رخصت کی بجائے عزیمت پر عمل پیرا رہے۔

اللہ کی مرضی ومنشا یہ کہ بیماری کا یہ سلسلہ تشویش ناک حد تک بڑھ گیا۔ وصال سے چند روز پہلے سحر نرسنگ ہوم لکھنؤ میں داخل کیے گئے۔ موت وحیات کی کشمکش میں یہ دن گذرے۔ کبھی تشویش بڑھ جاتی کبھی قدرے اطمینان ہو جاتا۔ اہل خانہ، متعلقین، خدام و مسترشدین اور طلبائے ندوہ دعاؤں کا خوب خوب اہتمام کرتے رہے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندے کو اپنے پاس بلانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ۳۰ر جنوری ۲۰۱۳ء کی صبح تقریباً ساڑھے دس بجے آپ کی آخری سانسیں شروع ہوگئیں۔ آپ کے برادر خورد مولانا سید بلال حسنی جو مستقل آپ کی تیمارداری کر رہے تھے، راوی ہیں کہ آپ کی آخری سانسوں سے ''اللہ اللہ'' کی آوازیں صاف آرہی تھیں۔ مولانا خالد بیگ ندوی نے کلمہ طیبہ کی تلقین شروع کی۔ مولانا بلال حسنی نے سورۂ یٰسین کی تلاوت شروع کی۔ ایک مرتبہ مکمل کر کے دوسری مرتبہ شروع کیا تھا کہ ابتدائی چند آیتوں کے بعد ہی آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ﴿یأیتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضية مرضية، فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی﴾۔

نعش مبارک کو اسپتال سے آپ کے مکان خاتون منزل لایا گیا۔ شہر واطراف شہر اور دور قریب سے خلقت امڈ پڑی۔ شام تک زیارت کا سلسلہ جاری رہا۔ عصر بعد آپ کو غسل دیا گیا اور جنازہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لایا گیا۔ بعد نماز مغرب مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دامت برکاتہم نے آپ کی نماز جنازہ ہزارہا لوگوں کی موجودگی میں پڑھائی۔ پھر جنازہ آپ کے اصل وطن رائے بریلی لے جایا گیا جہاں افراد خانہ ومتعلقین پہلے ہی سے پہنچ چکے تھے۔ ساڑھے آٹھ بجے کے قریب جنازہ دائرۂ شاہ علم اللہ پہنچا۔ دور قریب سے آنے والوں کا تانتا بندھا تھا۔ ہزاروں لوگوں کا جم غفیر تھا۔ لوگ بمشکل زیارت کرتے رہے۔ پونے دس بجے نماز عشاء ادا کی گئی۔ بعد ازاں مخدوم مکرم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ رات ساڑھے دس بجے تدفین کا عمل شروع ہوا اور دیر رات تک لوگ مٹی دیتے رہے

ع آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

مولانا بلال حسنی ندوی صاحب نے راقم سطور سے بیان کیا کہ مولانا مرحوم نے شدید علالت کے دنوں میں بھی یہاں تک کہ جب آپ اسپتال میں داخل تھے تب بھی کوئی نماز بغیر جماعت کے نہیں پڑھی (سوائے جمعہ کی نماز کے)۔ خدام کے ساتھ میری اقتداء میں

کھڑے یا بیٹھ کر نماز با جماعت ادا کرتے۔ انتقال سے کچھ روز پہلے جب کہ بولنا انتہائی دشوار تھا فرمایا: زندگی بھر ذکر قلبی کی جو مشق کی تھی الحمدللہ آج اس کا فائدہ محسوس ہو رہا ہے، ذکر قلبی جاری ہے۔ آخری دنوں میں کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مولانا بظاہر تو ہمارے درمیان میں ہیں لیکن حقیقتاً کسی اور عالم میں محو ہیں۔ بارہا اوپر کی جانب نگاہ اٹھا کر دیکھتے اور مسکراتے۔ یہ پوچھنے پر کہ حضرت یہ آپ بار بار اوپر کیا دیکھ کر مسکراتے ہیں تو فرمایا: چھوڑو! تم نہیں جانتے۔

مولانا نے ۵۶ برس کی عمر پائی (مولانا کے والد ماجد مولانا محمد الحسنیؒ نے بھی صرف ۴۴ سال کی عمر پائی تھی)۔ پسماندگان میں آپ کے دو بھائی مولانا عمار حسنی ندوی و مولانا بلال حسنی ندوی، آپ کی اہلیہ محترمہ (دخترِ حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی) اور اکلوتے فرزند محمد میاں ہیں۔ محمد میاں کی عمر صرف ۱۴ برس ہے۔ اسی سال وہ حافظ قرآن ہوئے ہیں جس کی خوشی میں مولانا مرحوم نے ایک دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ وہ اب اپنے مرحوم والد کی عظیم نشانی ہیں۔ اللہ ان کے والد و اجداد کی خوبیاں ان میں منتقل فرمائے اور انھیں نسبت محمدی ﷺ کا حامل بنائے کہ محمد میاں کے والد عبداللہ ہیں، والدہ آمنہ ہیں، وہ اپنے والدین کے اکلوتے بھی ہیں اور اللہ نے ان کے لیے بھی یتیمی مقدر فرمائی۔

راقم سطور کا شمار بھی حضرت مولانا مرحوم کے نیازمندوں اور مسترشدین میں ہے۔ مولانا مرحوم کی خصوصی عنایتیں اور توجہات بھی اس حقیر کو حاصل رہیں۔ طالبِ علمی کے زمانہ ہی سے جو آپ کے دامن سے وابستگی ہوئی تو اخیر تک قائم رہی اور تعلق قوی سے قوی تر ہوتا گیا۔ یہی ربط و تعلق اور مولانا کی توجہ و عنایات ذریعہ بنیں مالیگاؤں میں بھی مولانا علی میاں ندویؒ فاؤنڈیشن کے نام سے ایک عظیم الشان اسلامک سینٹر کے قیام اور اس کے تحت مختلف علمی و دعوتی اور پیام انسانیت سے متعلق سرگرمیوں کا۔ مولانا مرحوم میرے استاذ بھی تھے، شیخ بھی تھے، مربی بھی تھے اور محسن بھی!

ع ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

اللہ تعالیٰ امت کو مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ کا بدل عطا فرمائے اور آپ کی وفات سے جو عظیم خلا پیدا ہو گیا ہے اسے جلد پر فرمائے۔

داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی
ایک نظام زندگی، انقلابی محاذ، جہد مسلسل، تحریک کارواں اور
دعوت دین کا مظہر تھی،
نگہ کی بلندی، سخن کی دلنوازی اور جاں پرسوزی کی وہ عملی تصویر تھے۔
منجانب
محمد اقبال ندوی
ANSARI ELECTRICALS
CONTACT FOR RETAIL AND WHOLESALE
Chauhan Market, Raebareli

علم وعرفان کا حسین سنگم

مولانا انیس احمد ندوی (دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

خانوادۂ علم اللہی کے ایک مایہ ناز فرد مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ کی وفات کا اندوھناک واقعہ ۳۰؍جنوری ۲۰۱۳ء کی صبح پیش آیا، حادثہ اس قدر جانکاہ تھا کہ دل کو بارائے ضبط نہ رہا، آنکھیں بے وفائی کر گئیں، آنسوں کے چند قطرے زمین پر آگرے، وہ زمین جو مرنے والے کی خواب گاہ ہے، زمین چمن کیا کیا گل کھلاتی ہے اور آسمان کیسے کیسے رنگ بدلتا ہے، کیسے کیسے دن دکھاتا ہے، گردش لیل ونہار کیسے کیسے مصائب انسان پر ڈھاتے ہیں، لیکن یہ غم صرف مجھ پر نہیں بلکہ ایک دنیا غم زدہ ہے ایک جہاں ماتم کناں ہے بقول شاعر:

مرا رونا نہیں رونا ہے یہ سارے گلستاں کا۔ ایک شاعر نے کہا:

ع جہانے را جگر خوں شد ہمیں تنہا نمی گریم

دنیائے آب وگل سے نہ جانے کتنی ہستیاں اٹھتی جاتیں ہیں، اس دنیا کو خیر آباد کہتی ہیں، لیکن کچھ ہی موفق ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کے چلے جانے پر افسوس وماتم کیا جاتا ہے کچھ ہی ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جو اپنا لازوال نقش چھوڑ جاتی ہیں، ان کے انمٹ نقوش ان کی یاد کو تازہ رکھتے ہیں ان کی شخصیت ایسی پرکشش ہوتی ہے کہ ان کے جانے کے بعد بھی ان کی کشش اور جاذبیت تادیر قائم رہتی ہے، مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ کا شمار بھی انہیں شخصیات میں ہے جن کے انمٹ نقوش تادیر اس جہاں رنگ وبو میں قائم رہیں گے۔

مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ دائرہ شاہ علم اللہ کے وہ فرد فرید تھے جو علم وعمل، فیضان محبت وعرفان الٰہی تصوف کے ساتھ شعور وآگہی کے ایسے حسین سنگم تھے جہاں علم کا دریا عرفان الٰہی کے بحر ناپید کنار میں مل کر جلال وجمال کا حسین منظر پیدا کرتا تھا، یقیناً آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل تھی کیونکہ بقول جگر:

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کی بات نہیں
فیضان محبت عام سہی عرفان محبت عام نہیں

جن لوگوں نے مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی کو دیکھا ہے وہ بتاتے ہیں کہ وہ راپا محبت تھے ان کی ہر ادا سے محبت کا عکس جھلکتا تھا، مولانا مرحوم میں بھی انہیں کا عکس پایا جاتا تھا، محبت کی جلوہ گری اور عشق کا پرتو ''در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق کا نمونہ، علم وعرفان کے اس دریا سے ایک عالم سیراب ہورہا تھا، گم گشتہ آہوان حرم فیضیاب ہورہے تھے، تشنگان ہدایت اپنی پیاس بجھا رہے تھے، طالبان علوم نبوت علم وعرفان کی تلاش میں آپ کے گرد جمع ہوتے تھے، صوفی مزاج لوگ تصوف کی تلاش میں آپ سے قریب ہوتے تھے، غرض یہ کہ مختلف لوگوں نے آپ میں مختلف جوہر تلاش کیا آپ ایسے ہی گوہر نایاب تھے جو آپ کو اپنا لے وہ بھی قیمتی بن جائے جو چھو کے بھی گذر جائے وہ کندن بن جائے۔

مولانا مرحومؒ کی شخصیت ہشت پہل تھی، آپ دین کے داعی اور اسلام کے ایک طاقتور سپاہی تھے، تقویٰ وللہیت، اخلاص وانابت الی اللہ کے آپ پیکر مجسم تھے، سادگی وبرکاری، بے خودی وہشداری کے نہایت حسین سنگم تھے، دعوت الی اللہ کے سلسلہ، میں آپ حکمت وموعظہ حسنہ کے ساتھ ہمیشہ ''جادلھم بالتی ھی احسن'' کے اصول کو سامنے رکھتے تھے، دوسروں کو قائل کر لینا اور انھیں اچھی طرح سمجھا دینا بلکہ مخاطب کے دل میں اتار دینا آپ کا امتیازی وصف تھا، ایسے اوصاف بہت کم کی شخصیت میں جمع ہوتے ہیں۔

مولانا مرحومؒ مختلف تنظیموں، مکاتب، مدارس، فورم وغیرہ کے سرپرست وذمہ دار تھے، پیام انسانیت کے فورم سے مولانا نے پورے ہندوستان میں بڑے پیمانہ پر کام کیا جس کی تفصیل مرنے کے بعد لوگوں کو معلوم ہورہی ہے، کیرلا، تامل ناڈو، کرناٹک، مہاراسٹرا، ومغربی بنگال تک مولانا کا کام پھیل چکا تھا، مولانا کی وفات کے بعد لوگ دور دراز کا سفر کر کے آئے، یہاں تعزیت کی اور

مولانا کے کام پر روشنی ڈالی، مولانا کے کام کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ ایک صوفی منش انسان میرے علاقہ سے مولانا کی وفات کے بعد آئے جو مولانا کی سرپرستی میں کام کر رہے تھے، صرف ان کے ماتحت بستی سنت کبیر نگر اور سدھارتھ نگر میں دوسو سے زائد مکاتب چل رہے ہیں، اس طرح کے بے شمار لوگ آئے، اور مولانا سے اپنے قلبی لگاؤ اور محبت کا اظہار کیا، مولانا چھوٹوں سے ایسی محبت وشفقت کا اظہار کرتے تھے کہ ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ مولانا اسے سب سے زیادہ چاہتے ہیں، مولانا کے اندر ہمت افزائی اور (Motivation Power) بہت زیادہ تھا، ایک صاحب کو شگر کی بیماری ہوگئی، وہ بالکل نڈھال، غم سے ان کا برا حال، ہر کسی سے اپنی بیماری کا چرچہ اس انداز سے کرتے کہ ایسا لگتا کہ بس اب ان کا چل چلاؤ ہے، مولانا سے ملے مولانا نے انہیں ایسا سمجھایا، ایسی ہمت دلائی، بیماری کو ان کے سامنے ایسا ہیچ کر دکھایا کہ ان صاحب نے اس کو ایک ہلکی پھلکی بیماری سمجھا اور واقعی وہ اس کے بعد ایسے چنگے ہوگئے کہ ان کی بیماری تقریباً ختم ہوگئی اور عام معمول کی زندگی گذارنے لگے، حالانکہ مولانا خود شگر کے مریض تھے۔

آپ مرحومؒ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے خلیفۂ اجل اور ان کے بھائی کے پوتے تھے، اس لیے آپ خانوادہ علم اللہی کی تمام صفات کے حامل تھے، اس خاندان نے نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں اسلام کی بقاء وتحفظ کے لیے علمی اور عملی کوششیں کی ہیں، اس لیے مرحوم بھی خاندان کی علمی وعملی توارث پر قائم تھے، جو شمع حضرت مولانا علی میاںؒ نے پیام انسانیت کے نام سے جلائی تھی جس کی آج ضرورت کل سے زیادہ ہے، مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ نے نہ صرف اس شمع کو فروزاں رکھا بلکہ اس سے تمام قندیلیں روشن کیں، اور ہندوستان بھر میں دوش ناتواں پر اس ذمہ داری کو لے کر صفت جام پھرتے رہے۔

میانہ قد، بھری بھری داڑھی، پرنور چہرہ کے ساتھ مولانا وجیہ وشکیل تھے، مولانا بچپن ہی سے شریف، نیک طبع، ملنسار وخاکسار تھے، تواضع آپ کی خاص صفت تھی، آپ کے بچپن کے اساتذہ کا کہنا ہے کہ جو عمر بچوں کے کھیلنے، لڑنے، تفریح کرنے اور آپس میں دھول دھپا کرنے کی ہوتی ہے، اس میں بھی اکثر وبیشتر آپ کا شغف کسی نہ کسی کتاب سے رہتا، ''آپ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' کے مصداق تھے، آپ کا مزاج عزلت پسند تھا، لیکن کون سی عزلت ایسی عزلت کہ جس پر انجمن ناز کرے، اکیلا ہوں مگر آباد کردیتا ہوں ویرانہ'' کے مرادف براہیمی صفات کے مالک ﴿قانتاً للہ حنیفاً﴾ ان کی بزم میں رزم کا مزہ، وحدت میں جلوت کا لطف، خلوت میں سکینت کا نزول، حلقہ یاراں ریشم کی طرح نرم، حق وباطل اور توحید وشرک کی رزم گاہوں میں فولاد کی طرح سخت، نرم دم گفتگو، مومنین کی قرآنی صفات کے حامل۔

ہو حلقہ یاراں تو ریشم کی طرح نرم
رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

مولانا لا الہ الا اللہ کے اسرار ورموز سے واقف، قلندرانہ صفات کے ساتھ افتہائے حجازی کے مایۂ ناز ادیب تھے، آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے پندرہ روزہ عربی پرچہ ''الرائد'' کے سب اڈیٹر تھے، اور آپ اکثر اس میں اداریے اور مضامین لکھتے تھے، اسی طرح اردو میں بھی آپ کے مضامین آتے تھے، دین کی نصرت اسلامی رنگ وآہنگ، وحدت اسلامی، اسلامی تہذیب اور اس کی قدروں پر ان کے مضامین ہوتے تھے، زبان کوئی ہو ان پر یہی رنگ غالب رہتا، دین کو عام کرنے اور اس پر لوگوں کو جمانے کی ایک فکر تھی جو ان پر ہر وقت غالب رہتی، اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حضرت مولانا عبیداللہ حسنی ندویؒ
ایک ایسی شخصیت تھے جس کو صدیوں تک بھلایا نہیں جاسکتا، آپ کے کارنامے تاریخ اسلامی کا روشن باب ہے۔
محمد سیف
ہندی واردو کمپوزنگ وترجمے کے لیے رابطہ کریں۔
Mob.: 9369145465, 7860682925

داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی کے اوصاف وکمالات سے متعلق پیام عرفات

کے خصوصی اشاعت کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں۔

جدید ودلکش سونے چاندی کے زیورات کا حسین مرکز

ایم اختر انصاری صراف

(چھٹکؤ سنار کی پرانی دوکان)

کیپر گنج رائے بریلی Phone.: 9336001130 - 0535-2212021

داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی ہستی ہمارے لیے ایک مثال تھی، ان سے متعلق پیام عرفات کی خصوصی اشاعت کا ہم تہہ دل سے استقبال کرتے ہیں۔

منجانب

سید شہزاد احمد

S3G Net

Contact For:

Western Union Money Transfer

Tours & Travels,

& Passport Consultation

Mob.: 9838583152

اے داعی اسلام تجھ کو سلام

داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنیؒ ندویؒ جنھوں نے اپنی ساری زندگی اشاعت دین میں وقف کردی، جن کی زندگی کا مقصد برادران وطن میں اسلام کی حقانیت سے آگاہ کرانا تھا۔

عبداللہ جاوید

AJ Ply Hardware

Contact for :

Every Kind & type of Sunmica, Plywood and Hardware goods.

Near Masjid, Bulakhi Ganj,

Sabzi Mandi Raebareli

سید احمد شہید اکیڈمی کی مطبوعات

SAYYID AHMAD SHAHEED ACADEMY DARE ARAFAT, TAKIYA KALAN, RAEBARELI (Mob: 9918385097)

اردو مطبوعات

(۱) حدیث نبوی ﷺ — 150/-
از: علامہ عبدالحی حسنیؒ

(۲) قرآنی افادات — 250/-

(۳) سیرت رسول اکرم ﷺ — 200/-

(۴) رمضان المبارک اور اس کے تقاضے — 80/-

(۵) اسلام کے تین بنیادی عقائد — 80/-

(۶) مطالعہ حدیث کے اصول ومبادی — 30/-

(۷) مالیات کا اسلامی نظام — 30/-

(۸) میری علمی ومطالعاتی زندگی — 30/-

(۹) تذکرہ مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی — 80/-

(۱۰) علماء کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں — 110/-

(۱۱) مدارس اسلامیہ — 120/-

(۱۲) نظام تعلیم — 60/-

(۱۳) اسلام اور علم — 80/-

(۱۴) طالبان علوم نبوت (اول) — 140/-

(۱۵) طالبان علوم نبوت (دوم) — 100/-
از: حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

(۱۶) مکتوبات مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (اول) — 80/-

(۱۷) مکتوبات مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (دوم) — 150/-
مرتب: مولانا حمزہ حسنی ندوی

(۱۸) تاریخ تدوین حدیث — 110/-
از: علامہ عبدالرشید نعمانیؒ

(۱۹) خانوادۂ علم اللہی — 150/-

(۲۰) صادقین صادق پور — 55/-

(۲۱) مشہد بالاکوٹ — 18/-
از: مولانا محمد ثانی حسنیؒ

(۲۲) قرآن آپ سے مخاطب ہے — 40/-

(۲۳) تذکرۂ حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ — 70/-

(۲۴) جادۂ فکر وعمل — 60/-

(۲۵) انسانیت آج بھی اسی در کی محتاج ہے — 30/-
از: مولانا محمد الحسنیؒ

(۲۶) امت مسلمہ (رہبر اور مثالی امت) — 110/-
از: مولانا محمد رابع حسنی ندوی

(۲۷) تذکرہ مولانا کرامت علی جونپوریؒ — 35/-
از: مولانا مجیب اللہ ندویؒ

(۲۸) نیک صحبت کی ضرورت — 30/-
از: مولانا عبداللہ حسنی ندوی

(۲۹) حدیث کی روشنی — 40/-

(۳۰) سوانح مفکر اسلام — 300/-

(۳۱) حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی دعوت وفکر کے اہم پہلو — 200/-

(۳۲) اصلاح معاشرہ — 80/-
از: بلال عبدالحی حسنی ندوی

(۳۳) تجہیز وتکفین کتاب وسنت کی روشنی میں — 50/-

(۳۴) مسلکی اختلافات اور راہ اعتدال — 150/-
از: مفتی راشد حسین ندوی

(۳۵) سفر حج اور اس کے اثرات — 120/-
مترجم: مولانا عبیداللہ الاسعدی

(۳۶) امام شافعیؒ مجدد قرنی ثانی — 200/-
از: عبدالسبحان ناحد اندوی

عربی کتب

(۳۷) الغناء فی الإسلام — 65/-
علامہ عبدالحی حسنیؒ

(۳۸) إذا هبت ريح الإيمان — 130/-
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

(۳۹) شرح نزهة النظر فی شرح نخبة الفكر — 150/-
علامہ وجیہ الدین گجراتیؒ

(۴۰) مع الحقيقة — 80/-

(۴۱) أضواء على الطريق — 80/-
مولانا محمد الحسنیؒ

(۴۲) مبادی و أصول فی علم حديث الرسول ﷺ — 30/-
بلال عبدالحی حسنی ندوی

(۴۳) الفقه الميسر — 200/-
راشد حسین ندوی

انگریزی کتب

(44)The Economic Order In Islam Rs.60/-
(Translated By Ihsanil Haque Nadwi)
از: حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

(45)Muhammad The Last Prophet 170/
(Translated by Shah Ebadur Rahman)
از: حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

گوہر شب چراغ

محمد سمعان خلیفہ ندوی بھٹکلی (جامعہ اسلامیہ، بھٹکل)

لیجیے ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہوگئی، قافلۂ نیم جاں کو ایک اور دھچکہ لگ گیا، مہر وماہ نگاہوں سے اوجھل ہوئے، انجم چھپ گئے، آخر شب کا ستارہ بھی روشن ہو ہو کر ڈوب گیا؛ دہر کے ظلمت کدے میں تاریکی کی پرچھائی میں اندھیروں کی حکومت میں تجلّی کی مشعل لے کر جو چلا تھا اور امت مسلمہ نے بجا طور پر اس سے زبردست توقعات قائم کر رکھی تھیں اور ان توقعات پر وہ حتی المقدور پورا بھی اتر رہا تھا، مگر کاتب تقدیر نے اس کے لیے حیات مستعار کے جو لمحات مقرر کر رکھے تھے ان کو گزار کر اپنے پیچھے فیض یافتہ شاگردوں مریدوں کی ایک عظیم تعداد چھوڑ کر ان کے ہاتھ میں ایمان وعمل کی قندیل دے کر اور کارزار حیات میں انھیں آمادۂ سفر اور سرگرم عمل رکھ کر وہ اپنے ربّ غفور کے حضور پہنچ گیا؛ دنیا کی کلفت بھری زندگی کے استمرار کے بجائے ایمان وعمل اور اس کے لیے جہد مسلسل سے بھرپور زندگی کے ثمرات سے نوازنے کے لیے (مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ کے مصداق) ربّ کائنات نے اسے اپنے پاس بلالیا۔

ہر چند کے ہم نیازمندوں کے خیال میں گلشن میں ابھی اس بلبل خوش نوا کو اور چہکنا تھا، افق پر اس ماہتاب کو اور چمکنا دمکنا تھا، امت کے دلوں کی سرد انگیٹھیوں کو اور گرمانا تھا، مگر نوشتۂ تقدیر کو کون مٹا سکتا ہے؟ کاتب تقدیر کی حکمت ومصلحت کو کون جان سکتا ہے؟ فیصلۂ خداوندی کے آگے تسلیم ورضا کا مظاہرہ بندۂ مؤمن کو کرنا ہی ہے، خود اس کی ساری زندگی اسی تسلیم ورضا کی پیکر تھی، اسی عبدیت کی آئینہ دار تھی۔

بے شمار انسانوں کے دلوں میں محبت الٰہی کی جوت جگا کر، اللہ کے بے شمار بندوں کو ہدایت کا راستہ دکھا کر، اللہ سے ان کو ملا کر، نیکیوں کا مشتاق بنا کر، برائیوں سے نفرت کا انھیں عادی بنا کر، اور اللہ کے ساتھ بھی اس کے بندوں کے ساتھ بھی سچائی کا سبق انھیں سکھا کر وہ چلا گیا اپنے رب کے پاس؛ اپنی عمر بھر کی کمائی کا صلہ پانے کے لیے، جنات النعیم کی میراث پانے کے لیے، جس نبی کی اتباع میں عمر گھلا دی اس کی اور اس کے صحابہ نیز ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کی رفاقتوں کا لطف اٹھانے کے لیے۔

آنکھیں نمناک ہیں، دل غمناک ہے، مستفیدین اور متعلقین کے دلوں میں رنج والم کا ایک طوفان ہے جو آنکھوں کے راستے سے نکل نکل جاتا ہے اور اشکوں کی صورت میں ڈھل ڈھل جاتا ہے، کس زبان سے مخدوم ومربی مولانا عبد اللہ حسنی کو رحمۃ اللہ علیہ لکھیں؛ دل کسی طرح یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ اب اس عالم فانی میں آپ کا دیدار نہیں ہوگا، نگاہیں آپ کی دید کے لیے ترسیں گی؛ مے کشوں نے دُردِ تہہِ جام کی قدر نہیں کی اب ترسا کریں گے مگر وہ جام پلایا نہ جائے گا، البتہ نقشِ دوام فیض مٹایا بھی نہ جائے گا، پھر بھی وہ علمی نکات، وہ قرآنی لطائف، وہ معرفت کے اسرار ورموز، وہ دعوتی تجربات ومشاہدات اب کہاں سننے کو ملیں گے۔

آپ اسلاف کی یادگار تھے، اندھیروں کی نگری میں روشنی کا ایک مینار تھے، وہ مرد درویش تھے جس کو حق نے انداز خسروانہ عطا کیے تھے؛ ہوا کی تیزی اور تندی کے باوجود اور ماحول کی ناسازگاری کے باوجود صرصر وسموم کے جھکڑوں کے باوجود جس نے اپنا چراغ جلا رکھا تھا؛ وہی چراغ جس سے چراغ جلے، جو چراغوں سے جلا، سلسلہ چودہ سو سال پیچھے جا کر اس عظیم الشان ''سراجِ منیر'' پر منتہی ہوا جس کو خالق کائنات نے زندگی کی تاریکیوں میں زمانے کی اندھیریوں میں ہمیشہ ہمیش کے لیے ''سراجِ منیر'' اور ''بشیر ونذیر'' بنایا۔

اسی ''سراجِ منیر'' اور اسی ''ہادی بشیر ونذیر'' سے اسی رہبر انسانیت اور دانائے سبل ختم الرسل سے مستند طور پر آپ کا خاندانی

سلسلہ جا کر ملتا ہے، تاریخ کے مختلف ادوار میں سادات حسنی کے اس خانوادہ نے دین کے لیے جو قربانیاں دی ہیں اور اسلام کی جو خدمت کی ہے اور اس کے شجر کی جو آبیاری کی ہے وہ تاریخ کے صفحات پر روشن ہے۔ خود ہند کے غربت کدہ میں اسلام کے ان مسافروں نے جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں وہ اسلامیانِ ہند کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے اور ملت اسلامیہ ہندیہ کے لیے خود سرمایۂ افتخار ہے۔ بقول ایک بالغ نظر صاحب بصیرت فدائی دین وملت کے ''نہر کابل سے خلیج بنگال تک کی اسلامی تاریخ ناقص اور نامکمل سمجھی جائے گی اگر اس میں سادات حسنی کا ذکر نہ ہو جو نصیر آباد ضلع رائے بریلی میں آباد ہوئے اور وہاں سے دریائے سئی کے ساحل پر ایک کچی دیواروں کی مسجد اور ایک خس پوش مکان بنا کر قیام پذیر ہو گئے''۔

مؤرخ شہیر مولانا حکیم عبد الحی حسنیؒ اور ''فرشتہ صفت'' داعی اسلام مولانا ڈاکٹر عبد العلی حسنیؒ کے حفید سعید، حضرت مفکر اسلامؒ کے تربیت یافتہ اور محمد الحسنیؒ کے جانشین مولانا عبد اللہ حسنی ندویؒ زبان وبیان کے شہسوار بھی تھے، اقلیم ادب کے تاجدار بھی تھے، عابد شب بیدار بھی تھے، ملت کے بے لوث خدمت گزار بھی تھے، تبلیغ ودعوت اور امت کی اصلاح کے لیے بے چین وبے قرار بھی تھے، اسلام کے جاں باز سپاہی تھے، پیام انسانیت کے منادی تھے، کاروانِ ایمان وعزیمت کے راہی تھے، ملت کے لیے سرمایۂ نازش تھے، اس دور میں صلاح واصلاح، ایمان وعمل، اور اخلاق ومعاملات کی درستگی کے لیے امت کو عطا ہونے والا خداوندی عطیہ اور نوازش تھے۔

آپ مالک عقل سلیم تھے، صاحب فکر مستقیم تھے، سلالۂ کرام بررہ تھے، خلاصۂ ابرار واطہار تھے، متقی تھے پرہیز گار تھے، خاندان کی برکتوں، حضرت مفکر اسلامؒ کی فیض اثر صحبتوں، بقیۃ السلف علمائے ربانیین کے نور باطن، اور پھر ندوہ کے علمی، دینی، ادبی اور اصلاحی ماحول، اور ان سب سے قبل خود آپ کی سعادت، اور خیر کا اثر قبول کرنے والی طبیعت اور سلامتیِ فطرت نے آپ کی شخصیت کے گرد وہ خوب صورت ہالہ کھینچ دیا کہ آپ کی شخصیت کمالات کی آئینہ دار بن گئی، گویا ہر چشمۂ خیر سے آپ سیراب ہوئے، مختلف گلشنوں کے پھول جمع ہوئے اور پھر جو گلدستہ تیار ہوا اور شجر شجر مہکا وہ آپ کی شخصیت میں جلوہ نما ہوا، مختلف پھلوں سے جو رس نکلا اور شہد گل سے جو عطر کشید ہوا پھر عطر مجموعہ بنا وہ آپ کی ذات میں جمع ہو گیا اور آپ فکر ارجمند، زبانِ ہوشمند اور دل دردمند کے ترجمان بن گئے۔

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن آپ چیزے دیگر تھے، آپ باہمہ بھی تھے، بے ہمہ بھی تھے، شمع محفل کی طرح سب سے جدا بھی تھے سب کے رفیق بھی تھے، رزم ہو یا بزم ہو پاک دل وپاک باز بھی تھے، توحید خالص، پیروی کتاب وسنت، اتباع شریعت، دعوت الی اللہ اور اخلاص للہ آپ کی کتاب زندگی کے نمایاں ابواب تھے۔

مولانا کو اللہ نے سوزِ دروں عطا فرمایا تھا، امت کے لیے تڑپتے، اصلاح کی فکر میں کڑھتے، دین کی اشاعت کے لیے اپنے آپ کو گھلاتے، غیر مسلموں میں دعوت کا کام تو آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا اور سب سے زیادہ آپ کو اسی سے سکون ملتا تھا، اللہ کے بے شمار بندوں کو آپ کے ذریعے سے کفر کی ظلمت سے نکل کر ایمان کے نور میں آنا نصیب ہوا، مگر یہ سب اخلاص کی بنیاد پر تھا؛ اس لیے نہ اس کا کوئی شور تھا نہ شہرہ تھا اور نہ آپ شہرت اور اس کی تشہیر کو پسند فرماتے تھے، بلکہ اس تشہیر کو آپ حکمت کے خلاف بھی سمجھتے تھے، ہند کے ظلمت کدہ میں آپ کو نور ایمان کی بڑی تلاش اور جستجو تھی اور دعوتی تجربات اور مشاہدات کی بنیاد پر اس سے بڑے پر امید بھی تھے مگر نفرت کے جذبات کو بھڑکانے کے بجائے آپ کا پیغام پیغام محبت تھا اور اس کے لیے بھی آپ معتدل فضا کو قائم رکھنے کے داعی تھے، جس کی بنیاد پر آپ کو خورشیدِ ایمان کی شعاعیں نظر بھی آنے لگی تھیں بس اس کی چمک اور اس کی ضوفشانی کا آپ کو انتظار تھا۔

فکر ونظر میں بڑا اعتدال پایا تھا، خاندانی اثر اور ندوہ کی تربیت نے ایسا اثر چھوڑا تھا اور ایسا متوازن بنایا تھا جس کی مثال ملنی مشکل ہے اور جس کا اندازہ آپ سے قریب ہونے والے لوگ لگا سکتے تھے۔ ادھر ۸/۱۰ سالوں میں اللہ نے آپ کو بے پناہ مقبولیت سے نوازا، مگر اس کے باوجود تواضع اور خاکساری کے پیکر بنے رہے، فخر اور تعلّی کے جذبات اور احساسات سے دامان قلب ونگاہ کو پاک رکھا۔

مولانا کی مجلسوں سے فکر ونظر کو جلا ملتی تھی، روح کو بالیدگی ملتی تھی، دین کے لیے قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا تھا، دل کو سکون ملتا تھا؛ چاہے دل میں ہزار خیالات کا طوفان ہو ذہن پر وساوس کا ہجوم ہو مگر آپ کے دو بول دلوں کے طوفانوں کا رخ بدل دیتے تھے اور تسکین

قلب وجاں کا باعث بنتے تھے؛ ''لاکھ حکیم سر بجیب اک کلیم سر بکف'' کی حقیقت نظروں میں آتی تھی۔

فکر رسا کے ساتھ نطق سلیم بھی پایا تھا، بڑے بڑے حقائق کو چٹکیوں میں سمجھاتے، مثالوں کے بادشاہ تھے؛ روزمرہ کے مشاہدات سے وہ نتائج اخذ کرتے کہ عقلیں دنگ رہ جاتیں، دل بھی بڑا پاکیزہ پایا تھا؛ حسد، بغض، عداوت، غیبت اور کسی کے خلاف ماحول بنانے سے کوسوں دور تھے۔ عقیدہ کی اصلاح اور ایمانی زندگی کے قیام کی بڑی فکر دامن گیر رہتی، آپ کا دن بھی پاکیزہ تھا اور راتیں بھی باوضو تھیں، دن بندگان خدا کی اصلاح میں گزرتا اور راتیں خالق کے سامنے آہیں بھرنے میں اور گریہ وزاری میں بسر ہوتیں، سفر ہو یا حضر معمولات میں کبھی فرق نہ آتا تھا۔

دین کو اسی شکل میں باقی رکھنے کی جدوجہد آپ کی کتاب زندگی کا ایک روشن باب ہے جس شکل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے اور ان سے تابعین نے اور ان سے ان کے بعد آنے والے نیک طینت اسلاف کرام نے حاصل کرکے، اور مشکات نبوت سے استفادہ کرکے نسلاً بعد نسلٍ آنے والوں کے سپرد کردیا؛ اسلاف سے پائی ہوئی میراث سے ایک انچ ہٹنا بھی آپ کو گوارا نہ تھا البتہ اس کو زمانے کے لب ولہجے کے مطابق پیش کیا اور اس کی دعوت بھی دی، معاصر اسلوب میں زمانے کے ذہنوں کو اس سے مانوس کیا اور مقصد اور اصول کی تبدیلی کے بغیر صرف طریق کار اور اس کی شکلوں کی اس تبدیلی کے عمل کے لیے آپ کوشاں بھی رہے جو کہ صحیح معنوں میں اسلاف کی پیروی کا حق ہے اور ان کے خوابوں کی تعبیر بھی۔

مولانا نے افراد سازی کا ایک زبردست کارنامہ انجام دیا، آپ سے فیض پانے والوں کا ایک وسیع سلسلہ ہے جو زندگی کے مختلف میدانوں میں سرگرم عمل ہے، دعا ہے کہ مولانا کے جو خواب ادھورے رہ گئے ہیں جلد ان کو تعبیر مل جائے، اور آپ کے جانشین آپ کے چھوڑے ہوئے مشن کی تکمیل کریں، آمین۔ مولانا کی بہت یاد آئے گی، دل کے آئینے میں تصویر یار مدتوں رہے گی، جب بھی پیمانے گردش میں آئیں گے آپ کی یاد بے قرار کرے گی، جام وسبو مدتوں روئیں گے اور نرگس بھی اپنی بے نوری پہ ہزاروں سال روئے گی کہ جو دیدہ ور تھا نہ رہا:

ذهب الذين يعاش في أكنافهم

اللہ تعالیٰ امت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے، آپ کے درجات بلند فرمائے، آپ کی قبر پر نور کی بارش فرمائے، اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

علم یا جہالت

''ساری دنیا نے اس علم کو مال کے تابع بنادیا، اس لیے یہ علم وبال ہوگیا، ساری انسانیت کے لیے کلنک کا ٹیکا ہوگیا، اس وجہ سے جو علم سیکھ رہا ہے وہ آج نفع پہنچانے کے بجائے نقصان پہنچا رہا ہے، اس لیے ڈاکٹر کچھ تو ڈاکٹر بن جاتے ہیں مگر بہت سے ڈاکٹر ڈاکو بن جاتے ہیں، ان کے پاس علم تو ہے لیکن گردہ نکال کر بیچنے کا علم ہے، علم ہے لیکن راکٹ بنا کر انسانوں کو ہلاک کرنے کا علم ہے، علم ہے لیکن زہریلی گیس بنا کر چھوڑنے اور انسانوں کو تباہ کرنے کا، تو حقیقۃً وہ علم نہیں بڑے درجہ کی جہالت ہے اور بڑے بڑے اس علم کو جاننے والے ٹھیکیدار موجود ہیں لیکن وہ دنیا کے اتنے بڑے جاہل ہیں کہ شاید پوری تاریخ انسانی میں اتنے بڑے جاہل کبھی پیدا نہ ہوئے، کیونکہ یہ علم مال کے تابع ہے۔''

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندوی رحمہ اللہ

اک ترے جانے سے کیا بتلاؤں کیا کیا ہو گیا

شاہ اجمل فاروق ندوی (جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ)

۳۰ر جنوری ۲۰۱۳م کو فجر کے بعد ہم جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں پڑھنے والے ہندستان اور پاکستان کے چالیس طلبہ سعودی عرب کے قرآنی وتاریخی مقامات کی زیارت کے لیے نکلے۔ سفر کافی لمبا تھا۔ ہمیں خیبر، تبوک، مدائن صالح اور مدین ہوتے ہوئے سعودی۔ اردن سرحد تک جانا تھا۔ اس سفر کے آغاز پر ہم سب نہایت مسرور اور مگن تھے۔ بات چیت، ہنسی مزاق اور شعروشاعری کا دور جاری تھا۔ اسی درمیان دہلی سے میری اہلیہ کا پیغام آیا۔ ''مولانا عبداللہ حسنی صاحب کا انتقال ہو گیا۔'' ذہن نے کام کرنا بند کر دیا۔ چاروں طرف شور شرابے کے باوجود ایک سناٹا سا چھا گیا۔ موصولہ پیغام کو کئی مرتبہ پڑھا۔ اس امید پر کہ شاید مجھ سے پڑھنے یا سمجھنے میں کوئی غلطی ہو گئی ہو۔ لیکن پیغام وہی تھا جو میں پہلی مرتبہ پڑھ اور سمجھ چکا تھا۔ کافی دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ کسی کو بتانے کی ہمت نہ ہوئی۔ آخر کار بڑی ہمت جٹا کر دوستوں کو یہ لرزہ خیز خبر سنا ہی دی۔ سب نے سخت تأثر لیا اور ہم سب پر ایک سکوت طاری ہو گیا۔ کچھ دیر بعد دوستوں کے کہنے پر میں نے بس کے مائک پر مولانا کا مختصر تعارف کرایا اور پاکستانی احباب کو بھی اس حادثے کی اطلاع دی۔ پوری بس نے قرآن کریم کی تلاوت کر کے ایصال ثواب کیا اور دعا کی۔ اس کے بعد میں سب سے کٹ کر کھڑکی کی ایک سیٹ پر بیٹھ گیا۔ دہلی، لکھنؤ، رائے بریلی اور دوسرے مقامات پر مولانا کی صحبت میں گزرے ہوئے لمحات یاد آنے لگے۔ مختلف ناحیوں سے مولانا کا سراپا نگاہوں کے سامنے گردش کرنے لگا۔ کبھی چلتے ہوئے، کبھی بیٹھے ہوئے، کبھی تنہائی میں آرام کرتے ہوئے، کبھی لوگوں کے درمیان گھرے ہوئے، کبھی مسکراتے ہوئے اور کبھی جذباتی انداز میں تقریر کرتے ہوئے۔ بار بار مخدوم ومربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا خیال آتا کہ اُن پر کیا قیامت گزری ہوگی۔ کبھی مولانا کی اہلیہ محترمہ (صاحب زادی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی) اور صاحب زادے کا خیال تڑپا کر رکھ دیتا۔ تو کبھی مادر علمی ندوۃ العلماء کے اساتذہ، طلبہ اور مولانا کے ہزاروں مریدین، تلامذہ و معتقدین کی گھبراہٹ اور پریشانی دل پر تیشہ چلانے لگتی۔ وطن سے دور سنسان اور وسیع وعریض صحراؤں سے گزرتے ہوئے میں کر بھی کیا سکتا تھا؟ اب اس سفر کی خوشی غم میں تبدیل ہو چکی تھی۔ جسم مذکورہ تاریخی مقامات سے تو گزرتا رہا، لیکن روح، دل اور دماغ لکھنؤ اور رائے بریلی میں تھے۔ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا ؎

اُن کو جاتے ہوئے تو دیکھا تھا
پھر بصارت نے ساتھ چھوڑ دیا

۲۳ر نومبر ۲۰۱۰م کو دارالمعارف الٰہ آباد میں عالمی رابطۂ ادب اسلامی کی برصغیر شاخ کا یک روزہ سمی نار منعقد ہوا۔ رات میں اختتامی اور عوامی نشست تھی۔ اس نشست کی نظامت استاد گرامی قدر مولانا نذر الحفیظ ندوی فرما رہے تھے۔ مولانا نے کئی مقررین کے بعد فرمایا ''اب میں خانوادۂ علم اللہی کے نیر تاباں حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی سے گزارش کر رہا ہوں کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔'' استاد گرامی کی زبان سے نکلے ہوئے یہ کلمات مولانا سید عبداللہ محمد حسنی ندوی کے مقام ومرتبے کے نہایت جامع ترجمان تھے۔ مولانا ایک طرف مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے منظور نظر اور چہیتے، ملت اسلامیہ ہندیہ کے قائد ورہنما مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور دوسرے متعدد بزرگوں کی امیدوں کا مرکز تھے۔ تو دوسری طرف ہم جیسے ہزاروں طلبہ ومعتقدین کے لیے دینی، دعوتی، علمی وتعلیمی مسائل کی تپش میں سائبان کی حیثیت رکھتے تھے۔ مولانا چاہے ندوے کے تعلیمی اوقات میں ایک درجے سے دوسرے درجے تک جا رہے ہوں، خواہ الرائد کے دفتر میں بیٹھے ہوں، خواہ

لکھنؤ میں اپنی رہائش گاہ ''خاتون منزل'' میں ہوں یا تکیہ کلاں، رائے بریلی میں، وہ جہاں بھی ہوتے مدارس کے اساتذہ، طلبہ اور اداروں کے ذمے داران سے گھرے رہتے۔ ہر شخص اُن سے اپنے مسائل کہتا اور اُن مسائل کا مناسب حل لے کر خوش وخرم لوٹتا۔ انکسار وتواضع، علمی انشغال، جرأت وبے باکی، اصلاح وتربیت، اعتدال وتوازن جیسی وہ اعلیٰ صفات، جو خانوادۂ علم اللہی کا امتیاز رہی ہیں، وہ سب کی سب مولانا میں پورے طور پر موجود تھیں۔ اپنے اِن مثالی اوصاف اور مختلف ومسلسل سرگرمیوں کی وجہ سے وہ واقعتاً پورے خانوادۂ علم اللہی کے لیے ''نیر تاباں'' کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ ایک ایسا سورج جس کی تابانی آہستہ آہستہ ملک کے گوشے گوشے تک پہنچتی جارہی تھی۔ ہر شخص محسوس کر رہا تھا کہ یہ تابانی بڑھتے بڑھتے ایک عالم کو مستفید کرنے والی ہے۔ لیکن مرضی رب کا علم کسی کو نہ تھا۔

مولانا سید عبداللہ محمد حسنی ندوی نے کم وقت میں زیادہ کام کیا۔ اس طرح انہوں نے امام نووی، حضرت سید احمد شہید، علامہ عبدالحی فرنگی محلی اور خود اپنے والد محترم مولانا سید محمد حسنی کی قائم کردہ روایت کو آگے بڑھایا۔ ان کی خدمات بہ یک وقت تین میدانوں میں جاری تھیں۔ (۱) تدریس، (۲) اصلاح وتربیت (۳) دعوت۔

تدریس: مولانا ابتداء ہی سے عالمی دانش گاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مدرس رہے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ہی ندوے نے ان کی خدمات حاصل کیں اور انہوں نے اپنی پوری زندگی ندوے کے لیے وقف کر دی۔ اِن دنوں مولانا حدیث کی اعلیٰ کتابیں پڑھاتے تھے۔ حدیث نبوی کا غایت درجہ احترام، ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت ومحبت، عقیدۂ توحید اور سنن نبوی کا حد درجہ اہتمام اور روح حدیث سے مناسبت کی وجہ سے مولانا کے دروس بہت پر اثر ہوتے تھے۔ مولانا دوران درس علمی گفتگو کے ساتھ ساتھ حدیث کے اصلاحی پہلو پر بھی توجہ دلاتے تھے۔ رمضان کے مہینے میں دائرہ شاہ علم اللہ کی مسجد میں بھی دروس حدیث کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ وہاں علماء، مختلف سرکاری وغیر سرکاری عہدوں کے مالک، دیہاتی عوام، نومسلم حضرات اور نہ جانے کس کس ماحول اور مزاج کے لوگ ہوتے تھے۔ لیکن مولانا کے دروس میں سب ہی یکسوئی کے ساتھ بیٹھے رہتے اور اثر لیتے۔

ادھر کچھ عرصے سے ندوے میں امام ولی اللہ دہلوی کی بے نظیر کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کی تدریس بھی مولانا کے ذمے ہو گئی تھی۔ برصغیر ہند وپاک میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمی حجۃ اللہ کے ماہر (Specialist) کی حیثیت سے معروف تھے۔ اُن کے بعد جہاں جہاں ان کے تلامذہ رہے، اس کتاب کی تدریس میں ممتاز رہے۔ ندوۃ العلماء میں طویل عرصے تک استاد عالی مقام مولانا برہان الدین سنبھلی اس کتاب کے علوم سے طلبہ کو سیراب کرتے رہے۔ وہ بھی حکیم الاسلام کے خصوصی فیض یافتہ ہیں۔ اُن کی سخت علالت کے بعد ہی یہ کتاب مولانا عبداللہ صاحب کو ملی تھی۔ معلوم نہیں کہ مولانا نے اس کا کتنا حصہ پڑھایا اور کسی طالب علم نے ان دروس کو یک جا کیا یا نہیں۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ مولانا کو اس کتاب سے مزاجی طور پر مناسبت تھی۔ حکماء اسلام اور صوفیاء کرام کی کتابوں اور ملفوظات کے مطالعے نے مولانا کے مزاج میں عجیب نکتہ آفرینی پیدا کر دی تھی۔ وہ عام گفتگو، دروس اور تقاریر میں بڑے ہلکے پھلکے انداز میں کوئی ایسا نکتہ بیان کر دیتے تھے کہ سننے والے تڑپ اٹھتے اور بے حد متاثر ہوتے۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں بل کہ انٹرنیٹ، کیسٹس اور تحریری شکل میں موجود مولانا کے دروس و تقاریر کے ذریعے بہ آسانی اِن پُر حکمت اقوال اور نکات تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس نکتہ آفرینی کے ساتھ ساتھ عربی زبان و ادب سے گہری واقفیت بھی حجۃ اللہ کے متن کی تفہیم میں مولانا کی معاون ہوتی تھی۔ جس سال یہ کتاب مولانا کو ملی، اُس سال رمضان میں تکیہ کلاں میں دوران اعتکاف مولانا ظہر کے بعد اپنے حجرے میں حجۃ اللہ پڑھاتے تھے۔ مجھے بھی ان دروس میں شرکت کا موقع ملا۔ اگرچہ کتاب کی ضخامت کے لحاظ سے یہ تدریس نا کے برابر رہی، لیکن نسبت اور برکت کے لیے تو یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہم نے حجۃ اللہ کے چند مقامات کو مولانا سے سمجھا ہے۔

درس خواہ کسی کتاب کا بھی ہو، اپنی دوسری سرگرمیوں کے ساتھ مولانا مطالعے کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ عصر بعد خاتون منزل میں مولانا کی مجلس لگتی اور مغرب بعد مولانا تنہائی میں مطالعے میں مشغول ہوجاتے۔ میں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ مغرب بعد کسی طالب علم نے بغیر کسی اہم بات کے مولانا کی خدمت میں رکنا چاہا، لیکن

مولانا نے قدرے ناراضی کے ساتھ اُسے پڑھنے کی تلقین کی اور روانہ کردیا۔ مسلسل اسفار بھی مولانا کی زندگی کا حصہ بن گئے تھے۔ اسفار کی ترتیب بھی مولانا اس طرح دینے کی کوشش کرتے کہ درس کا کم سے کم نقصان ہو۔ طلبہ کے ساتھ ہمیشہ شفقت کا معاملہ فرماتے۔ البتہ یہ شفقت کبھی مداہنت کا رخ اختیار نہ کرتی۔ کوئی بات خلاف شرع دیکھتے یا سنتے تو سختی کے ساتھ ٹوکتے اور اصلاح کے لیے ابھارتے۔

اصلاح و تربیت : مولانا کی اصلاحی و تربیتی خدمات کا دائرہ بھی بہت وسعت اختیار کرگیا تھا۔ ملک بھر میں نہ جانے کتنے دینی وملّی ادارے مولانا کی سرپرستی میں چل رہے تھے۔ حضرت مفکر اسلام کے خلیفۂ مجاز ہونے کی حیثیت سے نہ جانے کتنے لوگ مولانا سے اصلاحی تعلق قائم کیے ہوئے تھے اور اُن کی رہ نمائی میں راہ سلوک کے منازل طے کررہے تھے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مولانا کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے والے علماء کی تعداد عوام کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہے۔ عوام تو بشارت آمیز خواب اور کشف و کرامات کے اشتہار سے بھی متاثر ہوجاتے ہیں اور گورکھ دھندا دکھانے والوں کو بھی اپنی عقیدتوں کا مرکز بنالیتے ہیں۔ لیکن علماء اور فارغین مدارس کا کسی سے متاثر ہونا اور اس کے سامنے اپنی کوتاہیوں کا اقرار کرکے خود کو اصلاح کے لیے اس کے سپرد کردینا انتہائی درجے کی ثقاہت و اعتماد کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ مقبولیت و محبوبیت مولانا کے اخلاص اور سوز و گداز کی دلیل بھی ہے اور مقبول عنداللہ ہونے کا واضح ثبوت بھی۔ امت کی اصلاح کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے علماء کرام اور مدارس اسلامیہ میں پائی جانے والی بعض کوتاہیوں کی طرف بہت اہتمام کے ساتھ اور سخت الفاظ میں متوجہ کرتے۔ علماء میں استغناء، اعتدال اور للہیت کو فرض کے درجے میں رکھتے تھے۔ کسی میں ان تینوں صفات کے منافی کوئی چیز نظر آتی تو کسی مصلحت کا شکار ہوئے بغیر فوراً سختی کے ساتھ تنبیہ کرتے۔ اس سلسلے کے کئی واقعات بہ طور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں۔

اصلاح و تربیت کے میدان میں مولانا نے تقریر و تحریر دونوں کو استعمال کیا۔ البتہ تحریری میدان میں عربی کا حصہ اردو سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ مولانا کو مزاجی طور پر تصنیف و تالیف سے مناسبت نہیں تھی۔ وہ میدان عمل میں اتر کر کام کرنے (Field Work) پر زیادہ یقین رکھتے تھے۔ لیکن چوں کہ ندوۃ العلماء سے نکلنے والے جریدے "الرائد" کے مدیر تھے، اس لیے اس میں مسلسل لکھتے رہنا اُن کے لیے ضروری تھا۔ مولانا کی ان عربی تحریروں سے ملک و بیرون ملک کے افراد اور خاص طور پر ہندستان کے دینی مدارس کے طلبہ مستفید ہوتے تھے۔ ان مضامین کو بھی مولانا نے تربیتی تحریری دروس کی حیثیت سے استعمال کیا۔ اصلاحی و تربیتی موضوعات، شائستہ انداز بیان اور عام فہم عبارتیں۔ پڑھنے والا ادب و انشاء کا بھی لطف لیتا اور حسب توفیق درس و موعظت بھی حاصل کرتا۔ نہ جانے کتنے طلبہ نے ان مضامین کے ذریعے عربی لکھنا، بولنا سیکھا ہوگا۔

تحریر کے علاوہ تقریری میدان میں بھی مولانا نے یادگار نقوش چھوڑے ہیں۔ مولانا کوئی پیشہ ور یا شعلہ بیان مقرر نہ تھے۔ نہ ہی کئی کئی گھنٹوں کی ہنگامہ خیز خطابت یا مناظراتی گفتگو سے سامعین کے ذہن و دماغ کو بوجھل کرتے تھے۔ بل کہ اپنی باریک آواز میں بڑی نزاکت کے ساتھ باوقار انداز میں گفتگو کرتے۔ دوران تقریر عام طور پر مکتوبات امام ربانی کے حوالے دیتے اور حضرت سید احمد شہید کے قافلے کا تذکرہ کرتے۔ اپنے چھوٹے دادا مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا ذکر کرتے تو بڑی عقیدت کے ساتھ کہتے "ہمارے حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے۔" بیسویں صدی کے ہندستانی علماء میں شاہ فضل رحماں گنج مرادآبادی کی اتباع سنت اور مولانا رشید احمد گنگوہی کی عقیدۂ توحید سے حد درجہ وابستگی کے واقعات بھی اہتمام کے ساتھ سناتے چلتے۔

حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی کے بہت زیادہ قدرداں تھے۔ اُن کا اور اُن کے سلسلے کے دوسرے بزرگوں کا تذکرہ بھی کرتے تھے اور ان کے مواعظ و ملفوظات اپنی مجلس میں پڑھوا کر سنتے بھی تھے۔ دوران تقریر خلاف شرع باتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کبھی کبھی خلاف معمول بہت بلند آواز میں گفتگو کرنے لگتے۔ جس سے پوری محفل پر ہیبت سی طاری ہوجاتی اور کوئی شخص بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ یہ صرف مولانا کا اخلاص اور درد دل تھا، جو اُن کی سادہ سی تقریروں میں بلا کی تاثیر اور کشش پیدا کردیتا تھا۔ ۲۰۰۷ء میں جامعہ خیر النساء (للبنات) نئی دہلی (جس کے ناظم اعلیٰ خود مولانا

تھے) کے اولین جلسۂ تقسیم اسناد میں کی گئی تقریر کو آج تک بہت سے ایسے لوگ بھی یاد کرتے ہیں، جو سلف وخلف سب سے شاکی رہتے ہیں اور کسی کو کچھ نہیں گردانتے۔

دعوت: مولانا سید عبداللہ محمد حسنی ندوی کی زندگی کا سب سے روشن پہلو غیر مسلموں میں دعوت کا پہلو ہے۔ مولانا نے بڑی سادگی اور خاموشی کے ساتھ غیر مسلموں میں دعوت کا کام شروع کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں برکت عطا فرمائی اور آہستہ آہستہ مولانا نے دعوتی کام کرنے والوں کی ایک ٹیم اور پورا نظام قائم کردیا۔ شاید اس سے پہلے ندوۃ العلماء کے اسٹیج سے غیر مسلموں میں دعوت کا کام اتنے منظم انداز میں نہیں ہوا تھا۔ مولانا کی زندگی کا یہ ایسا تابناک پہلو ہے جو انہیں تقریباً سوا صدی پر محیط ابنائے ندوہ کی مختلف النوع خدمات میں بالکل ممتاز ومنفرد مقام عطا کرتا ہے۔ مولانا کو اس کام کی فکر کیوں ہوئی؟ انہوں نے یہ کام کس طرح شروع کیا؟ کیا کیا مسائل پیش آئے؟ کس حد تک کامیابیاں حاصل ہوئیں؟ اُن کا طریقۂ دعوت کیا تھا؟ ان تمام سوالوں کے جواب کے لیے ایک مفصل مضمون درکار ہے۔ اِن سوالوں کا مفصل جواب اس لیے بھی ضروری ہے کہ وہ جس کام کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں، وہ کام کسی طرح کم زور نہ پڑے۔ بل کہ مزید ترقی کرتا جائے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ مولانا نے اپنے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے والوں کی گنتی بڑھانے، اسلام پر کلی اطمینان کے بغیر کلمہ پڑھا دینے، قبول اسلام کے بعد اُن کو شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دینے یا مدعو کے ناراض ہوجانے کے ڈر سے کفر وشرک کی مضرت بیان نہ کرنے، قرآن اور وید وغیرہ میں بے تکی یکسانیت تلاش کرنے اور اِن جیسی دوسری غیر اسلامی یا غیر نبوی باتوں کا سہارا نہیں لیا۔ انہوں نے جو بھی کیا قرآنی اصولوں کی روشنی میں کیا۔ نبوی طریقے پر کیا۔ رضائے امت کے لیے نہیں، رضائے الٰہی کے لیے کیا۔ شور شرابے اور پروپیگنڈے کے بغیر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر ندوے کے طلبہ اور مولانا سے ملنے جلنے والے اکثر افراد کو بھی نہیں معلوم تھا کہ مولانا نے غیر مسلموں میں دعوت کا ایک مضبوط نیٹ ورک تیار کر رکھا ہے۔ جو ملک بھر میں بڑی یکسوئی کے ساتھ کارِ دعوت میں مشغول ہے اور بے شمار لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بن رہا ہے۔

مولانا کی زندگی کے یہ تین گوشے وہ ہیں، جو عملی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ورنہ اُن کی ذاتی زندگی کے کئی ایسے جلی عنوانات ہیں، جنہیں ہر مسلمان اور خاص طور پر ہر عالم دین کا طرۂ امتیاز ہونا چاہیے۔ ایسے کئی اوصاف ہیں، جو خواص کے طبقے میں کم ہی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ لوگ مختلف مصلحتوں کی وجہ سے اُن سے بچتے ہیں۔ لیکن مولانا کسی مصلحت کا شکار ہوئے بغیر ان چیزوں کو پوری مضبوطی کے ساتھ اختیار کیے ہوئے تھے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مولانا کے اچانک حادثۂ وفات سے خدمت اسلام کے کئی گوشے متاثر ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ رحمان ورحیم سے امید ہے کہ وہ ہمارے مولانا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا اور ہر میدان میں ان کی چھوڑی ہوئی جگہ پُر کرنے کے لیے مناسب افراد کا انتظام بھی فرمائے گا۔

چاندنی افسردہ، گل بے رنگ و بو، نغمے اداس
اک ترے جانے سے کیا بتلاؤں کیا کیا ہوگیا

داعی جلیل کی رحلت

داعی جلیل حضرت مولانا سید عبداللہ محمد الحسنی ندویؒ کی رحلت سے دینی، علمی واصلاحی حلقوں کا ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔

ہم ''پیام عرفات'' کے ذریعہ حضرت مولاناؒ کے دینی ودعوتی مشن کو فروغ دینے کی اپیل کرتے ہیں۔

منجانب

(مولانا) محمد صادق ایوب ندوی وارا کین کمیٹی

مدرسہ اسلامیہ قاسم العلوم

(ملحقہ فیض العلوم بوڑیہ)

بی بی پور مکارمپور، پوسٹ عمادلپور، ضلع یمنا نگر، ہریانہ

دلِ گرمے، نگاہِ پاک بینے، جانِ بیتابے

محمد اعظم ندوی (المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد)

حسنی قطبی خانوادہ کے نامور چشم و چراغ، پیکر اخلاص، مجسّم عمل پیہم، سراپا صدق وصفا، نقیب دعوت وارشاد، مرشد روحانی، عالم ربانی استاذ گرامی حضرت مولانا سید عبداللہ محمد الحسنی ندوی استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء، ومدیر تحریر پندرہ روزہ "الرائد" ۳۰/جنوری ۲۰۱۳ء کی صبح اپنے افراد خاندان، بڑے بزرگوں، اساتذہ وتلامذہ، عقیدت مندوں، جانثاروں اور مریدین و مسترشدین سب کو داغ مفارقت دے کر آخری سفر پر روانہ ہوئے، اکلوتا فرزند ارجمند، جان پدر "محمد" زبان حال سے کہتا رہا: "واکرب أباہ" (ہائے بابا کی بے چینی)، لیکن جانے والے نے یہ کہہ کر آنکھیں موندلیں کہ: "لیس علی أبیك کرب بعد الیوم" (تیرے بابا کی یہ آخری مصیبت ہے)، اس مرگ ناگہانی سے جو زخم لگا ہے وہ دیر اور بہت دیر سے بھرے گا، اور کیوں نہ ہو! ہمارے مولانا صرف اپنی ذات کے لیے نہیں، اوروں کے لیے بھی جینے کا حوصلہ رکھتے تھے، امت کی زبوں حالی پہ روتے تھے، انسانیت کے غمگسار، اور زاہد شب زندہ دار تھے، انہوں نے اپنے آئینۂ دل کو بچا بچا کر نہ رکھا، اسے ٹوٹنے دیا، اور آئینہ ساز کی نگاہ میں عزیز تر ہوتے گئے، ماتم ونوحہ اور نالہ وشیون کی اجازت نہیں، مرثیہ کا فن ہماری دسترس سے باہر، مغنی بھی نہیں کہ کسی بربط پر ساز دل چھیڑوں اور فضائے بیکراں کو اپنے غم انگیز نغموں سے آباد کروں، بس یہی دو چار دانے حاصل کشت محبت ہیں جو ان سطور میں بکھیرنے کی کوشش ہے ۔

یہی دو چار دانے حاصلِ کشتِ محبت ہیں
نہیں اشکِ مسلسل!! بالیاں ہیں خرمنِ دل کی

ماضی کے دھندلکوں میں جھانکتا ہوں تو صاف نظر آتا ہے کہ مولانا سے ۱۶-۱۷ سال پہلے واقفیت ہوئی، اور اسے واقفیت کیا کہیں گے، بس جانتا تھا، تکیہ کلاں میں دیکھتا تھا، مولانا ہمارے لیے دور کا جلوہ تھے، کبھی کبھی مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور میں جہاں میں نیا نیا طالب علم تھا مولانا کی تقریر ہوتی تھی تو آدھی ادھوری سمجھ لیتا تھا، اسی زمانہ میں مدرسہ فلاح المسلمین تیندوا کے سالانہ جلسہ میں مولانا کی ایک بڑی جوشیلی تقریر سنی، اس دن ہم طلبہ میں یہ چرچا ہوتا رہا کہ مولانا بہت اچھے مقرر ہیں، چونکہ تقریر ہم لوگوں کے نزدیک وہی تھی جو شعلہ نوائی کی تصویر ہو، خواہ اس کا مدعا اپنی سمجھ سے بالاتر ہو، حالانکہ تقریر تو ہمیشہ ہی مولانا کی پرمغز اور پردرد ہوتی تھی، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اپنی تعلیم کے دوران بارہا مولانا کے محاضرات سنے، اصلاحی تقریریں سنیں، اہم نکات قلمبند کیے، آپ کی نصیحتوں کا دل نے ایک خاموش اور دزدیدہ اثر قبول کیا، رفتہ رفتہ مولانا سے خصوصی ملاقاتوں کا موقع ملنے لگا، ان کا دروازہ تو کسی کے لیے بند نہ تھا، اصحاب سیر بہت سی شخصیات کی خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "کان لا یغلق بابه علی أحد" (ان کا دروازہ کسی کے لیے بند نہ تھا) یہ صفت ہمارے مولانا پہ حرف بہ حرف صادق آتی ہے، اس لیے کسی واسطہ اور وسیلہ کے بغیر مولانا سے تعارف ہوا، بہت سے اہم امور میں مشورہ لینے لگا، ہمیشہ فراخدلانہ اور بصیرت مندانہ مشورہ دیتے، کبھی یہ احساس نہ ہوا کہ جلدی میں ٹال گئے یا خاصان خاص میں نہ ہونے کی وجہ سے نظر انداز کردیا، فضیلت دوم میں اپنے ساتھیوں کی نمائندگی کرتے ہوئے الوداعی مقالہ پیش کرنے کے لیے قرعۂ فال میرے ہی نام نکلا تھا، اور الوداعی نظم میں نے شوقیہ کہی تھی، اس بزم میں مولانا بھی تشریف رکھتے تھے، بڑی شاباشی دی تھی، اور حوصلہ افزا کلمات کہے تھے، جب میں تدریب

افتاء میں تھا اس سال بھی اکثر عصر بعد کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا جو عصر کے بعد مولانا کے گھر پر ہی ہوتی تھی، حضرت مولاناؒ کی ''پرانے چراغ''، مولانا عبدالباری ندویؒ کا فلسفۂ اسلام پر مشہور رسالہ، متعدد بزرگوں کے ملفوظات اور بہت کچھ مولانا کی اس مجلس میں سننے کی سعادت حاصل ہوئی، مولانا مجلس میں متبسمانہ خاموشی کے ساتھ جلوہ گر ہوتے، اور کسی سوچ میں گم ۔

انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو
شمعِ محفل کی طرح سب سے جدا، سب کا رفیق

مجلس کا رنگ تو "کان علی رؤسهم الطیر" کا ہوتا تھا، لیکن کتاب کی خواندگی کے بعد مولانا کبھی کسی کے استفسار پر اور کبھی اپنے طور پر بڑے اہم اصلاحی نکات بیان فرماتے، اور بہت سے مفید علمی مشوروں سے بھی نوازتے، ایک مرتبہ ندوہ کے ایک نومنتخب استاذ سے پوچھا: آپ مولانا گیلانی کو پڑھتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ''تدوین حدیث'' پڑھی ہے، مولانا نے فرمایا: ابھی وقت ہے، مولانا گیلانی اور دریا آبادی کی ہر تحریر پڑھئے، ان انوکھی اور البیلی تحریروں میں وہ لعل وگہر مل جائیں گے جو بسا اوقات کہیں اور مشکل سے ملیں گے، بعد میں اپنے اختصاصی موضوع سے ہٹ کر پڑھنے کا موقع کم ملتا ہے، فن مقاصد شریعت کے دور جدید کے امام اور مفکر محمد طاہر بن عاشور تیونسی (ت:۱۹۷۳ء) کی تفسیر "التحریر والتنویر" کی بڑی تعریف فرماتے تھے، مولانا کے دار المطالعہ میں وہ سب سے اوپر رکھی رہتی تھی، حقیقت یہ ہے کہ چند لمحے جوان کی معیت میں بسر ہوتے ایک عرصہ تک مجھے سرشار رکھتے، اور ہمیشہ یہ پیغام دیتے کہ ۔

یا سراپا نالہ بن جا، یا نوا پیدا نہ کر

تعلیم سے رسمی فراغت کے بعد بھی مولانا سے خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا، مولانا نے جواب میں ہمیشہ تفصیلی عنایت نامے سے سرفراز کیا، مولانا کے خطوط سے از سر نو زندگی کو مرتب کرنے کی امید جاگ اٹھتی، اور امنگوں کے دیپ جلتے، یہ حقیقت ہے کہ کسی کی زبان یا قلم سے کام کا جذبہ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب مشورہ دینے والا خود بھی جذبۂ عمل سے سرشار ہو، اس کے ذہن میں ہر ایک کو کارآمد بنانے کے منصوبے ہوں، مولانا کے ہر مشورہ سے اس کا اندازہ ہوتا تھا، ایک مرتبہ مولانا سے امامت کی ایک جگہ کے سلسلہ میں مشورہ کیا، اس میں کچھ سیاسی ذہانت کی بھی ضرورت تھی، مولانا نے صاف صاف دوٹوک لفظوں میں مشورہ دیا بلکہ حکم فرمایا، میرا تردد اسی وقت ختم ہوا، اور ایک فیصلہ کر لینے میں مدد ملی، اپنی ٹوٹی پھوٹی علمی وقلمی وابستگی میں مولانا کے اس فیصلہ کن موقف کو سنگ میل سمجھتا ہوں، ورنہ مشیخت آتے دیر نہیں لگتی، دبے پاؤں آتی ہے، اور اعصاب پہ چھا جاتی ہے۔

ہمارے مولانا حسنی قطبی خاندان کے اس دور کی آبرو، اور اپنے بزرگوں کے مرکز امید تھے، اپنے دادا جان ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ کی دعاؤں کا ثمرہ، چھوٹے دادا جان حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ''عزیز القدر'' اور ''نور چشم''، اپنے والد ماجد مولانا محمد الحسنیؒ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور، سالار کارواں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ کے برادر زادہ اور داماد تھے ۔

میرا ممدوح امیر ابن امیر ابن امیر

حضرت مولانا علی میاںؒ کے خصوصی تربیت یافتہ اور تلمیذ تھے، ان کے ساتھ کثرت سے آپ کے سفر بھی ہوئے، مہدیٔ مزعوم عبداللہ القحطانی اور اس کے حواریوں نے جب حرم مکی پر پانچ دنوں تک قبضہ کر رکھا تھا، اس وقت خانۂ کعبہ کا طواف اور حرم کی عبادتیں سب روک دی گئی تھیں، اس موقع سے مولانا حضرت مولانا کے ساتھ عمرہ کے پہلے سفر پر گئے تھے، لیکن اس ناشدنی واقعہ کی وجہ سے عمرہ نہیں کر سکے تھے، اور ایک قسم کے اس ''احصار'' کی وجہ سے احرام کھول کر کفارہ ادا کرنا پڑا تھا، اگلے سال اس کی قضا کی تھی، حضرت مولانا نے ''کاروان زندگی'' میں اس سفر کا تذکرہ بڑے حسرت بھرے انداز میں فرمایا ہے، خصوصاً اس لیے بھی کہ مولانا پہلی بار گئے تھے، پڑھ کر صلح حدیبیہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

مولانا عربی کے سہل نگار انشاء پرداز، اور درد دل رکھنے والے صاحب قلم تھے، آپ کے قلم کی جولانی اور روانی "الرائد" کے نقوش تحریر سے عیاں ہیں، ہم طلبہ کو آپ کے اسلوب بیان سے انشاء نگاری میں بڑی مدد ملتی تھی، ایک دو نمونے یہاں ذکر کرنے میں حرج نہیں کہ لذت علم کی تجدید ہو جائے گی، علم حقیقی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فالعلم الحقيقي الذي ينبلج منه النور، وينتشر

منه الضياء، والذي يتفجر منه الماء العذب، هو العلم الذي يقطع منزله ويرتقي مناصبه العلياتحت الاسم الرباني، والمدد الصمد اني، كما ينبغي أن يتعلم هذا العلم عند العلماء الراسخين لا عند العلماء المنحرفين، وعند المشايخ الربانيين، لا عند المشايخ المضللين، وعند العلماء العاملين المتدفقين بالعلم والحيوية، لا عند العلماء المتشدقين الثرثارين"

ایک جگہ سیرت رسول سے روشنی حاصل کرنے کی اس طرح دعوت دیتے ہیں:

"نستلهم من غزوة بدر الكبرى إيماناً صادقاً، ويقيناً كاملاً، وتوكلاً على الله، لأننا الآن في معركة قائمة، بل في معارك شتى في آن واحد، فحيناً نلتفت ذات اليمين فنأخذ من بدر، ونلتفت ذات الشمال حيناً فنستلهم من غزوة أحد، وأن نستن بسنن المصطفى ﷺ دقيقها وجليلها، ذهاباً وإياباً، خروجاً وولوجاً"

سب سے پہلے "الرائد" میں مولانا کا مضمون کرکٹ کی تباہ کاریوں پر پڑھا تھا، بڑا دلچسپ مضمون تھا، مولانا حضرت مولانا اور اپنے والد ماجد کے اقتباسات بھی اپنی تحریروں میں اہتمام سے نقل کرتے تھے، اور یہ دونوں حضرت طرز نگارش کے ایک ہی خمیر سے بنے تھے، اس حوالہ سے یہ اندازہ لگانا آسان ہے کہ مولانا کی اپنے بزرگوں سے علمی وفکری وابستگی کتنی گہری تھی، مولانا اپنی تحریروں میں مغربی تہذیب کی احمقانہ اور شاطرانہ چالوں پر سخت چوٹ کرتے تھے، جن کو پڑھ کر یہ یقین مزید مستحکم ہوتا تھا کہ اس تہذیب کا زرق برق لباس اندر سے انتہائی غلیظ اور ناپاک ہے، اور اس کی صناعی محض جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے، مولانا اردو زبان کے بھی رمز آشنا تھے، شستہ زبان لکھتے تھے، طوطی وبلبل کی طرح رٹے رٹائے جملے نہیں بلکہ بے ساختہ اور قلم برداشتہ لکھتے تھے، اپنے والد محترم کی زندگی کے سب سے آخری مضمون "سؤال حائر يحتاج إلى جواب" یا "تناقض تحار فيه العيون وتطابق يُسرّ به المؤمنون" کا اردو ترجمہ انہوں نے ہی کیا تھا، جو "ایک تضاد جس کی کوئی توجیہ ممکن نہیں" کے عنوان سے شائع ہوا تھا، اور حضرت مولانا نے اس کو ان الفاظ میں سراہا تھا: "خدا کو منظور تھا کہ یہ کام (مذکورہ مضمون کا ترجمہ) ان کے ہونہار فرزند سید عبداللہ حسنی ندوی سلمہ کے قلم سے تکمیل پائے، انھوں نے بڑی خوبی اور کامیابی کے ساتھ اس مضمون کو اردو میں منتقل کیا جو الفرقان ماہ شوال ۱۳۹۹ھ میں ..... شائع ہوا، اور بہت پسند کیا گیا اور اس طرح فارسی کا وہ جملہ صادق آیا: اگر پدر نتواند پسر تمام کند"، اس کے علاوہ بھی مولانا کو جب غم زمانہ نے فرصت دی "تعمیر حیات" میں لکھتے تھے اور خوب لکھتے تھے، ان شاء اللہ مولانا کے متفرق اردو عربی مضامین کے مجموعے جب مرتب ہوں گے تو بخوبی اس کا اندازہ ہو سکے گا، لیکن انہوں نے لکھنے لکھانے کو ہی سب کچھ نہ سمجھا تھا، جیسا کہ حضرت مولاناؒ اکثر فرمایا کرتے تھے: انشاء پردازی اور تصنیف وتالیف مبارک، میں بھی اس کا گنہگار ہوں، لیکن اگر خشیت وللّٰہیت، تعلق مع اللہ کے ساتھ، اور ضرورت کے مطابق کام نہ کیا جائے تو یہ سب کاغذی پھول ہیں جن میں خوشبو نہیں ہوتی، یا شاعری کی بحر جس میں پانی نہیں ہوتا، حضرت مولاناؒ نے آپ کا انتخاب برداران وطن کے درمیان دعوتی کاموں اور اصلاح وتربیت کے لیے آپ کے خصوصی مذاق کو دیکھ کر فرمایا تھا، چنانچہ احساس ذمہ داری تھی یا پاس وفا کہ مولانا نے کبھی "سوپر مین" یا "ماسٹر آف آل" بننے کے شوق میں اپنے ان مجوزہ کاموں سے سمجھوتہ نہیں کیا، اور انھیں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا، اپنے اہل تعلق فارغ طلبہ سے اکثر فرمایا کرتے تھے: تالیف وتصنیف کے اس پامال کوچہ میں صرف اس مقصد سے مت قدم رکھنا کہ میری بھی کوئی نئی کتاب آجائے، موضوع کی ضرورت کا اندازہ کرکے خلوص نیت سے یہ کام کرنا، دنیا ہمیشہ تمہاری تحریروں سے استفادہ کرے گی، ورنہ روزانہ سینکڑوں کتابیں چھپتی ہیں، خود رسم اجراء کرائیے، تبصرے کے نام پر تقریظیں لکھوائیے، یہاں وہاں لیجا کر دکھائیے، اور داد وصول کرتے رہیے، زمانہ آج بھی جوہر شناس ہے، اگر وہ کام اخلاص کی روح سے خالی ہوگا اور محض خانہ پری کے لیے کیا گیا ہوگا تو یاد رکھو! لائبریریوں میں اس کے نسخے تو محفوظ ہو جائیں گے، دوسرے ایڈیشن کی نوبت تو کیا، پہلا ایڈیشن ہی تحفوں کے فضل وکرم سے نکالنا پڑے گا۔

مولانا ایک سلجھے ہوئے مقرر تھے، بھڑکتا شعلہ نہ تھے، دبی چنگاری تھے، بڑے پتے کی باتیں اپنی تقریروں میں بیان کیا کرتے

تھے، ایک شبنمی طبیعت اور دھیمے مزاج کے انسان تھے، اور تقریر میں بھی یہی رنگ غالب ہوتا تھا، لیکن ضرورت پڑتی تو شعلہ بیاں بلکہ شعلہ بجاں ہوجاتے، اپنی تقریروں میں بڑی دلچسپ اور عبرت آموز مثالوں سے باتوں کو ذہن نشیں کرتے تھے، حیدرآباد میں گذشتہ سال علماء کے ایک مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ نے انس وجن کو "ایھا الثقلان" سے خطاب فرمایا ہے، اس لیے انسان کو اپنے اندر وزن رکھنا چاہئے، ایک عالم کو تو اور بھی وزن دار ہونا چاہئے اور ایسی حرکتوں سے دور رہنا چاہئے جو اسے خفیف کردے، مولانا نے فرمایا کہ بہت سے علماء اپنے عقیدت مند اصحاب ثروت سے ملاقات کراتے ہیں، لیکن ان کے جھکاؤ سے ایسا جھلکتا ہے کہ الٹا ہے، وہ خود ان کے مرید اور عقیدتمند ہیں، اس سے علم کی وقعت گھٹتی ہے، الفاظ سے حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا، دیر سویر پردہ ہٹ کر رہتا ہے، اور اصلی چہرہ سامنے آہی جاتا ہے، مولانا کی تقریروں کا امتیازی وصف حق گوئی تھا، وہ صاف صاف باتیں کرتے تھے، لاگ لپیٹ کے عادی نہ تھے، تحریک پیام انسانیت کے اسٹیج سے مولانا کی تقریروں نے سے کج خیالوں کا زاویۂ نگاہ تبدیل کیا، اور ہزاروں دلوں میں حکمت وبصیرت کے ساتھ دعوت دین کا جذبہ پیدا کیا، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر لوگوں نے ان کی تقریروں سے

ع درد کی دوا پائی ، درد بے دوا پایا

مولانا کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ افراد سازی کے کام میں ہمہ تن مشغول تھے، شخص کو شخصیت بنانے کا فن جانتے تھے، کتنے کندۂ ناتراش کو ان کی الطاف وعنایات اور توجہات نے تراش خراش کر جوہر قابل بنایا، اور آج اللہ تعالیٰ ان سے ملک کے طول وعرض میں کام لے رہا ہے، یہ محض اللہ کی شان بندہ نوازی ہے، ورنہ یہ سعادت ہر ایک کے حصہ میں آسانی سے نہیں آتی، ادھر کئی سالوں سے مولانا کی طرف رجوع عام تھا، مولانا چاہتے تو دست بوسی اور قدم بوسی سب ہوتی، پیر مغاں بن کر بے موسم کے پھل کھاتے، لیکن جو بھی آتا اسے اس کی طلب کے مطابق ایک طرف تو ذکر وتسبیح اور دعاء ومناجات سے جوڑتے، دوسرے دعوت دین کا کام سپرد کرکے اسے فعال اور کارکرد بناتے، اس طرح انھوں نے فصلوں کو ضائع ہونے سے بچایا، اور ہر موسم میں ان کی اصلاح وتربیت کے درخت نئے برگ وبار لاتے رہے۔

برادران وطن میں دعوت دین کی مہم کے لیے سینکڑوں افراد مولانا سے تربیت پاکر میدان عمل میں کام کررہے تھے، یہ کام ملک کی موجودہ صورتحال میں تندوسرکش گھوڑوں کو دوڑانے، خوفناک آبشاروں میں کودنے سے زیادہ مشکل تھا، مولانا کی نگرانی میں کام کرنے والے داعیان اسلام مستقل مولانا سے مربوط رہتے تھے، مولانا کے ایماء پر مولانا کے کئی شاگردوں نے اسی مقصد سے سنسکرت زبان سیکھی، بغیر اشتہار اور بینر کے برسوں سے مولانا کا یہ کام جاری تھا، اخیر میں ادھر چند سالوں سے "العافیہ" کے نام سے ایک سینٹر قائم کیا گیا تھا جس کے ذریعہ دعوتی لٹریچر کی فراہمی اور ضروری تیاری میں آسانی ہوتی تھی، لیکن مولانا دعوت کی تجارت نہیں کرتے تھے کہ بہی کھاتے میں اندراج ہوتا رہے کہ میرے دست حق پرست پر اتنے لوگ مشرف بہ اسلام ہوچکے ہیں، اور یومیہ یہ تناسب ہے، جیسا کہ اس زمانہ میں بعض نام نہاد داعیوں کی اس کے بغیر سیری نہیں ہوتی، آج پس مرگ جب لوگ تعزیت کے لیے آرہے ہیں تو مولانا کی دعوتی فتوحات کا اندازہ ہورہا ہے۔

ان کی شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ ان کے اندر کسی بڑی سے بڑی ہستی یا کسی سکۂ رائج الوقت نظریہ کے بارے میں کسی قسم کی مرعوبیت یا بے جا تأثر کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا تھا، اپنے مسلک پر پختگی اور صلابت کے ساتھ چٹان کی طرح مستحکم، لیکن دوسروں کے معتقدات ونظریات کے بارے میں وسیع القلبی ان کا خاصا تھا، ان کی خدمات قوسِ قزح کے رنگوں سے لبریز ہیں، ذکر وفکر، جذب وسرور، تب وتاب، سوز وگداز، غیرت ایمانی اور حمیت دینی کی دولت ورثہ میں ملی تھی، سینہ میں دل گرم رکھتے تھے، ذکر کے آب حیات سے اپنی تشنہ کامی کا سامان کرتے تھے، مبالغہ آمیز تعظیم کو ناپسند کرتے تھے، لب ولہجہ میں نفاست اور صفائی تھی، میانہ قد، موزوں اندام، اور ور کشادہ جبیں تھے، برق رفتاری سے چلتے تھے، زاویہ نشینوں میں تھے لیکن فقیری میں بادشاہی کرتے تھے۔

ابھی دسمبر کے وسط میں مولانا سے ملاقات کو خاتون منزل پہنچا، بظاہر ملاقات مشکل بلکہ طبیبوں کی طرف سے ممنوع تھی، لیکن

خوش قسمتی سے حضرت مولانا محمد رابع صاحب اور حضرت مولانا واضح رشید صاحب ندوہ کے لیے نکل رہے تھے، مولانا باوجود ضعف ونقاہت کے رخصت کرنے کے لیے باہر تشریف لائے تھے، اپنے بڑوں کے احترام کا یہ حال تھا، وہیں آگے بڑھ کر ملا، مولانا نے اندر بلایا، میں مولانا کی صحت دیکھ کر حیرت کی تصویر بنا ہوا تھا، سکتہ اور صدمہ سے کچھ پوچھنے کی بھی ہمت نہیں ہو پارہی تھی، تشویش اور حیرانی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ عیادت کی سنت ادا کی، استاذ محترم مولانا محمود حسن حسنی ندوی مدظلہ بھی تشریف رکھتے تھے، اس حالت میں بھی مولانا اس صورتحال پر بار بار افسوس کا اظہار کررہے تھے کہ مدارس کے بہت سے فضلاء نے اپنی عربی دانی کو محض ذریعۂ معاش بنا رکھا ہے، اور اس میں بھی ربا، قمار اور رشوت جیسے قطعی حرام معاملات سے بھی اپنے دامن کو آلودہ کررکھا ہے، اور ایسے ہی ناجائز مال سے اپنے تن بدن کی پرورش کررہے ہیں، مولانا جوش میں بار بار کررہے تھے: میں اس پر خاموش نہیں بیٹھوں گا، میں یہ نہیں ہونے دوں گا، ایسی عربی سکھا کر کوئی فائدہ نہیں، جو رسول عربی سے بیگانہ کردے، ایسا نہیں ہوسکتا، لیکن افسوس کہ میری صحت نہیں رہی، تم لوگ دعاء کرو، اسی درمیان عشاء کا وقت ہوگیا، جس شخص کے لیے خود سے اٹھ کر بیٹھنا اور بیٹھ کر اٹھنا مشکل تھا، اس نے عشاء کی نماز صبر وہمت کے ساتھ کھڑے ہوکر ادا کی، حالانکہ قیام وقعود اور رکوع وسجود مولانا جس مشقت سے کررہے تھے، وہ ہم دیکھ کر حیران تھے، اور فقہی گنجائش کو سوچ رہے تھے، لیکن انھوں نے عزیمت پر عمل کیا۔

پرنم آنکھوں، مغموم دل، اور لرزتے قلم سے کسی طور یہ دو لفظ رقم کردیے، سچی بات تو یہ ہے کہ مولانا کو کھو کر ہم نے دین کے ایک مخلص داعی، ملت کے بے لوث خادم، ایک عارف باللہ، ایک مشفق استاذ، ایک دوربیں مربی، اور ایک رہبر فرزانہ کو کھو دیا، مولانا پر کسی خانہ خراب، ناعاقبت اندیش اور شقی نے جادو کیا یا کرایا تھا، جو مرض کی شکل اختیار کرگیا تھا، اس کا فیصلہ تو روز محشر پر اٹھا رکھئے، اگر یہ صحیح ہے تو لائق صد رشک ہے کہ مولانا کو شہادت مل گئی، اور وہ ستمگر حرماں نصیبی کا شکار ہوا "والغیب عند اللہ تعالی"، اللہ تعالی آپ کے کاموں کو آپ کے برادر عزیز مولانا سید عمار عبدالعلی ندوی اور سب سے چھوٹے بھائی اور جانشین استاذ محترم مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی حفظہما اللہ، صاحبزادہ محمد، افراد خاندان، اور تلامذہ کے ذریعہ زندہ وپائندہ رکھے، اور دولت جاوید سے سرفراز کرے۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہوترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہوترا

حصول علم کا مقصد

"یہ بہت دھیان کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ کے لیے علم حاصل کیا جائے اور اللہ ہی کے لیے دوسروں تک پہنچایا جائے، اس میں کسی طرح کی غرض شامل نہ ہو، اگر اس میں غرض شامل ہوگی تو سارا علم ملیامیٹ ہوجائے گا یعنی اگر یہ ذہن میں ہے کہ یہ بہت بڑے عالم ہیں، علامہ ہیں، صاحب تصنیفات ہیں، بڑے بڑے نکتے بیان کرتے ہیں، ماشاء اللہ صاحب تصنیفات ہیں، ان کے مضامین پرچے میں چھپتے ہیں، ان کی تقریریں ریڈیو میں نشر ہوتی ہیں، اور لوگ ان سے بہت فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ان کا ہر طرف چرچہ ہے، تو حدیث میں آتا ہے کہ ایسے شخص کو آخرت میں بلایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ تمہیں دنیا میں علامہ کہا جاچکا۔ اور پھر ایسے شخص کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا کہ تمہیں دنیا میں علامہ کہا جاچکا، اسی لیے ہمارے علماء ہمیشہ اس میں بہت زیادہ محتاط رہے ہیں۔"

حضرت مولانا عبیداللہ حسنی ندویؒ

ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

محترمہ سمیہ تابش، ایم.اے.

مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ کی رحلت ایک سانحہ عظیم ہے۔ ندوے نے اپنے گنج ہائے گراں مایہ کا دُرشاہوار ہمیشہ کے لیے کھو دیا۔ ان کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ سالوں میں نہیں، صدیوں میں پُر ہو سکے گا۔ نرگس ہزاروں سال اپنی بے نوری پر روئے گی تب کہیں جا کر چمنِ حیات میں ان جیسا دیدہ ور پیدا ہوگا۔ مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ اس مزاج وفطرت کا دوسرا انسان مشکل ہی سے ملے گا۔

مولانا عبداللہ حسنیؒ ہندوستان کے مشہور خانوادہ علمی کے چشم و چراغ تھے۔ وہ لکھنؤ کے مشہور معالج حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ کے مایہ ناز پوتے اور ندوے کے زبردست اہلِ قلم مولانا محمد الحسنی صاحبؒ کے قابلِ فخر فرزند تھے۔ علم دین انہیں ورثے میں ملا تھا۔ عربی زبان وادب پر انہیں عبور حاصل تھا۔ قرآن وحدیث پر ان کی گہری نگاہ تھی، ان کا تفقہ فی الدین قابلِ رشک تھا۔ مسائل دینیہ انہیں ازبر تھے۔ وہ دراصل علمیت، نورانیت اور روحانیت کا مجموعہ تھے کیوں کہ وہ حاملِ شریعت بھی تھے اور عاملِ طریقت بھی۔ خدا نے انہیں مسند علم ومعرفت پر بٹھایا تھا اور تاج عظمت ان کے سر پر سجایا تھا۔ علم کی دولت سے مالا مال ہونے کے باوجود انہوں نے کبھی اسے حصول زر کے لیے استعمال نہیں کیا۔ استکبار کو انہوں نے اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیا کیونکہ وہ اس کی حقیقت سے بخوبی واقف تھے۔

مولاناؒ بہت ہی کریم النفس، درویش صفت، نیک طینت اور بھولے بھالے انسان تھے، ان کی زندگی سادگی سے عبارت تھی، عاجزی اور فروتنی میں وہ اپنی مثال آپ تھے، اتقاء وپرہیزگاری ان کا طرۂ امتیاز تھا، ان کی شکل وصورت، لباس وگفتگو ہر چیز سے خاکساری کا اظہار ہوتا تھا، ان کی تقریر وتحریر میں معانی ومطالب کا دریا موجزن ہوتا تھا۔ علامہ اقبالؒ کے ذہن میں مردِ مومن کا جو تصور تھا مولانا اس کی جیتی جاگتی تصویر تھے، وہ نالۂ نیم شبی اور فغانِ صبح گاہی کی لذت سے آشنا تھے، انہیں دیکھ کر قرن اول کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہوتی تھی۔

مولاناؒ کو ظاہری جاہ وحشم سے کوئی رغبت نہیں تھی، وہ روزانہ کار پر بیٹھ کر خاتون منزل سے ندوہ اور ندوے سے خاتون منزل آ جا سکتے تھے لیکن شاید ان کی فقیرانہ اور غیور طبیعت نے اسے گوارا نہ کیا خود پرستی، خودنمائی اور خود بینی کے اس دور میں اتنی سادہ اور بے لوث زندگی گزارنا ہر آدمی کے بس میں نہیں ہے، وہ ہر لحاظ سے عالم باعمل تھے۔

مولاناؒ اپنے شاگردوں میں بے حد محبوب اور مقبول تھے، وہ بھی اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے تھے جیسا ایک مشفق باپ اپنے بیٹوں کے ساتھ کرتا ہے، وہ ان کے استاذ ہی نہیں، ہادی اور رہنما بھی تھے، ان کے شاگردانِ عزیز جن کو شمار کرنا آسان نہیں جب ان کی رحلت کی خبر جاں کاہ سنی ہوگی تو ان کی آنکھوں نے اپنے استاد کی بارگاہ عالی میں آنسوں کا نذرانا ضرور پیش کیا ہوگا، میں بھی اپنی بوڑھی آنکھوں سے بہائے ہوئے چند آنسوں ان پر نیوچھاور کرتی ہوں اور اپنی بات جگر مرادآبادی کے ایک شعر پر تمام کرتی ہوں۔

حسب حال بتانے کے لیے میں نے صرف اس میں ایک حرف کو تبدیل کر دیا ہے جس کے لیے میں روحِ شاعر سے معذرت خواہ ہوں۔

جان کر من جملۂ خاصانِ مے خانہ تجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولاناؒ کی تربت کو عنبریں وران کی خاک لحد کو ہم دوشِ فردوسِ بریں فرمائیں۔ آمین!!

دورِ رخصت کا صاحبِ دعوت و عزیمت

مولانا محمد زاہد حسین ندوی جمشید پوری

سادات قطبی حسنی کے گل سرسبد، ندوۃ العلماء کے قابل صد عز و ناز فرزند ہمارے اور نہ جانے کتنے علمائے کرام وطلبۂ عظام کے بے لوث مشفق، محسن و مربی، متعدد مدارس و معاہد کے ذمہ دار و سرپرست اور ہم سب کی امیدوں کے مرکز داعی موفق حضرت مولانا سید عبداللہ محمد حسنی ندویؒ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت مطلقہ، رحمت واسعہ اور حکمت بالغہ سے سب سے ممتاز منفرد جو نعمت دولت عطا فرمائی تھی وہ ''عمل بالعزیمت'' کی دولت تھی، ایک مرتبہ اپنی ایک تقریر میں بڑے ہی معنی خیز انداز میں آپ نے یہ شعر پڑھا تھا کہ ؎

کچھ سمجھ کر ہی ہوا ہوں موج دریا کا حریف
ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل میں ہے

ایسے زمانہ میں، جب کہ اچھے اچھے اولوالعزمان و دانشمند رخصت کو عزیمت پر ترجیح دے رہے ہیں، ہمارے محسن، ہمارے شیخ حضرتؒ بلا خوف لومۃ لائم تمام تر خطرات و حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے تا دم آخر ''دعوت دین و اصلاح مسلمین'' کے نبوی محاذ پر ایک حقیقی اور سچے وارث نبی بن کر ڈٹے اور جمے رہے اور پائے ثبات میں ادنی لغزش نہیں آئی، یہ ہمارے حضرتؒ کی سب سے بڑی خصوصیت، صلاحیت اور کرامت (جو چاہے کہہ لیجیے) تھی ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟

اور اس میں توفیق خداوندی کے ساتھ آپ کی عالی نسبی، ذات نبوی سے والہانہ عشق و وارفتگی اور دعوت نبوی کے فریضۂ منصبی کے تئیں آپ کی دلسوزی و سیماب وشی اور جاندانی مآثر و خصوصیات کو بھی بہت کچھ دخل تھا۔

''خانوادۂ علم اللہی'' کے مقدمہ میں ادیب یگانہ مولانا عبداللہ عباس ندویؒ نے بڑے ہی فاضلانہ اور مؤرخانہ پیرایہ میں حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نامۂ گنج گرانمایہ کے حوالہ سے اس خانوادہ کی خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے، ہم یہاں پوری عبارت نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

''نہر کابل سے خلیج بنگال تک کی اسلامی تاریخ ناقص اور نامکمل سمجھی جائے گی اگر اس میں سادات حسنی کا ذکر نہ ہو جو نصیر آباد ضلع رائے بریلی میں آباد تھے اور وہاں سے دریائے سئی کے ساحل پر ایک کچی دیواروں کی مسجد اور ایک خس پوش مکان بنا کر قیام پذیر ہوگئے، ظاہری آنکھوں نے اس وقت یہی دیکھا کہ دنیا کی کشاکش سے منھ پھیر کر جوگیوں اور سنیاسیوں کی طرح اس خاندان نے پناہ لی ہے اور ذکر الٰہی کو اپنا شعار بنایا ہے، مگر تاریخ کے چند ہی اوراق الٹے تھے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ نے دین کی خاطر وہ قربانی دی جو صحابہ کرام کے بعد چشم فلک نے نہیں دیکھی جہاں ''اعلاکلمۃ اللہ'' خالص نیت کے ساتھ کی گئی ہو، شاہ علم اللہ اس خاندان کے سرخیل تھے، جنہوں نے اپنی نوجوانی میں اس علاقہ کو اللہ کے ذکر سے آباد کیا اور اس کی مقبولیت کے آثار دیکھے گئے اور دیکھے جارہے ہیں، اب تک ہر دور میں کوئی نہ کوئی اللہ والا فرشتہ صفت مرشد یہاں سے اٹھا اور اس نے دین کا چراغ روشن رکھا، ان لوگوں نے محض اللہ کے نام کو آباد کرنے کے لیے اس سرزمین پر اپنا پڑاؤ ڈالا، اس کے انعامات سے بھی مستفید ہوتے رہے اور آزمائشوں سے بھی دوچار ہوئے، راحت و آرام کی کچھ ساعتیں بھی ملیں اور افلاس کی سختیاں بھی برداشت کیں، حضرت شاہ علم اللہ کے پوتے میر محمد معین کے نام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا یہ خط شاہد ہے کہ یہ خاندان علمی و دینی حیثیت سے ہر دور میں ممتاز رہا، شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''سیادت و نجابت مآب، عزیز القدر، سلالۃ الکرام میر سید محمد معین سلمہ اللہ تعالیٰ اپنے خیر اندیش فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے

سلام محبت التیام کے بعد مطالعہ کریں۔

آپ کا نام مشکیں شامہ بہترین اوقات میں وارد ہوا، اور اس میں جو کچھ فقیر کا کہنا یہ تھا واضح ہوا، اس طرف کے علماء نے جو فتوی لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے، لیکن فقیر کا کہنا یہ ہے کہ آپ کے اسلاف کرام نے جو کچھ پایا ہے، ہمیت عالیہ سے پایا ہے۔

حضرت سید شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا دنیا پر لات مارنا اور تمام جھگڑوں سے ان کا یکسو ہو جانا اظہر من الشمس ہے، فقیر کا اعتقاد یہ ہے کہ حضرت شاہ علم اللہ کی اولاد میں ہمت عالی اس وقت تک موجود ہے، یہی توجہ خاطر اور (ہمت عالی) مطلوب و مقصود ہے۔

سید اور سنی ہو جانا جو کہ نوادر میں سے نادر ایک شئے ہے، حضرت سید موصوفؒ کے خاندان میں ہم نے اپنی آنکھ سے مشاہدہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس خاندان کو مزید اکرام کے ساتھ اور خصال حمیدہ و پسندیدہ کی توفیق کے ساتھ مکرم رکھے، اور آپس میں سب کو متحد و متفق رکھے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''اللہ رحم کرے اس شخص پر جو بیچنے اور خریدنے اور تقاضہ کرنے میں نرمی اختیار کرے'' وہ فتوی ہے اور یہ تقوی، جو چیز بطریق سہولت حاصل ہو جائے مبارک ہے اور جو چیز مزاجوں کی سختی، ناراضگی اور قطع رحمی کے بعد حاصل ہو، اور اس کے بعد حاصل ہو کہ دوست اور دشمن میں اس کا چرچا ہو، اور ہر بیوقوف اعتراض کی گنجائش پائے تو ایسی چیز سے کیا فائدہ ہوگا؟ عام لوگوں کا کام اور ہے، عالی ہمت لوگوں کا کام اور ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بلند ہمتی کو پسند فرماتا ہے۔

اس خیر اندیش مخلص کی خیر خواہی کو آپ تک پہنچانے والا (حافظ شیرازی) کا یہ شعر ہے۔

مصلحت دین من آنست کہ یاراں ہمی کار
بگذرانند، وخم طرۂ یارے گیرند

(میری مصلحت دید یہ ہے کہ احباب سب کام چھوڑ دیں اور طرۂ دوست کو پکڑ لیں) والسلام

شاہ صاحب کی ''مصلحت دین'' کے مطابق اس خاندان کے افراد نے سب کام چھوڑ کر طرۂ دوست کو پکڑ لیا، اور اس خاندان میں شاہ علم اللہ کے صاحبزادہ شاہ آیت اللہ حسنی، اور سید محمد عدل عرف شاہ لعل، مولانا سراج احمد نصیر آبادی، شاہ ابو سعید اور ان کے صاحبزادہ شا ابو اللیث، محدث مولانا سید محمد واضح، مولانا سید محمد ظاہر (خلیفہ حضرت سید احمد شہید) مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی، آخری دور میں شاہ ضیاء النبی، مولانا سید محمد امین نصیر آبادی ہر ایک اپنی ذات سے ایک مدرسہ، ایک خانقاہ، اور ایک زاویۂ اہل ذکر تھا، اسی خاندان کے افراد میں مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ بھی ہیں جن کو عالم اسلام کا گل سر سبد کہنے میں کسی نے تامل نہیں کیا اور جن کو دنیا ایک زبان ہو کر کہا:

هذا الذی تعرف البطحاء وطأته
والبیت یعرفه والحل والحرم

(یہ تو وہ ہیں، جن کے نقشِ پا کو بطحا کی سرزمین بھی پہچانتی ہے اور خانۂ کعبہ بھی انہیں جانتا ہے اور دیر و حرم سب ان کے شناسا ہیں)۔ (مقدمہ خانوادۂ علم اللہی: ۱۱، ۱۲، ۱۳)

ہمارے حضرت بھی اسی خانوادہ کے وہ نیر تاباں تھے جو مطلع دین و دعوت پر بڑی تیزی کے ساتھ نمودار ہوا اور اپنی ضیا پاش کرنوں سے کفر کی اندھیریوں کو مٹاتا ہوا ہدایت کے چراغ جلاتا چلا گیا، لیکن بہت جلد مشیت ایزدی نے اسے ہماری نظروں سے اوجھل بھی کر دیا اور ہم سب صرف ''نجم تألق ثم هوی'' کہہ کر رہ گئے ۔

حیف در چشم زدن، صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

''فجزاهم الله عن الأمة المحمدية جمعاء و عن الإسلام و عن الخلق أجمعين، اللّٰهم اغفر له و ارفع درجته في المهديين و اخلفه في عقبه في الغابرين واغفرلنا وله يا رب العالمين، اللّٰهم افسح له في قبره و نور له فيه'' ''اللّٰهم لا تحرمنا أجره و لا تفتنا بعده''

ہمارے حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی ندویؒ کو اللہ تعالیٰ نے دعوت إلی اللہ کا ایسا جذبۂ بے تاب عطا کیا تھا کہ خاص کر اِدھر اخیر کے چند سالوں میں تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ ﴿لعلك باخع نفسك أن لا يكونوا مؤمنين﴾ والی سنت پر عمل پیرا ہیں، اک عجیب سی بے کلی، اک اضطراب، اک درد اپنے سینے میں رکھتے تھے، خلق خدا کی ہدایت کے لیے بے چین رہا کرتے تھے، ہر وقت یہی بات اور اسی کا ذکر کرتے تھے، دعوت کی فکر پوری طرح ان کے دل و

دماغ اور اعصاب پر سوار ہوگئی تھی، کبھی کبھی فرمایا کرتے کہ ''اب میرا جی چاہتا ہے کہ پڑھنے پڑھانے کا کام چھوڑ دوں اور صرف یہی کام کروں''۔ کبھی فرمایا کرتے کہ ''کام بہت ہے اور وقت بہت کم ہے جتنا جلد کرلیا جائے غنیمت ہے''۔

کبھی ہم طلباء و مسترشدین سے ترغیب و تاکید کے طور پر فرماتے کہ ''جلدی جلدی کام شروع کردو، گاڑی تیزی سے چل پڑی ہے ورنہ اپنی اپنی محدود مصروفیات میں ہی لگے رہ جاؤ گے''۔

بلا مبالغہ مجھے تو دعوت کے سلسلہ میں آپؒ کی کیفیت کچھ اُسی طرح کی معلوم ہوتی تھی جس طرح قاضی بہاء الدین بن شداد نے جہاد کے سلسلہ میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی کیفیت نقل کی ہے، کہتے ہیں:

''جہاد کی محبت اور جہاد کا عشق ان کے رگ و ریشہ میں سما گیا تھا، اور ان کے قلب و دماغ پر چھا گیا تھا، یہی ان کا موضوع گفتگو تھا، اسی کا ساز و سامان تیار کرتے رہتے تھے، اور اسی کے اسباب و وسائل پر غور کرتے، اسی مطلب کے آدمیوں کی ان کو تلاش رہتی، اسی کا ذکر کرنے والے اور اسی کی ترغیب دینے والے کی طرف وہ توجہ کرتے .....'' آگے کہتے ہیں کہ ''کسی شخص کو اگر ان کا قرب حاصل کرنا ہوتا تو وہ ان کو جہاد کی ترغیب دیتا اور اسی طرح ان کی نظر میں وقعت حاصل کرلیتا''۔

ہوسکتا ہے میری اس تشبیہ کو عقیدت مندانہ مبالغہ پر محمول کیا جائے لیکن وہ لوگ ضرور اس کی تصدیق کریں گے جنہیں حضر کے ساتھ سفر میں بھی ان کی معیت نصیب ہوئی ہو اور دن کی ہم بزمی کے ساتھ راتوں کی آہ و زاری اور مناجات باری بھی دیکھنے کو ملی ہو، یہاں میں ''ساقی نامہ'' کی مدد سے اس کی اک ہلکی سے تصویر دکھا سکتا ہوں (بطور یادداشت کے بتاتا چلوں کہ مجھے حضرتؒ کے سامنے ''ساقی نامہ'' پڑھنے کا شرف حاصل ہے، نہ صرف اردو شاعری بلکہ فارسی شاعری کا بھی اعلیٰ ذوق اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو عطا فرمایا تھا)

ہمارے حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا علی میاںؒ کی نیابت و خلافت میں جس نبوی مشن کے لیے کھڑا کیا تھا، خدا کا شکر ہے کہ زندگی کی آخری سانس تک آپ نے بڑے عشق کے ساتھ اُسے اپنے سینے سے لگائے رکھا اور پوری امانت و دیانت کے ساتھ اُسے نبھایا اور بالآخر اسی راہِ خداوندی میں اپنی جان دے دی اور انجام کار سرخرو ہوئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

میں نے یہاں اپنے حضرتؒ کا صرف اُس پہلو سے تذکرہ کیا ہے جو آپؒ کی زندگی کا گویا عنوان تھا اور جس میں ہم تلامذہ و منتسبین کے لیے بڑا پیغام ہے کہ ترجیحی بنیادوں پر کرنے کا بس یہی اک کام ہے، ورنہ حضرتؒ کی زندگی تو اک ہشت پہل نگینہ کی مانند تھی، آپ کے کارہائے نمایاں، اوصاف حمیدہ اور اخلاق کریمانہ پر ابھی لکھنے والے بہت کچھ لکھیں گے اور لکھنا چاہیے کہ ان کا یہ حق ہے، لیکن وہ کام جو حضرتؒ کو اپنی ذات سے زیادہ عزیز تھا اُسے اگر ہم سب نے اپنا کام بنالیا اور حضرتؒ کے وصال کے غم کو دعوت دین کی تڑپ میں بدل لیا تو میں سمجھتا ہوں کہ یقیناً حضرتؒ کی روح اس سے زیادہ خوش ہوگی اور یہی سب سے بڑی خراج عقیدت و محبت بھی ہوگی، اللہ ہم سب کو قبول فرمالے۔

درد دل سینے میں رہ رہ کے ٹھہر جاتا ہے
جو نہ ٹھہرے مجھے وہ درد خدایا دے دے

اویس زمانہ کی رحلت

ہمارے خطہ ارتداد میں

شیخ وقت حضرت مولانا سید عبداللہ ندویؒ کی فکر و تڑپ اور ان کی کوششوں کے گہرے اثرات نمایاں طور پر محسوس کیے جاتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی محنتوں کا بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے۔

منجانب

(مفتی) محمد ناصر ایوب ندوی وارا کین کمیٹی

مدرسہ نور القرآن کریمی، پبلک اسکول

(ملحقہ فیض العلوم بوڑیہ)

مانک پور لاہاڑی، ضلع یمنا نگر، ہریانہ

میرے استاذ-میرے مربی-میرے شیخ

محمد صادق ایوب ندوی بوڑیوی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ۱۹۷۸ء جب ہریانہ، پنجاب، ہماچل پردیش کے مختلف علاقوں میں پیام انسانیت کے سلسلہ میں تاریخی سفر کیا تو راقم سطور کے علاقہ قصبہ بوڑیہ میں بھی پیام انسانیت کے عنوان سے ایک پروگرام ہوا۔ نانا جان حضرت الحاج الشاہ محمد عبدالکریم صاحبؒ نے غیر مسلم ذمہ دار ان کو جمع کیا اور ان لوگوں کو جنھوں نے مسلمانوں کے قدم جمانے میں تعاون دیا تھا مدعو کیا اور حضرت سے ملاقات کرائی جس کا بڑا اثر پڑا، ان دونوں بزرگوں کے انتقال کے بعد ماموجی حضرت پیر جی حافظ حسین احمد صاحب قادری مجددی کو اللہ نے وہی فکر و تڑپ مرتدین میں کام کا حوصلہ اور مساجد کی بازآبادکاری اور مکاتب کے قیام اور رفاہی امور کا وہی جذبہ عطا فرمایا اور ادھر حضرت مفکر اسلامؒ کے حفید و سعید حضرت مولانا سید عبداللہ محمد الحسنیؒ کو اسی درد و سوز اور دعوتی فکر نے بے چین اور مضطرب کیا تھا۔

مشترکہ خصوصیات نے ان دونوں کو باہم بہت قریب کر دیا اور میرے ماموں حضرت پیر جی حافظ حسین احمد صاحب مدظلہ العالی نے چاہا کہ میں حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی صاحبؒ کی تربیت ایمانی میں رہ کر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کروں چنانچہ ماموجی مدظلہ نے ایک خط حضرت مولانا عبداللہ حسنیؒ کو میرے تعلق سے تحریر فرمایا اور اس طرح مولاناؒ نے مجھے اپنی تربیت میں لے لیا اور ایک سال معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی اور پھر حضرت مولاناؒ کی رائے ہوئی کہ میں تکیہ کلاں رائے بریلی کے مدرسہ ضیاء العلوم میں تعلیم حاصل کروں، اس لیے کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی صحبت اور توجہات کے مواقع یہاں رہ کر زیادہ ملیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ پھر حضرت سے بیعت و اصلاحی تعلق کی سعادت بھی حاصل ہوگئی۔ تو حضرت مولاناؒ جب لکھنؤ سے رائے بریلی جمعرات و جمعہ کو تشریف لاتے تو رہنمائی فرماتے اور جب میں اپنی کوتاہی عمل کا ذکر کرتا تو وہ ہمت بڑھاتے اور حوصلہ دلاتے کہ محنت جاری رکھو، کوشش کرتے رہو اور اساتذہ سے ربط رکھو جب ہمارا مدرسہ ضیاء العلوم میں آخری سال (سال ششم) تھا مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی طبیعت بہت ناساز ہوگئی جس کا پورے ماحول پر بڑا اثر تھا اور حضرت مفکر اسلامؒ باوجود بیماری کے اپنے وطن کی نسبت میں بار بار یہاں تشریف لاتے اور کئی کئی دن قیام فرماتے۔ مولانا عبداللہ حسنی صاحبؒ کی رہنمائی سے اس موقع سے بھی استفادہ کا موقعہ ملا۔ پھر حضرتؒ کا سانحۂ وفات پیش آگیا اور ہم لوگ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تحصیل علم کے لیے چلے گئے۔

حضرت مولانا علی میاںؒ مولانا عبداللہ حسنیؒ کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرما گئے تھے۔ حضرت مفکر اسلامؒ کے انتقال کے بعد مولانا عبداللہ حسنی صاحبؒ کی جانب لوگوں کا رجوع ہوا اور بکثرت لوگ بیعت و اصلاح کا تعلق قائم کرنے لگے، میں نے بھی تجدید بیعت کی درخواست کی جو از راہ شفقت قبول بھی ہوگئی اور یہ موقعہ بھی اللہ نے ہی عطا فرمایا کہ مولانا کی خدمت میں روز حاضری دوں۔ چنانچہ عصر کی نماز مولاناؒ کے ساتھ ہی قبر ماموں بھانجہ کی مسجد میں ادا کرتے اور مولاناؒ کی مجلس بعد نماز عصر ہوتی جس میں الحمدللہ اس پورے عرصہ میں جو ۳ رسال لکھنؤ میں گزرے ہیں وہ پورے حضرت مولانا عبداللہ حسنی صاحبؒ کی سرپرستی و تربیت میں گزرے ہیں۔

ہمارے لیے وہ لمحہ بہت فکرمندی کا تھا جب حضرتؒ کی وفات کے بعد ساؤتھ افریقہ کے سفر سے لوٹ کر مخدوم و مربی حضرت مولانا عبداللہ حسنی صاحبؒ کی طبیعت بہت زیادہ ناساز ہوگئی اور مسلسل

بخار کی کیفیت رہتی تھی، دوا کارگر نہیں ہو رہی تھی، تکلیف برقرار تھی، ضعف و نقاہت بھی بڑھتی جا رہی تھی یہاں تک کے مسجد میں نماز پڑھنے بھی نہیں جا سکتے تھے۔ مجھے یہ سعادت ملی کہ میں حضرت کو نماز پڑھاؤں۔ اہل تعلق وارادت استفادہ کے لیے آتے، حضرت کی لوگوں سے اتنی شفقت تھی کہ باوجود شدید ضعف و نقاہت، بیماری و تکلیف کے لوگوں کو مایوس نہ کرتے اور کچھ دیر مجلس ہوتی، کتاب پڑھی جاتی اور یہ سعادت بھی مجھ ناچیز کو حاصل ہوئی۔

برادر مولوی عزیز اللہ ندوی ناظم ادارۃ الصدیق بہٹ، سہارنپور بھی ساتھ میں رہتے تھے، انھیں بھی یہ سعادت حاصل ہوئی، کوئی بات سمجھانے کی ہوتی حضرت مولاناؒ اسے سمجھاتے، کوئی بات مجمل ہوتی اس کی تشریح فرماتے اور الفاظ کی تصحیح فرماتے جن کی ادائیگی میں ہم لوگوں سے چوک ہو جاتی۔ مولاناؒ کی اردو تلفظ پر بڑی نظر تھی اور کوئی غلطی کر کے بچ کر جا نہیں سکتا تھا، اسی طرح مولاناؒ کی لوگوں کے طرز عمل، گفتگو، معاملات اور معاشرت پر گہری نظر پڑتی اور عام لوگوں کو ٹوکتے نہیں تھے لیکن اس انداز سے گفتگو فرماتے کہ وہ اپنی اصلاح پر مجبور ہو جاتا اور جو لوگ ان کی تربیت وارادت میں ہوتے ان کو تنبیہ فرماتے۔ ان سے تعلق رکھنے والا یہ سمجھتا کہ انھیں سب سے زیادہ تعلق اسی سے ہے۔

بھلائی کا بدلہ

مولاناؒ کا ایک خاص وصف یہ نظر آیا کہ کوئی تھوڑا بھی ان کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کرتا تو وہ اس سے زیادہ اس کے ساتھ کرنا دوسرے انداز سے چاہتے اور تذکرہ کرتے اور اس کی تعریف کرتے۔ حضرتؒ کے ساتھ سفر میں بھی مجھ ناچیز کو ساتھ رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ملک کے اندر قرب و جوار اور دور دراز علاقوں جیسے کیرالہ، کرناٹک، پنجاب، ہماچل پردیش، چنڈی گڑھ، اتراکھنڈ و اترپردیش وغیرہ صوبہ جات کے مختلف مقامات پر بھی حضرت کی معیت میں جانے کا شرف حاصل ہوا۔

مدارس کی ضیافت میں احتیاط

مدرسوں میں حضرتؒ کی یہ احتیاط دیکھی کہ کھانا مدرسوں میں نہ ہو اور اگر کھاتے تو پھر یہ کوشش ہوتی کہ کسی دوسرے طریقہ سے پیسے ادا کرتے اور کئی بار ہمارے ہاتھ سے ادا کرائے اس طور پر کہ مدرسہ کا تعاون ہو جائے گا رؤساء اگر ہدیہ پیش کرتے تو وہیں کے کسی مدرسہ میں یا رفاہی کاموں میں لگوا دیتے اور اگر ہدیہ اہل اللہ اور بزرگوں کی طرف سے ہوتا تو اس کو تبرک سمجھ کر رکھ لیتے اور غریب کا ہدیہ بھی قبول فرماتے تاکہ اس کی دلداری ہو جائے۔

کسی کو مشقت میں ڈالنے سے گریز

خاص طور پر سفر میں ہم حضرت مولاناؒ کے ساتھ نہیں اٹھ پاتے تھے، ہم نے حضرت مولاناؒ سے عرض کیا کہ حضرت ہمیں اٹھا دیتے تاکہ ہمیں خدمت کا موقع مل جاتا، فرماتے ''نہیں کوئی بات نہیں'' اپنے آرام کے لیے دوسرے کو بے آرام نہیں کرتے اور خدمت لینے میں بڑے محتاط رہتے۔ ایک روز ہم نے عرض کیا کہ حضرت ہم چاہتے ہیں کہ تہجد کی نماز ہمیں بھی نصیب ہو جائے تو اس کے بعد مولاناؒ نے اٹھانا شروع کیا۔ اس خیال سے کہ ہماری تربیت بھی ہو جائے گی اور ہماری تہجد پڑھنے کی عادت بھی بن جائے گی، تو اس بہانے سے ہمیں خدمت کا موقع بھی میسر آ جاتا اور ہمیں تہجد بھی نصیب ہو جاتی۔ اسی طرح بس یا ٹرین کے سفر میں سیٹ وغیرہ کے لیے کسی دوسرے کو پریشانی میں نہیں ڈالتے، خود مشقت برداشت کر لیتے تھے لکھنؤ سے بوڑیہ کے لیے ایک دعوتی سفر میں جس میں راقم السطور بھی ساتھ تھا، اے سی کوچ سے ریزرویشن تھا ٹکٹ کنفرم نہیں ہوا تو ہم نے مولاناؒ سے درخواست کی کہ جنرل کوچ میں بیٹھ جائیں اور ٹی ٹی کے آنے پر بات کر کے سیٹ لے لیں گے حالانکہ ان دنوں مولاناؒ کی صحت کمزور چل رہی تھی، لیکن ٹی ٹی نہیں آئے اور ٹی ٹی کے انتظار میں ۱۰ر گھنٹے کا سفر بہت مشقت کے ساتھ سہارنپور تک طے کیا۔ اس طرح کی مشقت مولاناؒ دعوتی کام کے سلسلہ میں برداشت کرتے تھے اور دوسروں کو محسوس بھی نہیں ہونے دیتے تھے۔

حقیقت میں اسلام کچھ اور ہے

یہ افسوس کی بات ہے کہ اگر کوئی اسلام کو پڑھ کر اسلام کا کلمہ پڑھنے والا ہو جاتا ہے تو وہ ہمارے معاملات دیکھ کر یہ کہتا ہے کہ ہم نے جو کتابوں میں اسلام پڑھا ہے وہ تو کچھ اور ہے اور مسلمان کچھ اور ہیں بعض لوگ اپنے پرانے مذہب میں واپس چلے جاتے ہیں

جن کا بار بوجھ ہمارے سروں پر ہے۔

اکابر کا احترام

ایک نمایاں وصف مولاناؒ کا ہم خدام نے مختلف موقعوں پر یہ دیکھا ہے کہ اس گھرانہ کے افراد کا انتہائی احترام فرماتے خواہ اس گھر کے چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں جس گھرانہ سے ان کا خود یا ان کے آباو اجداد کا استفادہ کا تعلق ہو جیسے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جن سے ان کے دادا کا بیعت وارشاد کا تعلق تھا اور حضرت مدنیؒ لکھنؤ میں انہی کے مہمان ہوا کرتے تھے، اسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ذکریا صاحب کاندھلویؒ جن سے وہ خود اور ان کے گھر کے کئی بڑے بیعت تھے اور خود ان کے مربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ استفادہ کے طور پر ان کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے اور عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ جن سے ان کے نانا اور ان کے والد مولانا سید محمد الحسنیؒ بیعت تھے اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کو یہاں سے اجازت وخلافت حاصل تھی، جن سے یہ نسبت مولاناؒ کو حاصل ہوئی، اس لیے وہ آس پاس کا سفر کرتے تو خانقاہ رائے پور اور سہارنپور کی حاضری کو ضروری سمجھتے تھے اور ان جگہوں اور وہاں کے رہنے والوں کا انتہائی احترام واکرام کا معاملہ فرماتے، ان کے قرب وجوار میں جو مدارس ہیں وہاں بھی تشریف لے جاتے۔

عزت نفس

مولاناؒ کو عزت نفس اور خودداری کا بھی بڑا خیال رہتا تھا اور ان کی حساسیت بڑھی ہوئی تھی لیکن دوسروں پر اظہار نہ کرتے اور خود صبر کر لیتے اور خاص خدام سے ہی کچھ اظہار فرمادیتے تاکہ سکوت سے طرز عمل قابل تقلید نہ سمجھ لیا جائے اسی لیے منکر پر نکیر کا عمل بھی مولاناؒ کے یہاں ہوتا تاکہ منکر کو کوئی معروف نہ سمجھ بیٹھے اور منکر فروغ پاتا رہے۔

دنیا کی حقیقت

دنیا سے بے رغبتی کا مشاہدہ بھی مولاناؒ کی صحبت میں رہ کر خوب ہوا، ان کو اس حقیقت کا استحضار رہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی حقیقت مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں ہے، مال و دولت کی ان کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں تھی، اس سے وہ بقدر ضرورت ہی فائدہ اٹھاتے تھے اور ضرورت مندوں کی ضرورتوں کا ان کو زیادہ خیال رہتا تھا اور خاموشی سے لوگوں کی مدد کرتے رہتے تھے، خاص طور سے نومسلموں کا تعاون ان کی ترجیحات میں تھا۔

معاملات کی صفائی

معاملات کی صفائی کا حضرت والاؒ کو بڑا خیال رہتا تھا، کوئی سامان منگواتے تو اس کی قیمت خود ادا کرتے اور اس میں اتنی باریک بینی کا خیال رکھتے تھے کہ اگر ہم نے ان کی ضرورت کا احساس کر کے کسی وقت خود وہ سامان ضرورت لا کر پیش کر دیا اور قیمت لینے کے بجائے تحفہ پیش کرنے کی کوشش کی تو وہ باصرار قیمت ادا کرتے اور فرماتے چونکہ تم کو میری ضرورت کا علم تھا اور یہ سامان ہم تم ہی سے منگواتے، اس لیے یہ قیمت لو اگر بغیر واقفیت کے لاتے تو بات دوسری تھی اور فرماتے کہ اگر کسی کے متعلق ذہن میں آجائے کہ وہ ہدیہ دے گا اور وہ ہدیہ دیتا ہے تو وہ بھی نہیں لینا چاہئے اور اگر کسی وجہ سے لے بھی لیا تو بہتر ہے کہ اپنے استعمال میں نہ لائے۔

عربی زبان ایک زندہ جاوید زبان ہے

مولاناؒ نے فرمایا صرف عربی زبان ہی کو زندگی حاصل ہے بقیہ زبانوں کو اگر زندگی ہے بھی تو کچھ تھوڑا ہی بہت ہے ہماری عربی زبان کو لازوال زندگی ملی ہے، اسکی مثال یہ کہ ہر ملک ہر صوبہ، ہر ضلع کی الگ الگ زبان ہے اور ماہرین لغت کا کہنا ہے کہ ہر زبان پچاس سال کے بعد بدل جاتی ہے لیکن عربی زبان آج سے چودہ سو سال پہلے جو لکھی گئی تھی اسکو آج کا طالب علم بھی پڑھ سکتا ہے۔

یہ زبان زندہ جاوید ہے اور یہ زندہ جاوید ہے کیوں؟ اسلئے کہ اس کا تعلق ہے زندہ جاوید کتاب سے، فرمایا کہ حضرت مولانا سید واضح رشید صاحب حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ شامیانہ کھمبوں پر لگایا جاتا ہے تو عربی زبان کو دو کھمبوں پر قائم کا گیا ہے، ایک قرآن کریم دوسری حدیث شریف جو اس زبان سے اپنا رشتہ جوڑے گا اور جو ادارہ اس سے اپنا رشتہ جوڑے گا انشاء اللہ اسکو بھی بقاء حاسل ہو جائے گی۔ جن لوگوں نے عربی کے علاوہ دوسری زبان میں کتابیں تصنیف کی ہیں انکو زوال ہوتا جارہا ہے جو کتابیں عربی میں ہیں ان

کو بقا حاصل ہے۔

خواب کی تعبیر کا ملکہ

مولاناؒ کو خواب کی تعبیر میں بڑا ملکہ حاصل تھا اور طرح طرح کے لوگ اپنا خواب آکر سناتے، مولانا کے قلب پر تعبیر فوری طور پر القاء ہو جاتی اور اکثر صحیح ہوتی مگر وہ اس میں بھی بڑے حساس واقع ہوئے تھے، اگر کوئی یہ کہہ دیتا کہ فلاں بزرگ خواب میں تشریف لائے تھے تو وہ ٹوکتے یا دل سے ناپسند فرماتے اور کہتے کہ وہ خود کہاں سے آجائیں گے یہ کہو کہ میں نے ان کو خواب میں دیکھا یا ان کی زیارت کی۔

جھیز و بارات کی مذمت

شادی میں وہ جاتے تو جہیز بارات کے بارے میں فرماتے کہ ڈاکوؤں کا قافلہ ہے جو دن دہاڑے لڑکی کے یہاں سے لوٹ کر مال لے جارہے ہیں، لڑکی کو بھی لے جارہے ہیں اور مال بھی لوٹ کر لے جارہے ہیں، شرم وحیا بالکل ختم ہوگئی ہے۔ اللہ کا خوف دلوں سے نکل گیا تو برکت کہاں سے آئیگی۔

اچھے نمونے سامنے آئیں گے

کھانے میں قسم قسم کے کھانے کے بارے میں فرماتے اللہ کے رسول ﷺ کو وہ کھانا پسند تھا جو اقسام کے اعتبار سے کم ہو یعنی ایک دو قسم کا کھانا ہو اور وہ زیادہ مقدار میں خوش ذائقہ اور لذیذ ہو تاکہ لوگ سیر ہو کر کھا سکیں۔ مولاناؒ کی زندگی میں اکل حلال بلکہ اکل طیب کا بڑا اہتمام تھا اور وہ فرماتے تھے کہ فیکٹری میں جب اچھا اور پیور مال جائیگا تو اچھی چیزیں تیار ہوں گی اور خراب مال جائے گا تو گھٹیا چیزیں تیار ہوں گی۔ ایسے ہی آدمی جب حرام کھائے گا تو کام بھی خراب کرے گا اور حلال طیب کھائے گا اور اپنی اولاد کو حلال طیب کھلائیگا تو اچھے نمونے سامنے آئیں گے اور کام بھی ہوگا۔

استحقاق فلٹر کا کام کرتا ہے

اسی لیے وہ طلباء کے لیے وظیفہ کی رقم عام کرنے کے خلاف تھے اور جو واقعی مستحق ہوں انھیں کو دیئے جانے کے حق میں تھے اس لیے کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہوتی ہے لیکن وہ بڑے نکتے کی بات یہ فرماتے تھے کہ جس طرح خراب پانی فلٹر ہو کر صاف ہو جاتا ہے اور مضر صحت نہیں رہتا، اسی طرح استحقاق فلٹر (Filter) کا کام کرتا ہے۔ مستحق کے لیے وہ چیز صاف ہو جاتی ہے جو غیر مستحق کے لیے صاف نہیں بلکہ خراب ہوتی ہے، وہ اس کا یہ حل نکالتے تھے کہ مدرسوں میں فیس کا نظام رہے جو صاحب استطاعت ہیں وہ اپنے پاس سے فیس جمع کریں اور جو صاحب استطاعت نہیں ان کی فیس اس رقم سے انھیں کے ہاتھ سے ادا کرائی جائے۔ اب اس پیسے کو مدرسہ کی کسی بھی مد میں استعمال کر سکتے ہیں۔ دوسرا طریقہ اس کا یہ ہے کہ کوئی غریب آدمی قرض لیکر مدرسہ کی امداد کرے اور جو پیسہ مدرسہ میں واجب التملیک ہے اس پیسے سے مقروض کا قرض ادا کیا جائے۔

تدابیر کی جلوہ نمائیاں

طالبان علوم شرعیہ وعصریہ کی ہمت افزائی کے ساتھ ساتھ، محنت کا طریقہ اور علم کے حصول کے اصول وضوابط کی طرف بھی خاص توجہ دلاتے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں یوں تو دنیائے جہان سے ہزاروں طالبان علوم نبوتؐ اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لیے داخلہ کیلیے کوشاں ہوتے ہیں لیکن مغربی یوپی اور ہریانہ، پنجاب، ہماچل پردیش وراجستھان کے طلباء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ کے لیے کوئی دقت پیش آجاتی تو حضرت مولانا سید عبداللہ حسنیؒ خصوصی سفارش فرماتے یہاں تک کہ ۹۲-۹۳ء میں ہمارے مشفق رفیق مولانا ڈاکٹر قمر الزماں صاحب ندوی مرزاپور، سہانپور اور انکے چند رفقاء جن کا تعلق ٹونک راجستھان سے ہے، کے داخلہ کا مسئلہ آیا، یہ طلباء دارالعلوم ندوۃ العلماء کے علاوہ دیگر دینی، علمی درسگاہوں سے حفظ کی تکمیل کے بعد داخلہ کیلیے حاضر ہوئے تھے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے انتظام میں ایسے طلباء کے داخلہ کا کوئی نظم نہیں تھا، اس لیے دفتر اہتمام سے ان طلباء کے داخلہ سے معذرت کر لی گئی، آہ قربان جایئے اس مدبر کی تدابیر کی جلوہ نمائیوں پر جب ہمارے شیخ و مرشد کو اس کا علم ہوا تو بے چین ہوگئے اور تڑپ گئے کہ ان نو وارد دین طلباء کے لیے ندوۃ العلماء کے تعلیمی نظام میں کوئی نظم ہونا چاہئے اور اپنی اس بے چینی کو لے کر حضرت اقدس مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی حفظہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت مولانا مدظلہ العالی نے آپؒ کے مشورہ کو سراہا اور اس کی قدر کی جس کے نتیجہ میں

''معہد خصوصی'' کے نام سے ایک خوبصورت باب کا دار العلوم ندوۃ العلماء کے تعلیمی نظام میں اضافہ کرلیا گیا جس میں اس مایوس قافلہ نے داخل ہوکر اپنی علمی تشنگی کو بجھایا، اس وقت سے ندوۃ العلماء کے علاوہ دیگر درسگاہوں کے حفاظ اس باب سے داخل ہوکر دار العلوم ندوۃ العلماء میں اپنا علمی سفر شروع کرتے ہیں۔ راقم السطور بھی اسی باب سے ندوہ میں داخل ہوا تھا۔

سب سے بڑی کرامت

فرمایا کرتے تھے کہ لوگ بزرگ اس کو مانتے ہیں جس سے خارق عادت کرامات کا ظہور ہو، ہمارے نزدیک سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ وہ فرائض و واجبات، حقوق اللہ وحقوق العباد کا اہتمام کرتا ہو، معاملات صحیح ہوں، اگر یہ چیزیں نہیں ہیں تو کیسی ہی کرامات صادر ہوجائیں بزرگ نہیں ہوسکتا۔

مہمان نوازی

مہمان نوازی مولاناؒ کا نمایاں وصف تھا، گھر میں عمدہ سے عمدہ جو چیز ہوتی وہ مہمانوں کیلیے پیش فرمادیتے، علاقہ کے اعتبار سے بھی لوگوں کے ذوق کا خیال فرماتے اور چاہتے کہ وہ چیز پیش ہو جو انھیں پسند ہے۔

دعاؤں کا اہتمام

دعاؤں کا مولاناؒ کی زندگی میں بڑا ہی اہتمام دیکھا سونے جاگنے، سفر وحضر، کھانے پینے، گھر سے نکلنے، داخل ہونے اور شب و روز کی جو مسنون دعائیں ہیں ان کا اہتمام بھی فرماتے اور آس پاس چھوٹے ہوتے تو تھوڑے جہر سے دعا کرتے تاکہ دوسروں کی زندگیوں میں بھی اس کا اہتمام آئے اور دوسروں کو دعا دینا اور تنہائی میں اپنے لیے اور دوسروں کے لیے جیسا جس کا حق ہوتا دعا فرماتے اور خدام میں سے کوئی آپکی خدمت کرتا تو جس قسم کی خدمت ہوتی اس کے اعتبار سے اسکو دعا دیتے مثلاً ''اکرمک اللہ، اجرک اللہ، جزاک اللہ، وغیرہ۔

یہ چند مثالیں تھیں ہمارے ان مشاہدات کی جو میرے مشفق استاذ شیخ ومربی کی صحبت میں رہ کر ہوئے تھے ورنہ

ع سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لیے

محفل کون ومکاں میں سحر وشام پھرے مئے توحید کو لے کر صفت جام پھرے

داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی ایک مثالی شخصیت تھے، آپ کا شمار ان اللہ والوں میں ہوتا ہے جنھیں دیکھ کر ایمان تازہ ہوجاتا ہے، اللہ پاک ہمیں بھی آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے، تاکہ ہماری زندگی کا مقصد حاصل ہو۔ آمین!

BAKKAN

Raebareli-Kanpur Transport Co. (Regd.)
Head Office: Gulab Road, Raebareli
B. O. 133/242-F, Juhi Ratu Purwa, T. P. Nagar, Kanpur

میرے مربی-میرے محسن

محمد رضوان نستار ندوی (کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی، ندوۃ العلماء، لکھنو)

ملت اسلامیہ کی ناقابل فراموش ہستی سید احمد شہید کے خاندان کے چشم و چراغ، سادات حسنی کے فرد، مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ کے جانشین اور اپنے بزرگوں کے امتیازات وکمالات کے جامع۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ حدیث اور عالم اسلام کے داعی ومبلغ ومصلح حضرت مولانا عبد اللہ حسنی ندوی مدظلہ العالی ۳۰/جنوری ۲۰۱۳ء بروز بدھ تقریباً ۱۰:۳۰ بجے رحمۃ اللہ علیہ ہوگئے۔ اور اپنے پیچھے ہزاروں شاگردوں، لاکھوں ارادتمندوں اور اہل عقیدت وارباب محبت کی ایک دنیا چھوڑ گئے جو اپنی ویرانی پر اشکبار اور دلفگار ہے اور مدتوں رہے گی۔

یہ خبر ہمارے لیے ایسا صدمہ تھی کہ آج بھی اس کا درد محسوس کرتے ہیں اور کسی طرح بھلائے نہیں بھولتا، وہ سارے مناظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتے ہیں اور دیر تک کسی صورت چین نہیں آتا، اور صبر وضبط ساتھ چھوڑ دیتا ہے اور آنکھیں چھلک جاتی ہیں۔

جو جانتے انھیں تو بتانا کیا، پر جو نہیں جانتے، آہ! انھیں کیسے بتایا جائے کہ اس ایک ذات سے محروم ہوکر ہم کس دولت سے محروم ہوگئے ہیں!

حضرت مولانا کے وصال سے بظاہر تو اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوا کہ کروروں مسلمانوں میں سے ایک مسلمان، یا ہزاروں عالموں اور بزرگوں میں سے ایک بزرگ عالم اس دنیا سے رخصت ہوگیا اور یہ سب کچھ اس دنیا میں روز ہی ہوتا رہتا ہے، مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ اس دنیا میں اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا اکیلا وجود لاکھوں سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے اور وہ پتھروں کی کان میں لعل اور ہیرا ہوتے ہیں، بیشک حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی رجال عظام میں سے تھے اور ایسوں کی موت وحیات روحانی دنیا میں بہت بڑا تغیر اور انقلاب عظیم ہے، آہ! جنھوں نے نہیں جانا ان کو کس طرح بتایا جائے اور کیسے باور کرایا جائے کہ ہم سے کتنی بڑی چیز کھوگئی؟

اللہ تعالیٰ نے مولانا کو کچھ ایسی غیر معمولی کمالات سے نوازا تھا جن سے صرف وہی حضرات واقف ہوں گے جنھیں نزدیک رہنے اور قریب سے دیکھنے اور برتنے کا زیادہ موقع ملا ہوگا۔ ان میں سے اُن کے جس کمال کا نقش میرے دل پر سب سے زیادہ گہرا ہے وہ اُن کے اخلاق کریمہ اور بے انتہا تواضع اور بے نفسی ہے، اس بارے میں اس عاجز کا جو تاثر اور احساس ہے حقیقت یہ ہے کہ اس کے اظہار کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں، بس یہی کہ سکتا ہوں کہ اللہ نے ان کو جتنی بلندیاں عطا فرمائی تھیں وہ اتنے ہی بااخلاق متواضع اور بے نفس تھے، اسی طرح میں نے کبھی ان کی زبان سے، نہ نجی گفتگو میں، اور نہ مجلسی بحثوں اور گفتگو میں، کسی بڑے سے بڑے اپنے مخالف کے متعلق بھی کوئی سخت لفظ کبھی نہیں سُنا۔

مولاناؒ اس دور کے ممتاز ترین اور مشہور ترین داعیوں میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے دعوت اور پیام انسانیت کا وہ کام لیا جس کی توفیق خاص بندوں ہی کو ملتی ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ توفیق الٰہی کا خاص کرشمہ ہے۔

اپنے کسی بندہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہوتا ہے کہ اس کو کسی اچھے اور بڑے کام کی صلاحیت بھی بخشی جائے اور اسی کام کی لگن اس کے دل میں لگا کر اس میں اس کو مشغول کردیا جائے اور ضروری اسباب بھی اس کے لیے فراہم کردیئے جائیں، مولنا کی زندگی اور ان کے کام کو دیکھنے والے ہر شخص کو صاف نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ خاص عنایت وتوفیق اُن کی رفیق تھی، اور انہوں نے اس کام کے لیے خود وقف کردیا تھا۔

افسوس صد افسوس کہ ان اوصاف وکمالات کی حامل وجامع ہستی ہم سے جدا ہوگئی! آخر اس رحلت کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ جو انسانیت کی ہدایت کے اور انسان کو انسان بنانے اور ان کی کے لیے راتوں کو اٹھ کر دعائیں کرتے تھے اور بات کو انسانیت تک

پہنچانے کے لیے دور دور کا سفر کرتے تھے، اور جس کی رضا جوئی کے لیے اور جس کی یاد میں راتوں کی نیند اور دن کا چین و آرام قربان کیا جاتا تھا، اب اسی کے حضور میں اور اس کے مقام رضوان میں پہونچنا نصیب ہوگیا۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولی ونعم النصیر، اُسی سے دعا ہے کہ حضرت مرحوم کو ہم سب کی طرف سے بہتر جزا دے اور اُن کی جدائی کے صدمہ کو ہمارے لیے باعث اجر بنادے۔

یہ دولت نایاب اب کہاں؟ اب کہاں وہ صحبتیں؟ کہاں وہ مجلسیں؟ جہاں اس آسانی سے دل بیدار ہوجاتا تھا۔ اور مدتوں کی غفلت چند لمحوں کے لیے تو کافور ہی جاتی تھی! مگر کیا پتہ تھا کہ یہ سب ایمان پرور اور مسرت بخش مناظر ایک دن دل کے داغ بن جائیں گے۔ اور پھر ان داغوں کو ہی عزیز رکھنا پڑے گا۔

بزرگوں کی اخلاقی شانیں مختلف ہوتی ہیں۔ کسی میں خوش اخلاقی کا کوئی رنگ ہے کسی میں کوئی۔ آپ کی خوش اخلاقی میں ایک عجیب باوقار جمال تھا، کشادہ جبینی اور خندہ روئی کے ساتھ، ملنے والوں کا استقبال فرماتے۔ عین سنت کے مطابق پورے رُخ کے ساتھ التفاف ہوتا۔ یہاں تک کہ بیماری میں بھی کوئی ملنے آتا تو آپ اپنا ہاتھ بڑھاتے اور چاہتے تھے کہ ہر آنے والا سے مصافحہ اور استقبال ہو، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر حاضری قریب قریب تر کرتی اور دل میں محبت کا تعلق اُبھارتی۔ آپ کی صورت ہی دیکھ کر آدمی کو اُنس اور عقیدت پیدا ہوتی تھی۔ یہ دراصل ان کے باطن کی نورانیت اور جاذبیت کا عکس تھا جو پوری آب وتاب کے ساتھ اُن کے چہرے پر نمایاں رہتا تھا۔ آپ کو بہت تھوڑی ہی مدت قریب سے دیکھنے کے بعد دل گواہی دیتا تھا کہ یہ اللہ کے ولی ہیں، جس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے پاس بیٹھنے سے خدا یاد آتا تھا، یہی وجہ تھی کہ جس نے بھی آپ سے پہلے دن سے جو تعلق رکھا وہ پھر آپ سے جدا نہ ہوا۔

بعض احادیث میں اللہ کے خاص مقبول بندوں کی یہ نشانی بتائی گئی ہے کہ انھیں دیکھ کر اور ان کے پاس بیٹھ کر خدا یاد آتا ہے، اس یاد کے لیے جس ایمانی مناسبت اور جس توفیق کی ضرورت ہے جن کو اللہ نے اس خیر سے محروم نہیں کیا ہے اُن میں سے جس کو بھی حضرت سے قریب ہونے اور خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا ہوگا، یقین ہے کہ اس کو اس کا تجربہ ضرور ہوا ہوگا کہ ان کے پاس بیٹھ کر یا ان کو دیکھ کر دل میں خدا کی یاد اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی تھی۔

مولانا مرحومؒ ایک مخلص و مشفق مربی کے ساتھ ساتھ کامیاب داعی تھی، اور اپنی قابلیت وذہانت کو دعوت دین کے کاموں میں استعمال کیا، اور خود کو اس کے لیے وقف کردیا تھا، اور اس کام کو اخلاص وخاموشی کے ساتھ کرتے رہے، اور کبھی اپنی شہرت کے چکر میں نہ پڑے، اس کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کیا، یہی وجہ ہے کہ مولاناؒ ہمیشہ میڈیا سے دور رہے، جس سے بھی ملتے مسکراتے چہرے کے ساتھ، اور اپنے اساتذہ اور اپنے بڑوں کی عزت کرتے اور ان کا بڑا خیال رکھتے تھے، بس اللہ کو ان کا اس دنیا میں اتنا ہی رکھنا منظور تھا اور بیماری اس کا بہانہ بن گئی اور ان کی خدمت کرنے والوں کے لیے ذخیرۂ آخرت۔

چونکہ مولانا رمضان بعد ہی سے بیمار رہنے لگے تھے، اس کی وجہ سے کمزوری حد درجہ بڑھ گئی تھی اور روز بروز نڈھال ہوتے جارہے تھے، لیکن ان ساری کمزوریوں کے باوجود کوئی ان کی عیادت کے لیے آتا اور ان سے طبیعت پوچھتا تو کہتے الحمدللہ ٹھیک ہے، اور مسکراتے، اور اسی طرح اللہ کی ذات پر اتنا بھروسہ تھا کہ اس بیماری کے باوجود بھی ہمیشہ مطمئن رہے اور عقیدہ اتنا مضبوط کے کوئی طاقت اس کو ہلا نہ سکے، اور کہتے موت جس وقت آنی ہے آکر رہے گی، اور اک عجیب بات یہ ہے کہ اس قدر کمزور ہونے کے باوجود ساری نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کی سوائے ایک جمعہ کی نماز کے، اور آخر میں مولنا کا مسکرانا بڑھ گیا تھا

آپ کا صدمہ یقیناً بجا اور حزن وغم بیشک برمحل، یقیناً ایسے ''مربی'' کا سایہ سر سے اُٹھ جانے پر یہ حزن والم بالکل فطری چیز ہے۔ لیکن ہاں صدمہ وغم کی ان گھڑیوں میں بھی بھول نہ جایئے اللہ کے اس خاص فضل وکرم کو بلکہ صبر کے ساتھ ہی شکر بھی ادا کیجئے رب کریم کے اس احسان کا کہ اُس نے حضرت مولانا سے دعوت اسلام کی طرف خاص طور سے متوجہ فرمایا کہ گو آج حضرت اپنے جسم مبارک کے ساتھ ہم میں نہیں ہیں لیکن الحمدللہ کہ آپ کے علمی وارشادی فیوض کا اتنا ذخیرہ ہمارے استفادہ اور رہنمائی کے لیے موجود ہے کہ یہ کہنا انشاءاللہ مبالغہ نہ ہوگا کہ حضرت مرحوم اپنے فیوض وبرکات کے لحاظ سے اب بھی ہم سے جدا نہیں ہوئے ہیں۔

غیر مسلموں میں آپ کا دعوتی کام

محمد مصور عالم ندوی (العافیہ تحقیق وتصنیف سینٹر لکھنؤ)

انسان کے بیچ آپسی رسہ کشی اور نفرت وعداوت کے بھڑکتے شعلوں کو ختم کر امن وشانتی کے ساتھ رہنے کے لیے اس صفحۂ ہستی پر روزاول سے جس دعوت اور تحریک کی سب سے بڑی اور پہلی ضرورت رہی ہے وہ ہے دعوت الی اللہ یا ''تحریک پیام انسانیت'' جس کے اولین داعی حضرت آدم علیہ السلام پھر تمام انبیاء اپنے سردار امن وشانتی کے علمبردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ ساتھ اللہ کو ماننے والے وہ رشی، مُنی اور جلیل القدر اولیاء ہیں جنہوں نے برادر انسانی کو انسانیت کا پاٹھ پڑھایا اور اپنی روشن تعلیمات میں اسکے شاندار مستقبل کے لیے ایسے انمٹ نقوش چھوڑے جو بنی نوع انسان کے مجد وشرافت کے نگہبان اور اسکے بقاء وتحفظ کے سامان ثابت ہوئے، اس کی خاطر انہوں نے اپنے آپکو قربان کیا، قوم اور سماج کی تکفیر واستہزاء کا نشانہ بنے اور کبھی ایسا بھی محسوس کیا گیا کہ اخلاقی انارکی اور کفر وضلالت کی اس آندھی میں حق کا چراغ ہمیشہ ہمیش کے لیے غل ہو جائے گا لیکن عین موقع پر نصرت خداوندی کا ظہور ہوا، حق کو فتح ملی اور وہ مردان خدا بڑھے اور بڑھتے چلے گئے حکیم عصر، داعی کبیر، قائد ملت، خادم انسانیت حضرت مولانا عبداللہ محمد حسنی ندویؒ بھی اسی سلسلے کی ایک مبارک کڑی تھے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے افکار و خیالات کے ترجمان، حسن سیرت وسلیقہ کی مجسم تصویر حضرت مولانا عبداللہ محمد حسنی ندویؒ نے آپ کے بعد پیام انسانیت کی کمان سنبھالی اور اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا جس کو آپ نے ۱۹۷۴ء میں خدا کی نگری الہ آباد میں تحریک پیام انسانیت فورم کی شروعات کے وقت دیکھا تھا لیکن صد حیف کہ آپ کا یہ خواب ابھی پورا بھی نہیں ہو پایا تھا کہ وقت رحیل آگیا اور آپ اس دار فانی کو کوچ کر گئے انا للہ و انا الیہ راجعون

اللہ رب العزت نے آپ کے بعد زہد وتقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز آپ کے اس سچے جانشیں حضرت مولانا عبداللہ محمد حسنی ندویؒ کو نبض شناشی کے ساتھ افراد سازی کا جو ملکہ دیا تھا اسمیں آپ یکتائے زمانہ تھے، یہی وجہ ہیکہ آپ نے بہت ہی کم وقت میں نہ صرف یہ کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے باصلاحیت افراد کا ایک کارواں تیار کر دیا بلکہ ہزاروں ایسے نئے خون کو بھی اس سے جوڑ دیا جنکی کفر وشرک اور بت پرستی کے میدان کو سر کرنے کے لیے امت کو ضرورت تھی، لیکن ہائے افسوس کہ ایک نیا عزم، ایک نئی روح، اور ایک نئی طاقت کے ساتھ آپ کا یہ قافلہ طاغوتی طاقتوں کو کچلتا ہوا پوری زمین پر علم اسلام کو بلند کرنے کے لیے ابھی ابھرا ہی تھا کہ اپنے اس عظیم قائد سے محروم ہو گیا، خدا کو شائد اتنا ہی منظور تھا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

آپ کی وفات کا صدمہ پسماندگان میں جہاں گھر اور پریوار کے ساتھ لاکھوں کی تعداد میں ان آپ کے محبین ومریدین کو ہے وہیں پر ہزاروں کی تعداد میں ان نومسلموں کو بھی ہے جنکی آپ نے اخلاقی اور روحانی تربیت کی اور جنکی تعمیر وترقی آپ کا مشن اور زندگی کا نصب العین تھی۔

برادران وطن میں تعارف اسلام کا جذبہ اور کوششیں

دنیا بھر میں اسلام سے متعلق غلط فہمیوں کے ازالہ کی کوشش اور غیر مسلموں کے بیچ اسلام کا صحیح تعارف کرانے کا جذبہ آپ کے اندر فطری طور پر شروع ہی سے موجود تھی لیکن یہ چیز اور بھی نکھر کر اسوقت سامنے آئی جب بقول خود آپ علیہ الرحمہ کے ''میں نے ''اسلام کا مختصر تعارف'' جو ہندی میں اسلام ایک پریچے اور انگریزی میں Islam an introduction کے نام سے غیر مسلموں کو

دیا جاتا ہے مرتب کر کے حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کی تو حضرت نے مجھے بھی کوئی لائق سمجھا اور تعریف وتحسین سے نوازا پھر حضرت علیہ الرحمہ کی دعاؤں سے پہلے تو انفرادی طور پر جہاں جیسا موقع ہوا اسلام کا تعارف کرایا، اسکے بعد جلسوں اور پروگراموں کے ذریعہ اس کام کو آگے بڑھا، یہاں تک کہ مجھے کچھ نومسلموں کے ذریعہ تقویت ملی اور آج جب مجھے اتنے افراد ملے تو حسرت صرف اسی بات کی ہے کہ حضرت مولانا علی میاں نہیں رہے، اگر وہ باحیات ہوتے تو اسلام میں داخل ان نئے چہروں کو دیکھکر بہت خوش ہوتے۔

غیر مسلم وفود کی آمد کا سلسلہ اور ان کا قبول اسلام

عمومی طور پہلے آپ کے دست مبارک پر جنہوں نے کلمہ پڑھا انفرادی طور پر پڑھا۔ پھر جب یہ سلسلہ آگے بڑھا تو وہ دن بھی دیکھنے کو ملا جب اللہ رب العزت نے کلمہ پڑھنے والوں کی اس انفرادیت کو اجتماعیت کی شکل دی اور فرد کی جگہ غیر مسلم وفود کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا ۔ یہاں کہ ایک ہی مجلس ناچیز نے دس دس لوگوں کو کلمہ پڑھاتے دیکھا ،ایک بار یہ سعادت حضرت علیہ الرحمہ کی غیر موجودگی میں سیٹی اسٹیشن پر واقع لب سڑک مہاراج جی کے پہلے والے مکان میں حضرت مولانا خالد غازیپوری ندوی مدظلہ العالی کے بھی حصہ میں آئی ۔ اسطرح انفرادی اور اجتماعی شکل میں ناچیز کے علم کے مطابق حضرت علیہ الرحمہ کے دست مبارک پر کلمہ پڑھنے والوں کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہے، یہ وہ تعداد ہے جن کے کلمہ پڑھنے کے بعد حضرت سے روابط رہے اور باقی کے بارے میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے، وہ جہاں بھی ہیں اللہ ان کو ایمان واسلام پر قائم رکھے آمین۔

ایک غیر مسلم فوجی کا قبول اسلام اور اس کی خوشی

اسلام جیسی لازوال دولت کو حاصل کر لینے کے بعد انسان کو کتنی خوشی ہوتی ہے اسکا صحیح اندازہ وہی کر سکتا ہے جسکو اسکا تجربہ ہو یا جس نے خوشی کے اس لمحے کا مشاہدہ کیا ہو، ایک بار کا واقعہ ہے ''دفتر رائد میں جہاں کہ آپ اپنے خالی اوقات میں تشریف رکھتے تھے ایک فوجی نے آکر آپ سے ملاقات کی اور اسلام کے بارے میں کچھ سوال و جواب کیے، شائد وہ حق کی ہی تلاش میں نکلا تھا، آپ کے جواب کو سنکر وہ اسقدر خوش ہوا گویا اسے کوئی گمشدہ چیز مل گئی ہو، اس نے حضرت علیہ الرحمہ سے درخواست کی آپ مجھے اس دھرم میں داخل کر لیجیے، حضرت علیہ الرحمہ نے کہا: پہلے آپ اچھی طرح غور کر لیجیے، اس نے کہا :میں نے غور کر لیا، حضرت علیہ الرحمہ نے اس فوجی کو کلمہ پڑھا دیا۔ کلمہ پڑھنے کے بعد اس شخص کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا، ایسی خوشی ہوئی کہ اس نے حضرت علیہ الرحمہ کو گود میں اٹھالیا اور ناچنا شروع کر دیا

سکھوں میں دعوت کا کام اور ان کا قبول اسلام

ارتداد کی سرزمین پنجاب کا نام آتے ہی آپ بے قرار ہو جاتے اور فرماتے وہ کام کا ایک بہت بڑا میدان ہے اگر اسی سرزمین سے کوئی پڑھا لکھا اور مناسب آدمی مل جائے تو بڑا کام ہو سکتا ہے، اللہ رب العزت نے آپ کی اس تڑپ اور بے قراری کو بھی قبول کیا اور پنجاب ہی کی سرزمین سے آپ کو ایسے باصلاحیت سکھ افراد ملے جنہوں نے نہ صرف یہ کہ اسلام قبول کیا بلکہ اپنے سکھ بھائیوں میں کام کا بیڑا بھی اٹھایا۔

ایک سکھ پروفیسر سے آپ کی ملاقات اور ان پر اسلام کا اثر آپ نے کبھی کسی کو نہیں کہا کہ تم کلمہ پڑھ لو یا اسلام قبول کر لو، سامنے والا جب تک اندر سے مطمئن اور تیار ہو کر بذات خود نہ کہ دیتا کہ میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں تب تک آپ کلمہ نہ پڑھواتے۔ اگر کسی کو کلمہ پڑھاتے بھی تو پہلے اسے اپنے دل کو مطمئن کر لینے کے لیے کہتے پھر کلمہ پڑھاتے۔ ایک بار کسی یونیورسیٹی کے ایک سکھ پروفیسر نے آپ سے ملاقات چاہی، آپ نے ان کو دفتر رائد میں وقت دیا (یہ اسوقت کی بات ہے جب دفتر رائد مجلس تحقیقات کے سامنے اور علامہ شبلی نعمانی لائبریری کے بغل میں تھا) جب ملاقا ہوئی تو اس پروفیسر نے آپ سے قرآن کے بارے میں پوچھا کہ یہ کیا ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے؟ آپ نے بہت مختصر لیکن بہت ہی جامع گفتگو فرمائی اور قرآن کے اعجاز پر روشنی ڈالی، جب آپ نے کہا کہ دنیا میں یہ واحد کتاب ہے جس کے لاکھوں اور کروڑوں حافظ ہیں تو

اس نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: کیا دنیا میں واقعی کوئی ایسی کتاب ہے جو لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کو یاد ہے؟ اگر یہ حقیقت ہے تو اسلام ایک سچا مذہب ہے، اس کو کوئی بھی نہیں مٹا سکتا۔ پھر اس پروفیسر نے بظاہر اسلام تو قبول نہیں کیا اور نہ ہی آپ نے اس تعلق سے کچھ کہا لیکن اسلام کی حقانیت اسکے دل میں سما چکی تھی، انتہائے مجلس پر اس نے حضرت علیہ الرحمہ سے درخواست کی کہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے جو کلمہ پڑھوایا جاتا ہے آپ اس کو کسی کاغذ پر ہندی میں ترجمے کے ساتھ لکھ کر دیجیے اور براہ راست اسلام کو سمجھنے کے لیے کچھ کتابوں کی راہنمائی کیجئے۔ آپ نے اسلام ایک پرچے کے ساتھ ہندی میں کچھ اور کتابیں دیں اور کلمۂ توحید ہندی ترجمہ کے ساتھ لکھوا کر دیا۔ جب حضرت علیہ الرحمہ نے کلمہ توحید کے پرچے کے ساتھ یہ کتابیں انکے ہاتھ میں دیں تو اسکا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا، ان کے حرکات وسکنات بتا رہے تھے کہ اس وقت مولانا علیہ الرحمہ سے بڑھ کر کوئی محسن ان کی نگاہ میں ہے ہی نہیں۔

ویدک ریسرچ سینٹر کا قیام

ہندوستان میں مذہب اسلام کے مقابل ویدک ستیہ سناتن دھرم جس کے متبعین کا ماننا ہے انکا مذہب آسمانی اور جس کتاب پر ان کا عمل ہے وہ بھی سماوی ہے، کیا صحیح کیا غلط؟ اس کی حقیقت کی نشاندھی کے ساتھ حق کو سبھوں کے سامنے واضح کرنے کے لیے حضرت علیہ الرحمہ نے شیام سندرم شو آشرم متھ کے سابق مہاراج ویکا سانند برھم چاری (المعروف بہ معظم حسین یا مہاراج جی) کی نگرانی میں ایک ریسرچ سینٹر قائم کیا جو اسلام سے متعلق غلط فہمیوں کے ازالہ کے ساتھ اسلام کے راستے میں آنے والی تمام علمی اور عقلی روکاوٹوں کو دور کرتا ہے۔ ویدک دھرم گرنتھوں میں اسلام کس انداز میں ہے ریسرچ کے بعد مہاراج جی کی جو کتابیں سامنے آئیں انمیں اسی سینٹر کا کردار ہے۔

مذہبی اور کتابی میلوں میں اسلام کا تعارف

علمی اور کتابی حلقوں میں پیام انسانیت کی تبلیغ وترویج کے ساتھ غیر مسلم بھائیوں میں اسلام کا صحیح تعارف کرانے اور مذہب اسلام سے متعلق غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے جو چیز سب سے زیادہ مفید اور مؤثر ثابت ہوئی آپ کی وہ کوشش ہے جسکو آپ نے پیام انسانیت کے بینر تلے ایک اسٹال کے ذریعہ برادران وطن کے مذہبی میلوں اور کتابی نمائش گاہوں سے شروع کیا۔ اس کا پہلا اور کامیاب تجربہ آپ نے ہاتھرس شہر میں داؤ جی کے میلے سے کیا، پھر آپ کا یہ اسٹال پورے ہندوستان میں ہر نیشنل اور انٹرنیشنل بک فیر کی زینت بنا۔ اللہ اس کو باقی اور قائم ودائم رکھے آمین۔

اسکول اور کالج کے طلباء میں کام کی نوعیت

نوجوان نسل بالخصوص طلباء کو بے راہ روی سے بچانے اور انمیں سنجیدگی، علمی لیاقت اور سماج کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے آپ نے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں انکے بیچ چھوٹے چھوٹے جلسوں، سیمیناروں اور میٹنگوں کے اہتمام کے ساتھ اسلام کا صحیح تعارف اور اس کی تعلیم سے انسیت پیدا کرنے کے لیے مختلف عناوین کے تحت مقالہ نگاری کے مسابقے کروائے اور انکے خاطر خواہ نتائج بھی برآمد ہوئے۔ اسکول وکالج کے طلباء میں جن نوجوانوں کو اللہ رب العزت نے ہدایت کی دولت عطا کی اور آپ کے دست مبارک پر کلمہ پڑھا انہی کوششوں کے ثمرات ہیں۔

پیام انسانیت کی فکر

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آپ کی ہر سانس میں پیام انسانیت کی تبلیغ وترویج اور غیر مسلموں میں اسلام کی اشاعت کی فکر بسی ہوئی تھی، آپ اسکے لیے بالکل فدا ہو چکے تھے، وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ آپ مرض الموت میں پوچھ رہے ہیں کہ پیام انسانیت کا اسٹال کہاں لگ رہا ہے۔ کسی بھی مشن اور تحریک کیلیے وارفتگی کی ایسی نظیر شاذ ونادر ہی ملتی ہے۔

آپ کے اسفار اور پیام انسانیت کی تبلیغ و ترویج

ملک بھر میں انسانیت کو عام کرنے اور آپس میں دست وگریباں دیش باسیوں کو اتحاد واتفاق کا درس دینے کے لیے نہ صرف یہ کہ آپ نے اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے طرز پر شہروں، قصبوں اور صوبوں کے دورے کیے بلکہ چھوٹے سے چھوٹے

دیہات اور گاؤں تک میں بھی جانے آپ نے کوئی جھجک محسوس نہیں کی۔ آپ کی قیادت ونگرانی میں ۹۰ سے زائد پیام انسانیت کے جلسے اور سیمینار ہوئے جن میں ہندو مسلم دونوں نے یکساں طور پر دلچسپی لی اور بلا تفریق مذہب وملت ہزاروں کی تعداد میں شریک ہوکر جلسے کو کامیاب بنایا، غیر مسلموں کو اسلام سے قریب کرنے اور نو مسلموں کی روز افزوں کی ترقی میں ان جلسوں اور سیمیناروں کا بھی بڑا اور اہم رول رہا ہے۔

دعوتی مراکز کا قیام

آپ شروع ہی سے اس بات کے لیے کوشاں اور فکر مند رہے کہ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں جیسے دلی، مرادآباد، الہ آباد، کلکتہ، چنئی، بنگلور، ممبئی، چنڈی گڑھ، مالیر کوٹلہ اور پٹنہ وغیرہ میں جہاں کہ پیام انسانیت کے بڑے بڑے جلسے ہو چکے ہیں باقاعدہ طور پر پیام انسانیت کا کام انجام دینے کے لیے دعوتی مراکز کا قیام ہو، اس سلسلے میں کچھ شہروں میں آپ کی حیات ہی میں کامیابی مل گئی تھی اور باقی شہروں میں آپ کے تربیت یافتہ افراد اپنے اپنے طور پر کام کام کر رہے ہیں، مولانا علیہ الرحمہ کی زندگی میں انکے ثمرات آئے دن دیکھنے کو ملتے تھے۔

العافیہ کا قیام

مذکورہ بالا کام کو ایک نظام کے تحت منظم انداز میں کرنے کے لیے دسمبر ۲۰۱۰ء میں مکارم نگر ڈالی گنج لکھنؤ میں العافیہ کے نام سے ایک سینٹر کی بنیاد ڈالی، ''ستیہ مارگ پرکاشن'' جہاں سے پیام انسانیت سے متعلق مفید ترین لیٹریچرز، پمفلیٹز، اور کتابیں شائع ہوتی ہیں اسی سینٹر کا ایک شعبہ ہے، یہ سینٹر دعوت کے کام سے دلچسپی رکھنے والے حضرات بالخصوص مدارس اسلامیہ کے فارغین، طلباء اور اساتذہ کے لیے ہر ماہ دس روزہ تربیتی کورس کا بھی نظم کرتا ہے جسمیں ہر مہینے ۵۰ سے زائد شرکاء شریک ہوکر تجربہ کار اساتذہ کی نگرانی میں براہ راست تربیت حاصل کرتے ہیں، ساتھ ہی یہ ادارہ ان نومسلموں کی بھی تعلیم وتربیت کا پورا اہتمام کرتا ہے قبول حق کے بعد جنکی صحیح راہنمائی اور سرپرستی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اللہ اس ادارہ کو مزید ترقی سے نوازے اور ہمیں مولانا علیہ الرحمہ کے عزائم کے مطابق کام سے جڑے رہنے کے لیے ہمت وحوصلہ عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنیؒ کی زندگی قابل رشک تھی، وہ دین کے داعی اور اس کے سچے سپاہی تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین!

حاجی حبیب اللہ

Raebareli Sultanpur
Forwarding Agency (Regd.)

Head Office : Kaharon ka Adda Raebareli. Tel: 0535-2212016
Branch Office : 133/256, T.P. Nagar, Kanpur. Tel:0512-2640845
Mob.:9451763079,9336006693

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی

غیاث الاسلام صدیقی ندوی
(جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی)

دنیا میں روزانہ ہی لاکھوں انسان آتے اور جاتے ہیں، موت ایک حقیقت ہے جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ جب بھی کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کے گھر والے، اعزہ واقرباء غمگین ہوتے ہیں اور آنسو بہاتے ہیں۔ پھر کچھ دنوں میں وہ غم یاد ماضی بن جاتا ہے۔ لیکن اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس دنیا کو جب چھوڑ کر جاتے ہیں تو نہ صرف ان کے اہل خانہ اور اعزہ واقرباء آبدیدہ ہوتے ہیں بلکہ علاقے کے علاقے غم کے ماحول میں ڈوب جاتے ہیں، ہزاروں دل تڑپ جاتے ہیں اور لاکھوں آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں۔ ان کے چلے جانے سے علمی ودعوتی اور دیگر شعبہائے زندگی میں ایک خلا کا احساس ہوتا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں ان کی یاد ہمیشہ تازہ رہتی ہے۔ ان کے جاری کیے ہوئے فیض سے بہت عرصہ تک لوگ مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

اللہ کے ایسے ہی برگزیدہ بندوں میں ایک حضرت مولانا عبد اللہ حسنی صاحبؒ بھی تھے، جو ۳۰ جنوری ۲۰۱۳ء کو عالم فانی چھوڑ کر عالم جاویدانی کی طرف کوچ کر گئے۔ وہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلیؒ کے پوتے اور صدر مسلم پرسنل لاء بورڈ، ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء حضرت مولانا محمد رابع حسنی مدظلہ العالی کے داماد تھے۔

اخلاص وللّٰہیت، نبی کریم ﷺ کی ذات سے حد درجہ لگاؤ اور محبت، تواضع وانکساری، سادگی وملنساری، مہربانی وشفقت، علم میں تبحر، عامۃ المسلمین کی اصلاح کے لیے بے چینی، برادران وطن کی ہدایت کے لیے تڑپ، غرض وہ اُن تمام صفات کے حامل تھے جن کی نبی کریم ﷺ کی اولاد سے توقع کی جاسکتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اسلاف کی اعلیٰ قدروں کے حامل، نمونہ سلف اور اُسوۂ خلف تھے۔

مولاناؒ ۲۹ جنوری ۱۹۵۷ء کو تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ بنیادی تعلیم خاندان میں حاصل کی پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں عالمیت اور فضیلت کرنے کے بعد وہیں تدریسی خدمت میں مشغول ہوگئے۔ وہ حدیث شریف پڑھایا کرتے تھے۔ اس پر ان کی بڑی اچھی نگاہ تھی۔ انکے پڑھانے کا انداز بڑا نرالا تھا وہ ہر حدیث کے اصلاحی پہلو کو سامنے رکھتے تھے اور اسے طلبہ کے دل ودماغ میں اتارنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ ان کے درس میں ایک عجیب کشش اور نورانیت ہوتی تھی۔ طلبہ کسی استاذ کے درس میں شریک ہوں یا نہ ہوں مگر حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کے درس میں ضرور شریک ہوتے تھے۔

مولانا علیہ الرحمۃ سے طلبہ کا تعلق صرف درسگاہ تک محدود نہیں تھا بلکہ طلبہ کی ایک بڑی تعداد ذاتی طور پر بھی ان سے مشورے اور استفادہ کیا کرتی تھی۔ درسگاہ سے فارغ ہوکر وہ عموماً مجلۃ الرائد کے دفتر میں بیٹھتے تھے۔ ان سے ملاقات ومشورہ کے خواہشمند بھی وہاں پہنچ جاتے جس سے مجلس کی شکل پیدا ہوجاتی تھی۔ لکھنؤ میں واقع مولانا کے گھر خاتون منزل میں روزانہ بعد نماز عصر مجلس ہوا کرتی تھی جس میں ندوہ کے طلبہ اور محلہ کے لوگ مولانا سے مستفید ہوتے تھے۔ مولانا علیہ الرحمۃ ہر ایک کے ساتھ بڑی خوش اخلاقی اور مہربانی سے پیش آتے تھے۔ طلبہ کے ساتھ تو خصوصاً بہت ہی ملنساری اور شفقت کا معاملہ کرتے تھے۔ وہ اپنی ایمانی فراست سے طلبہ کے ذوق واستعداد کا اندازہ لگالیا کرتے تھے اور اسی لحاظ سے ان کو مشورے دیتے، ان کی رہنمائی کرتے۔

رمضان کے موقع پر دور دراز سے لوگ استفادہ کی خاطر تکیہ

شاہ علم اللہ رائے بریلی کی مسجد میں آکر رمضان کے بیشتر ایام گزارتے۔ ان دنوں حضرت مولانا محمد الرابع حسنی مدظلہ العالی قرآن پاک کی تفسیر بیان فرماتے اور حضرت مولانا عبداللہ حسنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ روزانہ چاشت کے وقت تہذیب الاخلاق کے حوالہ سے حدیث کا درس دیتے۔ ان کا یہ درس بہت ہی جامع ہوتا تھا۔ اس میں وہ ایمان کی علامتیں، دینی زندگی کی نورانیت اور فائدے، دین سے اعراض کرنے کے نقصانات، صحابہ کرامؓ اور اولیائے عظامؒ کے واقعات سے استدلال، بندوں پر اللہ تعالیٰ کے بے پایاں احسانات، اللہ کی رحمت وغفاریت اور زندگی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے تاریخ کے مختلف زمانوں اور انسان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو دین کی روشنی میں خوب واضح کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ سے محبت اور آپ کی پیروی میں پوری پوری کامیابی نیز یہ کہ صحابہ کرامؓ اور اولیائے عظامؒ نے کس طرح آپ کے راستہ کو حرز جاں بنایا۔ ان سب کو بڑی تفصیل سے بیان فرماتے۔ اسی طرح ظہر کے بعد مولانا کی مجلس لگتی، ایمان ویقین کی باتیں ہوتیں، بزرگوں کے واقعات پڑھے اور سنے جاتے۔ قیمتی نصیحتوں سے مولانا طلبہ وحاضرین کو نوازتے۔ تعلق مع اللہ کی یہ کیفیت تھی کہ مجلس میں اکثر دیکھنے کو ملتا کہ کسی نے مولانا کی خدمت میں حمد باری تعالیٰ کے کچھ اشعار پڑھ دیئے اور مولانا آبدیدہ ہوگئے۔ پھر پوری مجلس پر خاموشی چھا گئی۔ اس طرح کی مجلسوں میں راقم سطور نے مولانا کو شیخ سعدیؒ کا یہ شعر بڑے درد کے ساتھ پڑھتے ہوئے بارہا سنا ہے:

من تو شدم تو من شدی　　من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید دیگرے　　من دیگرم تو دیگری

مولانا کی مجلس میں جب کوئی نعتیہ کلام پڑھنے کی اجازت لیتا تو اجازت دینے کے ساتھ ہی بسا اوقات مولانا یہ مصرعہ پڑھتے: ''قدم سنبھال کے رکھیو یہ تیرا باغ نہیں''۔ جب نعتیہ کلام پڑھا جاتا تو مولاناؒ پر اس کا پورا پورا اثر ظاہر ہوتا۔

برادران وطن میں اسلام کی تبلیغ مولاناؒ کا محبوب مشغلہ تھا۔ اہل وطن سے کسی بھی طرح کی چشمک کے مولانا سخت خلاف تھے۔ وہ ہمیشہ ان کو اسلام سے مانوس کرنے کی فکر میں لگے رہتے اور ان کی ہدایت کے لیے بے چین رہتے۔ جو لوگ مولانا کے ہاتھوں اسلام قبول کر لیتے عام طور پر ان ہی کو مولاناؒ برادران وطن میں دعوت کے لیے استعمال کرتے۔ اصلاح ودعوت کی غرض سے مولانا نے بہت سے سفر کیے۔ خاص طور پر ہریانہ، پنجاب اور یوپی کے مختلف ضلعوں میں مولانا بارہا تشریف لے گئے۔ وہ صحیح معنوں میں اللہ کے ولی اور بزرگ انسان تھے۔ نہ جانے کتنے لوگوں نے آپؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور کتنے ہی لوگوں کو آپؒ کے ذریعہ توبہ اور انابت الی اللہ کی توفیق ملی۔

مولانا کا درس، بیان، تقریر سب ہی میں ایک خاص چاشنی ہوتی تھی اس کے ساتھ ہی ان میں بڑی تاثیر ہوتی تھی یوں لگتا تھا کہ ہر بات دل کی گہرائیوں سے نکل کر دل کی گہرائیوں میں اتر رہی ہے۔ وہ توحید کی باریکیوں کو بڑے واضح انداز میں بیان کرتے تھے۔ ان کی ہر تحریر وتقریر پر عقیدہ توحید ورسالت کی چھاپ ضرور رہتی تھی۔ فکری ودعوتی جو خوبیاں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے بارے میں مشہور ہیں وہ سب ان کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں۔ وہ گفتار سے زیادہ کردار کے غازی تھے، تصنیف وتالیف سے زیادہ دعوتی اسفار میں ان کا وقت صرف ہوتا تھا۔

حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ کی جاری کردہ تحریک پیام انسانیت کے آپؒ جنرل سکریٹری تھے۔ آپؒ نے پیام انسانیت کے کاز کو بہت آگے تک بڑھا دیا۔ آپؒ مجلۃ الرائد کے مدیر التحریر بھی تھے۔ حضرت مولاناؒ کی کتاب **ازمۃ ھذا العصر الحقیقیۃ** اور **نفحات الایمان بین صنعاء وعمان**، حضرت مولاناؒ کی تقریروں، **حیاۃ الصحابہؓ** پر حضرت مولاناؒ کے مقدمہ کا آپؒ نے اردو میں ترجمہ کیا۔ آپؒ کی نگرانی میں حضرت مولاناؒ کے قرآنی افادات کو جمع کیا گیا۔ اس کے علاوہ **مجلۃ الرائد** کے اداریہ میں آپ کی عربی تحریریں آتی رہتی تھیں۔

اتنی جلدی آپؒ سب کو الوداع کہہ دیں گے اس بات کی کسی کو بھی توقع نہیں تھی۔ لیکن ''**وکان امر اللہ قدرا مقدورا**''۔

سنگ آمد سخت آمد

محمد احسن عبدالحق ندوی

دنیا میں ایسی شخصیات بہت کم آتی ہیں، جو انسانیت کے ہر فرد کو اس کی صلاحیت اور ضرورت کے اعتبار سے روشنی عطا کریں، اور جب وہ اپنی زندگی پوری کر کے دنیا سے رخصت ہونے لگیں تو پوری انسانیت کو نئی زندگی عطا کریں، خانوادۂ علم اللہی کا چراغ مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ ایسی ہی مایہ ناز شخصیات میں سے ایک تھے، جن کے بارے میں صرف یہی کیا جاسکتا ہے کہ یہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔

مولانا متوازن جامع صفات، سراپا تواضع، سراپا انکسار، ملنسار، پاک سیرت، پاک گفتار، دعوت اسلامی کے علمبردار، علم وآگہی اور فکر وفن کے ماہر، کلام الٰہی کے ترجمان، احادیث نبوی کے امین، ادب اسلامی کے رمز شناس، علوم شرعیہ میں دسترس، مصنف ومصنف گر، بالغ نظر اور ہم طلباء کے لیے سراپا فیضان تھے۔

طلباء کی ایک بڑی تعداد عصر بعد ان کی قیام گاہ خاتون منزل ان کے ارشادات اور ملفوظات سے فیض حاصل کرنے کے لیے جاتی تھی، مولانا نہ صرف طلباء کی تربیت کرتے تھے بلکہ ان کے بہت قریب ہوتے تھے اور ان سے اپنی بات بھی کہتے تھے اور مسائل بھی سنتے تھے اور ان کا حل تلاش کرنے کی کوشش بھی کرتے تھے، رائے بریلی میں ماہ رمضان المبارک میں مولانا علم وعرفان کے جام پلاتے اور تشنگان سلوک ومعرفت کی آبیاری کا فریضہ انجام دیتے، یہاں مولانا کا درس بڑا مقبول تھا، ایسا لگتا تھا کہ بات دل سے نکل رہی ہے اور اسی طرح وہ سیدھے دل پر اثر کرتی تھی۔

مولانا ملت اسلامیہ کے ایک معالج اور نبض شناس تھے، مولانا ایک کامیاب مدرس ہونے کے باوجود محض درس وتدریس تک محدود نہ تھے، بلکہ مدارس ومکاتب کے قیام کی فکر میں مگن تھے، اور اپنے تمام خطابات میں اس پر زور دیتے تھے اور اسے ملت اسلامیہ کے مستقبل کے لیے لازم قرار دیتے تھے، مولانا نے بالخصوص لکھنؤ کے اطراف وجوانب رائے بریلی، سلطان پور، سیتاپور، بارہ بنکی اور فیض آباد میں بے شمار مکاتب ومدارس قائم کیے، ندوۃ العلماء کی کئی شاخوں کے ناظم تھے، بہت سے مکاتب اپنے خصوصی نظم سے چلاتے تھے، اس کی نہ کبھی تشہیر کی اور نہ اس کے لیے کسی جمعیت اور سوسائٹی کو قائم کیا۔

مولانا اپنے اخلاق وکردار میں منفرد وممتاز تھے، ان کے اندر تکلف نہ تھا، وہ سادہ مزاج نیک طبیعت کے فرد تھے، ہر ایک سے ملتے اور ان کے حالات دریافت کر کے ان کا حل تلاش کرتے، یہی وجہ ہے کہ جو آپ سے ایک مرتبہ ملتا وہ آپ کا گرویدہ ہوجاتا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ درجہ کا فہم، اسلام اور مسلمانوں کا درد رکھنے والا دل، نپی تلی، جانچی پرکھی، وزن دار اور اذہان وقلوب کو اپیل کرنے والی، طاقتور قلم اور زبان میں تاثیر جیسی خوبیوں سے نوازا تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ کا دعوتی انداز بڑا ہی مؤثر تھا، مولانا ایک ممتاز عالم دین اور محقق تھے، آپ کی صلاحیتوں، کوششوں، کاوشوں، قربانیوں اور خدمات کی وجہ سے آج ہندوستان کے مختلف حلقوں میں تحریک پیام انسانیت کا کام زور وشور سے چل رہا ہے۔

مولانا کی وفات سے بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء ماہر فن سے محروم ہوگیا، خانوادۂ علم اللہی اپنے بے مثال فرزند کی جدائی پر اشک بار ہے، نہ جانے مدارس ومکاتب اپنے سرپرست اور ناظم کے فراق پر رنجور ہیں، تحریک پیام انسانیت کسی فرد مجاہد کی منتظر ہے، الرائد، تعمیر حیات اپنے محسن سے محروم ہوگئے، جوان کو شاد کام کیا کرتی تھی، طلباء کے سر پر ایک مشفق استاد کا سایہ نہ رہا، دینی کام کرنے والے اس ساقی سے محروم ہوگئے جو اپنی صراحی سے ان کو مئے پلایا کرتا تھا، پوری ملت اسلامیہ ایک ایسے داعی سے محروم ہوگئی جس کا نعم البدل بس خدا ہی فراہم کرسکتا ہے۔

ملت ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی

بلا لحاظ مذہب وملت' انسانی ہمدردی کی بنیاد پر علماء کرام کی نگرانی میں ہمہ جہتی، فلاحی ورفاہی خدمات کے لیے اور معاشی اعتبار سے کمزور و مستحق افراد تک امداد پہنچانے کی غرض سے فیض آباد کے نوجوان علماء کرام نے بروز جمعہ ۶/اگست ۲۰۱۰ء ایک سوسائٹی بنام "**ملت ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی**" شجاع گنج، فیض آباد، یو.پی. قائم کی، جس کے سرپرست **مولانا مفتی راشد حسین ندوی** (کھیتہ سرائے) مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی، بانی وصدر **مولانا مفتی محمد احسن عبد الحق ندوی** (کھنڈ پیڑا) رفیق دار عرفات، رائے بریلی، جنرل سیکریٹری **مولانا محمد عبید یوسف ندوی** (بانی وناظم جامعہ حلیمہ سعدیہ للبنات، شجاع گنج، فیض آباد) اور ممبران میں مولانا ابوبکر ندوی (سرائے برئی) مولانا ریاض احمد قاسمی (صلاح پور) مولانا محمد سفیان ندوی (شجاع گنج) مولانا محمد منصور ندوی (کھیتہ سرائے) مولانا مرشد حسین ندوی (کھیتہ سرائے) مولانا عبد اللہ ندوی (کھیتہ سرائے) مولانا صدیق اکبر ندوی (آلہن مئو) ہیں۔

اہداف و مقاصد

(۱) ملت اسلامیہ کی دینی واخلاقی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے مختلف زبانوں میں لٹریچر کی تیاری واشاعت (۲) اصلاح معاشرہ کے لیے سیمینار وکانفرنس کا انعقاد (۳) گاؤں گاؤں میں مکاتب کا قیام (۴) ائمہ مساجد کی تقرری اور ان کی تربیت کا اہتمام (۵) لائبریری کا قیام (۶) کالج کا قیام (۷) ہاسپٹل کا قیام (۸) یتیموں، بیواؤں اور حاجت مندوں کی ضرورتوں کی تکمیل (۹) دار القضاء کا قیام

مطبوعات سوسائٹی

(۱) رمضان المبارک اور اس کے شرعی احکام
(۲) تراویح کی رکعات اختلافات اور راہ اعتدال
(۳) عید قرباں۔ فضائل ومسائل
(۴) محرم الحرام اور تعزیہ داری

زیر طبع مطبوعات

(۵) نکاح۔ ایک پاکیزہ ومقدس رشتہ (۶) بناؤ سنگار کے شرعی احکام
(۷) آپ کا لباس کیسا ہو؟ (۸) شادی کی بعض رسومات
(۹) جہیز۔ ایک لعنت (۱۰) زوجین کے حقوق
(۱۱) مسئلہ طلاق۔ ضرورت اور احکام

ملت ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی نوجوان علماء کی قائم کردہ ایک نوزائدہ سوسائٹی ہے، یہ نوجوان علماء اس سوسائٹی کے ذریعہ پورے علاقہ میں اسلامی بیداری، اصلاح معاشرہ، تعلیمی وتربیتی بیداری وملی شعور پھونکنے کے جذبات سے معمور ومخمور ہیں، کئی بستیوں میں اس سوسائٹی کے ذریعہ مکاتب قائم کیے جا چکے ہیں اور الحمد للہ ان سے اچھے نتائج سامنے آرہے ہیں، اسی کے تحت شجاع گنج میں ایک لائبریری بھی قائم کی جا چکی ہے جسے ترقی دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔

میں دعا کرتا ہوں کی اللہ تعالیٰ ان علماء کو ان تمام نیک مقاصد میں بھرپور کامیابی عطا فرمائے، اور برادران اسلام سے اپیل کرتا ہوں کہ مالی اور عملی میدانوں میں ان کا بھرپور تعاون فرمائیں، اس لیے کہ مکمل کامیابی تعاون کے بغیر نہیں ہوسکتی۔

والسلام
مفتی راشد حسین ندوی

مفتی محمد احسن عبد الحق ندوی
(صدر ملت ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی)
موبائل:
9936028749
9918385097

پیام عرفات کے خصوصی اشاعت بیاد حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کا ہم استقبال کرتے ہیں

اسکول وکالج کے طلبہ کے لئے عالم بننے کا سنہرہ موقع

ADMISION OPEN FOR 2013-14

The Academic Year will Start From 15/June

جامعۃ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ

(قرآن اور ینٹیڈ نصاب تعلیم)

زیر سرپرستی حضرت مولانا محمد رابع حسنی صاحب ندوی دامت برکاتہم

(ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ)

پانچ سالہ اقامتی وغیر اقامتی عالمیت کورس

Five Years Graduate Course in Islamic Studies

(A complete Alim Course) Full Time Alim Course

عربی زبان وادب:- Direct Method ماہر اساتذہ کی نگرانی میں عربی زبان کی تدریس

قرآن مجید:- تفسیر واصول تفسیر قدیم مستند تفاسیر اور جدید سائنٹفک علوم کی روشنی میں قرآن کی تدریس

حدیث نبویؐ:- صحاح ستہ، اصول حدیث، علوم نبوت کی عہد جدید سے مناسبت

فقہ اسلامی:- فقہ کی قدیم مستند کتابوں کی تدریس۔ اصول فقہ۔ اسلامی قانون اور دور جدید کے قوانین کا تقابلی مطالعہ

مذاہب کا تقابلی مطالعہ (Comparative Studies)

شعبۂ اختصاص: علوم جدیدہ کی روشنی میں قرآن وحدیث کے اسرار ورموز کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے

اسلامی سائنس، قانون، معاشیات، سیاسیات، نفسیات، وغیرہ میں سے کسی ایک شعبے میں اختصاص (Specialization)

تعلیمی اہلیت: داخلہ کے لیے S.S.C. یا H.S.C. پاس ہونا ضروری ہے۔

رابطہ کریں: مولانا عمران ندوی (09320903349)

مولانا رشید احمد ندوی۔ مولانا سلامت اللہ ندوی، ذمہ داران مسجد ارقم

جامعۃ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ، مسجد ارقم، امرت نگر، ممبرا، ضلع تھانہ

ہمارے مولانا رحمۃ اللہ علیہ

مرشد حسین ندوی

موت ایک یقینی اور اٹل حقیقت ہے، دنیا میں کسی کو نہ موت سے انکار ہے اور نہ اس سے رستگاری، آئے دن یہ حادثات پیش آتے رہتے ہیں، لیکن ان حادثات کی کڑی میں بعض ایسے حادثے واقع ہوتے ہیں جو دل پر گہرا اثر چھوڑتے ہیں، کسی فرد وخاندان کے لیے نہیں بلکہ پوری پوری قوم وملت کے لیے یہ خسارے اور رنج والم کا باعث ہوتے ہیں، ۳۰/جنوری ۲۰۱۳ء کی صبح کچھ ایسا ہی روح فرسا واقعہ ہمارے سامنے پیش آیا، یہ حادثہ داعی اسلام، ہمارے مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ کا ہے۔

ہمارے مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے بھائی مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کے نامور فرزند محمد الحسنیؒ مرحوم کے بیٹے تھے، مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ اور ان کے صاحبزادہ محمد الحسنیؒ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے کمالات سے آراستہ کر رکھا تھا، مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ ان تمام کمالات وخصوصیات کا ایک حسین امتزاج تھے، انہیں جہاں ڈاکٹر صاحب کی معتدل مزاجی، متوازن طبیعت اور غیر مسلموں میں دعوت کی فکر ورثہ میں ملی تھی، وہیں محمد الحسنیؒ کا قلم، اسلوب نگارش اور ان کے فکر ونظر کی بلندی ودیعت ہوئی تھی، ساتھ ہی وہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا عکس جمیل اور محبوب ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا پرتو بھی معلوم ہوتے تھے۔

ہمارے مولاناؒ کی ولادت ۲۹/جنوری ۱۹۵۷ء میں ہوئی، مولاناؒ نے ابتدائی تعلیم کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی، اور اسی کے مسند درس پر متمکن ہوگئے، ان کا خاص موضوع حدیث اور ادب تھا، مولاناؒ ان فنون کی اعلیٰ کتابوں کا درس دیتے تھے، مولاناؒ کا درس بڑا مقبول ہوتا تھا، طلباء کے اندر آپ کی محبوبیت ومقبولیت تھی، اس کے علاوہ طلباء کی ایک بڑی تعداد بعد عصر آپ کی قیام گاہ خاتون منزل آپ کے ارشادات سے فیض حاصل کرنے کے لیے جاتی تھی۔

مولاناؒ کے مزاج میں اعتدال، عزم وحوصلہ اور استقامت کی خوبی، حق گوئی وبے باکی، فکر کی بلندی، کام کرنے کا سلیقہ اور حکمت عملی، خوردنوازی اور افراد سازی، انسانی پیام کی اشاعت، معاشرے کی اصلاح کا درد، اپنے مادر علمی اور اپنے گھر ندوۃ العلماء کے پیام اور فکر کی عمومیت، اور ملک کے مختلف مکتبائے فکر اور علمی دانشگاہوں اور حلقوں سے ربط وتعلق، الغرض بے شمار خصائص اور بے پناہ خوبیوں اور صلاحیتوں کے آپ حامل تھے۔

آپ دینی جلسوں اور اصلاح معاشرہ وپیام انسانیت کے پروگراموں میں بھی بڑی سادہ اور کام کی بات کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی بات بڑی مؤثر ہوتی تھی، چھوٹی چھوٹی مثالوں اور حکمت کی باتوں سے آپ اپنے خطاب میں طاقت پیدا کرتے تھے، صحیح معنوں میں آپ ملت اسلامیہ کے لیے ایک معالج اور نبض شناس تھے۔

مولاناؒ مرحوم ادھر کئی ماہ سے علیل تھے، انسانی تدبیریں جاری رہیں، لیکن طبیعت دن بدن بگڑتی گئی، بالآخر وفات سے چندروز قبل انہیں سحر نرسنگ ہوم میں داخل کیا گیا، پورا خاندان اور ندوی گھرانہ، ملک کے علماء واکابران کے لیے دعائے صحت کررہے تھے، آخر میں بے چینی بہت بڑھ گئی تھی، بالآخر ۳۰/جنوری ۲۰۱۳ء کو صبح ۱۰/بجے جاں جان آفریں کے سپرد کردی۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔

جگر کا یہ مصرع بالکل حسب حال ہوا

ع عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

نگاہ کیمیا اثر

محمد عمر عثمان ندوی

میں ثانویہ رابعہ (درجہ چہارم) کا طالب علم تھا، حضرت مولانا عبداللہ حسنی صاحب کے ہمارے مدرسہ "مدینۃ العلوم، سنبھل" آنے کا پروگرام طے ہوا، مدرسہ کے ذمہ دار مولانا عبدالمؤمن صاحب ندوی نے طلبہ کے پروگرام کی تیاریاں شروع کردیں اور ہم طلبہ میں سے بعض کو اردو اور بعض کو عربی تقریریں لکھ کر یاد کرنے کے لیے دی گئیں، میری تقریر عربی زبان میں تھی جس کا عنوان تھا "دور الإسلام في بناء المجتمع البشري" ہم طلبہ نے بڑی محنت سے وہ تقریریں یاد کیں، ہمیں بڑی خوشی اس بات کی تھی کہ ہمیں مولانا عبداللہ حسنی صاحب کی موجودگی میں جلسہ میں اپنی تقریر پیش کرنے کا موقع ملے گا، میری طالب علمی کے زمانہ میں مولانا کی سنبھل آمد کا یہ پہلا موقع تھا، اس سے پہلے نہ ہم نے مولانا کو دیکھا تھا اور نہ کبھی آپ کی تقریر سنی تھی۔ اس وقت میری عمر ہی کیا تھی ایسے ہی کوئی ۱۴، ۱۵ سال، مولانا کے پہلے ہی دیدار نے وہ اثر ڈالا کہ اس کے بعد روز بروز مولانا سے محبت میں اضافہ ہوتا گیا اور تعلق بڑھتا گیا، اور جب ریاض الصالحین کی وہ حدیث پڑھنے کا موقع ملا جس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالی جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبرئیلؑ کو زمین پر بھیجتا ہے اور یہ اعلان کراتا ہے کہ اللہ تعالی فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ روئے زمین پر رہنے والی مخلوق ہو یا پانی میں زندگی بسر کرنے والی سب خدا کے اس بندہ سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ فوراً اس حدیث کی تشریح سمجھ میں آگئی کہ اللہ کے نیک بندے کیسے ہوتے ہیں۔

جلسہ کا افتتاح ہوا، طلبہ کے اس پروگرام میں عمائدین شہر کو بھی مدعو کیا گیا تھا، ان کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی، پروگرام کی نظامت کی ذمہ داری ایک بڑے درجہ کے طالب علم کو سونپی گئی تھی، دوران نظامت ناظم جلسہ نے مولانا کا تعارف کراتے ہوئے لفظ "خلَف" کو "خلْف" کہہ دیا اور ان کو اپنی اس غلطی کا احساس بھی نہ ہوسکا، شاید وہ دونوں لفظوں کے فرق سے واقف نہ تھے کہ عربی زبان میں خلَف اچھے جانشین کو اور خلْف برے جانشین کو کہتے ہیں، طلبہ کی تقریروں کا سلسلہ ختم ہوا اور اب بڑی شدت سے انتظار تھا مولانا کے خطاب کا، مولانا کو طلبہ سے خطاب کے لیے مدعو کیا گیا، ہم طلبہ مولانا کا خطاب سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہوکر بیٹھ گئے، اب کیا تھا مولانا کا خطاب شروع ہوا، قرآن کریم کی آیت "فخلف من بعدهم خلف ورثوا الكتاب يأخذون عرض هذا الأدنى" کی تلاوت کی اور اسی آیت کو اپنی گفتگو کا موضوع بنایا، شروع میں تو کیا بہت سے لوگ آخیر تک نہ سمجھ سکے کہ مولانا نے اس آیت کو کیوں منتخب فرمایا، کسی کو دیکھنا ہو تو اس انداز تربیت کو دیکھے، مذکورہ آیت شریفہ کی اس انداز میں تشریح کی ناظم جلسہ کی اصلاح بھی ہوگئی اور دوسرے لوگوں کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی، پھر مولانا نے "خلَف" اور "خلْف" پر اس دلکش انداز میں گفتگو فرمائی کہ ہم طفلان مکتب کو بھی بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی، پھر مولانا نے دنیا دار علماء پر ایک مؤثر خطاب کیا، قوم بنی اسرائیل نے کس طرح دین کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا اور آیات الٰہیہ کو بے حیثیت دنیا کے بدلہ فروخت کیا، حرام وحلال کی مطلق پرواہ نہ کی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ نمازوں کو ضائع کرنے والے ٹھہرے اور خواہشات کے پیچھے لگ گئے اور آخرت کی تباہی ان کا مقدر بن گئی، ہمیشہ اپنے آباء وجداد پر فخر کرتے رہے اور کام ان کی شریعت کے خلاف کرتے رہے، اور کہتے رہے "سيغفر لنا" ہم تو بخش دیے جائیں گے۔ قرآن کریم میں ایسے ہی لوگوں کی مثال اس کتے سے دی گئی جو ہمیشہ ہانپتا رہتا ہے۔ مولانا نے ہم طلبہ کو اس بات پر ابھارا کہ ہم اپنے اندر اخلاص پیدا کریں، دین کو دنیا حاصل کرنے ذریعہ ہرگز نہ بنائیں، خدا کی آیات کی من چاہی تشریح کرکے ان کو "ثمن قلیل"

میں فروخت نہ کریں کہ اس دنیا کی خدا یہاں کوئی حیثیت نہیں۔

مولانا سے ملاقات کا وہ دن تھا کہ آج تک ۱۴، ۵۱ سال ہورہے ہیں کبھی بھی مولانا کے پائے ثبات میں لغزش نہ دیکھی اور جو تشریح اس وقت آیت شریفہ کی کی تھی آج تک جہاں تک میں نے دیکھا اس سے ایک انچ بھی ادھر ادھر نہ پایا، دنیا سے بے رغبتی گویا کوٹ کوٹ کر آپ کے اندر بھر دی گئی تھی۔ لچھے دار اور بڑی اخلاص والی تقریریں کرتے ہوئے تو بہتوں کو دیکھا مگر عام طور سے عمل سے کورے نظر آئے، اس سے بڑھ کر کیا اللہ کی نعمت ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو علم وعمل کا جامع بنادے اور اخلاص کی دولت سے حصۂ وافر عطا فرمادے، خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں یہ صفات میسر ہوجائیں۔

دنیا میں ایسے لوگ کہاں نظر آتے ہیں جن میں علم وعمل اور اخلاص للّٰہیت کا یہ توازن پایا جاتا ہے، جیسے جیسے زمانہ خیر القرون سے دور ہورہا ہے یہ صفات لوگوں میں کم یاب بلکہ نایاب ہوتی جارہی ہیں، ظلمات بڑھتی جارہی ہیں اور تاریکی کے بادل اس دنیا کو ڈھانپتے جارہے ہیں۔

مولانا کے اس خطاب کا اثر یہ ہوا کہ ہم نے مخلص اور دین دار عالم بننے کا عزم مصمم کرلیا، اگرچہ اپنے اندر یہ صفات آج تک پیدا نہ کرسکے اور ہمیشہ شیطان ہی کے داؤ پیچ میں آتے رہے، مگر شاید اللہ تعالیٰ کو بچپن کی یہ ادا پسند آئی اور کسی نہ کسی درجہ میں دین سے آج تک جوڑے رکھا ہے، ورنہ نہ جانے ہم بھی آج اپنے دوسرے بہت سے ساتھیوں کی طرح ادھر ادھر بھٹک رہے ہوتے اور دنیا کے عارضی نفع کو حاصل کرنے کے لیے اپنی تمام کوششیں صرف کررہے ہوتے، ہمارے کلاس کے کتنے باصلاحیت ساتھی آج بھی کالجوں اور یونیورسٹیوں کی خاک چھان رہے ہیں یا پھر انہوں نے یہ لائین ترک کرکے تجارت وغیرہ کی لائین اختیار کرلی ہے، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے دکھاوے کا ہی صحیح دیندار تو بنا رکھا ہے، اللہ کی ذات سے کیا بعید ہے کہ اخلاص کی دولت سے نوازدیں، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کی حیات وخدمات پر ماہنامہ **پیام عرفات** کی اس خصوصی اشاعت کا ہم تہہ دل سے خیر مقدم کرتے ہیں، اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حضرت مولاناؒ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

مزدور ماچس

(ہم ہر دم میں ساتھ نبھائیں)

انار ماچس

حاجی محمد سلیم

کیپر گنج، رائے بریلی

الوداع اے فخر منبر ومحراب!

فخر علماء حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی وفات ملت اسلامیہ ہندیہ کے لیے ایک عظیم خسارہ ہے، آپ کے کارنامے اور اشاعت حق کے لیے آپ کی تڑپ وکڑھن اصحاب علم ودعوت کے لیے لیے مشعل راہ ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے طریقۂ کار کو اختیار کرنے اور اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

عبدالغفار ندوی

مدرسہ ہدایت المسلمین

ہدایت نگر، پورے سکہ، امیٹھی

علم وعمل کی جامع شخصیت

محمد ظفیر الاسلام ندوی

اللہ تعالی نے اس دنیا میں آنے والے ہر انسان کا ایک وقت مقرر کر دیا ہے جس کو پورا کر کے اسے دنیائے فانی سے کوچ کرنا ہے، آج ہم کسی کو رخصت کر رہے ہیں کل ہمیں بھی رخصت کیا جائیگا کل نفس ذائقة الموت۔

محترم استاذ مولانا عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ کی وفات کی خبر ملتے ہی ہر ایک دم بخود رہ گیا، پوری فضا سوگوار ہوگئی، ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ در و دیوار اور پیڑ پودے بھی اللہ کے ایک برگزیدہ بندہ کی رحلت پر غم کی تصویر بنے ہوئے ہیں، اور یہ اس لیے بھی کیونکہ جب اللہ رب العزت کسی بندہ سے محبت کرتے ہیں تو آسمان اور زمین میں بھی اس کی محبت وقبولیت کا اعلان کر دیا جاتا ہے، اس کا مشاہدہ ان گنہگار آنکھوں نے اس موقع پر کیا، تدفین میں شرکت کرنے کے لیے انسانوں کا ایک سیلاب امنڈ پڑا، دور دراز سے طویل سفر کر کے جوق در جوق لوگ پہنچ رہے تھے، مولانا ہی کے گھر کے ایک فرد کی زبانی سنا کہ ہمیں بھی اس کا اندازہ نہیں تھا اللہ نے کتنی مقبولیت انھیں عطا فرمائی تھی، لوگوں کا جم غفیر دیکھکر اس کا اندازہ ہو رہا ہے، اس کے بعد تعزیت کے لیے آنے والوں کا سلسلہ کافی دنوں تک چلتا رہا، حدیث پاک ''جب اللہ کسی بندہ سے محبت فرماتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو، تو جبرئیلؑ بھی اس سے محبت کرتے ہیں، پھر جبرئیلؑ آسمان والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرتے ہیں، پھر زمین میں بھی اس کو قبولیت عطا کرتی کر دی جاتی ہے'' کا مشاہدہ ہو رہا تھا۔

راقم کو مولانا رحمۃ اللہ سے دو سال تک شرف تلمذ حاصل رہا ،اور فراغت کے بعد بھی مختلف مجالس میں شرکت کا موقع ملا اس لیے کچھ یادیں ہیں جن کو سپرد قلم کرنے کی کوشش کی ہے، مولاناؒ سے پہلی ملاقات سنبھل میں اس وقت ہوئی جب راقم ثانویہ ثالثہ میں انجمن معاون الاسلام، سنبھل میں پڑھتا تھا، ایک اصلاحی جلسہ میں شرکت کے لیے مولانا سنبھل تشریف لے گئے تھے، اس وقت صرف اتنا جانتا تھا کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے پوتے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مولانا عبداللہ حسنی تشریف لا رہے ہیں، اس موقعہ پر مدرسہ کے طلبہ میں بھی مولاناؒ کا ایک پروگرام ہوا جس میں مولاناؒ کا ایک بیش قیمت خطاب ہوا، وہ پروگرام آج بھی ذہن میں تازہ ہے اور تقریبا دس سال گذرنے کے بعد بھی کل ہی کی بات معلوم ہوتی ہے۔

اس کے بعد ندوہ آنے سے پہلے الرائد میں مولاناؒ کے مضامین پڑھتا تھا جو سادہ اور آسان عربی میں ہوا کرتے تھے، عالیہ ثالثہ میں جب ندوۃ العلماء آیا مولانا کو درجہ آتے جاتے دیکھا کرتا تھا، ایک دو بار ہی مصافحہ کا موقع ملا، اونچے درجوں کے طلبہ کی زبانی مولانا کے صلاح وتقویٰ اور درس کی تعریف سنا کرتا تھا، دل میں مولاناؒ سے پڑھنے کا اشتیاق تھا، عالیہ رابعہ میں بھی مولاناؒ کا گھنٹہ سیکشن (د) میں نہ ہونے کی وجہ سے یہ موقع نہ مل سکا، علیا اولیٰ میں یہ تمنا پوری ہوئی، اور مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاںؒ کی مشہور کتاب ''الارکان الاربعہ'' مولاناؒ سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، کتاب شروع کرانے سے پہلے کتاب کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے بڑی فکر انگیز باتیں ارشاد فرمائیں، چونکہ مولاناؒ کو اپنے دادا مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ساتھ رہنے اور ان کی فکر کو سمجھنے کا کافی موقع ملا، اس لیے کتاب کی تصنیف کے مقاصد وہ اچھی

طرح سمجھتے تھے، کبھی فرماتے تھے: ''امت کا ایک بڑا طبقہ ان ارکان کے سلسلہ میں بے راہ روی کا شکار ہوگیا ہے، چنانچہ حضرت مولاناؒ نے زیغ وضلال سے بچانے کے لیے یہ کتاب تصنیف فرمائی''

مولاناؒ کا زیادہ زور تربیت واصلاح پر تھا، ہر وقت آپ کو یہی فکر لگی رہتی تھی، کوئی درس اصلاحی باتوں سے خالی نہیں ہوتا تھا، دعوتی اسفار اور دیگر مشاغل کی وجہ سے اگرچہ کتاب کا کم ہی حصہ پڑھا جاسکا، لیکن دوسری اہم باتیں سامنے آگئیں۔

آئندہ سال علیا ثانیہ میں پھر اللہ تعالی نے استفادہ کا موقع عنایت فرمایا، اس سال پہلی مرتبہ ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کا درس مولاناؒ کے سپرد ہوا، کتاب کا درس شروع کرنے سے پہلے مولاناؒ تقریباً ایک ماہ تک روزانہ اصحاب دعوت وعزیمت کا تذکرہ اپنے مخصوص بلیغ انداز میں فرماتے رہے، خلفاء اربعہ، پھر تابعین میں اور ان کے بعد عہد بہ عہد دعوتِ اسلامی کے مردانِ جفاکش کا استاذِ محترم نے ایک طویل تذکرہ کیا، خاص طور پر تیسری صدی ہجری کے اواخر کی ایک مشہور شخصیت شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام، ان کی علمی عظمت، حق گوئی وبیباکی بڑے جوشیلے انداز میں بیان کرتے تھے، اور شیخ کے ہاتھوں امرائے سلطنت کی نیلامی کے واقعہ کو بعد میں بھی دوران درس متعدد بار بڑے مزے سے سنایا کرتے تھے، آخر میں مصنف کتاب حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ پر اس سلسلہ کو ختم کیا، اور کتاب کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالنے کے بعد کتاب شروع کی۔

لیکن درس میں بھی مولاناؒ کی زیادہ توجہ اصلاح وتربیت پر رہا کرتی تھی، طلبہ کے بارے میں اس کی مولاناؒ کو بڑی فکر تھی، اسی طرح دوران درس موجودہ فتنوں سے بھی واقف کراتے، اور فکری انحراف اور منحرف مفکرین سے بچانے کی کوشش کرتے، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اپنے کو ''مفکر'' سمجھتے ہیں، ایسے لوگوں کو میں ''متفکر'' کہا کرتا ہوں۔

کئی بار عصر بعد کی مجلس میں بھی شرکت کا شرف حاصل ہوا جو خاتون منزل میں مولاناؒ کی قیام گاہ پر ہوا کرتی تھی، ندوہ کے طلبہ کی ایک اچھی خاصی تعداد اس میں شریک ہوتی تھی، کوئی کتاب پڑھی جاتی درمیان میں مولاناؒ ضروری باتیں ارشاد فرماتے، یا کوئی کچھ پوچھتا تو جواب دیتے، ایک بڑی تعداد استفادہ کی غرض سے مولاناؒ سے جڑی ہوئی تھی، الغرض مختلف طریقوں سے آپ دعوت واصلاح کا کام کررہے تھے، سب کو بڑی امیدیں تھیں کہ ابھی اللہ تعالیٰ اس مردِ مجاہد سے اور کام لے گا لیکن قدرتِ خداوندی کو کچھ اور ہی منظور تھا، دعوتِ اسلامی کا یہ شہسوار زندگی کی چھپن (۵۶) بہاریں دیکھ کر اپنے مالکِ حقیقی سے جاملا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آج یہ عظیم داعی، مفکر اور مصلح ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن اس کی فکر اس کا طریق دعوت اور کام کے وہ مختلف میدان جن کو چھوڑ کر وہ گیا ہے موجود ہیں اور ہم سے مطالبہ کررہے ہیں کہ ہم اس کی فکر کو لے کر چلیں اور ان کاموں کو آگے بڑھائیں، اس طرح سے مولاناؒ کی روح کو سرور حاصل ہوگا، اور یہ چیز ان کی بلندی درجات کا سبب ہوگی، جزاہ اللہ تعالی أحسن ما یجزي وأجزل مثوبته، وأعلی درجته فی الصدیقین والشهداء والصالحین، والله هو الغفور الرحیم۔

نتائج اللہ کے ہاتھ میں ہیں

''جو اللہ کے لیے کام کرتے ہیں، وہ کبھی نہیں تھکتے، اور اس سے بھی نہیں گھبراتے کہ نتائج آرہے ہیں یا نہیں، کام ہمارے ذمہ ہے، نتائج نہیں، نیت کو درست کرکے اخلاص کے ساتھ اللہ کے لیے آدمی کام کرے تو ان شاء اللہ کبھی تھکے گا نہیں، اور اللہ کے یہاں قابل قبول بھی ہوگا۔''

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندویؒ

ملت کی محسن شخصیت

محمد منیر پرتاپ گڑھی

عالم ربانی حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی صاحبؒ کی رحلت سے معاشرہ میں بھرپائی نہیں ہوسکتی، حضرت مولاناؒ سخت کمزوری کے باوجود کبھی کسی سے کوئی شکوہ نہیں کیا ہر حال میں الحمدللہ اپنی زبان سے ادا کیا، اگر کوئی آپ سے صحت کے بارے میں بات کرتا تو خوش نہ ہوتے، اگر کوئی پیام انسانیت یا کسی انسان کی اصلاح کے لیے بات کرتا تو بہت خوش ہوتے، ہمارا حضرت سے اصلاحی تعلق تھا، کبھی بھی کوئی بات کہنا چاہتے تھے تو کان کو جھکا لیتے تھے پوری بات ہونے کے بعد کچھ منٹ تک جھکائے رکھتے، نبی کریم ﷺ والی صفات آپ کے اندر پائی جاتی رہی اور آپ کے اندر کیوں نہ یہ خوبی ہو آپ اسی خاندان اور نسل کے تھے ہمارا مدرسہ چھوٹے پیمانہ کے باوجود بھی ہر موقع اور موڑ پر اور ہر مرحلہ میں ہمت اور حوصلہ بڑھایا اور طاقت پہنچائی، کام سے خوش ہوتے اور فکر مند رہتے اور فرماتے کہ دیکھنے میں تو چھوٹا کام ہے لیکن اللہ تعالی کے یہاں بڑا کام ہے، ان کی دعا وتوجہ سے اللہ تعالی نے ہمارے دل کو دینی تعلیمی کاموں میں لگائے رکھا، جب لوگوں کی طرف سے رکاوٹوں کا تذکرہ کرنا پڑتا تو فرماتے کہ اپنا کام اچھے ڈھنگ سے کرتے جاؤ یہی ان کی باتوں کا جواب ہے، ان کو مطمئن کرنا آسان نہیں یہ ہر دور میں رہا ہے لوگوں نے اچھے کاموں میں رکاوٹ ڈالی ہے، انہی کے حکم سے ہم نے پرتاپ گڑھ میں رام لیلا میدان میں آل انڈیا مشاعرہ پروگرام میں خاص وعام کو پیام انسانیت کا لٹریچر پیش کیا۔

حضرت کو اس وقت سب سے زیادہ خوشی ہوئی جب پیام انسانیت کا ایک بڑا پروگرام پلازہ پیلیس بھگوچنگی پرتاپ گڑھ میں ہوا جس میں سوامی لکشمی شنکراچاریہ بھی شرکت کی تھی اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے صدارت فرمائی تھی، حضرت مالانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ نے اس وقت جو خطاب فرمایا اس نے غیر مسلموں کو بہت متاثر کیا۔

ایک خصوصیت حضرت کی یہ بھی دیکھی کہ وہ کم حیثیت والوں اور غریب لوگوں کا بڑا خیال فرماتے تھے، اور اگر ان کی طرف سے کوئی بلاتا تو اس کی دعوت کو رد نہ فرماتے معمولی جگہوں پر یہ آسانی سے چلے جاتے اور دولت مندوں کی دعوت پر وہ غور فرماتے، اور دیکھیں کہ ان کا ذریعہ حصول مال نامناسب تو نہیں ہے، اور اگر کوئی اپنی طاقت کے بھروسہ کسی کم حیثیت شخص کی دعوت اور پروگرام میں حضرت کی شرکت کو روکنا چاہتا تو وہ ناراض ہوجاتے، اور دسترخوان پر ہوتے تو کم حیثیت لوگوں پر خاص نظر رکھتے اور دل داری میں اپنی پلیٹ میں اس کو شریک فرمالیتے۔

اسی طرح کاموں کا ذکر آتا تو وہ کم حیثیت کارگزار نوجوانوں کی ہمت بندھاتے اور ان کے کاموں کا تذکرہ کرتے، ایک بار ایسا ہی ذکر ہو رہا تھا اور میں بھی حاضر خدمت تھا میری طرف اشارہ کرکے فرمانے لگے دیکھو یہ کم پڑھے لکھے ہیں لیکن مخلص اور جفاکش ہیں اللہ ان سے کام لے رہا ہے، اور مکتب ومدرسہ چلا رہے ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے بعد حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوجاؤں، میں نے درخواست پیش کی ازراہ تواضع انہوں نے فرمایا: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے بیعت ہو اور باقی معاملات میں ہم سے مشورہ لے لیا کرو، اور مدرسہ کے معاملات میں رہنمائی فرماتے تھے لیکن جب آخری بیماری میں حاضری ہو تو انہوں نے مدرسہ کے معاملات میں اپنے سے چھوٹوں کی طرف رجوع کرنے کو فرمایا، آج حضرت مولانا کی وہ شفقت یاد آرہی ہے جس نے ہم لوگوں کو کام کرنے کا حوصلہ دیا، اور حضرت کی وہ نیکیاں یاد آرہی ہیں جن سے ہم لوگوں کو زندگی گزارنے کا سبق ملا۔

وراثت انبیاء کا حقیقی وارث

سید منصور حسن حسنی ندوی (مدرسہ مظہر الاسلام، بلوچپورہ، لکھنؤ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وما عندکم ینفد وما عند اللہ باق﴾ (تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ فنا ہونے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہی باقی رہنے والا ہے) اللہ کے پاس وہی اجر آخرت ہے، اور دنیا میں عبادات وطاعات اخلاص وایثار استقامت کے ساتھ کرنے کی تلقین بار بار فرمائی گئی، جس کسی نے اللہ کی عبادت، رسول کی اطاعت، اور بندے سے ایثار کو استقامت کے ساتھ لازم پکڑ لیا تو وہی کامیاب وکامران ہے، اسی لیے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ماموں بھیا مولانا علیہ الرحمۃ کامیاب وکامران اس دنیا سے کوچ کر گئے، (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

مولاناؒ نے اپنی ساری زندگی اللہ کی بندگی، دین سے وفاداری، قرآن کریم سے وابستگی، سنت سے شیفتگی، اسلام کو سربلند دیکھنے کی تڑپ، امت اسلامیہ کی آبرو باقی رہنے کی آرزو میں گزاری، جس کے لیے اللہ کا بندہ راتوں کو اٹھ کر سجدے کرتا اور ناک رگڑتا رہا، جس کے دن اپنی شخصیت کی تعمیر میں نہیں، اپنے لیے ناموری اور خاندان کی سرفرازی میں نہیں بلکہ صرف اسلام کی سربلندی میں گذرے، جس نے رجال سازی میں اپنا وقت کھپایا، اور حسن البنا علیہ الرحمۃ کے اس قول کو سینے سے لگا کر اپنے دعوت کے مشن کو آگے بڑھاتا رہا (انا اصنف الرجال لا اصنف الکتاب) اسی لیے مولانا علیہ الرحمۃ کے انتقال کی خبر لوگوں پر صاعقہ بن کر گری، جس نے لوگوں کے ذہنوں اور دلوں کو مفلوج کر دیا، ہر شخص کھویا کھویا نظر آیا، ایسی بے پناہ مقبولیت اور محبوبیت کم دیکھنے کو ملی، کئی دنوں تک لوگوں پر غم کے بادل منڈلاتے رہے، لوگوں نے اپنے غموں کو بھلا دیا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی علیہ الرحمۃ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے وقت لوگوں کے جو حالات قصص النبیین ثالث کے شروع میں بیان کیے ہیں انہی حالات کی عکاسی ہوتی ہے، ہر چھوٹے نے اپنے باپ کو اور ہر بڑے نے اپنے بھائی کو کھو دیا، لوگ آتے اور گویا ہوتے آپ کا نقصان ہمارے نقصان سے بڑا نہیں، آپ کی کمی ہماری کمی سے بڑی نہیں کوئی کہتا کہ آج ہم نے مشفق بھائی اور رحمدل استاذ کو کھو دیا، کوئی کہتا کہ ہمارا روحانی پیشوا اور امام نہ رہا، کوئی کہتا کہ انہوں نے ظلم کو ختم کیا اور مظلوم کی مدد کی، کوئی کہتا کہ انہوں نے ظالم کی مدد کی کہ اس کو ظلم کرنے سے روکا، کوئی کہتا کہ انہوں نے مخلوق کو آرام پہنچانے میں اپنے آرام کی پرواہ نہیں کی، آخر میں لوگ مولانا علیہ الرحمۃ کے گھرانے کے پاس آکر سنت یوسفی کو زندہ کرتے ہوئے بے قابو ہو گئے، آب دیدہ ہو کر گویا ہوئے (فالبلاد بلادکم وانا لکم ایھا السادۃ کما کنا فی حیاۃ سیدنا)۔

مولانا علیہ الرحمۃ خالص دینی تعلیم کے حامل تھے، دولت باطنی کے ساتھ ادب وانشاء اور شعر وشاعری کا اعلیٰ ذوق نقد وسخن کا ملکہ، زندگی کے کاموں کیساتھ علمی انہماک، عربی میں صاحب درس اور اہل قلم ہونے کے ساتھ ملکی زبان کی طرف توجہ اور اس کے لیے افراد تیار کرنے کی فکر، علوم وفنون کی جامعیت، کمالات کی رنگارنگی، مذہبی پابندی تقشف کی حد تک ﴿فاستقم کما امرت ومن تاب معک ولا تطغوا﴾ کی عملی تفسیر، حدود شرعیہ کی پابندی، ظالموں ناہنجاروں شیطان نما انسانوں سے دوری، نفاست پسندی، خیالات کی رفعت، مقاصد کی عظمت، باطنی مشغولیت کے ساتھ دین وملت کی خدمت کا جذبہ، ایک بڑی تحریک پیام انسانیت کی ذمہ داری، غیروں سے اپنائیت کا برتاؤ، اسلام کی سربلندی کا جذبہ ان کے رگ وریشہ میں سرایت کر چکا تھا، بڑے مزاج شناس تھے، طبیعت کو لگنے والا مشورہ دیتے جس سے لوگوں کو ان کے مشورہ پر عمل کرنے میں ذرہ برابر تکدر نہ ہوتا، اسی وجہ سے خاتون منزل میں

مغرب تا عشاء کافی بھیڑ رہتی، ہر شخص اپنی باری کے انتظار میں رہتا ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی بڑا ڈاکٹر باری کے ساتھ مریضوں کو دیکھ رہا ہے، آنے والوں میں بعض راقم کے ہم درس ہم سبق ہوتے جن سے راقم ازراہ مزاق عرض کرتا تمہارا نمبر آج نہیں آئے گا تم کل کو آنا۔

جی ہاں! وہ ڈاکٹر تھے، روحانی ڈاکٹر جن سے ہزاروں بیماروں نے علاج کروایا، کسی کا عقیدہ درست ہوا تو کسی کے خیالات بدل گئے، کسی کے افکار ونظریات میں فرق آیا تو کسی کا حسد جاتا رہا، کسی نے غیبت جیسے مہلک مرض سے نجات پائی تو کسی نے صلہ رحمی کو اہمیت دی، کسی نے وارثین کو ترکہ دینے میں جلدی کی تو کسی نے بوڑھے ماں باپ کی خدمت کی، کسی نے حدود شرعیہ کی پابندی کی تو کسی نے دشمنان اسلام کی سرکوبی کی، کسی نے علوم شرعیہ کو اہمیت دی تو کسی نے دین کو سینہ سے لگانے کا عزم کیا، کسی نے عالم اسلام کے حالات پر آنسو بہائے تو کسی نے جہاد کی عملی تدبیر کی اور اس کے لیے عملی اقدام کیا، کسی نے نماز کے فریضہ کو سمجھا تو کسی نے وقت پر ادائیگی کا تہیہ کیا۔

باتوں میں اثر کیوں نہ ہو کیونکہ وہ عالم باعمل تھے، ﴿اقم الصلاۃ طرفی النہار وزلفا من اللیل ان الحسنت یذھبن السیآت ذلک ذکری للذاکرین﴾ کا عملی نمونہ تھے، یہی وجہ تھی کہ آخری وقت میں بھی فجر کی نماز باجماعت ادا کی، ﴿ان الصلاۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا﴾ کے تحت مسجد کی گھڑی ان کو دیکھ کر ملائی جاسکتی تھی، اکثر دیکھنے کو ملا کہ ان کا داہنا پیر مسجد کے اندر داخل ہوا اور امام صاحب کا پیر جائے نماز پر پہنچا، نماز میں تاخیر اور تساہلی میں ذرا بھی نرمی نہ برتتے، تساہلی کرنے والوں کی سخت سرزنش کرتے، عقائد اور عبادات ومعاملات میں ذرہ برابر کسی کی پرواہ نہ کرتے، فجر کی نماز کے بعد چائے پینے کا معمول تھا، زیادہ تر چائے مولانا کی اہلیہ جو کہ راقم کی خالہ ہوتی ہیں بناتیں تھیں، لیکن تربیتاً یہ کام مولانا علیہ الرحمۃ نے لڑکوں کے ذمہ کردیا تھا، راقم کو بھی بارہا اس کا موقع ملا، جب کسی سے نماز میں تساہلی ہوجاتی تو اس کی چائے پینے سے انکار کردیتے۔ اور فرماتے چائے پینے کا مقصد ہی فوت ہوگیا۔

دعوت کے اصول وآداب

﴿ادعوا الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن﴾ مولانا علیہ الرحمۃ نے داعی نبوت ہونے کے ناحیہ سے اس پوری آیت کریمہ کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کیا، اس کی باریکیوں کو سمجھا، جیسی اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی اس کو اسی طریقہ سے نبھایا، اور انتہائی عمدگی سے دعوت کے فریضہ کو ادا کیا، سبیل ربک میں جو باریکیاں ہوسکتیں تھیں ان کو پرکھا، تربیت کے انداز سے دعوت دینے کے طریقہ کو اپنایا، اور مخاطب کے حالات کی رعایت کرکے وہ انداز اختیار کیا جس سے مخاطب پریشان بھی نہ ہو اور وحشت ونفرت بھی نہ ہو، اور استہزاء اور تمسخر کا پہلو بھی نہ نکلتا ہو، دعوت کے دوسرے اصول بالحکمۃ کو مد نظر رکھتے ہوئے مخاطب کے مقتضیات احوال کو معلوم کرکے اس کی مناسبت سے کلام کرتے، اور وقت اور موقع ایسا تلاش کرتے کہ مخاطب پر بار بھی نہ ہو، نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کی جگہ سختی اختیار کرتے، اور جہاں سمجھتے کہ صراحت سے کہنے سے مخاطب کو شرمندگی ہوگی وہاں اشارات سے کام لیتے، دعوت کے تیسرے اصول الموعظۃ کی باریکی کو سمجھتے اور اس بات کی کوشش کرتے کہ مخاطب سے ایسے انداز میں گفتگو کی جائے کہ مخاطب اس کو قبول کرنے کے لیے رضامند ہوجائے، اور قبول کرنے کے فوائد اور قبول نہ کرنے کے نقصانات گنواتے، جادلھم بالتی ھی احسن پر بھی آپ کو پوری دسترس حاصل تھی، لیکن اس کی نوبت کبھی پیش نہ آئی، داعی کا کام تو پہنچادینا ہے ہدایت تو اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے، لیکن اللہ کے فضل سے کافی لوگ مشرف با اسلام ہوئے، آپ اپنی طرف سے حجت تمام کردیتے تھے، دعوت توحید اور دعوت الی اللہ ہی اصل پیغام رسالت اور پیغام نبوت ہے، تمام انبیاء مورثین علیہم الصلوات والتسلیمات نے اس کی بنیاد ڈالی، اور اس امت کے علماء ربانیین نے جن کو آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وارثین انبیاء قرار دیا ہے اس کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر لے لی، اسی سلسلۃ الذہب کی اہم کڑی مولانا علیہ الرحمۃ کی بھی تھی جنہوں نے اس مشن کو اپنے سینہ سے لگایا، اور اپنی آنکھوں میں سجایا، راتوں کی نیند قربان کی، دن کی تھکاوٹ برداشت کی، غیروں کی دشمنی مول لی، اور اپنوں کے محسود بنے، اللہ تعالی انبیاء علیہم السلام کے اس کام کو بام عروج پر پہنچائے، اور ہم سب کو اس میں حصہ عطا فرمائے، اور مولانا علیہ الرحمۃ کے لیے صدقہ جاریہ بنادے۔

ہمارے خالو میاںؒ

سید خلیل حسنی ندوی

موت ایک پل ہے جس سے ہر شخص کو گذرنا ہے، آدمی گذرنے سے پہلے بے شمار لوگوں کو اس پل سے گذرتے ہوئے دیکھتا ہے، کبھی اجنبی کو، کبھی دوست کو، کبھی رشتے دار کو، لیکن کبھی کبھی انسان کی زندگی میں ایسا لمحہ بھی آتا ہے جب وہ اپنے کسی محبوب کو اس پل سے گزرتے ہوئے دیکھتا ہے اور روکنا چاہتا ہے لیکن روک نہیں پاتا، بالآخر خدا کے فیصلہ پر رضامند ہو کر صبر کرتا ہے، اور ضرورت اس کے ذہن سے اس صدمہ کے اثر کو کم کر دیتی ہے، مگر بعض حادثات ایسے ہوتے ہیں جو ذہنوں پر اپنا گہرا اثر چھوڑتے ہیں، اور انسان دھیرے دھیرے ان کے انتقال کے بعد ایسا محسوس کرنے لگتا ہے کہ ان کے ساتھ ساتھ زندگی کی رعنائی، رونق، اور بہار بھی چلی گئی، انسان اپنے کو بالکل تنہا محسوس کرنے لگتا ہے، اور یہ ایک فطری بات ہے جو اللہ رب العزت نے انسان میں رکھی ہے، انسان انسیت کی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے ''حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند کی وفات ہوئی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری تھی، آنسو چھلک پڑے تھے'' یہ اسی انسیت اور رحمت کا تقاضا تھا ورنہ قضائے الٰہی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ صابر کون ہوسکتا ہے۔

آج ہمارے خالو میاں اس دنیا میں نہیں ہیں، ''اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے'' اللہ تعالیٰ نے ان کو جتنی زندگی دی تھی وہ انہوں نے اللہ کے دین کی اشاعت کے لیے، اسکے کلمہ کی سربلندی کے لیے، غیر مسلموں تک اسلامی تعلیمات پہنچانے اور اسلام کی حقانیت ثابت کرنے میں گذار دی، انہوں نے نبوی مشن پر چلنا اسی کی فکر میں جینا اپنی زندگی کا نصب العین بنایا تھا، اللہ کے بعض نیک بندوں کے اوصاف ان کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ظاہر ہوتے ہیں، کچھ ایسا ہی ہمارے خالو میاں کے ساتھ ہوا، اللہ کی بندگی، دین سے وفاداری، قرآن کریم سے وابستگی، سنت کی شیفتگی، اسلام کو سربلند دیکھنے کی تڑپ اور امت اسلامیہ کی آبرو باقی رہنے کی آرزو اور غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ سے ان کی زندگی عبارت تھی۔

خالو میاں اگر ایک طرف اپنی محبتیں لٹاتے تھے تو دوسری طرف دین کے معاملات میں ادنیٰ کمزوری بھی برداشت نہیں کرتے، آپ فاروقیت اور صدیقیت کا سنگم تھے، غرض آپ کا ہر عمل خالص اللہ کے لیے تھا، اس زمانے میں آپ حنفاء للہ کا جیتا جاگتا نمونہ تھے، آپ ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک کرتے چاہے وہ آپ کا جاننے والا ہو یا نہ جاننے والا، مسلمان ہو یا غیر مسلم، آپ نے کبھی اپنے اور پرائے میں تفریق نہیں کی، اگر کبھی امتیاز برتا تو تقویٰ کی بنیاد پر امتیاز برتا، اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے ﴿ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم﴾ (تم میں اللہ کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو)، آپ کے سامنے ہر وقت یہ حدیث بھی رہتی تھی، "الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ".

اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک، ان کی تربیت کی فکر کرنا، ان کو صحیح اور مفید مشورہ دینا، ان کی خبر گیری کرنا ہے، یہ آپ کی خاص صفت تھی گویا کہ آپ کا پوری طرح اس حدیث پر عمل تھا'' انما الدین النصیحۃ'' (دین نام ہے خیر خواہی کا) اور یہ سارے عناصر آپ میں یکجا تھے، آپ کی تربیت کا انداز نرالا اور اچھوتا تھا، آپ تربیت کرنے میں اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ کسی کا دل نہ ٹوٹے، کسی کی دلآزاری نہ ہو، اور حدیث شریف میں اس پر بہت زور دیا گیا ہے، ہم نے اکثر کھانے کے بعد اس بات کا مشاہدہ کیا کہ آپ کھانے کے بعد خود بلند آواز سے کھانے کی دعا پڑھتے تھے، اور آپ کی دعا سن کر باقی افراد کو بھی دعا پڑھنے کی توفیق مل جاتی

تھی، یہ آیت ہر وقت آپ کی نگاہوں کے سامنے رہتی تھی، ﴿ادعوا الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة﴾

اسی طرح آپ کا ایک اور نمایاں وصف آپ کی سادگی تھا، باوجود وسعت اور فراخی کے آپ معمولی لباس پہنتے تھے، اور سادہ کھانا تناول کرتے تھے، ہاں اگر کسی مہمان کی آمد ہوئی تو اس مہمان کے اکرام میں آپ متنوع اقسام کے کھانے تیار کرواتے، اور اگر مہمان اللہ والا ہوتا تو آپ کی خوشی دیکھنے کے لائق ہوتی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج عید کا دن ہے، اور آپ کا یہ اہتمام اتباع سنت میں ہوتا تھا، احادیث مبارکہ میں مہمانوں کا خیال رکھنے پر بہت زور دیا گیا ہے ایک طویل حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مکارم اخلاق دس ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گنایا اس میں مہمانوں کا اکرام بھی تھا، اور ایک دوسری حدیث شریف میں ہے کہ جب پہلی وحی آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت گھبرائے ہوئے گھر میں داخل ہوئے تو اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہہ کر تسلی دی آپ تو مہمانوں کا اکرام فرماتے ہیں۔

اسی طرح آپ کا ایک اور نمایاں وصف جس میں آپ بہت زیادہ ممتاز تھے وہ اپنے خاندان کے بچوں کو دوستی کرنے سے منع کرنا تھا، قرآن کریم میں ہے، ﴿الاخلاء یومئذ بعضهم لبعض عدو الا المتقین﴾ (قیامت کے دن دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے سوائے ان کے جن کی دوستی تقوی کی بنیاد پر ہو)، اور بچپن کے تعلقات تقوی کی بنیاد پر قائم نہیں ہوتے، لہذا آپ اس سے منع کرتے تھے، اگر چہ اس وقت یہ ممانعت بہت شاق گزرتی تھی، مگر بعد میں اسکے فوائد معلوم ہوتے ہیں، آپ کا ایک جملہ اس وقت میرے کانوں میں گونج رہا ہے، آپ نے فرمایا محبت کی دو قسمیں ہیں ایک محبت نعمت ہے جو اللہ تعالی اپنے بندوں کے دلوں میں نیک لوگوں کے تعلق سے پیدا کرتا ہے، وہ محبت ان کے دل کی کھیتی کو ہرا بھرا کر دیتی ہے، اور ایک محبت سیلاب کی مانند ہے جو دل میں پیدا ہوتی اور دل کی زمین کو بنجر کر دیتی ہے وہ محبت کھلاڑیوں اور ایکٹروں کی اور دنیاداروں کی ہوتی ہے۔

آج اس شخصیت پر مجلات شائع کیے جا رہے ہیں، جرائد نکالے جا رہے ہیں، مضامین یکجا کیے جا رہے ہیں، یہ کام بہت مبارک کیوں کہ اس سے بعد والوں کو عمل کی تحریک ملتی ہے، ان کے اندر نیا جذبہ پیدا ہوتا ہے، نیا جوش اور نیا ولولہ انگڑائی لیتا ہے، لیکن ہماری ضرورت آج دل کا جائزہ لینے کی ہے کہ کیا ہمارے دل کی کھیتی بنجر ہے یا سرسبز وشاداب، اگر بنجر ہے تو ان اللہ والوں کی محبت سے اپنے دل کی کھیتی کو ہرا بھرا کریں کیوں کہ آدمی جس سے محبت کرتا ہے اس کے کمالات اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور حدیث شریف میں ہے "المرء مع من احب" آدمی کا حشر ان کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت کرتا ہے، اور یہی ہمارے ایمان کا تقاضا بھی ہے۔

جسم کے ساتھ روح کی بھی فکر

جس طرح جسم کی توانائی کے لیے کھانا بھی ضروری ہے اور کام کا کرنا بھی ضروری ہے اور اسی طرح علم وذکر بھی ضروری ہے تاکہ روح تروتازہ رہے اور اس کے اندر زندگی کی شادمانی اور روانی باقی رہے، ورنہ روح مرجائے گی، اور روح مرجائے گی تو جسم بے کار ہوا جائے گا اور اگر جسم مرگیا تو روح کو بھی ترقی نہیں دے سکتے کیونکہ دنیا میں بغیر روح کے جسم نہیں اور بغیر جسم کے روح نہیں، اس لیے دونوں پر محنت ضروری ہے۔

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندوی

مشفق ومربی چچا

سیدہ بشریٰ عمار حسنی

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ میرے مشفق ومربی چچا تھے جو اب اس دنیا میں نہیں رہے، اللہ تعالی ان کی قبر کو نور سے بھردے، اور ان کو جنت الفردوس میں اعلی سے اعلی مقام عطا فرمائے، اللہ تعالی نے جتنی زندگی آپ کے لیے مقدر کی تھی اتنی آپ نے پوری کرلی تھی، اور یہ سنت اللہ ہے کہ ہر چیز کو فنا ہے بقاء صرف اللہ کی ذات کو ہے، ﴿کل من علیها فان ویبقی وجه ربک ذو الجلال والاکرام﴾ لیکن کچھ حضرات ایسے ہوتے ہیں جن کا انتقال پوری انسانیت کے لیے خسارہ کے مرادف ہوتا ہے، کیونکہ ان کی زندگی انسانیت کے لیے وقف تھی، امت کے لیے وقف تھی، ان کا اپنی زندگی پہ جتنا حق تھا اس سے کہیں زیادہ وہ اس پر غریبوں کا حق محسوس کرتے تھے، غریبوں کے درد کو اپنا درد خیال کرتے تھے، غریبوں سے ہمدردی حضرت مولانا کا امتیازی وصف تھا، آپ جس خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس خاندان کا امتیاز بھی یہی تھا، انسانیت اور غمخواری آپ کا نمایاں وصف تھا، اور یہ وصف آپ کو ورثہ میں ملا تھا، اسی طرح آپ کا ایک اور نمایاں وصف مہمانوں کا اکرام تھا، آپ گھر والوں کو بھی مہمانوں کا اکرام کرنے کی تلقین فرماتے اور اس میں ادنی کوتاہی بھی آپ کو گراں گزرتی تھی، جس کا علم گھر والوں کو تھا، بچوں کے ساتھ نہایت شفقت اور محبت کا معاملہ فرماتے خصوصا خولہ اور زکریا جو ہمارے گھر کے سب سے چھوٹے بچے ہیں ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے، ہم لوگوں کی دینی تربیت کا خاص خیال رکھتے، ہر اچھی بات دیکھ کر خوشی کا اظہار کرتے تھے، اور اس کو کرتے رہنے کی تلقین کرتے، بری عادت اور بری بات کو دیکھ کر تنبیہ کرتے، اور سخت ناراضگی کا او رغصہ کا اظہار کرتے، دین میں کوئی غلط بات برداشت نہیں کرتے، سچ اور حق کے لیے اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کرتے، او راس کے کہنے میں بالکل بھی نہیں جھجکتے، اسلام کی ترویج کے لیے انہوں نے اپنی زندگی وقف کردی تھی، اور کلمہ کی سربلندی کو اپنی زندگی کا اولین مقصد بنالیا تھا، پیام انسانیت کی تحریک میں ہر وقت لگے رہتے، نومسلموں کے لیے وہ ایک شفیق باپ کی حیثیت رکھتے تھے، ران کے ساتھ نہایت شفقت اور محبت کا معاملہ کرتے، اور بہت خوشی اور محبت سے ان کا تذکرہ کرتے، حضرت مولانا کی وفات کے بعد آپ نے اپنے اس مشن کے لیے سب سے زیادہ معاون تحریک پیام انسانیت کو سمجھا، جگہ جگہ آپ اس کے تحت جلسہ کرتے اور اصلاحی تقریریں کرتے، آپ کی تقریریں پیاسوں کو سیراب کرتی تھیں، اور ان کو ان کی زندگی کا مقصد بتلاتی تھیں، ان جلسوں کو آپ دینی فریضہ سمجھتے تھے، اور ڈرتے رہتے تھے کہ کل قیامت کے دن ہمارا خدا جب ہم سے ان غیر مسلموں کے بارے میں پوچھے گا تو ہم کیا جواب دیں گے، اسی مقصد کے تحت آپ نے تحریک پیام انسانیت کی قیادت کی، اور اس کے پیغام کو عام کیا، پیام انسانیت کی یہ تحریک ملک کی تمام دینی تعلیمی کوشش کرنے والوں کے لیے ایک مشعل راہ ہے، جس کے اندر رہ کر ہر کوشش کامیاب ہوسکتی ہے، اس تحریک کی کامیابی کی ذمہ داری سب سے زیادہ مسلمانوں پر ہے، اور اگر مسلمانوں نے یہ فریضہ انجام نہیں دیا تو یہ ان کی کوتاہی ہوگی اور ان کے حق میں نقصاندہ ہوگی۔

آپ جماعت کے ساتھ نماز کے پابند تھے، چاہے سفر میں ہوں یا حضر میں چاہے تکلیف میں یا راحت میں، آذان کی آواز سنتے ہی ضروری سے ضروری کام چھوڑ دیتے، اور مسجد کی طرف اپنے قدم بڑھا دیتے، مغرب کی آذان سے کچھ پہلے مجلس سے اٹھتے اور گھر کے اندر تشریف لاتے، پھر نماز کی تیاری میں ان کی جلدی قابل دید اور قابل رشک ہوتی، اور پھر تیز تیز چلتے جو بھی ان کو گھر میں دکھتا اس کو نماز کی تاکید کرتے، یہ پابندی زندگی کے آخری ایام تک جاری رہی، آپ نے اپنی زندگی کی آخری نماز بھی جماعت سے ادا کی، اور یہ اللہ تعالی کا فضل ہے، **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوا الفضل العظیم** آپ ہمیشہ شکر کی تلقین کرتے، اور کہتے تم لوگ اللہ تعالی کا بہت زیادہ شکر ادا کیا کرو تم لوگوں کو اندازہ نہیں کہ دنیا میں لوگ کتنے پریشان اور بیمار ہیں، آپ لوگوں کی بیماری کو اپنی بیماری محسوس کرتے تھے، اور ان کے غم کو اپنا غم محسوس کرتے تھے، آپ فرماتے تھے جب ہم ندوہ جاتے ہیں تو موتی محل پل پر سے گزرتے ہوئے خاص طور یہ دعا ضرور پڑھتے ہیں، **الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاہ** زندگی کے آخری ایام میں جب کہ بولنا بھی مشکل تھا جب بھی ان کوئی خیریت پوچھتا جواب دیتے الحمد للہ پہلے سے بہتر ہے، ہم سب ان کی عیادت کے لیے اسپتال گئے تو طبیعت کے پوچھنے پر فرمایا تم لوگوں کی دعاؤں سے ایک دم ٹھیک ہے، تم لوگ الحمد للہ کی تسبیح پڑھا کرو، خاتون منزل میں ان کی وجہ سے رونق اور بہار تھی، ان کے سفر میں نکل جانے سے بہت سناٹا ہو جاتا تھا، لیکن دل کو یہ تسکین رہتی تھی کہ آپ لوٹ آئیں گے، لیکن اب تو آپ ایسے سفر کی جانب گامزن ہو گئے جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آتا، یہ ایک ایسا حادثہ ہے جس کو تسلیم کرنے کے لیے دل تیار نہیں، مگر ہم اللہ کے فیصلہ کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں، اور اللہ تعالی سے صبر کی توفیق کے طالب ہیں، یہ ہمارے خاندان کے لیے ایسا خلا ہے جس کا پر ہونا مشکل ہے۔

مردان کار کی ضرورت

”آج فارغین کی تعداد تو بہت ہے اور فضلاء بھی بہت ہیں لیکن کردار بہت مجروح ہے، یہ آپ بخوبی جانتے ہیں اور یہ جو میں کہہ رہا ہوں علی وجہ البصیرہ کہہ رہا ہوں، اس کے وجوہات بہت ہیں، لیکن میرے نزدیک ایک بہت بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے علماء مدعو ہو گئے، مغربی یلغار، اپنے مطالعہ کی کمزوری اور علمی رسوخ کی کمی سے دفاعی پوزیشن میں آگئے، اس نے کتابوں کی یلغار کی طباعت کے ذریعہ۔ افکار ونظریات پھیلائے، نشر واشاعت اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ سے، اور ثقافت کی یلغار کی میڈیا کے ذریعہ سے، اور تہذیب وتمدن کی یلغار کی اسباب و وسائل کے مہیا ہو جانے کی وجہ سے، جن میں ان کو ساری دنیا پر سبقت حاصل ہے اور دفاعی پوزیشن رکھنے والا ہمیشہ کمزور ہوتا ہے، ہجوم کرنے والا طاقت ور ہوتا ہے، آپ کو ان پر یلغار کرنی چاہیے تھی یہاں تک کہ ان کے گھر میں جا کر حملہ کرنا چاہیے تھا، اور وہ آپ کے گھروں میں حملہ آور ہو رہے ہیں، تو آپ دفاعی پوزیشن میں ہیں، اس طرح وہ آپ پر الزامات لگا رہے ہیں، بدنام کر رہے ہیں اور خود آپ کو مشکوک کر رہے ہیں، کبھی ایمان و یقین پر حملہ کرتے ہیں، کبھی تاریخ و ثقافت کو متہم کرتے ہیں، کبھی آپ کے کردار کو مجروح کرتے ہیں، کبھی آپ کے سلف کو کج فہم بتاتے ہیں، اور آپ کبھی شرماتے ہیں، کبھی اعتراف قصور کر کے ان کے برابر آنا چاہتے ہیں اور کبھی خود اپنے ہی ماضی کو اور اپنے ہی بڑوں کو نشانہ بناتے ہیں، بلکہ اس سے ایک ہاتھ آگے بڑھ کر اپنے دین وایمان کو داؤں پر لگا دیتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس جال میں پھنسائے رکھنے اور جال کو مضبوط کرنے کے لیے انسانی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے، اخلاقی کمزوریوں سے فائدہ اٹھایا اور خوب اٹھا رہے ہیں، جس کا تمام لوگ باآسانی شکار ہو جاتے ہیں۔

اس کا مقابلہ وہی لوگ کر پاتے ہیں جنہوں نے دینی تربیت پوری لی ہے اور ان تمام چیزوں کو روکنے کا سامان تیار کر لیا ہے۔“

حضرت مولانا عبیداللہ حسنی ندویؒ

داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کی وفات
صرف ایک شخصیت کی وفات نہیں بلکہ یہ ایک تحریک ساز، جماعت ساز، رجال ساز شخصیت کا سانحہ ارتحال ہے، ایک دور وعہد کا خاتمہ ہے، یہ کسی جماعت یا تنظیم کا خسارہ نہیں بلکہ پوری امت کا بلکہ انسانیت کا خسارہ ہے۔
منجانب
محمد اکرم اینڈ برادرز
MOHAMMAD AKRAM AND BROTHERS
Qila Bazar, Raebareli

داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنیؒ کے اوصاف وکمالات سے متعلق پیام عرفات کے خصوصی اشاعت کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں۔
DIAGNOMED
A Unique Diagnostic Centre & Speciality Clinic
Address
VeeKay Complex
NH. 66, Bhatkal
(Karnataka) 581320
Mobile No:
8385 222523
8385 329555
8105 660766

داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

کو ان کی خدمات جلیلہ پر خراج عقیدت و محبت پیش کرتے ہیں۔
پیام عرفات کے قارئین سے دعا کی درخواست کرتے ہوئے
حضرت مولاناؒ کی فکر اسلامی کو فروغ دینے کی اپیل کرتے ہیں۔

منجانب

- فضلاء ندوہ، علمائے کرام و دانشوران قوم وملت
(صوبہ ہریانہ، پنجاب، ہماچل پردیش، چنڈی گڑھ)
- ذمہ داران مدارس خصوصا حلقۂ پیام انسانیت، تحریک اصلاح معاشرہ کمیٹی ہریانہ
- جمعیۃ علماء ہند شاخ متحدہ پنجاب
- آل انڈیا ملی کونسل (شاخ ہریانہ)
- دینی تعلیمی کونسل متحدہ پنجاب
- مجلس تحفظ ختم نبوت صوبہ ہریانہ،
- آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت (شاخ ہریانہ)

الداعی

(حضرت الحاج پیر جی حافظ)
حسین احمد قادری مجددی

صدر الکریم ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ آف انڈیا
واقع احاطہ فیض العلوم بوڑیہ، ضلع یمنا نگر، ہریانہ

میرے پیارے خالو میاں رحمہ اللہ

سید رشید احمد حسنی ندوی (مدرسہ مظہر الاسلام، بلوچپورہ، لکھنؤ)

مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھنو میں ۱۹۵۷ میں پیدا ہوئے، اس وقت ان کے دادا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی بقید حیات تھے، انہیں آپ کی ولادت سے بہت زیادہ خوشی ہوئی، اور ان کی وجہ سے پورے خاندان میں اور خاندان کے باہر خوشی کی لہر دوڑ گئی ان کو عبد اللہ اور عبد الرحمان نام بہت پسند تھا، اس لیے کہ یہ دونوں نام اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہیں، اس لیے انہوں نے عبد اللہ نام رکھا، شروع ہی سے زہانت اور رشد وصلاح کے آثار نمایاں تھے، دادا ان کو اتنا چاہتے تھے کہ تھوڑا بڑا ہونے پر انہیں اپنے پاس رکھنے لگے یہ انہی کے پاس سوتے، وہ چلنے پھرنے میں آپ ہی کی نقل کرتے، وہ انہیں بہت چاہتے اور یہ ان کو بہت چاہتے تھے، اس محبت کا فائدہ عم مکرم کو بعد میں اسطرح بھی پہنچا کہ انہیں ابا جان حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی محبت ملی، پھر پوری عمر ان کی تربیت اور رہنمائی اور سرپرستی میں گزار دی، اور پھر ان کے خلیفہ اور وارث ہوئے، عم مکرم مولانا عبد اللہ حسنی جنہیں ہم خالو میاں کہتے تھے ہمارے چچا بھی تھے اور ماموں بھی، ہماری دادی اور نانی ان کی پھوپھیاں تھیں، اور ہمارے دادا اور نانا ان کے چچا ہوتے تھے، ان کا بڑا کارنامہ ان کا وہ داعیانہ کردار ہے جس سے کام لے کر انہوں نے تحریک پیام انسانیت کی آواز پورے ملک میں بڑے بڑے جلسہ کر کے عام کی اور اس کے لیے ایک طریقہ انہوں نے یہ اختیار کیا کہ معاشرہ میں پھیل رہی خرابیوں میں سے کسی بڑی خرابی کو موضوع بنا کر اس کے ازالہ کی تدابیر پر دعوت غور وفکر دیتے اور ان پروگراموں میں غیر مسلموں کو بھی دعوت دیتے اور ان کے قائدین کو بھی اسٹیج پر بولنے کا موقع دیتے تا کہ اخوت اور بھائی چارہ کا ماحول قائم ہو اور سب لوگ مل جل کر سماج کو خراب کرنے والی باتوں کو دور کرنے کی فکر اور کوشش کریں۔

اللہ تعالی نے آپ کو اسلام اور مسلمانوں کا درد رکھنے والا دل اور ایسی پر تاثیر زبان عطا فرمائی تھی جس میں فکری اعتدال بھی تھا اور دعوت الی اللہ کا سوز بھی، وہ اعلی اخلاق اور کردار کے انسان اور مرد مومن کا یقین رکھنے والے سچے مسلمان تھے، وہ اللہ پر بھروسہ کر کے کام انجام دیتے تھے جس کی برکات ہر طرف پھیلتی دکھائی دینے لگی تھیں، غیر مسلموں میں اسلام کے تعارف کا کام لیکر جس طرح وہ اٹھے تھے اس میں وہ اپنے معاصرین پر سبقت لے جاتے نظر آرہے تھے اور اس طرح اپنے کو لوگوں کے ایمان کے خاطر گھلا دیا تھا کہ صحت ان کی بہت کمزور ہوگئی تھی لیکن اس درد وسوز میں وہ اپنے کو کمزور ثابت کرنا نہیں چاہتے تھے، اللہ تعالی نے ان کے ہاتھ پر خوش نصیب لوگوں کو مشرف با اسلام کیا کتنے واقعات سامنے آگئے، اور کتنے لوگ ایسے ہیں جنہیں صرف انہوں نے جانا اور دوسرے لوگ ان کو جان نہیں سکے لیکن گھر میں ان کی یہ صفت ہم لوگوں کے مشاہدہ میں آتی تھی کہ اگر کوئی ایمان کی طلب لے کر ان کے پاس پہنچ گیا تو وہ سب کچھ بھول جاتے تھے اور اس قدر ان کو خوشی اور مسرت ہوتی تھی کہ جسے بیان کرنے کے لیے ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں، اسی طرح جو مشرف با اسلام ہو جاتے ان کے لیے وہ باپ بن جاتے تھے، ان کی ایک ایک ضرورت کی وہ فکر کرتے تھے، اور دوسروں کو بھی اس کی طرف متوجہ کرتے تھے۔

مہمانوں کی خبر گیری اور اکرام اور تواضع ان کا خاص وصف تھا، قرابت داری کا خیال بہت بڑھا ہوا تھا جس درجہ جس سے رشتہ داری ہوتی اس کا وہ اس درجہ خیال کرتے تھے اسی طرح اپنے والد اور دادا کے تعلق والوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کرتے تھے (باقی صفحہ ۲۳۱ پر)

داعی اور مصلح شخصیت

ارشد علی ولی اللّٰہی ندوی (العافیہ تحقیق وتصنیف سینٹر، لکھنؤ)

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی صحبت کیمیا اثر کا فیض تھا کہ راقم کو حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سے عقیدت، ردشرک وبدعات اور اثبات توحید وسنت سے خاص مناسبت پیدا ہوئی اور مولانا مرحوم کی نگرانی میں اس موضوع کی بے نظیر کتاب ''تقویۃ الایمان'' کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا، راقم نے مولانا سے اس موضوع پر مطالعہ کو بڑھانے اور کچھ علمی کام کرنے کی خواہش ظاہر کی تو اس پر مولانا مسرور ہوئے، اور پھر مولانا کی خصوصی توجہات حاصل ہونا شروع ہوئیں۔ اور پھر حضرت مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی کی خدمت میں کچھ وقت گذارنے کی تاکید فرمائی، اور پھر یہ سعادت حاصل ہوئی اور وہاں جب حضرت مولاناؒ کچھ دن قیام فرمایا ہمیں ان دونوں بزرگوں سے ایک ساتھ استفادہ کا موقع نصیب ہوا۔

مولانا عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ تقویٰ وطہارت، اخلاص واختصاص، منکسرالمزاجی اور زہد وقناعت سے متصف تھے، ریا وشہرت مولانا کے اندر بالکل نہیں تھی، خاموشی ان کی صفت خاص تھی، بلاضرورت تکلم نہیں فرماتے تھے۔

حضرت مولانا کی زندگی کے بہت سے گوشے اور بہت سے پہلو ہیں جن پر مستقل کام کی ضرورت ہے یہاں محض دو اہم صفات کو پر کچھ عرض کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

برادران وطن میں اسلام کی دعوت

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ نے پیام انسانیت کے پلیٹ فارم سے ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگوں کو اسلام کی زریں تعلیمات سے روشناس کرایا، تحریک پیام انسانیت سے کسی کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ مولانا صرف انسانیت، مروت، ہمدردی، بہی خواہی اور اخلاق حمیدہ کے داعی تھے نیز ایک عالم ربانی، پیکر علم وعمل، ہمالیائے اخلاص کی چوٹی پر فائز اور ممتاز دینی شخصیت کے مالک تھے۔

مولاناؒ کا غیر مسلموں میں دعوت اسلامی کے تئیں نظریہ یہ تھا کہ پیام انسانیت کے جلسوں کے ذریعہ انہیں باہم ہمدردی وغمگساری، بھائی چارگی، انسانیت وخیر خواہی، ایک دوسرے کے دکھ درد میں شرکت اور اسی نوع کے اخلاق حسنہ کا درس دے کر اسلام سے قریب کیا جائے، واقعات شاہد ہیں کہ مولاناؒ اپنے مشن میں کامیاب رہے۔

مولانا کے اندر امت کا درد بہت تھا، ایک دفعہ فرمایا، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتا ہے: "فعلك باخع نفسك على آثارهم ان لم يؤمنوا بهذا الحديث اسفا" (اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان کے پیچھے مارے غم کے اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے) اور اسی نوع کی قرآن مجید کی کئی آیتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امت کی فکر اور اس کے لئے درد وبے قراری ایک مستقل سنت ہے، افسوس کہ بہت سے لوگوں کا اس سنت کی طرف بالکل دھیان ہی نہیں۔

بلا مبالغہ مولاناؒ کے اندر حمیت دینی اور غیرت ایمانی بدرجۂ اتم موجود تھی، دین کی خاطر خود کو کلفت ومشقت میں ڈالنا مولانا کے نزدیک ایک معمولی بات تھی۔ مولانا کی غیرت ایمانی کا اندازہ ان کے صرف اس جملہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ فرمایا: ایک ہے دل شکنی اور ایک ہے حق شکنی، میں ہمیشہ دل شکنی کو حق شکنی پر ترجیح دیتا ہوں (یعنی کسی کا دل ٹوٹے تو ٹوٹے مگر دین میں رخنہ نہ پڑے) اسی وجہ سے بہت سے لوگ ہم سے ناراض رہتے ہیں۔

شاید علامہ اقبالؒ نے ایسے ہی علماء ربانیین کے سلسلے میں کہا تھا ؎

آئین جواں مرداں حق گوئی وبے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اصلاح امت:

جس طرح مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ کی خواہش تھی کہ غیر مسلم کلمۂ توحید پڑھیں اور دائرۂ اسلام میں داخل ہوں اور اس کے لئے وہ جانی ومالی کسی بھی طرح کی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح مولانا کی فکر تھی کہ مسلمان غلط عقیدے اور باطل افکار وخیالات کے شکار ہوکر دائرۂ اسلام سے خارج نہ ہوں۔

مولاناؒ کا ارادہ تھا کہ فرق باطلہ کے ردّ اور اسلام کی صحیح وسچی تعلیم کے لئے ایک پوری ٹیم تیار ہو، بہرکیف ''جوئندہ یابندہ'' کے تحت مولاناؒ کو تین چار افراد ایسے ملے جو اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔

مولاناؒ کے نزدیک عقیدے کے سلسلے میں کسی بھی طرح کی کمی اور کمزوری ناقابل برداشت جرم تھا، آپ صاف وشاف عقیدے کے حامل اور شرکت وبدعت سے حد درجہ متنفر تھے اور یہ سب کچھ اثر آپ کے خاندان عالی مرتبت کے اس برگزیدہ اور فنافی التوحید شخصیت سے تعلق کی وجہ سے تھا جس کو دنیا والے حضرت سید احمد شہیدؒ کے نام سے جانتے ہیں۔

جس طرح ملک کا ایک وفادار سپاہی قوم کی فلاح وبہبود چاہتا ہے اور ملک کو خارجی وداخلی حملوں سے محفوظ رکھنے کی حتی المقدور کوشش کرتا ہے اور اس کی خاطر اپنی جان تک قربان کردیتا ہے، اسی طرح مولاناؒ نے غیر مسلموں کی دائمی فلاح وبہبودی کی خاطر اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے روشناس کرایا اور مسلمانوں کو ایمان سوز اور اخلاق سوز فتنوں سے محفوظ رکھنے کے واسطے دامے، درمے، قدمے، سخنے کوشش کی اور اسی راستے میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کرکے ان خوش نصیبوں کی فہرست میں شامل ہوگئے جن کا تذکرہ قرآن مجید میں یوں آیا ہے: "من المومنین رجال صدقوا ماعاھدوا اللہ علیہ".

(مومنوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے کیا تھا انہیں سچا کردکھایا)

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

بقیہ: پیارے خالو میاں

.....اور نانیہال والوں کا والدہ کا حق سمجھ کر خیال رکھتے، ان کا مربیانہ مزاج تھا وہ خاندان کے بچوں اور دوسرے لوگوں کی دینی تربیت کی فکر کرتے تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ دوست نوازی کی عادت پڑے اور انسان کی عمر اس میں ضائع ہوجائے اور نماز کے سلسلہ میں وہ بہت سخت تھے اور کسی کی بھی اس میں رعایت نہ کرتے اور جماعت کے ساتھ نماز کا ان کو بہت زیادہ اہتمام رہتا تھا، خاندان میں بھی وہ مقبول تھے اور خاندان سے باہر بھی وہ محبوب تھے، سبھی لوگ اپنی بات ان کے سامنے رکھتے اور اپنا حال ان کو سناتے، خواب سنانے والے ان سے خواب کی تعبیر لیتے، وہ خواب کی بہت اچھی تعبیر دیتے تھے، اور صاف محسوس ہوتا تھا کہ ان کی دی گئی تعبیر الہامی ہے، وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، سنن نبوی کا عملی پیکر تھے، خلق خدا پر بڑی شفقت کرنے والے تھے، انداز تربیت اور طور وطریق بڑا خیر خواہانہ ہوتا تھا، بدعت سے بڑی نفرت تھی، توحید میں دوبے ہوئے تھے، ان کی تحریر بھی زوردار تھی ان کی تقریر بھی بڑی اثر انداز تھی، وہ حضرت مولانا علی میاں کی نیابت ان کی زندگی میں کرنے لگے تھے اور بعد میں ان کے خلیفہ ہوکر ان کی مکمل نیابت کی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے وہ داماد تھے، اور ان کو انہوں نے ہمیشہ اپنا سرپرست سمجھا اور چاہا کہ ان کے مشورہ کے بغیر وہ کوئی کام نہ کریں، ان کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ اپنا کام خود کرتے تھے اور چھوٹوں سے جو وہ کام لیتے تھے اس میں تربیتی پہلو سامنے رہتا تھا۔

آپ کی وفات ۱۳ جنوری ۲۰۱۳ بروز بدھ کو ہوئی آپ کی پہلی نماز جنازہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مولانا سعید الرحمان اعظمی ندوی مدظلہ کی ساقتداء میں ادا کی گئی، اور دوسری نماز جنازہ تکیہ کلاں میں حضرت مولانا رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی اقتداء میں ادا کی گئی، اور آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، اللہ تعالیٰ آپ کو غریق رحمت کرے۔

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

سید شعیب حسینی (متعلم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

ذرہ میرے دل کا خورشید آشنا ہونے کو تھا
آئینہ ٹوٹا ہوا عالم نما ہونے کو تھا
نخل میری آرزوں کا ہرا ہونے کو تھا
آہ! کیا جانے کوئی میں کیا سے کیا ہونے کو تھا

دنیا میں جو آیا ہے وہ جانے کے لیے آیا ہے، ہر گزرتی گھڑی وقت اخیر کا مژدہ سناتی ہے، ہر سانس زندگی کے دائرہ حیات کو تنگ کرتی جاتی ہے، یہ دنیا فانی ہے، مکڑی کا جالا ہے، مچھر کا پر ہے، دھوکہ کا گھر ہے، یہاں کی ہر لذت کو فنا ہے اور ہر تکلیف کو مٹنا ہے۔

آہ! یہ ہماری انسانی تاریخ کتنے دلسوز صفحات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، گردش زمانہ کا بھی نرالا انداز ہے، کتنی دلکش مسکراہٹیں دلخراش چیخوں میں بدل جاتی ہیں، کتنی امنگیں آنسو بن کر بہہ جاتی ہیں، انسان کیا کیا سوچتا اور تدبیر کرتا ہے ادھر تقدیر کا گز خموشی کے ساتھ حرکت میں رہتا ہے۔

کوئی ارض وسماء سے پوچھے تو ان کی نگاہ حقیقت شناس نے اس دھرتی پر کیا کچھ دیکھا ہے، انبیاء علیہم السلام کی ولادت باسعادت کے ایام بھی نگاہوں میں ہیں اور اس دھرتی کے فراعنہ کے وجود کی منحوس گھڑیاں بھی اس کے سامنے ہیں، حق وکفر کے معرکوں کے وہ چشم دید گواہ بھی ہیں اور دعوت وتبلیغ کے نغموں اور شرک والحاد کے نعروں کے شاہد وعدل بھی، حق اور اہل حق کی بالا دستیوں کی کہانیاں بھی سنیں ہیں اور کفر اور اہل کفر وفساد کے انجام بد کی داستانیں بھی ان کے علم میں ہیں۔

ابھی کچھ عرصہ قبل تاریخ کا ایک صفحہ بند ہوا ہے جو اپنے اندر نہ جانے کیا کیا کہانیاں سموئے ہوئے ہے، سال رواں میں ۳۰/ جنوری بروز بدھ اللہ کے ایک بڑے ولی مولانا عبداللہ حسنی ندوی کا سایہ ہم سے اٹھ گیا، کچھ دیر تک تو آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا، کیونکہ یہ ایک عام شخص کی موت نہیں تھی بلکہ ایک عالم ربانی کی موت تھی، ایک سرگرم عمل داعی کی موت تھی، ایک مربی صوفی کی موت تھی، ایک صاحب دل اللہ کے ولی کی موت تھی، ایک صاحب فیوض مدرس کی موت تھی، ایک خدا ترس مصلح کی موت تھی، ایک دریا دل انسان کی موت تھی، کیا کیا کہوں! کہاں تک گناؤں! میں نے ان کو جتنا دیکھا اور سمجھا اسے کیسے چند سطروں میں سمیٹ کر رکھوں! عربی کا مشہور مقولہ ہے (لیس الخبر کالمعاینة) اگر مجھے چند جملوں میں ان کا تعارف کرانا پڑے تو میں یوں کہہ سکتا ہوں، میری نگاہ ناقد رشناس نے ایک ایسی شخصیت کو دیکھا ہے جو یقین وتوکل کا مجسم، عزم وحوصلہ کا پہاڑ، مقصد کا دھنی، دل دردمند اور فکر ارجمند رکھنے والی تھی، لگتا ہے عصر حاصر میں وہ اس آیت کی تفسیر تھی: ﴿رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر﴾

آج میرے قلم کی روانی قابل دید ہے اور ہو بھی کیوں نہ! میں اپنی محبوب شخصیت کا ذکر چھیڑ رہا ہوں، جن سے میرے نزدیکی ربط وتعلق کی مدت تو بہت قلیل ہے لیکن استفادات کی فہرست بڑی طویل ہے، اگر میں ایک جملہ میں کہوں تو بیجا نہ ہوگا کہ انہوں نے مجھے شاہین کی بلند پروازی کا درس دیا ہے۔

میں ان کے تمام اوصاف حمیدہ کو یکجا کر لینے کا دعوی تو نہیں کرتا البتہ اپنے علم کے مطابق ان کی شخصیت کی مرکزی گوشوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

ہمارے مرحوم محسن ومربی کا گوہر حقیقی ایمان ویقین کی رفعت وصلابت تھی، انسان کا کمال خداوند قدوس کی معرفت کے کمال پر منحصر ہے، اس میں سب سے بلند مقام پر انبیاء کرام علیہم الصلات والتسلیمات فائز ہوتے ہیں، ثم الأمثل فالأمثل، بارہا مولانا کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: انسان بلند ہوتے ہوتے رضا

وتسلیم کے ایسے مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں اسے کسی بھی حالت میں شک وخلجان کی گرد بھی نہیں چھو پاتی ہے، مولانا کے یہ محض الفاظ نہیں ہیں بلکہ وہ خود اس کی سراپا تصویر تھے، عمر کی اخیر ساعتوں میں سخت بیماری اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑا لیکن کبھی میرے کانوں نے حرف شکایت ان کے لبوں پر آتے نہیں سنا، اللہ تعالی کی حمد کا نغمہ ہر لمحہ زبان پر جاری تھا، اب اس کے بعد مزید دلیلیں دینے کی ضرورت نہیں۔

مسلم اسی سینہ را از آرزو آباد دار
ہر زماں پیش نظر لا یخلف المیعاد دار
جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا
تو کرلیتا ہے یہ بال وپیر روح الأمین پیدا

مولانا کی دوسری بڑی خصوصیت جو میں نے محسوس کی وہ منزل کی سرگردانی، راہ حق میں نشاط انگیزی، حصول مقصد کے لیے اعلی درجہ کی جفاکشی وقربانی ہے، غیر مسلموں میں دعوت حق کی فکر مولانا کے قلب ومشاعر اور دل واحساسات پر طاری ہوگئی تھی، مولانا نے نہ رات دیکھی نہ دن، نہ آرام دیکھا نہ راحت، اپنے آپ کو اس میدان میں کھپا دیا، اس کے لیے طویل طویل اسفار کیے، کٹھن کٹھن گھاٹیاں سرکیں، مشکل سے مشکل حالات کا سامنا، لیکن پائے ثبات میں ذرا بھی جنبش نہیں آئی۔

سر خاک شہید ہوگیا لے لالہ محایا شم
کہ خوش با نہال ملت ما ساز گار آمد
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

مولانا کے اندر ایک بڑی صفت جو میں نے پائی وہ ملنساری اور اعلی ظرفی ہے، اسی طرح اپنے متعلقین واحباب کے ساتھ حسن سلوک اور اعلی برتاؤ کا معاملہ کرنا ہے، مولانا نے ہمیشہ اپنے بڑوں اور بزرگوں سے مریدانہ سا تعلق نبھایا، ان کی خواہش کے خلاف قدم نہیں اٹھائے، ان کے مشوروں پر بسر وچشم قبول کرکے رو بہ عمل لائے، سب کی دعائیں لیں، کسی کی دل آزاری نہیں کی، ساتھ ہی ساتھ اپنے چھوٹوں کے ساتھ شفقت وحوصلہ افزائی کا وہ معاملہ کیا جس نے ان کی شخصیت کو ہر طبقہ میں مقبول ہر دلعزیز بنا دیا، عصری علوم سے وابستہ لوگوں کو ان کی خدمت میں دوزانو بیٹھے ہوئے دیکھا ہے، اپنا سب کچھ ان پر لٹانے اور قربان کرنے پر آمادہ پایا ہے، اور طالبان علوم نبوت کا رجوع عام تو ان کی طرح خال خال دوسروں کی طرف نظر آتا ہے، کیا چھوٹا کیا بڑا، کیا تاجر کیا ملازم، کیا عالم کیا جاہل کتنوں ہی کو ان کا دل گرفتہ پایا ہے۔

ان کا دل مہبط محبت تھا
اب محبت خیال خام ہوئی
جب ملے دل سے دل قریب ہوا
روح سے روح ہم کلام ہوئی
ان گمنام زندگی دیکھیں
وہ جنہیں شہرت دوام ہوئی

ایک اور خداداد صلاحیت جو مولانا کو ملی تھی وہ انداز تربیت اور طریقہ اصلاح ہے، تربیت پر مولانا بہت زور دیتے تھے، کوئی درس کوئی مجلس کوئی گفتگو تربیتی پیغام سے خالی نہیں ہوتی تھی، اصلاح وتزکیہ کا عمل بڑی حکمت کا متقاضی ہے، مولانا نے اس میدان میں اپنی حکمت وفراست کا کامل ثبوت دیا، مولانا کے ٹوکنے کا انداز بڑا ہی لطیف اور زود اثر ہوا کرتا تھا، بطور مثال عرض کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ میری تقریر میں انہوں نے کوئی کمی محسوس کی تو باتوں میں اس انداز سے کہا کہ دل بھی بڑا ہوگیا اور غلطی کی جانب توجہ بھی ہوگئی۔

کہاں تک اوصاف گنائے جائیں، اس بحر بے کراں کو ناپنے کے لیے کہاں سے آلہ فراہم کیا جائے، بالآخر یہ کہنا پڑتا ہے۔

شاباش اے مکینِ خلد، تری
تربت خام خوش مقام ہوئی
میری تحریر رہ گئی قاصر
ان کی توصیف نا تمام ہوئی

مولانا کے آخری دیدار پر واقع ہونے والی تأثر کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت شاہ نفیس الحسینیؒ کے اس شعر کو نقل کرکے داستان تمام کو ادھوری چھوڑتا ہوں جو شعر انہوں نے حضرت احمد علی لاہوریؒ کے تعلق سے کہا تھا:

میں نے مولانا کو دیکھا وقت رخصت اے شعیب!
چہرہ انور تھا جیسے خلد کی کھلتی کلی

آسماں تیری لحد پر شبنم فشانی کرے

محمد سالم منصور پوری (دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

حضرت مولانا سید عبداللہ نی ندویؒ نے اپنی پوری عمر نئی نسل کی تیاری وتربیت، دعوت الی اللہ، خدمت دین، اشاعت اسلام، اہل تعلق کی رہنمائی اور ملک میں دعوت اسلام کے فروغ میں گزاری، بالفاظ دیگر ان کی ساری تگ ودو، جدوجہد اور کوشش وکاوش کا محور دعوت الی اللہ، سنت نبوی کی ترویج، اسلام کی عظمت وسربلندی اور اعلاء کلمہ حق تھا۔

حضرت مولانا عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ ان علماء ربانیین میں سے تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی اسلام کی سربلندی کے لیے وقف کردیں، مولاناؒ اسلام کے بے لوث سپاہی تھے، اسلام ہی ان کی زندگی کا محور تھا، اسی کے دم سے ان کی زندگی میں حرارت تھی، اللہ کا یہ بندہ ہدایت کا چراغ لے کر گلی گلی کوچے کوچے پھرتا رہا اور راہ ہدایت سے دور، نور حق سے محروم بیشمار لوگوں کو اسلام کے آغوش میں داخل کیا، ان کے دست حق پرست پر کتنے لوگوں نے اسلام قبول کیا، عمر بھر بندگان خدا کے درمیان توحید کا جام لٹاتا رہا، کفر آلود ماحول کو دیکھ کر اس کا دل کڑھتا تھا، وہ مجدد سید احمد شہیدؒ کے طریق کار راہی تھا، وہ بزم شاہ علم اللہؒ کا چراغ تھا، اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا پروردہ اور ان کے افکار وخیالات کا محرم راز بھی تھا، ان کے اندر حضرت مولانا کی شخصیت کا عکس جمیل تھا، وہ ملت کا ایک ایسا مفکر تھا جس کو ہر وقت ملت کی زبوں حالی کا غم ستاتا تھا، وہ اسلام کا بے باک ترجمان ونباض حکیم تھا، اور دین متین کا بے مثال شارح تھا، نئی نسل کے لیے ان کی حیثیت ایک مثالی قائد کی تھی، ان کی شخصیت دل دردمند اور فکر ارجمند کا حسین پرتو تھی۔

مولانا مرحوم ایک بہترین انسان اور اسلام کا بہترین نمائندہ وعظیم داعی تھے، مولانا مرحوم کی شخصیت مثالی تھی، وہ شہرت سے دور رہ کر خاموشی سے کام کرنے والے تھے، وہ وقت کا صحیح استعمال کرنا جانتے تھے، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے کم عمر میں زیادہ سے زیادہ کام کیا، یہی وجہ تھی کہ مولانا مرحوم طالب علمی کے دور سے ہی بڑے شریف النفس محنتی اور متواضع انسان تھے، اسی بنا پر اللہ نے ان کو ایک عہد ساز اور تاریخ ساز شخصیت بنادیا تھا، مولانا مرحوم نہایت خوش اخلاق اور زہد وتقوی کے پیکر تھے۔

مولانا مرحوم کی وفات جہاں ملت اسلامیہ کے لیے ایک عظیم خسارہ ہے اسی طرح ندوۃ العلماء، تحریک پیام انسانیت اور سیکڑوں دینی وملی تنظیموں مدارس ومکاتب کیلئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔

مولانا مرحوم کی شخصیت گوناگوں صفات حمیدہ کی حامل تھی، مولانا ایک مخلص داعی اور مربی استاذ اور صاحب قلم تھے، معاملہ فہمی حزم واحتیاط دوراندیشی، نرم گفتاری، خوش اخلاقی اور ملنساری مولانا کا طرۂ امتیاز تھا، آپ روایتی مقرر تو نہ تھے لیکن اپنی خوش اسلوبی اور اعلی اخلاق وکردار کی وجہ سے بیشمار مقررین پر آپ کو فوقیت حاصل تھی۔

دعوت کے سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ مولانا کا دعوتی کام چرچوں، پرچوں اور چندوں کے دھندوں سے پاک تھا، اور اپنا دعوتی کام خاموشی سے انجام دے رہے تھے، مولانا اکثر کہا کرتے تھے کہ دعوت کا کام تنظیم اور میڈیا کے پروپیگنڈہ سے بلند ہوکر کرنا چاہیئے، اس سے کام کو فروغ ملتا ہے اور رکاوٹوں سے حفاظت ہوتی ہے، مولانا کی ایک نمایاں صفت فکری اعتدال ہے مولانا مرحوم کا دعوتی انداز بڑا مؤثر تھا کہ ہدایت پانے والوں کی تعلیم وتربیت اور ان کی استقامت کا بھرپور انتظام کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولاناؒ کو غریق رحمت فرمائے اور ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

رخصت ہوا ہم سے دین حق کا ترجمان

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ ان شخصیات میں سے ہیں جنھوں نے مختلف میدانوں میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیے ہیں، اور ملت پر نا قابل فراموش احسانات کیے ہیں، آج حضرت مولانا ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ان کا نام اور ان کا پیغام دنیا ہمیشہ یاد رکھے گی، اور ان کی دی ہوئی تعلیمات کو ہمیشہ سینے سے لگائے رکھے گی۔

محمد ابراھیم ندوی

A.R.Developers (MUMBAI) Mob.: 09820875836

رخصت ہوا پیام انسانیت کا علمبردار

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ گوناگوں صفات کے مالک، اسلام کے سچے داعی، دین کے سپاہی اور امت محمدیہ کے نبض شناس تھے، آپؒ نے خاص کر غیر مسلموں میں دعوت دین کی جو کوششیں کی ہیں ان کے اثرات بہت ہی گہرے اور دور رس ہیں۔ اللہ تعالی آپؒ کو آپ کی کوششوں کا بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے، آپ کی قبر کو نور سے بھر دے اور ملت اسلامیہ کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین!

نیاز احمد رائے بریلوی

داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی خدمات جلیلہ و اوصاف حمیدہ پر پیام عرفات کی اس خصوصی اشاعت کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں، ہمیں امید ہے کہ یہ رسالہ حضرت مولانا کے مشن کو آگے بڑھانے میں کلیدی کردار ادا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی قبر کو نور سے بھر دے۔

منجانب

ANSARI CHEMICALS & ALLIED PRODUCTS

Buria Road, Jagadari,
Dist. Yamunanagar, Haryana

SIKKA TRADING CO. 1 INDIA

प्राकृतिक गुणों से भरपूर मसाले

सिक्का नं. 1 मसाले

SIKKA TRADING CO. INDIA

NEAR SIKKA BIDI CO., KAIPERGANJ. RAEBARELI

CUSTOMER CARE MOBILE NO. 9415071570

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

اپنے ملفوظات کے آئینہ میں

عبدالہادی اعظمی ندوی

اللہ تعالیٰ نے استاد و مربی حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کو گوناگوں کمالات و خصوصیات سے نوازا تھا، جہاں ایک طرف دعوت وارشاد، اصلاح و تربیت، اور درس و تدریس کے میدان میں آپ کی خدمات نمایاں ہیں، وہیں آپ اپنی مجالس میں جو کچھ ارشادات فرماتے تھے وہ بھی ان کی حیات طیبہ کا ایک روشن باب ہے۔

آپ کی عمومی مجلس - جب آپ لکھنؤ میں ہوتے - خاتون منزل میں عصر بعد ہوا کرتی تھی جس میں علماء، طلبۂ مدارس اور مختلف میدانوں میں کام کرنے والے حضرات شریک ہو کر فیض یاب ہوا کرتے تھے، رمضان میں تکیہ میں بعد نماز ظہر علماء وطلبۂ مدارس کے لیے خصوصی مجلس ہوا کرتی تھی، جس میں عموماً حضرت تھانویؒ کے ملفوظات پڑھے جاتے اور جگہ جگہ درمیان میں حضرت جہاں مناسب سمجھتے اور ضرورت محسوس ہوتی وہاں تشریح فرماتے۔

ایک مرتبہ بڑوں کی صحبت اختیار کرنے کے بارے میں فرمایا کہ جو اپنے بڑوں کے ساتھ رہے گا اس کو اپنی کم علمی اور چھوٹے پن کا احساس ہوگا، اور وہ اپنی کمی دور کرنے کی کوشش کرے گا، اور جو اپنے چھوٹوں کے ساتھ رہے گا وہ کبر میں مبتلا ہوگا، اور جو اپنے جیسے لوگوں کے ساتھ رہے گا وہ لاابالی پن میں مبتلا ہوگا۔

مولانا فرماتے تھے کہ کام کرتے رہنا چاہیے، اثرات مرتب ہوں یا نہ ہوں، اثرات مرتب نہ ہونے پر کام سے رکنے کا مطلب للہ کام نہ کرنا ہے۔

طلبہ کو اپنا معیار بلند کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے بارہا فرمایا کہ مکتوبات امام ربانی کا مطالعہ کرو، (خاص طور پر مکتوبات کی تلخیص و ترجمہ جو مولانا نسیم احمد فریدی امروہیؒ نے ''تجلیات ربانی'' کے نام سے کیا ہے)، نیز فرمایا: معیاری کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے، خاص طور سے منصب امامت مؤلفہ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کریں کہ اس کے مطالعہ سے معیار بلند ہوتا ہے۔

جو لوگ حضرت سے یہ شکایت کرتے کہ فلاں کام میں کوتاہی ہوتی ہے، یا فلاں کام کرنا چاہتے ہیں لیکن کر نہیں پاتے تو فرماتے کہ اصل کام تو کوشش اور فکر سے ہوتا ہے۔

فرماتے تھے کہ جو اخلاص کے ساتھ دین کا کام کرے گا، وہ کبھی تھکے گا نہیں، خواہ اس کام کے نتائج ظاہر ہوں یا نہ ہوں، کیوں کہ اس کے پیش نظر رضائے الٰہی اور اطاعت خداوندی ہے، لوگ چاہے جیسا بھی اس کے ساتھ رویہ رکھیں، وہ اپنا کام کرتا رہے گا، مگر جو کسی اور مقصد سے کام کرے گا، اگر وہ مقصد حاصل نہ ہوا تو وہ تھک جائے گا، اُکتا جائے گا، یہ تھکنا ہی دلیل ہے غیر خلوص کی۔

فرماتے تھے کہ دین و دنیا ساتھ چلتے ہیں، ایک خراب ہو اور دوسرا صحیح، ایسا نہیں ہوتا، جس طرح دنیوی چیزوں میں ملاوٹ ہوگئی ہے اور ان کے کھانے سے متعدد امراض پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح دین کا کام کرنے والوں کے یہاں بھی اخلاص کے نہ ہونے سے بہت سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں، جس طرح دنیوی چیزوں میں ملاوٹ نہ کرنے والے مخلصین کی کمی ہے، اسی طرح دین کا کام کرنے والوں میں بھی مخلص کم ہوتے جا رہے ہیں اور دھیرے دھیرے بالکل ہی کم ہو جائیں گے۔

ایک مرتبہ سالکین سے فرمایا: طلب اور بے فکری ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے، بے فکری عدم طلب کی دلیل ہے، طلب تو یہ ہے کہ کسی چیز کے لیے اس درجہ بے چینی ہو کہ جب تک وہ مل نہ جائے دل کو کسی پل قرار نہ آئے، پھر یہ شعر پڑھا:

جس گل کو دل دیا ہے جس پھول پر فدا ہوں
یا وہ بغل میں آئے یا جاں قفس سے چھوٹے

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ملفوظات پڑھے جا رہے تھے، حضرت تھانویؒ کی اس بات پر کہ کمالات پر ناز کس بات پر، یہ تو عطائے حق ہے، اپنا کچھ کمال نہیں، ہمیں ناز نہیں نیاز کرنا چاہیے، فرمایا: جب دینے والا سامنے ہوتا ہے تو ناز نہیں ہوتا، سامنے نہیں ہوتا تو ناز ہوتا ہے، تو جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ استحضار ہوتا ہے وہ ہمیشہ نیاز کرتے ہیں، ناز کا خیال بھی نہیں آتا۔

حضرت مولانا عبیداللہ حسنی ندویؒ

ایک مثالی استاذ

عبدالرحمٰن ندوی (کولکاتا)

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کی ولادت ایک ایسے خاندان میں ہوئی، جو دعوت وتبلیغ، زہد وتقویٰ، اخلاص وللہیت، اتباع سنت نبوی اور جہاد بالسان اور جہاد بالقلم میں مشہور ومعروف ہے، آپ نے اپنے خاندان کی موروثی صفات اپنے اندر جذب کرلی تھیں، آپ جس شخصیت کے صحبت یافتہ تھے، ان کو دنیا شیخ العرب والعجم اور مفکر اسلام کے لقب سے یاد کرتی ہے، آپ نے اس شخصیت سے بھرپور فائدہ اٹھایا، اوران کی زندگی کے ہر نقش کو اپنے اندر سمولیا، اور دینی حمیت اوراس کی نشر واشاعت، اور اخلاص وتقوی میں اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ ممتاز ہوئے۔

آپ نے اپنے عمر کے آخری ایام تک دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں حدیث شریف کا درس دیتے رہے، آپ کا درس دعوت و اصلاح کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتا ہے، آپ اپنے درس کے ذریعہ طلبہ کی صلاحیتوں اوران کی فکر وسوچ کو ایک رخ دیتے، اوران کو بامقصد زندگی کی راہ پر چلاتے، اور دعوت کے ان بنیادی اصولوں کو مؤثر انداز میں پیش کرتے جن سے ایک داعی کا لیس ہونا ضروری ہے۔

عصر کے بعد اسی مقصد کے تحت آپ کی مجلسیں ہوا کرتی تھی جس میں شہر کے بعض افراد کے علاوہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے طلبہ بڑی تعداد میں شریک ہوتے، مجلس میں مختلف کتابیں پڑھی جاتیں، اور طلبہ بغور سنتے، درمیان میں مولانا کچھ تشروح بھی فرماتے، یا موضوع سے متعلق دوسری مفید باتیں بتاتے، اور پھر آپ ان جملوں کی تشریح فرماتے جو طلبہ کے لئے کچھ پیچیدہ ہوتے، یا اس جملہ کے تعلق سے ذہن میں کوئی بات آتی تو آپ اس کو مثالوں سے واضح فرماتے اور آپ خاص طور پر فرماتے تھے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے اس وقت صرف دو ہی راستے ہیں (۱) دعوت (۲) دعا۔ اسی کے ذریعہ سے وہ آگے بڑھتے چلے جائیں گے۔

مولانا حب نبوی پر زور دیتے اور اس کو مقیاس الایمان گردانتے، بسا اوقات سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرتے ہوئے آپ کی آنکھیں چھلک پڑتیں یہ گویا کہ دل کی ترجمانی تھی، یہ آپ کے اندر کی صدا تھی جو طالبان علوم نبوت کے سانے ظاہر ہوجاتی تھی۔ آپ طالبان علوم نبوت کو مستقبل معمار قرار دیتے تھے، اور فرماتے کہ ان سے اس دنیا کی قسمت وابستہ سمجھتے تھے۔

اسی طرح آپ کا ایک نمایاں وصف جس سے طلبہ کو بار بار واسطہ پڑتا تھا وہ آپ کی ہمت افزائی تھی، آپ طلباء کو مختلف موضوعات سے وابستہ کرتے، اور پھر اس پر ہمت افزائی فرماتے، کوئی کام اگر مناسب نہ ہو پاتا تو کہتے کہ مولوی صاحب کام کرتے رہیے اسی طرح کام کرنا آئے گا۔

آپ طلبہ سے بہت محبت سے ملتے تھے، سلام میں پہل کرتے تھے، اگر کوئی طالب علم پہلے سلام کرلیتا تو بڑی بشاشت سے جواب دیتے اور تعلیم کے بارے میں پوچھتے تھے، اور وقت کے ضیاع سے منع کرتے، اور فرماتے: تم وارث انبیاء ہو، اپنی قدر جانو اپنی شخصیت کو پہچانو، اپنے مقام کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ آپ کی اس محبت وانابت کی وجہ سے طلباء آپ سے بہت زیادہ مانوس ہوتے، مجلسوں میں آپ کے ان اوصاف کا تذکرہ کرتے۔

دین کے معاملہ میں آپ کی غیرت بہت بڑھی ہوئی تھی، کتنا بھی کوئی قریبی ہوتا، لیکن گر اس میں دینی معاملہ میں کوتاہی ہوتی تو ضرور ٹوکتے، بسا اوقات سامنے والے کو برا بھی محسوس ہوتا، لیکن چونکہ آپ یہ دینی جذبہ اور اخلاص سے کرتے تھے اس لیے تھوڑے وقفہ کے بعد سامنے والا پھر آپ سے مانوس ہوجاتا، اور آپ کے ٹوکنے کو اپنے لیے مفید سمجھتا۔

مولانا کے انتقال سے مختلف میدانوں میں خلا پیدا ہوا ہے، اور سب عظیم خسارہ طلباء کا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ اس خلا کو پر فرمائے۔

حضرت سید مولانا عبداللہ حسنیؒ کا

اسلوب خطابت

احسن ایوبی (متعلم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کا نام نامی بھی اسی فہرست میں ہے جنہوں نے اپنے علم وعمل، زہد واستغناء، محنت وجانفشانی، لگن اور جستجو، تڑپ اور سوز اور اپنے اخلاق وکردار کے چراغوں سے زندگی کی تاریک راہوں اور مردہ دلوں کو روشنی بخشی۔ ۳۰ رجنوری ۲۰۱۳ء کو مولانا نے اس خود غرض دنیا کو یہ کہتے ہوئے الوداع کہا اور اسی کے ساتھ جدوجہد سے بھرپور ان کی زندگی کا باب بند ہوگیا، کہنے والے یہ کہہ کر خاموش بیٹھ رہیں گے کہ ''ایک عظیم ہستی ہمارے درمیان سے اٹھ گئی''۔ اور لکھنے والے یہ لکھ کر قلم رکھ دیں گے کہ ''ان کے جانے سے جو خلا ہوا ہے اس کا پُر ہونا مشکل ہے''۔

یہ سچ بھی ہے کہ کسی کی خالی جگہ پُر نہیں ہوتی، نہ ہوسکتی ہے، اس لئے کہ جو شخصیت ہمارے درمیان سے اٹھتی ہے اس کی انفرادیت اسی کے ساتھ رخصت ہوجاتی ہے، مولانا کی زندگی بھی متعدد انفرادی خصوصیات اور امتیازی انفرادیت کی حامل تھی، ان کے جانے سے فی الحال بیعت وارشاد کی مجلسوں میں ایک سناٹا طاری ہے، ان کے میدان کار میں دعوت وہدایت کا کام رُک سا گیا ہے۔ مسند درس وتدریس کی اداسی بھی دیر تک قائم رہے گی۔ متعلقین کو ان کا مخلصانہ جذبہ ڈھونڈنے اور محبین کو ان کا ہمدردانہ لہجہ تلاش کرنے میں برسوں لگیں گے اور یہ سچ ہمیشہ سچ ہی رہے گا کہ مولانا کی صورت میں فکر وعمل، تحریر وقلم، خشیت وللّٰہیت، صدق وامانت اور تقویٰ وپرہیزگاری کی جو پُر کیف اور نورانی مجلس جمی ہوئی تھی وہ بے رونق ہوگئی ہے، وہ شمع گل ہوگئی ہے جس کی روشنی سے اخلاق وکردار اور معاملات کی راہیں تابناک اور منور تھیں۔

زندگی جن کے تصور سے جلا پاتی تھی
ہائے کیا لوگ تھے جو دام اجل میں آئے

ندوۃ العلماء کی چھ سالہ زندگی میں مجھے بارہا ان کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی، ان کی مجلسوں میں حاضر ہونے اور ان کی تقریروں میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔ کسی بھی محفل میں جتنی دیر وہ گفتگو کرتے میری نظریں ان کے چہرے کا طواف کرتی رہتیں، اور ہر چکر پورا ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی عظمت وعلمیت کے پردے اٹھتے رہتے۔ ان کی آنکھوں میں عجیب من موہن چمک اور عزیمت واستقلال کی دل میں اتر جانے والی منفرد روشنی تھی۔ مولانا مرحوم جس محبت، شفقت، اپنائیت اور خوردنوازی کے ساتھ ملتے تھے اس سے دل میں ان کی عظمتوں کا تاج محل تعمیر ہوتا اور زیادہ دیر تک ان کے پاس بیٹھنے کا دل چاہتا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ۔

چاہا بھی اگر ہم نے تری بزم سے اٹھنا
محسوس ہوا، پاؤں میں زنجیر پڑی ہے

مولانا مرحوم جتنی صاف وشفاف زبان میں گفتگو اور تقریر کرتے، اتنی ہی پاکیزہ اور اجلی، نکھری اور ستھری ان کی تحریر ہوتی۔ تقریر میں نہ کہیں پیچیدگی اور الجھاؤ ہوتا نہ تحریر میں کہیں شکستگی اور ژولیدگی ہوتی۔ بات سے بات پیدا کرنا ان کی تحریر وتقریر کا خاص جوہر تھا، ان کی تحریر اور تقریر دونوں میں پیغام کی حرارت، جذبات کی شدت اور فکر کی بلندی یکساں طور پر محسوس کی جاسکتی تھی۔ عربی اور اردو دونوں زبانوں پر کامل عبور تھا، بے تکلفی سے بولتے اور روانی سے لکھتے تھے، مذہب ہو یا دین، فن تاریخ ہو یا علم حدیث، اصلاح معاشرہ ہو یا پیام انسانیت، دعوت کا کوئی پہلو ہو یا وعظ کا کوئی گوشہ، ہر شعبہ اور ہر دائرہ میں وہ اپنے ہمسروں سے منزلوں آگے تھے اور ایک امتیازی شان رکھتے تھے۔ صفحۂ قرطاس پر ان کے قلم کی روانی اور جولانی بھی دیدنی تھی۔ خاندانی نسبت وشرافت اور ندوۃ العلماء کی فکری تحریک سے قربت کی وجہ سے توازن واعتدال کا جوہر آپ کی شخصیت وسیرت میں نمایاں تھا، افراط وتفریط اور غلو وانتہا پسندی سے بہت ہی دور تھے، زبان وقلم سے کبھی کوئی بے احتیاطی ظاہر نہیں ہوئی، سلجھی ہوئی طبیعت کی وجہ سے نہ کبھی کسی کو تنقید کا نشانہ بنایا اور نہ کبھی طعن وتشنیع کے سنگریزے کسی کی جانب پھینکے۔ مولانا کی شخصیت کا ایک کمال یہ بھی تھا کہ اسٹیج پر تشریف لاتے ہی ان کی دانائے راز نگاہیں سامعین کے دلوں کو ٹٹول لیتیں اور پھر گفتگو شروع کرتے ہی مولانا سامعین کے جذبات کی باگیں اپنے ہاتھ میں لے لیتے۔ اس

کے بعد جب وہ اپنی فطری صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے سامعین سے مخاطب ہوتے تو ایک ایک لفظ دل میں اترتا، ایک ایک جملہ دماغ کو جھنجھوڑتا، ایک ایک حرکت درد دل کی ترجمان ہوتی اور دست وبازو کی ایک ایک جنبش سے دانائی کا اظہار ہوتا، گھنٹوں تقریر جاری رہتی اور تاثر کی یہ کیفیت ہوتی کہ سناٹا چھایا رہتا۔ تقریر میں ان کو جو انفرادیت حاصل تھی وہ دوسروں کا حصہ نہ بن سکی، وہ شعلہ بیان مقرر اور پُر جوش خطیب تو نہیں تھے لیکن ان کی تقریروں میں خطابت کا زور اور گرمی اور موعظت کی رحمت وشائستگی بدرجۂ اتم موجود تھی۔ ان کی تقریریں پہاڑ کی بلندی سے گرنے والے صاف وشفاف آبشار کے مانند ہوتیں جو پُر پیچ راستوں میں بھی بڑی سُبک روی کے ساتھ نکلتا چلا جاتا ہے۔ مولانا شروع سے آخر تک سامع کی توجہ کو اپنے الفاظ وخیالات کی تازگی وتوانائی سے تب وتاب دیتے رہتے اور اس کے تصورات کو نہ تھکنے دیتے نہ دم لینے دیتے، ان کی تقریر اس چشمے کے مانند ہوتی کہ جو اپنی سیل سفر کی ہر منزل میں صاف وشفاف، شادماں اور رواں دواں رہتا ہے لیکن جہاں جہاں وہ ملت پر چھائی ہوئی تاریک کہر اور ساتھیوں کے تذبذب اور تھکن کی طرف اشارہ کرتے تھے وہاں ان کا لہجہ دھیما اور حزیں ہو جاتا تھا۔ الفاظ میں مرہم ہوتا تھا لیکن پیغام میں وہی گرمی اور جگر تابی جو مولانا کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے تھی، قرآن وحدیث، قصص وحکایات، آثار وواقعات، حکمت ودانائی، علمی بصیرت وگہرائی اور معانی وکلام سب کچھ ان کی تقریروں کا خاصہ تھا۔ چونکہ مولانا ایک مخلص داعی تھے اور ان کا ہر کام خالص اللہ کی رضا کے لئے ہوتا تھا اس لئے مجمع کی کمی بیشی سے کبھی متاثر نہ ہوتے، ہزاروں کا مجمع ہو یا لاکھوں کا، سامعین کی تعداد کم ہو یا زیادہ ان کی تقریر، تقریر ہی ہوتی، حاضرین کی کمی سے نہ مایوس ہوتے اور نہ زیادتی سے ان میں جوش پیدا ہوتا۔ پورے سکون، وقار اور اعتبار کے ساتھ اپنی بات مکمل اور مدلل طور پر کہتے اور پھر معاملہ خدا کے سپرد کر دیتے۔

حضرت مولانا علی میاںؒ کی وفات کے بعد آپ نے پیام انسانیت کے پرچم کو پوری مضبوطی سے تھاما اور اپنے بڑوں کی رہنمائی میں زندگی کی آخری سانس تک مکمل حوصلہ کے ساتھ اسے لے کر آگے بڑھتے رہے، اپنے علم وعمل اور فکر وقلم کی لو سے پیام انسانیت کے پلیٹ فارم کو روشنی عطا کرتے رہے۔ میں نے جب جب پیام انسانیت کے اسٹیج سے مولانا مرحوم کی تقریر سنی تو ایسا محسوس ہوا کہ حضرت مولانا علی میاںؒ نے جہاں تک عملی طور پر اسے پہنچایا تھا، مولانا مرحوم نے اسی جگہ سے تار عمل پکڑ کر اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ انسانیت کا درد مولانا کے ریشہ ریشہ میں سمایا ہوا تھا، انہوں نے خود کو دین وملت کے لئے وقف کر دیا تھا، قوم کے ہر دکھ درد میں شریک اور ملت کے ہر مسئلہ میں وہ اس کے ساتھ رہے، ملت کو جہاں پر جیسی ضرورت محسوس ہوئی، مولانا وہیں آگے بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں، اگر میں یہ کہوں کہ انہوں نے بہت سوں کو پیچھے چھوڑ دیا تو شاید یہ میرا جملہ گستاخی کی حدوں میں داخل ہو جائے لیکن یہ لکھنے میں قطعی تامل نہیں کہ انہوں نے اپنے لافانی کارناموں کے ذریعہ بہت سوں کو یہ ضرور سمجھا دیا کہ میڈیا کے کاندھوں پر سوار ہوئے بغیر کام اس طرح کیا جاتا ہے، اور انتہائی خاموشی کے ساتھ خداداد صلاحیتوں کا استعمال اس طور پر ہوتا ہے۔ بے شمار لوگ اپنے مسائل لے کر آتے، مولانا مرحوم پوری سنجیدگی اور ہمدردی سے سنتے اور پھر جس طرح بھی ممکن ہوتا امداد پہنچانے میں دریغ نہ کرتے۔

مولانا مرحوم لباس، مزاج، ذہن، عادات واطوار اور شمائل وخصائل ہر اعتبار سے سادہ تھے، لیکن ان کی خاکساری میں بھی جلال، فروتنی میں بھی وقار اور انکساری میں بھی دبدبہ تھا، قلب کی طہارت اور پاکیزگی کی علامت کے طور پر ایک عجیب قسم کا سکون اور دھیمی روشنی ان کا ہالہ کئے رہتی، اندھیرے ان سے سراسیمہ اور خوف زدہ رہتے تھے، تاریکیاں ان کے قدموں کی چاپ سنتے ہی اپنا راستہ بدل دیتی تھیں، علم وعمل، فکر ونظر، زہد وورع، دعوت واصلاح اور وعظ وارشاد کا یہ چراغ (ہماری کوتاہ نظری کے لحاظ سے) اس وقت بجھا ہے جب صبح روشن کی ضرورت بڑھتی جا رہی ہے، ایسے وقت میں، جب کہ اخلاص کے صرف چند دیئے ٹمٹما رہے ہیں، للّٰہیت کی لو مدھم پڑتی نظر آ رہی ہے اور اندھیروں کے تسلط اور حکمرانی کا دور دورہ جاری ہے، تب یہ شمع حیات خاموش ہوئی ہے۔ مگر ہمارا ایمان باللہ اس کے فیصلوں پر راضی برضا ہے۔

فروغ شمع تو باقی رہے گا صبح محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

اب انہیں ڈھونڈھوں چراغِ رخ زیبا لے کر

محمد ریحان غزالی بستوی
(متعلم دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

بدھ کا دن تھا، صبح بے بہار تھی، آنکھیں بھی اشکبار، دل مضطرب و پریشان، حلق بھی خشک، زبان بھی گنگ، پھول بھی زرد آلود، کلیاں بھی نم بار، چڑیاں بھی خاموش، جنگل بھی سن سان، دریا بھی حیران، پہاڑ بھی ساکت، زمین بھی خشک، تتلیاں بھی پریشان، گویا کہ رنگ وبو کی ہر چیز ہی الگ الگ انداز میں معلوم ہو رہی تھی، نہ جانے کون سی کیسی خطائیں ہوگئیں تھیں، آخر کس چیز کی یاد ستا رہی تھی، میرے اندر کس کے ولولے اٹھ رہے تھے، نہ جانے کہاں کھوئے ہوئے تھے، ہمیں کس کی یاد ستا رہی تھی، انہی خیالات میں گم اور چشم تر سے لہو کی برسات ہو رہی تھی کہ یکا یک ہم چونک پڑے، کہ ہم آنسوؤں میں ڈوبے ہیں، یادوں میں کھوئے ہیں، آخر ہمیں کیا ہوگیا ہے، ہماری خاموشی کا اصل سبب کیا ہے؟ غمگینی کے اثرات کیوں ہیں؟ مسرت وآگہی کا شمع گل کیوں ہیں؟ آخر کوئی کان میں آہستگی سے کہہ گیا کہ حضرت مولانا عبداللہ حسنی کا انتقال ہوگیا، مجھے ایسا لگا کہ دل پھٹ پڑا ہے، کلیجے منھ کو آجائیں، دل پریشان، بدن میں کپکپی، ہاتھوں میں تھرتھراہٹ، زبان میں جھنجھلاہٹ، پیشانی پر شکن، چہرے پر خوف وہراس، پسینے سے شرابور، کپڑے تار تار، سکوت کا ماحول بن گیا، تمام لوگ یہ خبر سن کر دم بخود رہ گئے، مادر علمی کی فضا میں رنج والم کے آثار گردش کرنے لگے، اور پورے دارالعلوم پر سناٹا چھا گیا، یہ آواز پورے ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور شہروں اور دیہاتوں سے لوگ جوق در جوق آنے لگے، تھوڑی ہی دیر میں پورے شہر میں لوگوں کا جم غفیر جمع ہوگیا، ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ دریا ٹھاٹھیں مار رہا ہے، کہ آج ہمارے درمیان سے جو شخصیت روپوش ہوئی ہے وہ، وہ ہستی تھی کہ جن کے ایک اشارے پر تمام اہل اسلام ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوجاتے تھے، اور حضرت والا کے اہل خانہ پر تو رنج والم اور اداسی وبے چینی کی گھٹائیں چھا گئیں، غرضیکہ ایک شدت بھری شام غم میں ڈوب گئی، لکھنؤ کے گلی کوچوں میں تذکرے وتبصرے ہونے لگے، فونوں پر ہجوم اکٹھا ہوگیا، آپ کے معتقدین کی آمد شروع ہوگئی، دیکھتے ہی دیکھتے گاڑیوں کی بہت بڑی تعداد پہنچ گئی، ہر شخص پریشان واداس نظر آرہا تھا، حضرت مولانا عبداللہ حسنی صاحب جنہیں ہماری زبان کل تک دامت برکاتہم کے تعظیمی کلمات سے یاد کرتی تھی، اور آج رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا ذکر کرنے پر مجبور ہے۔

حضرت مولانا ان علمائے ربانیین میں سے تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی اسلام کی سربلندی کے لئے وقف کردی، مولانا اسلام کے بے لوث سپاہی تھے، اسلام ہی ان کی زندگی کا محور تھا، اسی کے دم سے ان کی رگوں میں حرارت تھی، حضرت کی شخصیت ایک ہشت پہل نگینہ کی طرح تھی، وہ ایک عظیم استاذ تھے، جن کے سامنے بے شمار لوگوں نے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور اپنے سینوں کو علم وحکمت کے نور سے معمور کیا، وہ معرفت کے ایک ایسا دریا تھے جس میں کتنے لوگوں نے غواصی کی اور پنے دامن کو لعل وگہر سے مالا مال کیا، وہ ایک سحر انگیز خطیب تھے، جن کی گفتگو معانی وحکم سے لبریز ہوا کرتی تھی، اور جو دلوں پر نشتر کی طرح اثر انداز ہوتی تھی، وہ اردو اور عربی کے صاحب اسلوب قلم کار تھے، وہ عربی کے نامور ادیب اور مایہ ناز صحافی مولانا محمد الحسنیؒ کے فرزند ارجمند تھے، عربی صحافت کا خوبصورت سلیقہ انہیں اپنے عظیم باپ سے ورثہ میں ملا تھا، وہ مدارس اسلامیہ کو دین کا مضبوط قلعہ تصور کرتے تھے، اور مدارس کی تعمیر وترقی کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے تھے، ان کے زیر نگرانی بے شمار مدارس ومکاتب سرگرم عمل تھے، عالم اسلام کی ممتاز دانش گاہ ندوۃ العلماء کے وہ ایک اہم ستون تھے، اور ندوے کو ان سے مستقبل میں کافی امیدیں وابستہ تھیں، لیکن ان کی ناگہانی موت سے ندوہ کا چمن مرجھا سا گیا ہے، اس کے در وبام اپنے عظیم فرزند کے فراق وجدائیگی پر ماتم کناں ہیں، ان کی شخصیت مختلف الجہات تھی، تاہم ان پر دعوت کا رنگ غالب تھا، وہ انسانیت کے عظیم داعی اور پیام انسانیت کے نقیب وترجمان تھے، پیام انسانیت کے پلیٹ فارم سے برادران وطن تک جس طرح انہوں نے اسلام کا پیغام پہنچایا وہ اسی کا ایک حصہ تھے، ان کے پاس غیر مسلموں میں دعوتی کام کرنے والوں

کی ایک پوری ٹیم تھی، اور وہ خود اس کے قائد و رہبر تھے، وہ ملت اسلامیہ کی شب تاریک میں قندیل رہبانی کا فریضہ انجام دے رہے تھے، ان کے انتقال پُر ملال سے ملت اسلامیہ اپنے محبوب قائد سے محروم ہوگئی، ان کی بے مثال خدمات کو ملت کبھی فراموش نہیں کرسکتی، آج امت میں علماء کی کمی نہیں، تاہم ایسے علماء کی ضرور کمی ہے، جو دعوت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں، اور دین کے غلبے کے لئے اپنا چین وسکون قربان کردیں، ان کے انتقال سے علمائے ربانیین کی صفوں میں ایک خلا سا پیدا ہوگیا ہے، آپ کی شخصیت اعتدال اور تواضع کا حسین مرقع تھی، اخلاص وللّٰہیت، تقویٰ وطہارت، بصیرت و دوراندیشی، حکمت ودانائی، حلم وبردباری، علمی وفکری گہرائی ان کی کتاب زندگی کے نمایاں عناوین تھے۔

قارئین کرام! مرنا جینا دنیا کی ایک حقیقت ہے، کون نہیں مرا اور کون نہیں مرے گا؟ لیکن اس حقیقت کو ماننے کے بعد بھی عزیزوں، اور دوستوں کی موت پر رونے والے روتے ہیں، ان کے ابدی فراق پر ماتم کرتے ہیں، ان کی ایک ایک خوبی کو یاد کرکے نوحہ پڑھتے ہیں، اور بے رحم موت متعلقین کو غم کے پہاڑ تلے دبا کر مبتلائے آہ وبکا کردیتی ہے، مگر بعض موت ایسی بھی ہوتی ہے کہ اس کی خبر سن کر زبان گنگ ہوجاتی ہے، آنسو سوکھ جاتے ہیں، خون رگوں میں منجمد ہوکر حرکت قلب کو روک دیتا ہے، دنیا کی رنگینیاں آنکھوں کے سامنے ایک دشتِ ویراں محسوس ہوتی ہیں، دنیا کے انسان تو انسان ذرّے ذرّے سے تڑپ، بے چینی، اضطراب اور چیخ وپکار کا واضح احساس ہوتا ہے، امیر الہند حضرت مولانا عبداللہ حسنی صاحب یہ صرف کسی متحرک جسم کا نام نہیں بلکہ علماء کے روایتی وقار، میدان علم ومعرفت کے ایک بے نظیر نقش کا نام تھا، حضرت والا نے مسلمانوں کو مجروح کرنے والی طاقت سے ٹکرلی، اسلام کے خلاف ہر تحریک کو کچلنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کردیا، ان کی جانثاری کو دیکھ کر ہر اک فرد بلا اختیار یہ کہنے پر مجبور ہے کہ حضرت دنیائے اسلام کا ایک دھڑکتا دل، اور اسلام کی پیشانی کا نور تھے، اس تاریک ترین دور میں گویا مسلمانوں کا ایک سورج غروب ہوگیا، ایک فرد نہیں بلکہ اسلام کی ایک تاریخ کا خاتمہ ہوا۔

جانے والے تیری مقدس روح کو سلام
تیری قربانی کو سلام، تیری عظمت کو سلام

"وتلك الايام ندوالها بين الناس..الخ". سورج ہر دن طلوع ہوتا ہے، جہاں میں روشنی اور اجالا پھیلاتا ہے، اور ہر شام اپنے مغربی آشیانہ میں چھپ جاتا ہے، لیکن یاد رہے کہ خدمات جلیلہ، اخلاق حسنہ کا سورج کبھی غروب نہیں ہوتا، ان کی روشنی کبھی مدھم نہیں پڑتی، آہ! آج مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کرنے والا، اہل حق کا صحیح ترجمان، اور ایک عظیم مجاہد انسان ہم سے جدا ہوگیا، ہمیں داغ مفارقت دے گیا، افسوس اب مسلمانوں کا قائد کون ہوگا؟ آج پیغام باری پر لبیک کہہ گیا، لیکن کیا کیا جائے "كل نفس ذائقة الموت" خدا کے قدرتی قانون سے کوئی بشر مستثنیٰ نہیں ہے، یہ خدا کا اٹل فیصلہ ہے کہ سب کو مرنا ہے، اور مرکر خدا کے حضور سب کو حاضر ہونا ہے، لیکن کچھ جانے والے ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے جانے پر بحر وبر کی تمام مخلوق ماتم کناں ہوتی ہے۔

قارئین کرام! حضرت کی ذات بابرکت جن کی جدائی پر ہم سراپائے غم بنے ہوئے ہیں، سب بزبان حال یہ کہہ رہے ہیں۔

بکھرا بکھرا سا لگے ہیں گیسوئے دارالعلوم
کیوں نہ ہو پھر شاق اے حضرت جدائی آپ کی

بہرحال، چھ بجکر ۲۰ منٹ پر حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، آپ کی نماز جنازہ میں تقریباً پینتیس ہزار سے زائد فرزندان توحید شریک ہوئے، پھر جنازہ رائے بریلی کی طرف جو حضرت کا آبائی وطن ہے اس طرف روانہ ہوا، اس قدر بھیڑ تھی کہ اسے بیان نہیں کیا جاسکتا، پانچ منٹ کے راستے میں ڈیڑھ پونے دو گھنٹے لگ گئے، ہزاروں علماء وصلحاء کی موجودگی میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا، ہجوم واژدہام اور کثرت تعداد کا یہ عالم تھا کہ ایسا محسوس ہورہا تھا کہ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں بادبانی کشتی چل رہی ہو جو ہوا کے تھپیڑوں کی وجہ سے کبھی آگے، کبھی پیچھے ہورہی ہے، بعینہ یہی حال حضرت کے جنازے کا تھا، طلبہ، مدرسین، متعلقین، محبین وعاشقین کے ہجوم کی بناء پر تابوت کبھی آگے، کبھی پیچھے ہوتا تھا، گویا پانی کی سطح پر لہرا رہا تھا، یہ عنداللہ مقبول ومحبوب ہونے کی دلیل ہے۔"نور اللہ مرقدہ۔

دین حق کا ترجمان

سید محمد مکی حسنی ندوی

آج مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ ہمارے درمیان نہیں ہیں، لیکن ذہن کی سلوٹوں پر ان کی شخصیت کے گہرے نقوش مرتسم ہیں، ان کا سراپا نگاہوں کے سامنے رقص کر رہا ہے، یقیناً وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ان کی موجودگی کا احساس ہمیشہ ہمارے ساتھ ہے، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری متلاشی نگاہیں بس کچھ ہی لمحوں میں ان سے جا ملیں گی، لیکن آہ!.....

کس کو علم تھا کہ جس سے سب سے زیادہ امیدیں وابستہ ہیں وہ ان امیدوں سے اتنے بلندی پر پہنچ جائے گا جس کی امید کرنے والے کو امید بھی نہ تھی۔ ایسا لگتا ہے جیسے ان کا کام ابھی باقی ہے، ان کی ضرورت ہر شخص اپنے لیے محسوس کر رہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے حصہ کا کام پورا کر گئے اور وہ ذمہ داریاں ہمارے سپرد کر گئے جس کو انہوں نے بحسن وخوبی نبھایا، کاش اس کا ایک چھوٹا سا حصہ بھی ہمیں مل جائے تو ہمارا نصیباں چمک اٹھے!

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ان کی تعلیم وتربیت کی طرف خاصہ توجہ رکھی، اور اس سے انکار نہیں کہ اللہ تعالی نے حضرت مولاناؒ میں ایسی صفت رکھی تھی کہ وہ جس کام کی طرف متوجہ ہوتے وہ کام نہ صرف کامیاب ہوتا بلکہ ایک مثال بن جاتا، اسی کی ایک مثال مولانا عبداللہ حسنیؒ کا ذات بھی تھی جس کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ مکمل کامیاب رہی اور ایسا لگتا ہے کہ جیسے حضرت مولاناؒ کو اس بات کا احساس تھا کہ ان کے خاندان کا یہ فرزند جس کو وہ محبت و شفقت، قدرے ڈاٹ ڈپٹ سے علم اور عمل کا زینہ چڑھا رہے ہیں وہ اسلام کا ایک ایسا سپر ثابت ہوگا جس کا اثرات ہندوستان کے کونہ کونہ تک پہنچیں گے۔

مولانا مرحوم کو زبان وقلم پر ایسا کمال حاصل تھا کہ جب وہ تقریر کرتے یا کوئی مضمون لکھتے تو محسوس ہوتا کہ وہ جو کچھ بتانا چاہتے ہیں سننے والا اور اس کو اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھ رہا ہے اور اس کو محسوس کر رہا ہے، ان کو اپنے ہر مضمون جس پر وہ درس دیتے تقریر کرتے یا تحریر کرتے مکمل قدرت حاصل تھی، ایسا لگتا جیسے اگر ان کو وقت کا پابند نہ بنایا جائے تو وہ گویا ایک بہتا ہوا آبشار ہیں جس کے مزاج میں رواں رہنا ہی ہے۔

مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ کے خطابات اور تحریروں میں یہ جھلکتا تھا کہ الفاظ ان کے ضرور ہیں مگر فکر ان حضرات کی ہے جن کی صحبت سے آپؒ نے استفادہ کیا تھا اور جن کا اثر آپ کی زندگی پر پڑا، خاص کر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی سفر وحضر کی صحبت اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا علمی وروحانی فیض، اور یہ اثرات آخر وقت میں بہت زیادہ نمایاں ہوگئے تھے۔

مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ ایک مقرر بھی تھے، ایک کامیاب قلم کار بھی تھے، وہ ایک نبض شناس بھی تھے اور روحانی علاج میں ماہر بھی، لیکن جس کام سے ان کو فطری مناسبت تھی یا کہیے کہ جس کام میں ان کا سب سے زیادہ دل لگتا یا جو کام ان کے مزاج ومذاق کے سب سے زیادہ ہم آہنگ ہوتا وہ غیر مسلموں میں دعوت دین کا کام تھا، اور اسی ایک مقصد کے تحت ان کی تحریر وتقریر بھی تھی، اور اسی کے لیے ان کی صحرانوردی بھی تھی۔

وہ دعوت اسلام میں اس قدر منہمک ہوئے کہ ان کو پھر کسی بھی کام کی فکر نہ رہی، مسلمانوں کی بے دینی وبددینی دیکھ کر وہ بے چین ہو اٹھتے اور غیر مسلموں کی ہدایت کے لیے انتھک کوششیں کرتے، سفر پر سفر کرتے رہے، مشقتوں پر مشقتیں اٹھاتے رہے، اور ان مشقتوں کے ساتھ کھانے پینے میں پرہیز کیوں کر ممکن ہوتا، نتیجتاً امت کی فکر میں ان کا دل کڑھتا رہا اور شوگر کا مرض ان کے جسم کو گھلاتا رہا، اس کے باوجود ان کے دماغ میں یہی ایک سودا سمایا تھا، یہی ایک دھن ان پر سوار تھی کہ دعوت کا کام کیسے مزید بڑھے اور بڑھتا ہی رہے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''یہ تو ابھی شروعات ہے'' جب کہ ایک بڑی تعداد ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکی تھی اور کئی ٹیمیں ان کی سرپرستی میں اس کام کو انجام دے رہی تھیں، اور ان کوششوں کے اثرات ملک کے دور افتادہ علاقوں تک بھی پہنچ رہے تھے۔

یقیناً مولانا کی زندگی ایک کامیاب مثالی زندگی تھی، اللہ پاک ہمیں بھی آپ کے راستہ پر چلنے کی توفیق نصیب کرے۔

کہکشاں کی انجمن میں ماہ تمام

محمد نفیس خاں ندوی

دعوتی وتحریکی شخصیتیں کبھی مردہ نہیں ہوتیں، وہ زندہ جاوید ہیں کیونکہ ان کی زیست کا تسلسل دعوت کے تسلسل سے قائم ہے، تاج محل کی حسین آرائشوں، عالیشان مقبروں میں سونے والے آج محض آثار قدیمہ کی یادگار ہیں، لال قلعہ کے زائرین دیوان عام ودیوان خاص کی پیشانی پر فردوس بریں کا ٹیکہ دیکھ سکتے ہیں جو اپنے پیش رو آقاؤں کو آواز دے رہا ہے کہ نوسو برس کی کشور کشائی کے بعد بھی سرزمین ہند تمھیں اپنا نہیں بنا سکی، آج بھی تم اس کے سینہ پر ایک بوجھ ہو، اور ایک حملہ آور کے نام سے یاد کیے جاتے ہو۔ صرف اس لیے کہ دعوت وعزیمت کی راہ سے تم نا آشنا تھے، اس کے برخلاف سید احمد شہیدؒ، مجدد الف ثانیؒ، خواجہ اجمیریؒ، نظام الدین اولیاءؒ، یحیٰ منیریؒ، اشرف علی تھانویؒ اور مولانا ابوالحسن علی ندویؒ جیسے افراد زندہ جاوید ہیں، وہ آثار قدیمہ یا میوزیم کی زینت نہیں، بلکہ وہ ارواح وقلوب کی زینت ہیں، ان کی حکومت آج بھی دلوں پر قائم ہے، بیشتر سلاطین ہند آج تاریخ کے صفحات میں گم ہیں، لیکن یہ سلاطین واولیاء اپنی دینی دعوت کی وجہ سے آج تاریخ کے زندہ ابواب ہیں، اسی دعوت اور سلسلۂ افکار کی ایک سنہری کڑی مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ بھی تھے، یہ سلسلہ اور اس سلسلہ کی اس اہم کڑی کو نہ موت ہے اور نہ قیامت تک اس کو فنا ہے، دعوت محمدی اور دعوت اسلامی کا یہ قافلہ ہمیشہ یونہی رواں رہے گا۔

مولانا عبداللہ حسنی ندوی کے فکر وفن کا اصل سرچشمہ اور شخصیت کا تخلیقی عنصر خود ان کے گھر کا ماحول ہے، مولانا ایک ایسے گھرانہ کے چشم وچراغ تھے جس کا نسبی اور معنوی رشتہ حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ علم اللہ سے ہوتا ہوا سبط رسول آقائے دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر تمام ہوتا ہے، یہ خاندان علماء ومصنفین، دعاۃ وغزاۃ کا خانوادہ ہے، اور ''ہمہ آفتاب است'' کا مصداق۔

دائرہ شاہ علم اللہ میں آباد یہ گھرانہ ایک ایسا گھرانہ ہے جہاں ہر طرف تبلیغ دین اور دعوت دین کا چرچہ رہتا ہے، جہاں کی فضا میں صحابہ کرام کے تذکروں کا رس گھلا ہوا ہے، جہاں اسلامی تاریخ اور غزوات کے قصے سنائے جاتے ہیں، جہاں حضرت شاہ علم اللہؒ کے اتباع سنت کو سینہ سے لگایا جاتا ہے، جہاں سید احمد شہیدؒ کے جہاد کی داستانیں دلوں کو مہمیز کرتی ہیں، جہاں حضرت شاہ ضیاء النبیؒ کی للّٰہیت کے انمٹ نقوش ذہنوں کو غذا پہنچاتے ہیں، جہاں علامہ عبدالحیؒ کا اخلاص اب بھی رگوں میں نیا خون پیدا کر رہا ہے، جہاں ڈاکٹر عبدالعلیؒ کی بیدار مغزی، دینی حمیت اور دعوتی مزاج ایک مشن کی طرح زندہ ہے، جہاں مولانا محمد الحسنی کے قلمی جہاد کی سیاہی اب بھی مختلف عنوان سے دلوں کو مسخر کر رہی ہے، جہاں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی دردمندی، ان کا سوز وان کی فکرمندی، ملت کے لیے ان کی تڑپ اور اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لیے ان کی تگ ودو ایک لائحہ عمل کی طرح تابندہ وروشن ہے۔

مولانا عبداللہ حسنی ندوی کی شخصیت ایک عطر مجموعہ تھی، ان کا دل چیر کر دیکھا جاتا تو ان کے سویدائے دل کے اندر حسین اور شامہ نواز گلاب کی پنکھڑیاں رکھی ہوئی دکھائی دیتیں، ان کا شگفتہ اور مسکراتا ہوا چہرہ ان کے آئینۂ دل کا غماز تھا، ان کی جسمانی ساخت، پیشانی کی کشادگی، پروقار اور تیز چال ان کی مجاہدانہ شان اور بے باکانہ فطرت کی گواہ تھی، وہ بولتے تو معلوم ہوتا کہ مصری ڈلی چبا رہے ہوں، اور اپنے مخاطب کا من موہ رہے ہیں۔

مولانا کو اردو اور عربی پر اس قدر عبور تھا کہ زبان یا محاورے کی غلطی ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ وہ ایک منجھے ہوئے پختہ کار وکہنہ مشق صاحب قلم بھی تھے، ان کی تحریر حلاوت وروانی کے ساتھ برجستگی سے عبارت ہوتی تھی، وہ اگر تصنیف کے کام میں مسلسل حصہ لیتے اور اگر ان کی دوسری مصروفیات اس راہ میں حائل نہ ہوتیں تو ان کا شمار ہندستان کے عظیم مصنفوں اور اہل قلم میں ہوتا۔

مولانا مرحوم جس درجہ کے صاحب قلم تھے اسی درجہ کے خطیب اور مقرر بھی تھے، مختلف الخیال اور مختلف المذاہب لوگوں کے درمیان خاص کر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مخلوط اجتماعات اور خالص غیر مسلم مجمعوں میں وہ جس طرح اصلاحی اور دعوتی تقریر کرتے تھے، وہ انہی کا حصہ تھا۔ مولانا کی تقریر کیا ہوتی، قرآنی آیات، احادیث نبویہ

اور سلف صالحین کے مستند واقعات کا گندھا ہوا ایک گلدستہ ہوتا، اپنی تقریر میں لطیفے اور گھریلو قصے بیان کر کے ان کو کلام پاک کی آیات، حدیث کی روایات اور اسلامی تاریخ کے واقعات سے اس طرح جوڑ دیتے کہ ان سے نہ صرف ان کی بالغ نظری اور روشن ضمیری کی فضا پیدا ہو جاتی، بلکہ سامعین بھی اپنی روح میں ایک طرح کی بالیدگی اور ذہن میں ایک قسم کی بیداری محسوس کرتے۔

آپ ایسے مزاج شناس اور نباض تھے کہ جس سے بات کرتے یا جس محفل میں خطاب کرتے اس کے مزاج اور اس ماحول کو ملحوظ رکھ کر مثالوں اور دلیلوں سے مطابقت پیدا کرتے، اپنی بات افکار واذہان سے اس قدر ہم آہنگ کر دیتے کہ آسانی سے لوگوں کے دلوں میں اترتی چلی جاتی، ان کی تقریروں میں بلا کی جاذبیت وکشش اور حرارت وشعلگی تھی، آواز کی متانت وگھن گرج، طرز ادا کا زیر وبم، اور چہرہ کا اتار چڑھاؤ سامعین کو اپنی طرف کھینچتا چلا جاتا، اور ایسی محویت کا عالم طاری ہوتا کہ تقریر کا طلسم اختتام پر ہی ٹوٹتا۔

اگر ایک طرف ناقدر شناسان مذہب ان کی تقریروں کے طفیل دینی مزاج سے روشناس ہوئے تو دوسری طرف بے جان قلوب کو ان کے کلمات نے سرگرم مچلتی ہوئی روح دے کر ایک حیات متحرکہ کا تحفہ عطا کیا۔

مولانا ایک حساس دل اور اثر پذیر طبیعت کے مالک تھے، جس کے بغیر کوئی ادیب ادیب اور کوئی فنکار فنکار نہیں بنتا، دل بے تاب اور شب بے خواب کی اگر مسلسل جراحتیں میسر نہ ہوں تو نہ قلم سے کوئی اثر انگیز تحریر نکلتی ہے اور نہ زبان سے دلوں کو فتح کرنے والی کوئی تقریر۔

مولانا کو تحریر کا ملکہ بھی ملا تھا، اور زبان وبیان پر مکمل قدرت بھی حاصل تھی، لیکن نہ تحریر مولانا کی جولان گاہ تھی اور نہ خطابت سے فطری مناسبت، بلکہ ان کی ساری سرگرمیوں کا محور اور ان کی جملہ تگ ودو کا حاصل دعوت دین کی کوششیں تھیں، اسی تقاضہ کے تحت وہ قلم بھی اٹھاتے، اسی جذبہ کے تحت وہ وہ تقریریں بھی کرتا اور اسی مقصد کے تحت ''پیام انسانیت'' کے اسٹیج سے وہ انسانیت کی مسیحائی کی کوششیں بھی کرتے۔

مولانا بہت اچھے لکھنے اور بولنے کے علاوہ بہت اچھے سننے والے بھی تھے، ایسے ایسے لوگوں کو برداشت کرتے رہتے جن کے تصور سے ہی کوفت ہوتی تھی، طبیعت کی خرابی، مزاج کی عدم مناسبت اور دیگر اہم مصروفیات کے باوجود آپ بہت سے جاہلوں کی عالمانہ باتیں بڑی توجہ سے سنتے، اور پھر اپنے دعوتی مزاج اور حکیمانہ بصیرت سے ان کی ایسی رہنمائی فرماتے کہ ایک لاابالی شخص اپنے حال پر فکر مند ہو جاتا، اور بے مقصد زندگی کو زندگانی کا سرا مل جاتا، اور یہ سب اسی لیے ممکن تھا کہ آپ صرف ایک داعی تھے، اور آپ کا ہر کام اخلاص کے ساتھ اور استحضار نیت کے ساتھ ہوتا تھا، یہ آپ کی وہ خوبی تھی جس نے آپ کی صحبت کو کیمیا اثر بنا دیا تھا۔

اللہ تعالی نے مولانا کے دل کو اسلام کی محبت اور ملت کے درد سے سرشار کر دیا تھا، ایسا لگتا تھا کہ مولانا مرحوم کے سینہ میں اشاعت اسلام ودعوت دین کی ایک آگ سی لگی ہوئی ہے، جو انھیں کسی کل چین لینے نہیں دیتی، مسلمانوں کی بے دینی اور غیر مسلموں کی گمرہی پر مولانا سیمابی کیفیت میں رہا کرتے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ مسلسل بیماری اور صحت کی خرابی کے باوجود سفر پر سفر کرتے رہے، دن کا سکون تج دیا، راتوں کی نیندیں قربان کر دیں، اور وہ سارے کام کیے جن سے طبیعت کو کوئی مناسبت نہیں تھی، اور یقیناً دعوت دین کا جذبہ اور اس کے لیے سرشاری کی دولت نصیب نہ ہوتی تو یہ انتھک محنتیں اور یہ بے مثال قربانیاں بھی ممکن نہ ہوتیں۔

نفاست اور سلیقہ، سادگی وپرکاری آپ کی طبیعت کے نمایاں اوصاف تھے، لباس سے لے کر رہن سہن، گفتگو، تحریر وانشاء میں بھی یہی کیفیت تھی، بلکہ ادبی حسن کا وہ فطری ادراک رکھتے تھے، آپ سخن فہم ہی نہیں سخن شناس بھی تھے، آپ کو اعلی اور پاکیزہ ذوق جمال فطرت سے ودیعت ہوا تھا، آپ اچھے جملے اور دلکش تعبیر پر بے اختیار داد دیتے، خوبصورت اشعار پر جھوم اٹھتے، اور مزہ لے لے کر پڑھتے، اور اگر اچھی آواز والا کسی عارف کا کلام سناتا تو ''سماع'' کی یہ محفل دیر تک سجی رہتی، خاص کر جب مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڑھیؒ یا مولانا محمد ثانی حسنیؒ کا کلام سنایا جاتا تو مولانا پر ایک کیف طاری ہو جاتی، مولانا اپنے خاص داعیانہ مزاج میں آجاتے اور پھر اصحاب دل وذوق کا تذکرہ شروع ہو جاتا جس سے دلوں میں حرارت سی پیدا ہو جاتی۔

مولانا مرحوم کی علمی وادبی صلاحیتوں کا ان سب کو اعتراف ہے

جنھوں نے آپ کی تحریریں پڑھی ہیں، یا آپ کو کسی مجمع میں گل افشانی کرتے ہوئے دیکھا ہے، لیکن ان کی زندگی کا وہ نمایاں پہلو جسے دیکھنے کا ہر شخص کو موقع نہیں ملا وہ تھی ان کی مروت وتواضع، خندہ جبینی وشیریں گفتاری، خودنمائی ونام نمود سے پرہیز۔ حیات اجتماعی کے تلاطم کے دھارے میں ان کا دامن کسی شکوہ وشکایت، کسی کی اذیت وحق تلفی، کسی کی گرانی وانقباض سے آلودہ نہیں ہوا، وہ ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے، ہر ایک کے بہی خواہ اور خیر خواہ بن جاتے، ہر ایک کی ترقی اور اس کی صلاحیت کو مفید تر بنانے کی کوشش کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا کو طبیعت کی سادگی اور فطرت کی معصومیت سے نوازا تھا، کسی کو نقصان پہنچانے یا کسی کا دل دکھانے کی یا تو ان میں صلاحیت نہ تھی یا بشری تقاضے کے تحت تھی تو اس قدر محدود کہ پوری زندگی میں اسے کبھی استعمال ہی نہیں کیا۔ ہر ایک سے محبت وسادگی سے ملنا، اس کا حال احوال پوچھنا، اس کی ضرورتوں سے واقف ہونے کی کوشش کرنا، اور پھر اس کی مدد کرنے کی سعی کرنا، یہ نمایاں اوصاف مولانا کی کتاب زندگی کے بنیادی ابواب ہیں۔

مولانا اپنی لطافت شعور اور ذکاوت فہم کی بنا پر مختلف فنون کے مزاج اور اس کی روح سے واقف تھے، موضوع کی گہرائیوں تک پہنچ جانا اور اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر لینا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہ تھا، وہ ملی جدوجہد کے ہر میدان سے آشنا اور اس کے مفید ومضر پہلوؤں سے باخبر تھے، اپنی لطافت شعور، ذکاوت فہم، غیرت دینی اور فراست ایمانی کی بنیاد پر اسلام کی خاطر اور اسلام کے نام پر جو تحریک وجماعت یا شخصیت سرگرم دکھائی دیتی اس کی پوری واقفیت حاصل کرتے، مفید مشورے بھی دیتے، اور ضرورت محسوس ہونے پر تعاقب سے بھی گریز نہ کرتے۔

علوم دینیہ میں جو کتابیں طبع ہوتیں مولانا مرحوم ان کتابوں کے موضوعات ان کے درجات ومقام اور ان کے مصنفین کی منزلت کا تفصیلی علم رکھتے تھے، اور جب کسی کو کوئی کتاب پڑھنے کی ہدایت دیتے تو اس کتاب کی اہمیت اور اس کے مصنف کے مقام ومنزلت سے بھی آگاہ فرمادیا کرتے تھے، جس سے طلباء کو کتاب پڑھنے میں اور اس سے استفادہ میں بڑی مدد ملتی، جہاں مولانا غیر درسی کتابوں کے مطالعہ کے لیے ایک بہترین مرشد ورہنما تھے وہیں درسیات میں اردو شروحات کو طلباء کے لیے سم قاتل سے کم نہیں سمجھتے تھے۔

جن لوگوں نے مولانا کو قریب سے دیکھا ہے وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ مولانا خصوصی طور پر ندوہ کے طلبہ اور اپنے متوسلین کی فلاح وبہبود کی فکر میں ہر وقت لگے رہتے تھے، ذہن وفکر کو صحیح سمت میں موڑ دینا اور طالب علم کی فکر وتدبر کے لیے ایک وسیع میدان مہیا کر دینا مولانا کی خصوصیت خاصہ تھی۔

مولانا مرحوم ایک ٹکسال تھے جہاں کے ڈھلے ہوئے سکے دنیا کے ہر بازار کو خریدنے کی جرأت رکھتے ہیں، وہ ایک گنجینہ تھے جن کے سینہ میں علوم ومعارف کے خزینے مدفون تھے، وہ ایک منارۂ نور تھے جس کی روشنی میں بھٹکے ہوئے مسافر منزل کا پتہ پاتے تھے، وہ ایک نباض وقت تھے جن کے سامنے لوگوں کے امراض عیاں تھے اور وہ ہر مرض کے نسخۂ اکسیر کے مالک تھے، وہ ایک قطب نما تھے جس کی رہنمائی میں اللہ والے اپنے دلوں کا قبلہ درست کرتے تھے۔

لیکن آہ! کتنا تڑپانے والا تھا وہ لمحہ جب دلوں کو فتح کرنے والا اور محفلوں پر چھا جانے والا مرد آہن اسپتال میں موت وزیست کی کشمکش کا شکار بنا ہوا تھا، کتنی صبر آزما تھی وہ گھڑی جس نے ایک متحرک اور سیماب صفت انسان کو علالت کی زنجیروں میں اس طرح جکڑ دیا تھا کہ ہلنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ لیکن قربان جائیے اس عظیم ہستی پر! نہ زبان سے کوئی شکوہ، نہ مزاج میں کوئی ترشی، آنکھوں میں فاتحانہ چمک، چہرے پر بشاشت اور زبان سے ذکر الٰہی کے زمزمے جاری رہے اور اسی روحانی کیف میں فرشتوں کے جلو اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہو گئے۔

مولانا کی زندگی دعوت دین کے لیے وقف تھی، انھوں نے اپنی ہر طرح کی صلاحیت کو اسلام کی اشاعت کے لیے وقف کر دیا تھا، ان کی فعال شخصیت، سرگرم عمل زندگی، تڑپ وکڑھن سے آراستہ صبح وشام، امت کے لیے دردمندی وفکر مندی اور ان کا سیماب وجود تو اب حشر کے دن ہی دیکھنے کو ملے گا، اگر تکیہ میں قبروں پر کتبہ لگانے کا چلن ہوتا، اور مولانا مرحوم کی قبر پر کتبہ کے لیے مجھے کسی عبارت کے انتخاب کی اجازت دی جاتی تو میں اسی آیت کا انتخاب کرتا:

یاایتھاالنفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیه، فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ رہے نام اللہ کا!

تعزیتی مکتوبات

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کے انتقال پر ملک و بیرون ملک کی مؤقر شخصیات نے تعزیتی خطوط ارسال کیے، ذیل میں چند اہم خطوط کے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں، یہ خطوط حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) کے نام لکھے گئے ہیں، مولانا عبداللہ حسنی ندوی مرحوم رشتہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے داماد بھی تھے۔

برادرم شیخ عبداللہ حسنی ندوی کے انتقال پر ملال کی خبر سے بڑا رنج ہوا، مرحوم دعوت اسلامی کے اہم رکن تھے اور اس میدان میں نمایاں خدمات انجام دے رہے تھے، آپ کی وفات سے صرف ہندوستانی مسلمانوں ہی کا نقصان نہیں ہوا بلکہ یہ پوری امت مسلمہ کا خسارہ ہے، آپ کی وفات سے ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جس کا پر ہونا سوائے اللہ کی توفیق کے ممکن نہیں، آپ کی شخصیت علم وعمل کا بہترین نمونہ تھی۔

ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور اللہ سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی امت محمدیہ کو مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے جو آپ کے کاموں کو بحسن وخوبی انجام تک پہنچائے، اور اخلاص کے ساتھ دعوت الی اللہ کے لیے اپنے آپ کو وقف کردے، اللہ کے دین کی نصرت وحمایت کو اپنا مقصد بنائے اور دین اسلام کے تعلق سے پیدا کیے جانے والے شکوک وشبہات کو دور کرنے کے لیے سینہ سپر ہوجائے، یہاں تک کہ اللہ تعالی اس دین کو تمام ادیان پر غالب کردے اور اس کی دعوت روئے زمین کی ہر دعوت پر غالب آجائے۔

اللہ تعالی مرحوم کو آپ کو اپنی وسیع رحمتوں کی چادر میں ڈھانپ لے اور انبیاء وصدیقین، شہداء وصالحین میں آپ کو شامل فرمائے، بے شک اللہ تعالی ہی ان کا بہترین رفیق ہے۔ اللہ ہر طرح سے آپ کی حفاظت فرمائے اور آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے۔ والسلام

آپ کا بھائی

أحمد بن حمد الخليلي

(مفتی عمان)

موصوف مرحوم کے سانحہ وفات سے خانوادہ حسنی اور دارالعلوم ندوۃ العلماء بالخصوص اور ملت اسلامیہ بالعموم ایک جلیل القدر عالم دین، ایک کامیاب استاذ حدیث، ممتاز داعی اسلام اور ایک فکر مند، وسیع النظر متواضع شخصیت سے محروم ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ موصوف کا بدل عطا فرمائے، ان کی بال بال مغفرت فرمائے، اور سبھی پسماندگان کو صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائے۔

سوگوار

(مولانا) شبیر احمد سالوجی

(دارالعلوم زکریا، ساؤتھ افریقہ)

آج ہی مولوی عبداللہ حسنی ندوی کے سانحہ انتقال کی اچانک خبر دل پر بجلی بن کر گری۔ یہ تو علم تھا کہ بیمار ہیں مگر اس کا احساس نہ تھا کہ مرض نے شدت اختیار کرلی۔ آپ سب کے لیے تو ظاہر ہے کہ یہ حادثہ کئی نسبتوں سے بہت سخت ہے۔ مگر جو لوگ ان سے قریب رہے ہیں ان کے لیے بھی یہ خبر سخت ہے۔ میں مولوی عبداللہ مرحوم کی صلاحیتوں کا ایک زمانے سے قائل رہا ہوں۔ بہت عرصہ ہوا میری پہلی ملاقات مولوی عبداللہ مرحوم سے حضرت مولانا علی میاںؒ کے ساتھ دوحہ قطر میں ہوئی تھی، اس وقت سے ہی میں ان سے متاثر تھا۔ موت تو برحق ہے، صبر ورضا کا مقام بھی ہے۔ حادثۂ انتقال اور عمر بھر کی محرومی تو اپنی جگہ اس سے زیادہ افسوس وماتم اس سے ہوتا ہے کہ جو علم ان کے سینہ میں تھا اور جن صلاحیتوں کے وہ مالک تھے ان سے

ہمیشہ کی محرومی اور بھی سخت حادثہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ محروم کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔

شریک غم
(مولانا) سید سلمان ندوی
(ساؤتھ افریقہ)

یہ خبر سن کر بہت رنج ہوا کہ آپ کے داماد، جید عالم دین، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مدرس اور حضرت مولانا علی میاں ندوی کے خلیفہ، معروف مبلغ ومقرر مولانا عبداللہ حسنی ندوی صاحب اس دارفانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

بلاشبہ مولانا کا انتقال ندوۃ العلماء اور ملت اسلامیہ کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے، مولانا کا شمار ندوۃ العلماء کے معروف مبلغین میں ہوتا ہے، دینی ودعوتی سرگرمیوں میں مولانا کا ایک مقام تھا، مرحوم ندوۃ العلماء سے نکلنے والے عربی جرائد "الرائد" کے مدیر تھے، یہ رسالہ ہندوستان کے علاوہ عرب ممالک میں بھی بہت مقبول ہے۔

مولانا عبداللہ حسنی ندوی کے انتقال پر میں دلی رنج کا اظہار کرتا ہوں، اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انھیں جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

خیر اندیش
محمد حامد انصاری
(نائب صدر جمہوریہ ہند)

آپ کے داماد مولانا عبداللہ حسنی کے آکسمک ندھن سنبندھی سماچار پاکر مجھے بہت کشٹ ہوا، شوک کی اس گھڑی میں میں آپ کے پورے پریوار کے پرتی اپنی ہاردک سنویدنا ویکت کرتی ہوں۔

بھودیئی
(محترمہ) سونیا گاندھی
(صدر آل انڈیا کانگریس پارٹی)

اللہ تعالیٰ مرحوم عزیز گرامی کے مدارج بلند فرمائے، اور پورے خاندان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے، ان کے والد محترم نور اللہ مرقدہ اس ناچیز کے رفیق درس تھے، اور ہم دونوں کے درمیان بے حد محبت تھی جس کو مولانا عبداللہ مرحوم نے بھی باقی رکھا تھا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک بدوی بزرگ نے جو تعزیت پیش تھی وہ نقل کر رہا ہوں: "اصبر تکن بک صابرین فانما صبر الرعیۃ بعد صبر الرأس خیر من العباس أجرک بعدہ واللہ خیر منک للعباس".

حضرت والا کی ذات گرامی خود ہی ہم سب کے لیے مرجع ومأوی اور نمونہ ہے، اس موقع پر ایک مصرع تحریر کر رہا ہوں جو حضرت مولاناؒ نے کسی خاص عالم کی تعزیت کرتے ہوئے فرمایا تھا
ع دیتے ہیں بادہ ظرف قدح وخوار دیکھ کر۔

بلاشبہ عزیز گرامی سے بہت سی امیدیں وابستہ تھیں، ان کے ذریعہ دعوت وتبلیغ کا جو کام ہو رہا تھا اس سے اس الہام کی تصدیق ہو رہی تھی جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے، اللہ کرے کہ یہ سلسلہ باقی رہے۔

شریک غم وحزن
(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی
(العین متحدہ عرب امارات)

حادثۂ فاجعہ کی خبر سے ہم سب لوگ غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے خود آپ پر کیا گذری ہوگی اس سے حق تعالیٰ واقف ہیں ع "قربانی را پیش بود حیرانی" حق آپ سب حضرات پر اپنی رحمتیں اور بے پایاں سکینہ نازل فرمائے اور اجر جزیل کی دولت عطا فرمائے۔

والسلام
(مولانا) محمد سلمان
(مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور)

مولانا موصوف اس دور میں اپنے اسلاف واکابر بالخصوص مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے افکار واقدار کے علم بردار تھے، دعوت الی اللہ کے میدان میں مولانا کی خدمات کے گہرے نقوش کو ملت اسلامیہ دیر تک اور دور تک یاد رکھے گی۔

مولانا سنجیدگی ومتانت کا دلنواز پیکر تھے، ہر بات میں سنت نبوی پیش نظر رہتی تھی، آپ نبوی اخلاق کا نمونہ تھے، ایک داعی کو جن صفات کا حامل ہونا چاہیے مولانا ان خوبیوں سے مالا مال تھے۔

علوم معارف کی دولت سے مالا مال ہونے اور شہرت کی بلندیوں پر فائز ہونے کے باوجود گمنامی اور عزلت پسند کرتے تھے، تواضع، خاکساری اور ایثار پسندی آپ کی شخصیت کے گرانمایا جواہر تھے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو مولانا کی ذات اور علم پر اعتماد تھا، آپ نے بہت سے مواقع پر حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی نیابت اور نمائندگی کے فرائض کو بحسن خوبی انجام دے کر حضرت مولانا کی قلبی دعائیں اور توجہات حاصل کیں، مولانا موصوف غیر مسلموں میں دعوت کا فن اور ہنر جانتے تھے، اسی گن اور ہنر کا نتیجہ تھا کہ بے شمار افراد کو مولانا کے ہاتھوں پر قبول اسلام کی توفیق ملی۔ فللّٰہ الحمد.

العبد

(مولانا) محمد سعیدی

(مدرسہ مظاہر العلوم وقف سہارنپور)

موصوف طویل عرصہ سے ندوہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے، اس کے علاوہ دینی واصلاحی سرگرمیاں بھی جاری رکھے ہوئے تھے، خاص طور سے غیر مسلموں میں تبلیغ دین کے کاموں سے انہیں خصوصی دلچسپی تھی، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

والسلام

(مولانا) سید جلال الدین عمری

(امیر جماعت اسلامی ہند)

یہ خبر سن کر بہت رنج ہوا کہ اس وقت قلم اور ذہن کو یارا نہیں کہ کس طرح ہم تعزیت کا اظہار کریں، مولانا سید عبداللہ حسنی کے حادثۂ رحلت نے دارالمصنفین کو پوری طرح سوگوار کر دیا ہے، ان کی علالت کی خبریں ملتی تھیں لیکن یہ حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح رخصت ہو جائیں گے اور ایسے وقت جب کہ امت کو ان کی ضرورت تھی، مستقبل میں ملت کی رہنمائی کے لیے نگاہیں ان ہی پر تھیں، ایسے عالم، متقی اور امت کے مسائل کے لیے فکر مند اور دردمند اور حل مشکلات کے لیے مسلسل محنت، عملی جہاد کی زندگی گزارنے والے کا جانا ہم سب کے لیے یقیناً جاں کاہ حادثہ ہے، پوری امت تعزیت کی مستحق ہے، لیکن آپ کا غم ظاہر ہے، اس سے بھی سوا ہے، ہمارے پاس الفاظ ہی نہیں کہ غم گساری کیسے کی جائے اور پھر آنجناب کے سامنے جن کی شخصیت خدا جانے کتنوں کے لیے باعث تسکین بنتی رہی، صبر و رضا کے جس مقام پر اللہ تعالی نے آپ کو اور پورے خانوادہ حسنی کو فائز کیا ہے، وہ ہم سب کے لیے تقلید کے لائق ہے۔

غم میں شریک

(جناب) اشتیاق احمد ظلی

(دارالمصنفین اعظم گڑھ)

مولانا مرحوم کامیاب استاد، ہر دل عزیز مربی اور مخلص مبلغ وداعی تھے، یہ حادثہ صرف حسنی خاندان اور ندوہ کے لیے نہیں بلکہ پوری ملت کے لیے غمناک ہے، لائق افراد اٹھتے جا رہے ہیں اور ان کی جگہ لینے والا کوئی نہیں۔

خاکسار

فرحان احمد نظامی

(آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز)

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کے سانحۂ ارتحال کی غیر متوقع خبر سے سخت صدمہ ہوا، اللہ تعالی مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے، بڑے بے لوث اور مخلص انسان تھے، قوم وملت کی بڑی گراں قدر خدمت انجام دے رہے تھے اور پریشان حال ملت کے لیے امید کی کرن تھے، ان کی اچانک وفات ''خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود'' کے مصداق ہے، اللہ تعالی اپنے دین کے سچے اور خاموش خادم کی خدمت کو قبول فرمائے اور انہیں شہداء اور صدیقین کے زمرہ میں شامل کرے۔

والسلام

سرفراز احمد اصلاحی

صدر مدرسین مدرسۃ الاصلاح

سرائے میر، اعظم گڑھ

مرحوم مولانا عبداللہ الحسنی الندویؒ کا اچانک انتقال میرے

لیے ایک بڑا صدمہ ہے، ان سے ملت کو بہت توقعات وابستہ تھیں، اس قحط الرجال کے زمانے میں ان کی رحلت ایک بڑا خلا تحریک ندوۃ العلماء اور ملت اسلامیہ کے لیے چھوڑ گئی ہے۔

خادم
ڈاکٹر ظفر الاسلام خان
(صدر مسلم مجلس مشاورت)

مولانا عبداللہ حسنی ندوی قدس سرہ نے تصوف میں بڑا امتیاز حاصل کیا تھا، ان کے مریدین کیرالا سے شمالی ہند تک پھیلے ہوئے ہیں، یہاں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کے انتخاب کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے مولانا عبداللہ حسنیؒ کو اپنا خلیفہ منتخب کیا تھا، ان کے بعض مریدین علی گڑھ میں بھی ہیں، تصوف وتبلیغ کا بڑا کام انہوں نے اس چھوٹی سی عمر میں انجام دیا، ان کے ہاتھ پر بڑی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ یہ اللہ کی دین اور توفیق ہے جس سے چاہتا ہے کام لے لیتا ہے۔

نیاز مند
(ڈاکٹر) سید احتشام احمد ندوی
(علی گڑھ)

فی الحقیقت گیتی گردوں کی پکار اور گردش لیل ونہار ایک ہی اٹل قانون وقدرت کی شاہد وغماز ہے، کہ "کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام" تاہم کچھ ایسی باتوفیق ہستیاں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے دین کا کام لے رہا ہو، اور جو بیش قیمت پروگرام اور عظیم ہدف میں مشغول ہوں ان کے اچانک رخصت ہوجانے سے طبیعت کا مغموم ہونا اور ان پروگرام کے لیے متفکر ہونا ایک فطری اور بشری تقاضے کے عین مطابق بات ہوتی ہے۔ مرحوم کی پوری زندگی خدمت اسلام سے عبارت اور اشاعت دین سے وابستہ تھی، تاہم پیام انسانیت کے پلیٹ فارم سے آپ کی داعیانہ وقائدانہ خدمت ہمیشہ یاد رکھی جائے گی، اللہ تعالیٰ امت کو اس کا نعم البدل عنایت فرمائے، نیز رمضان المبارک میں خانقاہی سلسلے کی آپ کی روحانی خدمات بالخصوص حدیث کا مقبول درس بھی شرکاء خانقاہ کو ان کی یاد تازہ کراتا رہے گا، آپ کا دل نشیں درس اور نکتہ رس تحریرات بھی آپ کے شیدائیوں کو آپ کی کمی کا احساس دلاتی رہی گی، ندوۃ العلماء جہاں ایک قابل استاد، مشفق مربی اور کامل راہبر سے محروم ہوا وہیں پوری ملت اسلامیہ بلکہ انسانیہ بھی ایک مخلص کارکن اور بے لوث خدمت گار سے محروم ہوگئی۔

(مولانا مفتی) احمد دیولوی
(جامعہ علوم القرآن، گجرات)

یہ صدمہ اور حادثہ خانوادۂ حسنی کے لیے، تکیہ کلاں رائے بریلی کے مکینوں کے لیے، دار العلوم ندوۃ العلماء کے اہالیان کے لیے اور عماً ساری امت کے لیے دل کو رنجور، قلب کو مغموم کرنے والا ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء نے اپنا ماہ ناز استاذ، جید عالم دین اور عامل کھویا، حسنی خاندان نے اپنا ہر دل عزیز چشم و چراغ کھویا اور اہالیان ندوۃ العلماء نے ایک اچھا مدرس، مصلح، اور شب زندہ دار عابد وزاہد کھویا۔

مولانا مرحوم اپنی ذات میں خود ایک انجمن تھے، دو تین مرتبہ حضرت مرحوم نے جامعہ تشریف آوری فرمائی، بڑے ہی درد وسوز میں ڈوبا ہوا بیان فرمایا، قرآنی نکات بڑے اچھوتے انداز میں واضح فرمائے، بیان بڑا ہی مؤثر اور مسحور کن فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین۔

(مولانا مفتی) عبداللہ مظاہری
(جامعہ مظہر السعادۃ، گجرات)

مولانا مرحوم کی شخصیت ہی ایسی تھی کہ تمام علمی حلقہ میں رنج وغم کا پھیل جانا لازمی تھا، چونکہ میں بھی بذات خود مولانا مرحوم کے مداحوں میں تھا اور ان کی شفقت ومحبت مجھے نصیب تھی اس لیے اس خبر نے مجھے بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیا، ان سے میرا یہ تعلق ۱۹۸۹ء میں اس وقت قائم ہوا تھا جب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ایماء پر ہم لوگوں نے پیام انسانیت کا اپنی نوعیت کا پہلا کانفرنس عین بھاگلپور فرقہ وارانا فساد کے بعد دہلی کے کانسٹیٹیوشن کلب میں منعقد کیا تھا، جس میں آجہانی ڈاکٹر بی این پانڈے، حضرت مولاناؒ کے علاوہ ملک کی مختلف پارٹیوں کی اہم شخصیتوں نے شرکت کی تھی اور جو بہت کامیاب رہی تھی اپنے مقصد کو لے کر، اس کے بعد سے ہی مرحوم سے یہ تعلق پروان چڑھتا رہا، جب بھی ندوہ میں حاضری ہوئی بہت

بے تکلف ہوکر شفقت ومحبت اور تپاک سے ملتے تھے۔ان کی رحلت کی خبر سے مجھے بھی بے حد ملال ہے،ان کی خوش اخلاقی،تواضع اور انکساری کو میں کبھی بھلا نہیں پاؤں گا،آپ کے تمام کنبے پر ان کی موت سے غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے اور آپ سب کا ذاتی نقصان تو ہے ہی،لیکن اس سے بھی زیادہ ملک وملت کے لیے ایک ایسا خسارہ ہے جس کی بھرپائی شائد ہی ہوسکے،اوراسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ میں اپنے ایک مخلص خیرخواہ اور دعا گو کی دعاؤں سے محروم ہوگیا ہوں۔

ویسے بھی ۵۵ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے،اسی عمر میں انہوں نے اپنی علمی صلاحیت،خاکساری،انکساری،بردباری اور بلند اخلاق کی بنا پر اپنی ایک الگ پہچان بنالی تھی،اور ایک جلیل القدر عالم دین اور عالم باعمل انسان بن گیے تھے۔جس بلند فائق اور علمی خانوادہ سے ان کا تعلق تھا اسے نہ صرف برقرار رکھنے کی سعی کہ بلکہ اس میں چار چاند لگانے میں بہت بڑی خدمت انجام دی اور جس کی وجہ سے ندوہ کی تاریخ میں ایک اور نام کا اضافہ ہوگیا،انھوں نے ندوہ کی کئی اہم ذمہ داریاں سنبھال رکھیں تھیں اوران سے یہ توقع کی جارہی تھی کہ ان کی ذات ایک روشن ستارے کی شکل میں ندوہ کی سرزمین کو جگمگاتی رہے گی لیکن معلوم ہوا کہ مشیت کو کچھ اور ہی منظور تھا،ان کے جانے سے جو خلاء ملت اسلامیہ کے لیے پیدا ہوگیا ہے اس کا پر کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔

(ڈاکٹر) عبدالمنان
(دہلی اسٹیٹ کینسر انسٹی ٹیوٹ،دہلی)

جمعیہ علماء اتر پردیش کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ممتاز استاذ حدیث وتفسیر مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی،حسنی خاندان کی اہم شخصیت،پیام انسانیت کے جنرل سکریٹری ،الرائد کے مدیر اعلی کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتا ہے،مولانا کی وفات کو ملت اسلامیہ کے لیے ناقابل تلافی خلا تصور کرتا ہے ۔مولانا کی ہمہ جہات خدمات کا اعتراف کرتا ہے ۔مولانا مرحوم انتہائی سادہ،ملنسار،زہد وتقوی میں اعلی مقام رکھتے تھے،دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے،جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے،پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق کے ساتھ ملت اسلامیہ ودار العلوم ندوۃ العلماء کو نعم البدل عطا فرمائے۔جمعیہ علماء اتر پردیش اس سانحۂ عظمیٰ پر آنجناب کی خدمت میں تعزیت پیش کرتی ہے۔

(جناب) اشہد رشیدی
(صدر جمعیت علماء اتر پردیش)

DECLARATION OF OWNERSHIP AND OTHER DETAILS

FORM 4 RULE 8

Name of Paper: Payam-e-Arafat **Place of Publication: Raebareli**

Periodicity of Publication: Monthly **Cheif Editor: Bilal Abdul Hai Hasani**

Address: Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi

Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001

Printer/Publisher: Mohammad Hasan Nadwi

Address: Maidanpur, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001

Ownership: Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi

I, Mohammad Hasan Nadwi, printer/publisher declare that the above information is correct to the best of my knowledge and belief. (March 2013)

افادات

حضرت مولانا عبیداللہ حسنی ندویؒ

جناب عبداللہ پرتا پگڑھی

(۱) فرمایا: محبت دو طرح کی ہوتی ہے: ایک وہ جو آسمان سے آتی ہے، اور یہی اصل ہے، جیسے بارش اوپر سے نازل ہوتی ہے، اور زمین اس کو جذب کر لیتی ہے، اور پھر اچھے سے اچھا سبز شاداب غلہ، پھل، پھول اُگاتی ہے، اور لوگ اُس سے مستفید ہوتے ہیں۔ دوسری محبت سیلاب کی طرح ہوتی ہے، جیسے سیلاب آتا ہے، پوری پوری ہری بھری بستیوں کو صاف کر دیتا ہے، پھر آخر میں کیچڑ ہی بچارہ جاتا ہے، جیسے یہ کرکٹ والے اور فلمی دنیا کے لوگ جو دیکھنے میں بڑے اچھے لگتے ہیں، اور بعد میں پیٹھ پیچھے روتے ہیں، جو ان کی اتباع کرتا ہے وہ بھی روتا ہے، اور پھر وہی لوگ ان کو برا بھلا بھی کہتے ہیں۔

(۲) ایک مرتبہ خاص موقع پر فرمایا: جس طرح سے لوہا زمین کے اندر ہوتا ہے، حالانکہ وہ زمین میں پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کے ذرات اوپر سے اترتے ہیں، جیسا کہ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے: وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ کہ ہم نے لوہے کو اُتارا ہے، اور لوہا زمین میں جذب ہو جاتا ہے، اور ہم اسے اپنی تھوڑی سی محنت سے کھود کر نکال لیتے ہیں، ٹھیک اسی طرح اس وقت محسوس ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ہدایت لوگوں کے دلوں میں اتر چکی ہے، بس ہمیں ذرا سی محنت کی ضرورت ہے، اور الحمدللہ اس کے نتائج بھی سامنے ہیں۔

(۳) ایک صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا: جو اللہ کے لیے کام کرتے ہیں، وہ کبھی نہیں تھکتے، اور اس سے بھی نہیں گھبراتے کہ نتائج آرہے ہیں یا نہیں، کام ہمارے ذمہ ہے، نتائج نہیں، نیت کو درست کر کے اخلاص کے ساتھ اللہ کے لیے آدمی کام کرے تو ان شاء اللہ کبھی تھکے گا نہیں، اور اللہ کے یہاں قابل قبول بھی ہوگا۔

ہمارے حضرت مولانا علی میاں فرمایا کرتے تھے کہ آج لوگ بدنیت نہیں ہیں، بلکہ بے نیت ہیں، آج کل لوگ بڑے اچھے اچھے کام کر ڈالتے ہیں، لیکن ہم اگر اپنا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ کوئی نیت ہی نہ تھی۔

(۴) ہمارے حضرت مولانا علی میاں فرماتے تھے: مخلص کا سفینہ ڈوبتے ڈوبتے بھی پار لگ جاتا ہے، اور غیر مخلص کا سفینہ پار لگتے لگتے بھی ڈوب جاتا ہے۔

(۵) مجلس میں کتاب پڑھی جارہی تھی، اس میں لکھا تھا کہ تین کتابیں الہیلی ہیں: (۱) قرآن کریم (۲) بخاری شریف (۳) مثنوی مولانا روم

یہ تینوں ایک ہی صف میں لکھی تھیں، مجلس میں بیٹھے لوگ آپس میں ایک دوسرے کا منھ دیکھنے لگے، تو حضرت والا نے فرمایا: تین کتابیں الہیلی اس اعتبار سے ہیں کہ آسمانی کتابوں میں قرآن کریم الہیلی کتاب ہے، انبیاء کے ارشادات میں بخاری شریف الہیلی ہے، اور بزرگوں کے ملفوظات میں مثنوی مولانا روم الہیلی کتاب ہے۔

پھر فرمایا: تینوں کو ایک صف میں لکھنا ادب کے خلاف ہے۔

تشریح سن کر لوگ مطمئن ہو گئے۔

(۶) حضرات والاٹرین سے فکر رہے تھے، کچھ غیر مسلم حضرات آپس میں تبصرہ کر رہے تھے کہ اسلام میں عورتوں کے حقوق نہیں ہیں، حضرت والا سنتے رہے، اور جب وہ حضرات چپ ہو گئے تو مسکراتے ہوئے فرمایا کہ اسلام میں عورتوں کے جو حقوق ہیں اگر آپ کی عورتوں کو معلوم ہو جائے تو ساری عورتیں ہمارے یہاں آجائیں گی، تو پھر آپ کا کیا ہوگا، اور پھر کچھ حقوق پر بات چیت کی۔

(۷) حضرت مولانا نے فرمایا: قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے دودھ کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہم نے دودھ کو جو اتنی آسانی سے حلق میں اتر جانے والا ہے، اس کو گوبر اور خون کے درمیان سے

نکالا ہے، اسی طرح سے فرمایا کہ انسان کو تمام مسائل اور پریشانیوں سے گھرے ہونے کے باوجود اس میں سے راستہ نکالنا چاہیے، مسائل اور پریشانیوں کے بیچ ہی سے راستہ نکلتا ہے، کبھی بھی گھبراہٹ میں کام نہیں چھوڑنا چاہیے۔

(۸) ایک مرتبہ حضرت والا نے علم کے متعلق فرمایا: علم کی دعا ہے: رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا، یعنی اے ہمارے رب ہمارے علم میں اضافہ فرما، اور دودھ پینے کے بعد کی دعا ہے: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ، یعنی اے ہمارے رب اس میں برکت عطا فرما، اور اضافہ فرما، انہی دونوں میں اضافہ اور زیادتی کی دعا کی گئی ہے، اور مجھے تو یاد نہیں آتا کہ کسی اور چیز کے متعلق زیادتی کی دعا کی گئی ہے، کیوں کہ علم اور دودھ کا بڑا گہرا تعلق ہے، جیسے جیسے برتن میں دودھ لیا جاتا ہے، وہ برتن الگ ہوتا ہے، اگر گوشت کے برتن میں آپ دودھ لے لیں گے تو دودھ پھٹ جائے گا، یا جس برتن میں آپ دودھ لے رہے ہیں اگر وہ برتن پیلا ہے تو دودھ پیلا نظر آئے گا، لال ہے تو لال نظر آئے گا، یعنی جس برتن میں دودھ لیا جائے گا، وہ اسی طرح سے ہو جائے گا، دودھ ویسا ہی نظر آئے گا جیسے برتن، اس میں دودھ کی کمی نہیں ہے بلکہ برتن کی کمی ہے، اسی طرح سے علم دین حاصل کرنے والے کو تمام ظاہری و باطنی موانع سے بچتے ہوئے دینی علم حاصل کرنا چاہیے، پہلے اپنے برتن کو خوب مانجھ لے، یعنی نیت درست کرلے، اللہ کی رضا کے لیے علم حاصل کرے۔

(۹) حضرت والا نے فرمایا: دعوت کے کام کے لیے ضروری ہے دل کو جیتنا، اور دل کو مطمئن کرنا، اچھے اخلاق سے پیش آنا، نہ کہ دماغ کو مطمئن کرنا، اگر آپ دل کو مطمئن کرلیں گے تو وہ خود آپ کا ہو جائے گا، اور اگر اس کے دماغ کو مطمئن کرنے کے چکر میں پڑے تو سوالات و جوابات کا انبار لگ جائے گا، اور پھر بعد میں دو چیزیں پیش آئیں گی، اگر وہ جیت گیا تو آپ نہیں ہاریں گے، اسلام ہارے گا، اور اگر وہ ہارا تو آپ سے کترانے لگے گا اور ملے گا نہیں اور کٹ جائے گا، اس لیے دل کے دروازہ سے اندر داخل ہو جائیے، اور پھر دماغ کے تمام دروازوں اور کھڑکیوں کو کھول سکتے ہیں۔

(۱۰) انبیاء کی صحبت کے لیے صرف ایمان شرط ہے، اور اولیاء کی صحبت کے لیے اخلاص شرط ہے۔

(۱۱) ایک صاحب نے سوال کیا: میں بار بار توبہ کرتا ہوں، پھر بھی گناہ کر بیٹھتا ہوں، میں کیا کروں پڑھانے کا بھی جی نہیں چاہتا، حضرت والا نے فرمایا: شیطان کتنا چالاک ہے، پہلے تو گناہ کبیرہ کرواتا ہے، پھر بعد میں مایوس کر کے کفر تک پہنچا دیتا ہے، مایوسی کفر ہے، دیکھیے جیسے پورے بمبئی شہر اور اس کے اطراف بڑی بڑی فیکٹریوں کا کچرا سمندر کے کنارے ایک جگہ آ کر جمع ہو جاتا ہے، لیکن سمندر کی ایک لہر پورے کچرے کو اس طرح صاف کر دیتی ہے گویا کہ وہاں کچھ تھا ہی نہیں، تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہے، آپ مایوس نہ ہوں، بار بار توبہ کریں، کسی اللہ والے سے تعلق قائم کریں، اور اپنا حال دل بھی بتاتے رہیں۔

پھر فرمایا: اللہ والے یا شیخ ڈاکٹر کے مانند ہوتے ہیں، وہ باطنی امراض کا علاج کرتے ہیں، تو اگر مریض معالج کو اپنا حال نہ بتائے تو علاج کیسے ہوگا، پورا حال کہتے رہیں اور مایوس نہ ہوں۔

(۱۲) حضرت والا نے صحابہ کرام کے درمیان آپسی مقابلوں کے بارے میں فرمایا: جیسے ایک محلّہ میں دو بچے پڑوس کے آپس میں لڑ گئے ایک نے دوسرے کو گھمّا اٹھا کر مار دیا، اور اس کا سر پھوٹ گیا، تو دونوں بچوں کے گھر والے اپنے اپنے گھر سے نکل آئے اور لڑائی جھگڑا کر کیا اور جیل چلے گئے، اور دوسرے دن لوگوں نے دیکھا کہ وہ دونوں بچے جو آپس میں لڑے تھے، دوسرے تیسرے دن ہی پھر آپس میں کھیلنے لگے، ان کے چکر میں گھر والے تو جیل چلے گئے، لیکن بچے پھر آپس میں پھر گھل مل گئے، چونکہ بچے معصوم ہوتے ہیں۔

اسی طرح سے صحابہ کرام کی جنگ معصومانہ جنگ تھی، اب ان کے بعد جو اس مسئلہ میں تکرار کریں گے تو یہ ڈر ہے کہ ایمان سے خارج نہ ہو جائیں، اس کے لیے ہمارے سلف کا کمیشن بیٹھ چکا ہے، ان کی عدالت میں مقدمہ دائر ہو چکا ہے، اور وہ اس کا فیصلہ بھی سنا چکے ہیں۔

(۱۳) حضرات والا نے فرمایا: ایک دفعہ ایک بادشاہ نے اعلان کیا کہ جو شخص جس چیز پر ہاتھ رکھ دے، وہ اس کی ہے، سارے وزراء اور وہاں حاضر سبھی حضرات نے جس نے بھی بات

سنی، کسی نے ہیرے جواہرات پر کسی نے اور کسی قیمتی چیز پر ہاتھ رکھا، آخر میں بادشاہ نے دیکھا کہ اس کی ایک باندی کونے میں چاپ چاپ کھڑی ہے، تو بادشاہ نے اس سے سوال کیا کہ تم بھی کچھ لے لو، تم کیوں چپ کھڑی ہو؟ باندی نے کہا: سوچ لیجیے، بادشاہ نے کہا: اجازت ہے، باندی گئی اور بادشاہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا، بادشاہ نے پوچھا: تمہیں ہیرے جواہرات اور بیش قیمت چیزوں میں دلچسپی نہیں ہے، مجھے ہی کیوں چنا، اس نے کہا: یہ ساری چیزیں ایک دن ختم ہوجائیں گی، لیکن جب آپ میرے ہیں تو یہ ساری چیزیں ملتی ہی رہیں گی، حضرات ولا نے فرمایا: ٹھیک اسی طرح اللہ کی رضا کا سوال کرتے رہنا چاہیے، وہ ہمارا سب کچھ ہمارا، دنیا بھی ہماری، آخرت بھی ہماری، وہ حی وقیوم ہے۔

(۱۴) حضرت والا نے فرمایا: کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اتنا بھاری ہے کہ ترازو کے ایک پلڑے میں کلمہ طیبہ رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں دنیا اور آسمان اور جو کچھ اس کے درمیان ہے دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو کلمہ طیبہ والا وزن سے جھک جائے گا، لیکن ہم لوگوں نے سمجھا ہی نہیں، اس کی ایک مثال دیتا ہوں، جیسے لفٹ ہوتی ہے، آپ لفٹ میں بیٹھ گئے، اور جس منزل پر آپ جانا چاہیں، بٹن دبادیں، بس آپ پلک جھپکتے ہی سو منزل، ایک سو دس، ایک سو بیس منزلہ طے کرلیتے ہیں، اسی طرح سے اخلاص کے ساتھ معنی کو سمجھ کر محبت کے ساتھ لا الہ الا اللہ کا ذکر کیجیے، آپ کے کتنے درجے طے ہوتے ہیں۔

(۱۵) عقیدت ومحبت کے متعلق فرمایا: عقیدت ختم ہوجاتی ہے، محبت اگر سچی ہے تو ختم نہیں ہوتی، کسی کے چمتکار کو دیکھ کر آدمی معتقد ہوجاتا ہے، اس سے اعلی چمتکار کسی اور نے دکھادیا تو وہ اس کا معتقد ہوجائے گا، لیکن محبت کا معاملہ کچھ اور ہوتا ہے۔

(۱۶) ایک صاحب نے سوال کیا: ذکر کا فائدہ محسوس نہیں ہوتا، آپ نے فرمایا: آپ کھانا کھاتے ہیں، کیا کبھی یہ محسوس ہوا کہ کھانے سے یہاں گوشت بن گیا، یہاں اُبھر آیا، یہاں پھول گیا، اور اگر کھانا چھوڑ دیں تو اس کا احساس ہوجائے گا، آپ کھانا کھاتے ہیں وہ اندر جاکر اپنا کام شروع کردیتا ہے، یعنی خون بنتا ہے، اور جو بے کار چیزیں ہیں، وہ باہر نکل جاتی ہیں، اور نئے خون بننے کی وجہ سے ہی انسان زندہ ہے، ایسے ہی ذاکر آدمی کی روح زندہ ہوتی ہے، ذکر روح کی غذا ہے، انسان بری چیزوں سے بچتا ہے۔

(۱۷) ایک صاحب نے سوال کیا کہ ماں باپ کی غلطی بچوں کو کیوں بھگتنی پڑتی ہے؟ حضرت والا نے فرمایا: کمہار ہے، گھڑے بناتا ہے، اگر اس کے ہاتھ میں سیاہی ہے اور بھول سے گھڑے پر گر جائے تو گھڑا تو کالا ہو ہی جائے گا، اس میں گھڑے کی غلطی تو نہیں ہے، لیکن کالا تو ہوگیا، اسی طرح ماں باپ کی غلطیوں کا بھگتان اولاد کو بھگتنا پڑتا ہے۔

(۱۸) داعی کو کسی سے متاثر نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اپنے اچھے اخلاق کے ذریعہ دوسروں کا متاثر کرے۔

(۱۹) حضرت والا نے ہندوستان کے مسلمانوں کی ایمانی حمیت کے بارے میں فرمایا کہ جیسے جذام کا مریض ہوتا ہے، جس جگہ جذام ہوتا ہے وہاں پر آپ ٹھنڈی سے ٹھنڈی اور گرم سے گرم چیز رکھیے، دونوں کا اثر نہیں ہوتا، اسی طرح جس کے اندر دین کی حمیت ختم ہوگئی ہے، ان کے سامنے کچھ بھی کہو، کوئی پرواہ ہی نہیں، شریعت کے خلاف کہا جائے، عقیدہ کے خلاف بات ہو، ان کے سر پر جوں ہی نہیں رینگتی، ایسے ہی لوگ دینی اعتبار سے جذام کے مریض ہوچکے ہیں، ان کے ایمان کا دیوالیہ نکل چکا ہے۔

(۲۰) ایک موقع سے فرمایا: اپنے برادران وطن کو اور ان کے مندروں کو دیکھ کر مجھے بڑی بے چینی ہوتی ہے، تڑپ تڑپ کر رہ جاتا ہوں اور ہمیشہ ان کو دیکھ کر بار بار یہ دعا پڑتا ہوں: اللھم اھدھم واھد بھم ..... إلخ تم لوگوں کو میری بے چینی کا کیا اندازہ، تم لوگ تو بے حس ہوچکے ہو، جیسے کانپور کے نزدیک جاجمئو ایک جگہ ہے، جہاں چمڑے کے کارخانے ہیں، اس راستے سے گزرنے میں اتنی تیز بدبو آتی ہے کہ آدمی بے چین ہوجائے اور برداشت نہ کرسکے، لیکن وہاں کے رہنے والے اس میں کام کرنے والے کو کوئی فرق نہیں پڑتا، اس کی کیا وجہ ہے؟ چونکہ وہ وہاں رہتے رہتے اس کے عادی ہوگئے ہیں، اسی طرح سے ہمارے ہندوستان کے مسلمان چاروں طرف شرک کو دیکھ دیکھ کر شرکیہ ماحول کے عادی ہوگئے ہیں،

ان کو ایک پل کے لیے بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ خدا کی کھلی ہوئی نافرمانیاں ہورہی ہیں، اوران کا دل بھی بے چین نہیں ہوتا۔

ایک دفعہ مغربی تہذیب کو مخاطب کرکے فرمایا: وہاں کے لوگ پانچ دن تو مشین ہیں، دن بھر کام کرتے ہیں، دودن سانڈ ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے کلچر کے چاروں پہیے بھرسٹ ہوچکے ہیں۔

(۲۲) ایک دفعہ شرک کے متعلق سخت الفاظ خاص کیفیت کے ساتھ فرمائے کہ شرک پیشاب اور پاخانہ کی طرح ہے، جس طرح سے ایک کلو دودھ میں پچاس گرام پیشاب یا پاخانہ ڈال دیں تب بھی دودھ گیا، آدھا کلو ڈالیں تب بھی دودھ گیا، اور اس کی بدبو چاروں طرف پھیل جائے گی، قران شریف میں فرمایا گیا کہ اللہ کے ساتھ اتنا بھی شرک نہ کرو، شَیْئًا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، یعنی اتنا بھی شرک نہ کرو، بعض لوگ اپنے سیاسی یا دنیوی مفاد کے لیے یہ چیزیں کر بیٹھتے ہیں، کہ یہ شرک کہاں ہے، یہ تو ذرا سا ہم نے اس لیے کرایا۔

(۲۳) فرمایا: اس امت کو امت حمادہ بھی کہا جاتا ہے، اس لیے امت کے افراد کو حمد کی کثرت رکھنی چاہیے۔

(۲۴) اخلاص کے معنی بتاتے ہوئے فرمایا: اخلاص یعنی خالص، یعنی بغیر ملاوٹ کے دین، عبادات میں ریا کی ملاوٹ نہ ہو، تعلقات میں خودغرضی کی ملاوٹ نہ ہو، اور زندگی کے جتنے مشہور شعبے ہیں، ان میں کسی چیز کی ملاوٹ نہ ہو، خالص رضائے خداوند قدوس کے لیے عمل کیا جائے، اور کوئی دوسری غرض اس میں شامل نہ ہو، صحابۂ کرام دنیا کو دین بنا کر کام کرتے تھے، اور آج ہمارا حال یہ ہے کہ دین کا کام بھی دنیا کے لیے کررہے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جو تابعین میں ہیں، فرمایا تھا: صحابہ اور ہم میں ایک بڑا فرق یہ ہے اگر صحابہ ہمیں دیکھتے تو کہتے تم منافق ہو، اور اگر ہم صحابہ کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ پاگل ہیں، دیوانے ہیں، یہ کب کی بات ہے، اور آج کل تو حالات بد سے بد ترین ہوتے جارہے ہیں۔

(۲۵) ایک کانفرنس میں صحافی نے پوچھا تھا کہ ہماری کامیابی کا راز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کہ ہماری کامیابی اس میں ہے کہ ہم پیچھے ہوتے چلے جائیں، یہاں تک کہ اتنے پیچھے جائیں کہ صحابہ کرام سے جاملیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ماڈرن ٹکنالوجی اور سائنس سے فائدہ نہ اٹھائیں، بلکہ ساری یہ سائنس اور جدید تحقیقات مسلمانوں کی ایجاد کردہ ہیں، لیکن ہم خود اسے بھول گئے۔

(۲۶) فرمایا: ہر حکمت والی چیز مومن کا گمشدہ مال ہے، اس لیے کہ فرمایا گیا ہے: الحکمۃ ضالۃ المؤمن، لیکن ہمیں ان کے کلچر کو ان کی تہذیب کو نہیں لینا ہے، ان کی ٹکنالوجی، سائنس علم سے فائدہ اٹھانا ہے۔ ہم ہندوستان میں رہیں گے ایک ایک فرض اور سنت اور نوافل کی ادائیگی کے ساتھ، ہم اخلاق میں، کردار میں، اور تمام چیزوں میں معاشرہ سے متعلق تمام چیزوں میں جب صحابہ کرام سے جاکر مل جائیں گے تو اسی میں کامیابی کے راز پنہاں ہیں۔

(۲۷) ایک دفعہ ایک جگہ دعوت تھی، دسترخوان لگا ہوا تھا، سب ہاتھ دھوکر دسترخوان پر بیٹھ گئے، اس وقت دسترخوان پر پلیٹ کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا، ہم لوگوں کا بیٹھنا تھا کہ ایک صاحب نے جو بغل میں تھے، ایک چھوٹی سے کھڑکی کھول کر کہا کہ بھیج دو، اسی وقت کھڑکی سے کھانا آنا شروع ہوگیا، کھانا کھا کے جب آپ بیٹھے تو فرمایا: یہی حال ہوتا ہے اللہ والوں کا جن پر اللہ کی معرفت کی کھڑکیاں کھل چکی ہیں، ان کو یہ یقین ہوتا ہے وہاں سب کچھ تیار ہے، بس مانگنے کی ضرورت ہے، اور مانگتے ہی ملنا شروع ہوجاتا ہے، تاریخ اس کی گواہ ہے، ہمارے حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے نہ جانے کتنے ایسے واقعات ہیں، حضرت سید صاحب فرماتے تھے کہ عرب کا صحرا ہو اور پوری دنیا کے لوگ میرے ساتھ ہوں تو مجھے ایک پل کے لیے بھی یہ خیال نہ ہوگا کہ ان کو کہاں سے کھلاؤں، یہ کیا چیز تھی؟ یہ ان کی معرفت کی ان کے ایمان کی بات تھی، اور پھر حضرت سید صاحب کے کئی واقعات سنائے۔

(۲۸) ایک دفعہ فرمایا: جیسے کوئی شخص اکیلے بیٹھا ہو کسی اہم فکر میں، اور کوئی پیچھے سے آکر دھیرے سے ایک جھانپڑ لگادے تو اس وقت کیا کیفیت ہوگی، وہ تلملا اٹھے گا کہ عنقریب اسے ماردے، لیکن اس نے پیچھے مڑکر دیکھا کہ اس کا محبوب جس سے اسے بہت محبت ہے، تو اس کا کیا حال ہوگا؟ شرم کے مارے پانی پانی ہوجائے گا، بلکہ چاہے گا کہ ایک دو اور اسے لگائے، اور اس کا سارا غصہ خوشی میں تبدیل ہوجائے گا، اسی طرح سے جب اللہ والوں پر پریشانی آتی ہے یا بیماری آتی ہے تو ان کی نگاہ اللہ پر ہوتی ہے، اور وہ مطمئن ہوتے

ہیں، اور صبر کے ذریعہ اپنے مقامات کو بلند کرتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ ایمان والوں کی چت بھی ان کی پٹ بھی، جب اللہ کی طرف سے انعامات کی بارشیں ہوتی ہیں تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، اور جب بیماری یا مشکلات آتی ہیں تو یہ سوچ کر کہ یہ میرے محبوب کی طرف سے ہیں اس پر صبر کرتے ہیں، اس طرح صبر و شکر سے وہ اپنے درجات کو بلند کرتے ہیں، اور اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔

(۲۹) فرمایا: جب بچہ پینٹی میں پیشاب یا پاخانہ کر دیتا ہے تو ماں دھلاتی اور صفائی کرتی ہے، اس وقت بچہ کو تکلیف ہوتی ہے، بچہ چلاتا اور روتا ہے، لیکن ماں چھوڑتی نہیں جب تک کہ پاک صاف نہ کر دے، پاک صاف کرنے کے بعد اس کو پیار کرتی ہے، ٹھیک اسی طرح سے اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں سے ماں سے زیادہ محبت کرنے والا ہے، وہ بیماریوں اور آزمائشوں کے ذریعہ بندوں کو پاک صاف کرتا ہے، اور ان کے درجات کو بلند کرتا ہے، اور پھر اپنے پاس بلاتا ہے۔

(۳۰) فرمایا: بے ادبی بہت بری بلا ہے، کبھی کسی اللہ والے کی بے ادبی نہ کرنا، بے ادبی سے توفیق سلب ہو جاتی ہے، بعض دفعہ ایمان کے لالے پڑ جاتے ہیں، یہ جو فرقے پیدا ہوئے ہیں یا راہ سے ہٹی ہوئی جماعتیں ہیں، ان کے ہاتھوں سے کہیں نہ کہیں آپ مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ کسی اللہ والے کی شان میں گستاخی یا تحقیر کی کوئی بات معلوم ہوئی جس کی وجہ سے وہ راستے سے ہٹے، اور توبہ کی توفیق نہ ہوئی، خود پہلے اور پھر دوسروں کو بھی لے ڈوبے۔

(۳۱) فرمایا: صحبت ضروری ہے، جو اہل اللہ کی صحبت اختیار نہیں کرتے چاہے وہ بڑے لوگ ہوں، شیطان ان کو اوپر لے جا کر چھوڑ دیتا ہے، وہ اپنے کو بہت کچھ سمجھنے لگتے ہیں، اور اوپر سے نیچے گرتے ہیں، چھوٹے اور بڑے لوگوں میں یہی فرق ہے، کہ جہاز پرواز کر رہا ہو اس سے جو گرے گا وہ چور چور ہو جائے گا، اور سائیکل سے جو گرے گا اس کا حال ویسا نہیں ہوگا، کچھ ٹوٹے پھوٹے گا۔

(۳۲) بطن کا باطن سے بڑا تعلق ہوتا ہے، پیٹ میں اگر حرام لقمہ جائے گا تو دل بری عادتوں کی طرف مائل ہوگا، اگر لقمہ حلال جائے گا تو باطن اچھا ہوگا، باطن کو اچھا کرنے کے لیے حرام اور حلال کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔

داعی کے لیے ضروری باتیں

چند باتیں ایسی ہیں جن کی طرف خاص توجہ ضروری ہے، جس کے بغیر آپ کوئی نمایاں کام نہیں کر سکتے، پہلی چیز یہ ہے کہ **استحضار نیت** ہو، ہم کو جو کام بھی کرنا ہے اللہ کے لیے کرنا ہے، بس یہیں آپ کے سارے مسائل حل ہو جائیں گے، دو ثلث مسئلے آپ کے استحضار نیت سے حل ہو جائیں گے، کیونکہ آدمی بات کرتا ہے تو غصہ آتا ہے، اگر اللہ کے لیے کرے گا تو غصہ نہیں آئے گا اور اگر غصہ آئے گا بھی تو وقت پر آئے گا اور ضرورت کے تحت آئے گا، پھر فوراً ٹھنڈا ہو جائے گا، جیسے سچا آدمی ہوتا ہے وہ یہ دیکھتا ہے کہ ہم کو راستہ مل جائے، وہ یہ نہیں دیکھتا کہ ہم کامیاب ہوئے یا ناکام ہوئے۔

دوسری چیز جس کا اہتمام ضروری ہے **اکل حلال** ہے، اکل حلال بہت اثر ڈالتا ہے، کیوں کہ اکل حرام سے زبان خراب ہو جاتی ہے، دل خراب ہو جاتا ہے، دعوت کے کام میں اکل حلال بہت ضروری ہے اور اس میں آپ اپنے آپ کو جتنا تیار کر سکیں، کریں اور کوتاہی نہ کریں، اور ابھی سے آپ اس کی تیاری کریں، ابھی سے کوئی حرام لقمہ آپ کے اندر نہ جائے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ کام کی تشہیر اور پروپیگنڈہ نہ کریں بلکہ **اخفاء** سے کام لیں، اس کام کو خفیہ رکھا جائے، بہت زیادہ چرچہ نہ کریں اور لوگوں سے زیادہ نہ بتائیں، اس سے لوگوں میں حسد پیدا ہوتا ہے، کچھ لوگ شہرت چاہتے ہیں، کیا تو کچھ بھی نہیں اور صاحب اپنی شہرت میں کام بند کرا ڈالیں گے، شہرت خوب کر دی لاکھ ہو گئے، دس لاکھ ہو گئے اور ہوا کچھ بھی نہیں۔

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندویؒ

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

VOLUME 05

March-May 2013

ISSUE 03-05

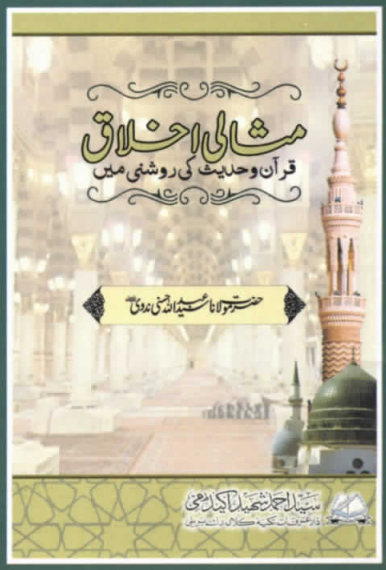

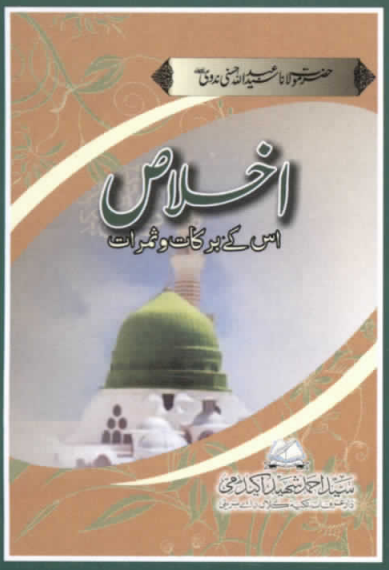

Designed by Mohammad Makky Hasani Nadvi

www.abulhasanalinadwi.org

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9918385097, 9918818558
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)